سلسلۂ انجمن ترقی اردو نمبر ۲۴

مشاہیر یونان و روما

یعنی

حکیم پلوٹارک یونانی کی شہرۂ آفاق کتاب

پے رے لل لایوز **Parallel Lives** یا سیر متوازی کا اردو ترجمہ

مترجمہ

سیّد ہاشمی فرید آبادی

جلد دوم

باہتمام محمد مقتدیٰ خاں شروانی

مطبع انسٹی ٹیوٹ علی گڈھ کالج میں طبع ہو کر ۱۳۳۷ھ ۱۹۱۹ع

بار اوّل (صدر دفتر انجمن ترقی اردو اورنگ آباد دکن سے شائع ہوئی) ۱۰۰۰ جلد

فہرست مضامین

مشاہیر یونان و رومہ جلد دوم

گزارش

پلوٹارک بیوشیہ (علاقۂ یونان) کے مقام شیرونیہ کا متوطن تھا۔ سنہ ۴۶ء میں پیدا ہوا اور سنہ ۱۲۰ء میں وفات پائی۔ مدینۃ الحکما ایتھنز میں فلسفہ کی تعلیم کی تکمیل کی۔ اس کی ساری عمر تعلیم و تعلّم اور سیاحت میں بسر ہوئی اور گو مختلف مباحث پر اس کی بہت سی کتابیں ہیں، لیکن سب سے مشہور وہ کتاب ہے جس کا نام انگریزی زبان میں پے رے لل لائوز Parallel Lives ہے اور جس کا ترجمہ اردو میں سِیَر متوازی کیا گیا ہے۔ یہ کتاب اصل یونانی زبان سے تقریباً تمام زندہ زبانوں میں منتقل ہو چکی ہے اور اس کا شمار بجا طور پر ان ادبیات میں ہوتا ہے جو یورپ کو ازمنۂ مظلمہ کی تاریکی سے نکالنے کا باعث ہوئیں ہر زبان میں لاکھوں کی تعداد میں چھپ چکی ہے اور ان ممالک کا کوئی خواندہ شخص بمشکل ایسا نکلے گا جس نے اس کو پڑھا یا سُنا نہ ہو۔

اس کتاب کی اس درجہ کامیابی کے میری رائے میں دو سبب ہیں۔ اوّل تو یہ کہ (جیسا کہ خود پلوٹارک نے بعض مواقع پر تصریح کی ہے) اس کی تمام تر توجہ رجال کے عادات و اطوار دکھانے پر صرف ہوتی ہے۔ اور دوسرے یہ کہ اس کا بیان ایسا مؤثر و دل نشین ہوتا ہے کہ آنکھوں اور کانوں کے راستہ سے سیدھا دل میں اُترتا چلا جاتا ہے۔

پس جس طرح مذکورہ بالا منقول فیہ زبانوں پر اُن کے مترجمین کا احسان رہیگا اسی طرح زبان اُردو سید ہاشمی فریدآبادی کے بارِ منت سے کبھی سبکدوش نہو سکے گی جنھوں نے نہ صرف ایک ایسی نادر کتاب کا اُردو زبان میں ترجمہ کیا بلکہ کثرت سے اس پر مفید حواشی و معلومات کا اضافہ فرمایا۔ پلوٹارک نے اپنی کتاب آخر عمر میں لکھی تھی جب کہ وسعت معلومات کے ساتھ انسانی اخلاق و خصائل اور رفتارِ زمانہ کے متعلق اس کا تجربہ پختہ ہو گیا تھا اور جبکہ

کہنہ مشقی اور علی الخصوص حقایق اشیا کے مطالعہ نے اداے مفہوم پر اُسے پورے طور سے قادر کر دیا تھا۔ چنانچہ پلوٹارک ایک جگہہ خود کہتا ہے کہ "میں نے لفظوں کے علم سے اشیار کی حقیقت کو نہیں سمجھا بلکہ خود اشیار کا تجربہ ہونے کی وجہ سے مجھ میں لفظوں کے معانی سمجھنے کی قوت پیدا ہوئی"۔ پس اس سے اندازہ کرنا چاہیے سید ہاشمی صاحب کی مشکلات کا جو ماشاء اللہ ابھی جوان ہیں اور مساکر کے پلوٹارک کی صرف آدھی عمر کو پہونچے ہونگے۔ پھر یہ کہ پلوٹارک کی تصنیف ایک ایسی زبان میں ہوئی جو ترقی کے تمام مدارج طے کر چکی تھی۔ مگر سید ہاشمی صاحب قابل مبارکباد ہیں کہ اونھوں نے ان جملہ دقتوں پر اس درجہ عبور حاصل کیا کہ مبصرین کی نگاہ میں اُن کا "یہ اردو ترجمہ بلحاظ بیان، سلاست، اظہار مطالب انگریزی ترجمہ پر فوق رکھتا ہے" اور اب اُن کی اعلیٰ قابلیت و جانکاہی کی حقیقی داد اور انجمن ترقی اُردو کی حوصلہ مندی کی اصل قدردانی یہ ہے کہ اُردو داں پبلک ان کتابوں کو شوق سے لے اور غور سے پڑھے۔ اِسکے بعد یہ امید تو گو موہوم ہوگی کہ اس سلسلہ کے مطالعہ سے ہم میں اُن ۶۴ جیسے افراد پیدا ہو جائیں گے جن کو پلوٹارک جیسے سیرت نگار پا لینے کی خوش نصیبی حاصل ہوئی، تاہم اگر ہزار میں سے دس پانچ اور دو چار بھی ایسے نکل آئیں جو ان صاحبان سیرت کی عظمت کا راز معلوم کر سکیں تو سید ہاشمی صاحب کو مطمئن رہنا چاہیے کہ اُن کی محنت ٹھکانے لگے۔ ولعل اللہ یحدث بعد ذالک امرا

محمد مقتدیٰ خاں شروانی

مہتمم انسٹی ٹیوٹ پریس

علیگڈھ:
جنوری سنہ ۱۹۱۹ء



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَرِسٹ تدیز
یا
ارسطی دش

ارسٹ تدیز ابن لِسی ماجس قبیلۂ انطیاکیس سے ہی اور قصبۂ الوپک میں پیدا ہوا اور وہیں کا باشندہ تھا۔ اُس کی حیثیت کے بارے میں اختلاف ہی۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ وہ عمر بھر نہایت مفلسی میں بسر اوقات کرتا رہا اور مرنے کے بعد بھی دو بیٹیاں ایسی شکستہ حال چھوڑ گیا تھا کہ افلاس کی وجہ سے مدتوں وہ بے بیاہی رہیں۔ لیکن ڈِمٹ ریس فلیری کا بیان اس روایتِ عام سے مختلف ہی اور وہ اپنی کتاب "سقراط" میں ذاتی علم کی بنا پر ارسٹ تدیز کو ایک بڑے قطعۂ زمین کا مالک بتاتا ہی جو موضع فلیرم میں اُسی کے نام سے موسوم تھا اور جہاں اُس کی قبر بھی۔ اس کے علاوہ ڈمٹ ریس نے اُس کی ثروت کے ثبوت میں عہدۂ آرکنی کو بھی پیش کیا ہی کہ اس مرتبہ پر صرف اُنھیں لوگوں کو قرعہ اندازی سے منتخب کیا جاتا تھا جو سب سے دولتمند اور اعلیٰ طبقے کے ہوتے تھے اور اس طبقے کا نام ایتھنز کی سرکاری اصطلاح میں پِنٹا کوسی او می ڈِمنی تھا؛ اور ارسٹ تدیز نہ صرف آرکنی منتخب ہوا بلکہ اُس کی جلاوطنی بھی فتوائے عام (اَس ٹرا سِزم) کی رو سے عمل میں آئی، حالانکہ یہ سزا ادنیٰ طبقے کے اشخاص کو کبھی نہ دی جاتی تھی اور اس کا نشانہ وہی بنتے

تھے جو امارتِ خاندانی اور سیاسی اقتدار رکھتے ہوں؛ تیسرا اور آخری ثبوت اُس کی دولتمندی کا ڈمٹ ریس یہ دیتا ہی کہ باکوس دیوتا کے مندر میں اَرِس تدیز نے کچھ تپائیاں اُس کامیابی کی یادگار میں نذر دی تھیں جو اسے ڈراموں کے مقابلہ میں حاصل ہوئی تھی - چنانچہ یہ ہمارے زمانے تک محفوظ ہیں اور اُن پر یہ کتبہ کندہ ہی "کامیابی انطیاکیس قبیلے نے پائی، مصارف اَرِس تدیز نے ادا کیئے، جو کھیل دکھایا گیا وہ ارکی ترا توس کی تصنیف تھا"

لیکن یہ آخری ثبوت جو سب سے قوی نظر آتا ہی سب سے کم دقیع ہی - اپامنن داس کو سب جانتے ہیں کہ نہایت مفلس و ناداراآدمی تھا، نیز حکیم افلاطون کا شمار بھی دولت مندوں میں نہیں ہوتا باایں ہمہ ان دونوں نے بڑی شان دار مجالس رقص و سرود منعقد کرائی تھیں - حالانکہ دراصل پہلے کے تمام مصارف پیلوپی داس نے برداشت کیے تھے اور دوسرے کے ڈی آن سیراکیوزی نے حقیقت یہ ہی کہ ایسے بزرگوں کو اپنے دوستوں کے تحفے یا نذرانے قبول کرنے میں کچھ عار نہیں ہوتا اور اگرچہ روپے کو ذاتی اغراض کے لیے یا طماعی سے جمع کرنا اُن کے نزدیک کمال فرومائیگی اور رذالت ہوتا ہم نفع کے لالچ بغیر محض ناموری یا شانِ تجمّل کا لطف اُٹھانے کے واسطے انھیں کوئی روپیہ دے تو وہ انکار نہیں کرتے - مزید برآں پانی ٹیس کے نزدیک یہ تپائیاں بھی اِس اَرِس تدیز کی نہ تھیں بلکہ ایرانی حملے سے پیلوپی سس کی جنگ کے خاتمہ تک دو اور شخص اسی نام کے گزرے ہیں جنھوں نے ڈراموں کا مقابلہ جیتا اور اپنے نام کی تپائیاں چھوڑیں ان میں پہلا ذینوفیلس کا بیٹا تھا اور دوسرا بہت بعد کا آدمی ہی کیونکہ اوّل تو اُس کے نام کا کتبہ اُس طرزِ تحریر میں کندہ ہی جو حکیم اقلیدس کے وقت سے رائج ہوئی دوسرے ارکی ترا توس ڈراما نویس کا نام جنگ ایران کے ہمعصر مصنّفوں کے ہاں کہیں نظر نہیں آتا البتہ جنگ پیلوپی سس کے وقت کی کتابیں اس کا ذکر کرتی ہیں اور اُسے ایک ڈراما نویس شاعر بتاتی ہیں - نظر بر این پانی ٹیس کا قول ہی کہ ڈمٹریس کو ناموں میں دھوکا ہوا - اور اگرچہ یہ بات کافی تحقیقات کیئے بغیر تسلیم نہیں کی جاسکتی - مگر اس میں شبہہ نہیں کہ ڈمٹ ریس کا فتویٰ جلاوطنی کو دلیلِ ثروت قرار دینا بھی صحیح

نہیں۔ ہر شخص جسے شہرت یا فصاحت یا اقتدار، عام سطح سے بلند کر دیتے اس سزا کا ہدف بن سکتا تھا چنانچہ فارقلیس کے اتالیق داموں کو محض اس بنا پر خارج کیا گیا کہ اُس کی عقل و فہم عوام الناس کو غیر معمولی معلوم ہوتی تھی!

اِس قول کی بھی (کہ ارِس تدیز بذریعہ قرعہ آرکن ہوا) اِڈومنیو تردید کرتا ہے اور لکھتا ہے کہ اُسے لوگوں نے اپنی مرضی سے منتخب کیا تھا۔ یہ ڈمٹرلس کو بھی تسلیم ہے کہ جنگِ پلاتیہ کے بعد ارِس تدیز کو آرکنی ملی تھی۔ اور اس لیے بالکل قرینِ قیاس ہے کہ اس کی شہرتِ عظیم اور یہ مہتم بالشان کامیابی دولتمندی سے افضل سمجھی گئی ہو اور اُسے وہ عہدہ دے دیا گیا ہو جس کے صرف اہلِ تموّل مستحق تھے لیکن معلوم ہوتا ہے ڈمٹرلس افلاس کو ایسا باعثِ ننگ تصور کرتا ہے کہ ارِس تدیز اک طرف خود سقراط کو اُس نے خوش حال ثابت کرنے کی کوشش کی ہے اور لکھا ہے کہ وہ نہ صرف ذاتی مکان رکھتا تھا بلکہ اُس نے کریتو کو ستر مینے[1] کی رقم بھی سود پر چلانے کے لیے دے رکھی تھی۔

ارِس تدیز اُس کلیس تھن کا دوست اور طرفدار تھا جس نے مطلق العنان جابروں کو نکالنے کے بعد حکومت کو منتظم کیا تھا۔ نیز اُسے اسپارٹی مقنن لکرگس کا نظامِ ملکداری بہت پسند تھا اور اُسی کی ریس میں وہ اصولاً حکومتِ اُمراء کا سب مدبّروں سے زیادہ حامی تھا۔ اُس کے مقابلے میں جمہور کی حمایت تھمس طاکلیس نے لی تھی اور وہی اُس کا سب سے بڑا سیاسی حریف تھا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اِن کی طبیعتوں کا فرق اوائل عمر میں ہی ظاہر ہو گیا تھا۔ بچپن سے وہ ایک ہی جگہ رہے سہے اور ایک ہی مکتب میں اُن کی تعلیم و تربیت ہوئی۔ مگر اُس وقت بھی قول و فعل اور کھیل کود میں وہ ایک دوسرے کی ضد اور حریف تھے۔ طاکلیس نہایت تیز، چالاک اور ہر بات میں دخیل تھا۔ ارِس تدیز بہت متین، پختہ مزاج، راست باز اور ایسا انصاف پسند کہ کھیل کود میں بھی جھوٹ فریب یا بدتمیزی اُسے گوارا نہ ہوتی تھی۔

ارسٹن باشندہ خیوس کہتا ہے کہ دشمنی کی ابتدا عشق کے ایک معاملہ سے ہوئی دونوں مہ جبیں

---

[1] ایک قدیمی یونانی سکہ ہے جو سو درہم یعنی تقریباً ہمارے باسٹھ روپے کے مساوی ہوتا تھا ۱۲

تیسی لوز ساکن شیوس کی محبت کا دم بھرتے تھے۔ عشق نے دونوں کو اندھا کر دیا تھا۔ رقابت پیدا ہوئی اور رقابت نے عداوت کا رنگ نکالا، اور پھر عداوت اتنی بڑھی کہ حد سے گزر گئی۔ مگر قرینہ یہ چاہتا تھا کہ جب وہ حسینہ جو دشمنی کی بنا تھی دنیا سے سدھار گئی تو دونوں خصومت کو بالائے طاق رکھ دیتے۔ لیکن معلوم ہوتا ہے عداوت ان کی سرشت میں اتنی پیوست ہو چکی تھی کہ تیسی لوز کے اُٹھتے ہی وہ ملکی امور کے پردہ میں غیض و غضب کی آگ برسانے اور مخالفت کے تیر چلانے لگے۔ اس جدّ و جہد میں تمس طاکلیس نے اپنی قوت ایک جتھے میں مل کے بہت بڑھالی تھی اور اس فرقے بندی میں اُسے اتنا غلو تھا کہ جب کسی نے اُس سے کہا کہ "اگر تم میں یہ طرفداری اور رعایتِ دوستی نہ ہوتی تو ایک اچھے حاکم ہوتے" تو اُس نے جواب دیا "کاش میں کبھی ایسی عدالت میں رکن بن کر نہ بیٹھوں جہاں میرے احباب کو اجانب سے زیادہ رعایت کی اُمید نہ ہو!" اس کے برعکس ارسس تدیز نے کسی جماعت یا گروہ کا سہارا نہیں لیا۔ اُسے ہرگز پسند نہ تھا کہ اپنے دوستوں کا جا و بیجا ساتھ دے اور اپنے گروہ کے اغراض پر شرافت و انصاف کو قربان کر دے۔ اس کی راہ سیاست سب سے الگ تھی اور صرف حق اور دیانت اس کی رہبر تھی۔ محتاط ہونے کے علاوہ اس کو بھی وہ اچھا نہ سمجھتا تھا کہ کسی خاص گروہ میں شریک ہو کر یا اُس کی زیادتیوں میں ممدّ ہو اور یا اپنے شرکا کی مخالفت اُسے کرنی پڑے۔ نظر بر ایں اُس کے نزدیک ایک شہری کا سب سے محفوظ طریق عمل یہی تھا کہ اپنے ہر قول و فعل میں صرف دیانت و ایمانداری سے کام رکھے۔

مگر جب تمس طاکلیس نے بعض خطرناک تبدیلیاں پیدا کر دیں اور اُس کی ہر تحریک و تجویز میں خلل ڈالنا شروع کیا اور ہر موقع پر اُس کی سخت مخالفت کی تو ارسس تدیز کو بھی اپنے بچاؤ میں اور اپنے حریف کا زور توڑنے کے لیے وہی کرنا پڑا جو تمس طاکلیس کر رہا تھا یعنی وہ بھی اپنے سیاسی حریف کی مخالفت کرنا ملکی فواید پر مقدم سمجھنے لگا کہ مبادا تمس طاکلیس کی کامیابیاں فائدہ پہنچانے کے باوجود اُسے زیادہ قوی اور خطرناک کر دیں؛ یہاں تک کہ ایک مرتبہ جب

تمس طاکلیس نے بعض ضروری تجاویز پیش کیں اور ارسٹس تدیز نے صرف ضد سے اُس کی مخالفت کی اور اُس کی بات نہ چلنے دی تو مجلس سے اُٹھتے وقت وہ خود یہ کہے بغیر نہ رہ سکا کہ جب تک تمس طاکلیس کو اور مجھے یہاں سے دفع نہ کردیا جائے، ایتھنز کی سلامتی دشوار رہی!

ایک اور موقع پر وہ کوئی تحریک کر رہا تھا اور اکثر لوگوں کو اس سے سخت اختلاف تھا لیکن پھر بھی غلبہ اُسی کا نظر آتا تھا اور قریب تھا کہ میر مجلس آرا طلب کرے اور تحریک منظور ہوجائے کہ خود ارسٹس تدیز کو مخالفین کی تقریریں سنکر اپنی غلطی معلوم ہوگئی اور اُس نے تحریک خود ہی رفع دفع کردی! اس طرح وطن کی سود و بہبود کے لیے جو قوانین اُسے پاس کرانے مدنظر ہوتے اُنھیں بارہا دوسرے اشخاص کے ذریعے سے مجلس میں پیش کرادیتا تھا تاکہ تمس طاکلیس محض فرقہ بندی کے جوش میں سدِّ رہ نہو اور وہ مفید تجاویز منظور ہوجائیں۔

ملکی معاملات کی تمام انقلاب انگیزیوں میں ارسٹس تدیز نے جس استقلال سے کام لیا وہ قابلِ تحسین ہی۔ اُس کا عقیدہ تھا کہ یہ خدمت گزاری ایک فریضۂ انسانی ہی جو بغیر کسی لالچ یا غرض کے انجام دینی چاہیئے۔ چنانچہ عمر بھر وہ اسی اُصول پر کاربند رہا اور نہ غرورِ دولت و اعزاز اس راستے سے اُس کو منحرف کرسکا اور نہ کبھی تہی دستی اور ناقدریٔ زمانہ سی اس کی قوم پرستی میں کوئی کمی آئی۔ وہ آخر تک ویسا ہی خالص محبِ وطن اور راستباز شہری رہا جیسا کہ ابتدا میں تھا اور غالباً یہی وجہ ہی کہ جب ایک دفعہ تھیٹر میں مندرجۂ ذیل اشعار پڑھے گئے جو اسکائے لس نے امفیاروس کے متعلق لکھے ہیں تو تمام تماشائیوں کی نگاہیں ارسٹس تدیز کی طرف پھر گئیں گویا وہ صفت جس کی شاعر نے مدح کی ہی خاص ارسٹس تدیز کا حصہ تھی۔

اشعار یہ ہیں :-

"عادل فقط آئے نظر کچھ اس کی یہ چاہت نہ تھی — تھی بلکہ یہ کوشش کہ وہ ویسا ہی ہو فی الاصل بھی
اور اک زمینِ سیر تھی گویا کہ وہ طبعِ رسا — جس میں صلاحِ نیک کی اُگتی رہیں فصلیں سدا"

حقیقت میں ارسٹس تدیز جادۂ عدل پر ایسی مضبوطی سے قایم تھا کہ دوستی اور طرفداری

یا ذاتی عداوت اور غصہ کوئی شے اُسے کبھی بھی صراطِ مستقیم سے نہ ہٹا سکی۔ ایک موقع پر لکھا ہے کہ وہ چند ارکانِ عدالت کے ساتھ کسی ایسے شخص کی سماعتِ مقدمہ کر رہا تھا جو اُس کا ذاتی دشمن اور بدخواہ تھا۔ استغاثے کی کارروائی ختم ہوتی ہی عدالت نے فیصلہ سنانے کا ارادہ کیا اور ملزم کی صفائی سُننے سے انکار کر دیا۔ اُس وقت ارس تدیز مضطربانہ اپنی جائے سے اُٹھا اور ملزم کے ہم آہنگ ہوکر درخواست کی کہ بے شک اُسے اپنا قانونی حق ملنا چاہیئے اور اجازت دینی چاہیئے کہ جو کچھ کہنا ہے کہے!

اسی طرح ایک مرتبہ وہ دو شخصوں کی باہمی نزاع کا فیصلہ کر رہا تھا۔ اثنا تحقیقات میں ایک شخص نے فریقِ ثانی کے متعلق یاد دلایا کہ وہ ارس تدیز کا بھی دشمن ہے اور اُسے بھی بہت نقصان پہنچا چکا ہے، یہ سنکر ارس تدیز کہنے لگا "عزیزِ من، اس وقت تو تم وہ نقصان بتاؤ جو تمھیں پہنچا ہے کیونکہ یہ میرا مقدمہ نہیں ہے بلکہ تمہارا معاملہ ہے جس کی میں سماعت کرنے بیٹھا ہوں!"

بعد میں جب وہ سرکاری خزانچی منتخب ہوا تو اپنی دیانت اور نگرانی سے اُس نے ثابت کر دیا کہ یہ رقم نہ صرف اُس کے زمانہ میں لوگوں نے خُرد بُرد کی ہے بلکہ اُس کے پیش رو افسر بھی بہت کچھ تصرف و تغلب کر چکے ہیں، خاص کر تھمس طاکلیس جس کی نسبت یہ کہا گیا ہے کہ:-

گو اپنے اور اوصاف میں وہ شہرۂ آفاق تھا
پر ہاتھ کی چالاکیوں میں بھی بہت مشاق تھا

اِسی بدنامی پر خار کھا کر تھمس طاکلیس نے چند آدمیوں کو اپنے سے ملا لیا اور جب وہ حسابات دینے کھڑا ہوا تو اِس پر خیانت کا الزام لگایا اور ای ڈومی نیس کے بقول ایسا لوگوں کو مشتعل کیا کہ اُنھوں نے ارس تدیز کو مجرم قرار دے دیا! لیکن شہر کے مقتدر اشخاص اس فیصلے سے سخت ناراض ہوئے اور اُنھوں نے نہ صرف وہ جرمانہ معاف کرایا جو اُس پر

خواہ مخواہ کیا گیا تھا بلکہ عہدۂ مذکور پر دوبارہ اُسی کا تقرر کردیا۔ مگر اس مرتبہ وہ جان بوجھ کر بھولا بن گیا اور اس طرح کہ گویا وہ اپنے پہلے طریقِ عمل پر پشیمان ہے، اُس نے آیندہ سے تغافل اختیار کیا اور اُن لوگوں کی جانچ پڑتال بھی کرنی چھوڑ دی جو غلط حسابات بنا لاتے تھے اور خزانے سے بڑی بڑی رقمیں وصول کرلیا کرتے تھے۔ اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ جو لوگ پہلے اُس کے خلاف تھے وہ اب اُس کے بڑے مدّاح اور طرفدار بن گئے اور جب اُس کی میعادِ عہدہ ختم ہوئی تو انہیں نے اہلِ شہر سے التجا کی کہ اس کو پھر اسی خدمت پر بحال رکھا جائے؛ ارس تدیز یہ کارروائیاں خاموشی سے دیکھتا رہا لیکن جس وقت لوگ اُسے دوبارہ منتخب کرنے لگے تو اس نے جلسۂ عام میں اہلِ ایتھنز کی خبر لی اور کہنے لگا کہ "جب میں نے اپنے فرایض منصبی راست بازی اور خوبی کے ساتھ انجام دیئے تو ہر طرف سے مجھ پر لعنت ملامت ہوئی اور میری اہانت کی گئی لیکن جب اس مرتبہ میں نے ان لٹیرے عہدہ داروں کو آزادی دیدی کہ جو چاہیں کریں، تو میں سب سے بڑا محبِ وطن بن گیا! اسی وجہ سے درحقیقت میں اپنی پہلی بے آبروئی سے اتنا شرمندہ نہیں ہوں جتنا اس تعریف اور تحسین سے۔ اور مجھے تم لوگوں کے حال پر رحم آتا ہے کہ بیت المال محفوظ رکھنے کی نسبت ان عیّاروں کا نوازنا تمھیں زیادہ پسند ہے" یہ کہہ کر اُس نے وہ چوریاں کھولنی شروع کیں جو اس مرتبہ ہوئی تھیں اور اُن لوگوں کا مُنھ بند کردیا جنھوں نے تھوڑی دیر پہلے اس کی تعریف کے پل باندھ دیئے تھے اور اسے دوبارہ انتخاب پر بڑھ بڑھ کر بول رہے تھے۔ البتہ جتنے انصاف پسند تھے وہ خوش ہوئے اور اُس کو حقیقی داد ملی۔

اس کے بعد دارائے عجم نے شہر سارڈیس[۱] کا جسے ایتھنزیوں نے جلا دیا تھا بدلا لینے کے بہانے یونان پر چڑھائی کی اور سارے ملک کو اپنے قبضہ میں لانا چاہا۔ اس غرض سے

[۱] مغربی ایشیاے کوچک کی قدیم سلطنت لڈیہ (لود) کا مشہور شہر تھا۔ سارڈس اسے کہا اور آج کل سرت بھی اس کا تلفظ کرتے ہیں ۱۲

اُس کا سپہ سالار ڈے ٹیس فوج لیے میراتھان (میراتھن) تک آپہنچا اور گرد و نواح کے تمام علاقے کو برباد کردیا۔ (میراتھان ایتھنز کے شمال میں بیس پچیس میل کے فاصلہ پر واقع تھا) اُس کے مقابلے کے لیئے اہل ایتھنز نے جن دس سپہ سالاروں کو منتخب کیا اُن میں سب سے نامور مل تیا دیس تھا لیکن اُس کے بعد ارس تدیز کا جتنا اثر تھا کسی کا نہ تھا اور جب اُس نے بھی مل تیا دیس کی تائید کی کہ لڑائی لڑنی چاہیئے تو رائے کا پلہ اسی طرف جُھک گیا۔ پھر جب کہ ہر افسر باری باری سے ایک دن سپہ سالاری کرنا چاہتا تھا، اُس نے اپنا دن بخوشی مل تیا دیس کو دیدیا جس سے اپنے ساتھیوں کو یہ سبق دینا منظور تھا کہ آدمی کا اپنے سے زیادہ قابل اور دانشمند کی پیروی یا اطاعت کرنا بے عزتی نہیں بلکہ بڑی عالی ظرفی اور خوبی کی بات ہے۔ چنانچہ اُس کے اس ایثار کا خاطر خواہ فائدہ ہوا۔ ان کی باہمی رقابت مٹ گئی اور ہر ایک نے اپنا سپہ سالاری کا دن مل تیا دیس کو دیدیا اور اب وہی پوری مستعدی اور قوت کے ساتھ بلا شرکت سپہ سالاری کے فرائض انجام دینے لگا۔ جس وقت لڑائی شروع ہوئی تو جنگ کا سارا بوجھ قلب لشکر پر پڑا اور اسی مقام پر ایرانیوں نے جم کر دیر تک مقابلہ کیا۔ ارس تدیز اور تھمس طاکلیس بھی اپنے اپنے قبیلوں کے ساتھ یہاں موجود تھے اور بڑی شجاعت کے ساتھ لڑے حتّٰی کہ دشمن کو ہزیمت ہوئی اور وہ ہٹ کر جہازوں میں پناہ گزیں ہوئے اور لنگر اُٹھا کے وہاں سے بھی بھاگے۔ لیکن یہ دیکھ کر کہ واپس جزائر کی طرف جانے کی بجائے ان کے جہاز سمندر کی مخالف موج اور ہوا کے زور سے (ایٹی کا) (علاقۂ ایتھنز) کی جانب بہے جاتے ہیں، ایتھنزی فوج کو خوف ہوا کہ مبادا وہ خاص ایتھنز میں جا اُتریں اور غیر محفوظ پاکر اُس پر قبضہ کرلیں۔ لہذا نو دستے فوج سمیت اُن کے سردار ایتھنز بہ عجلت روانہ ہوئے اور اُسی دن وہاں جا پہنچے۔ میراتھان میں صرف ارس تدیز اور اس کا قبیلہ مالِ غنیمت اور اسیرانِ جنگ کے حفاظت کے لیے چھوڑ دیئے گئے تھے اور جیسی کہ اُس سے توقع تھی، اُس نے یہ فرض بکمال دیانت و امانت کے ساتھ انجام دیا۔ غنیم نے بے حد و حساب

زر و جواہر اور پارچہ جات و قمشہ اپنے خیموں میں چھوڑے تھے ارسٹیڈیز نے اُن کو بجنسہ پڑا رہنے دیا اور نہ خود ہاتھ لگانے کی ضرورت سمجھی نہ کسی اور کو ہاتھ لگانے دیا۔ البتہ یہ ممکن ہے کہ اس کی بے اطلاع کسی نے کچھ لے لیا ہو جیسا کہ کے لیس مشعل بردار نے کیا۔ اس کا قصہ یوں ہے کہ ایک ایرانی نے کے لیس کو قصابہ سر پر باندھے دیکھکر کوئی بادشاہ یا حاکم سمجھا اور پہلے اُس کے سامنے گر کر سجدہ کیا پھر ہاتھ پکڑ کر اُسے ایک جگہ لایا جہاں نالی میں اُس نے بہت سا سونا گاڑ دیا تھا۔ مگر کے لیس ایسا قسی القلب کافر تھا کہ مال پر بھی قبضہ کر لیا اور اُس شخص کو بھی مار ڈالا کہ شاید کسی اور سے وہ اس امر کا تذکرہ کرے۔ یہی وجہ ہے کہ مطائبت نویس اُس کے خاندان کو لاک کو پلوٹی کے نام سے پکارتے ہیں جس کے معنی ''نالی سے دولت یافتہ'' کے ہیں۔ اس میں بھی اسی مقام کی تلمیح ہے جہاں سے کے لیس کو سونا ملا تھا۔

جنگِ میراتھاں کے بعد ہی ارسٹیڈیز کا عہدۂ ارکنی پر انتخاب ہوا۔ اگرچہ ڈمٹ ریس فلیری کا بیان ہے کہ یہ منصب اُسے مرنے سے کچھ ہی مدت قبل جنگِ پلاٹیا کے بعد ملا تھا۔ لیکن جنگِ پلاٹیا (جس میں ایرانی سپہ سالار مردونیوس کو شکست ملی) زن تی پیدس کے زمانہ ارکنی میں ہوئی تھی اور اس کے جانشینوں میں کہیں ارسٹیڈیز کا نام نہیں نظر آتا حالانکہ فینبس (جس کے عہد میں میراتھاں کی فتح حاصل ہوئی) اُس کے بعد ہی ارسٹیڈیز کا انتخاب سرکاری کاغذات میں موجود رہی۔

ارسٹیڈیز کی جس خوبی نے جمہور کو سب سے زیادہ گرویدہ کیا، وہ اُس کی انصاف پسندی تھی کہ اس سے روزمرہ اور بار بار سابقہ پڑتا ہے اور یہی وصف ہے جس کی بنا پر اُسے ایک نادار اور کم نسب آدمی ہونے کے باوجود عادل کا لقب ملا جو خدا کی اعلیٰ ترین صفت اور بڑے سے بڑے بادشاہوں کے لیے بھی موجبِ فخر و ناز ہے۔ اگرچہ اس میں شک نہیں کہ بادشاہ یا مطلق العنان جابر یہ لقب پانے کی کبھی کوشش نہیں کرتے بلکہ انہیں زیادہ خوشی اپنے ناموں

کے ساتھ ایسے ایسے القاب شامل کرنے کی ہوتی ہے جیسے کشور کشا و فتاح یا صاعقۂ جہاں سوز اور یا اس سے بھی آگے بڑھو تو عقاب و شہباز وغیرہ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی نیکی سے مشہور ہونا انھیں اتنا پسند نہیں جتنا زور و قوت، جبر و قہر میں ناموری حاصل کرنا پسند ہے۔ حالانکہ وہ بادشاہِ علی الاطلاق جس سے یہ کسب فیض کرنا اور اپنے تئیں ملانا چاہتے ہیں تین صفاتِ خاص میں ان سے کہیں برتر و بالا اور ارفع و اعلیٰ ہے جن سے بقائے دوام، قوتِ کاملہ اور خیر محض مراد ہیں۔ ان میں بھی سب سے اعلیٰ اور سب سے مبارک خیر کی صفت ہے کیونکہ ہر چند عناصر اور خلا کا وجود ابدی ہے اور زلزلے اور طوفان اور برق و رعد قوت میں کسی سے کم نہیں، بایں ہمہ عدل و انصاف صرف ربانی عقل و علم کی بدولت ہے۔

اب اگر ان خدائی صفات کے متعلق لوگوں کے عقائد کا اندازہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس کی بقائے دوام، یعنی فنا اور زوال سے اس کے منزہ ہونے کو تو وہ اس کی مسرت و قدوسیت کا موجب تصور کرتے ہیں، اسکی قوت اور قدرت سے خوف کھاتے اور ڈرتے ہیں مگر اس کے عادل کامل ہونے کی وجہ سے اسے پوجتے ہیں اور معزز و محبوب رکھتے ہیں۔ لیکن انسان کی حالت یہ ہے کہ ان سب باتوں کو سوچنے سمجھنے کے باوجود سب سے پہلے تو وہ بقائے دوام کی ہوس کرتا ہے جس کی قابلیت ہی ہماری فطرت میں نہیں۔ پھر اس قوت و اقتدار کی تلاش کرتا ہے جو بڑی حد تک اتفاقاتِ روزگار پر منحصر ہے۔ اور اس طرح خیر کی ربانی صفت کو جو سب سے زیادہ ہماری رسائی کی حد ہے اور دسترس کے اندر ہے، اپنی حماقت سے سب میں آخری جگہ دیتا ہے۔ حالانکہ خیر کا مظہر یعنی عدل وہ شے ہے جو ایک صاحب ثروت و حکومت شخص کی زندگی کو ایک دیوتا کی زندگی بنا دیتی ہے اور ناانصافی اسے انسانیت کے مرتبے سے گرا کر حیوانوں میں جا ملاتی ہے۔

القصہ یہی وہ لقب ہے جس کی بدولت ارس تدیز ابتدا میں محبوب عام و خاص اور آخر میں محسود خلایق بنا۔ خاص کر جب تھمس طاکلیس نے یہ افواہ اس کے خلاف شہر میں پھیلادی

کہ اس کا خانگی طور پر معاملات کو سلجھانا اور تصفیہ کردینا در اصل عدالت ہائے قانونی کی قوت توڑنا ہی اور اس ذریعے سے وہ اندر ہی اندر اپنی بادشاہت کا اور کوئی فوجی مدد لیے بغیر حکومت کا سامان کر رہا ہی۔

اس کے علاوہ پچھلی فتح سے لوگوں کے دماغ بھی آسمان پر تھے اور وہ بالطبع اُن سب سے جلنے لگے تھے جو عام سطح سے بلند اور زیادہ نامور نظر آتے ہوں۔ یہی وجہ تھی کہ وہ ہر طرف سے آ آ کر شہر میں اکھٹے ہوئے، اپنے بغض وحسد کو خوفِ مُطلق العنانی سے تعبیر کیا اور فتوائے عام (یعنی آسٹرا سزم) کے ذریعے ارسٹیڈیز کو جلاوطن کردیا۔ درحقیقت یہ سزا بھی کسی مجرمانہ فعل کے لیئے نہیں وضع کی گئی تھی بلکہ اس کی خاص غرض نامور اور صاحبِ قوت لوگوں کو گرانا اور ذلیل کرنا تھی، تاکہ حاسدوں کی بھڑاس نکل جائے اور وہ زیادہ نقصان پہنچانے کے درپے نہوں بلکہ صرف دس سال کی جلاوطنی سے اپنا دل ٹھنڈا کرلیں۔ چنانچہ آخر میں جب یہی سزا شریر اور بدذات اشخاص کے واسطے تجویز کی جانے لگی تو عوام الناس بہت ناخوش ہوئے اور اُنھوں نے سرے سے اس سزا ہی کو اُڑا دیا۔ اور ہیپربلس کے بعد کسی کی جلاوطنی فتوائے عام کے ذریعے عمل میں نہ آئی۔

ہیپربلس کی جلاوطنی کے اسباب یہ بیان کیئے جاتے ہیں کہ الکبیادیز اور نکیاس جو ایتھنز میں سب سے زیادہ رسوخ واثر رکھتے تھے باہم سیاسی حریف دو مختلف جتھوں کے آدمی تھے۔ جب ان میں سے ایک کے خلاف اُن کے ہم وطنوں نے یہی فتویٔ عام کا حربہ استعمال کرنا چاہا اور معلوم ہوگیا کہ ان دو میں سے ایک ضرور جلاوطن کردیا جائیگا، تو ان دونوں نے باہم اتفاق کرلیا اور اپنے اپنے گروہوں کو ملا کر ہیپربلس کے خلاف اسقدر رائیں دلوائیں کہ کثرت رائے سے اسی کو جلاوطن ہونا پڑا۔ اس چالاکی نے عوام الناس کو بہت پریشان کیا اور اُنھوں نے اُس کو اپنی توہین اور سبکی سمجھکر غصے میں آیندہ کے لیے یہ ضابطہ توڑ دیا۔

اس موقعے پر مختصر طور پر یہ لکھنا مناسب ہی کہ یہ فتوئے عام کس طریق سے دیا جاتا تھا۔

سب سے اوّل ہر شخص ایک ایک اسٹراکان یعنی ٹھیکری لے کر اُس کا نام لکھ دیتا جسے وہ جلا وطن کرنا چاہتا۔ پھر منڈی میں ایک خاص مقام پر جس کے چاروں طرف لکڑی کا کٹہرا لگا ہوا تھا، یہ ٹھیکری لے جاتا تھا اور یہاں ان تمام ٹھیکریوں کی گنتی ہوتی تھی (کیونکہ اگر وہ کل تعداد میں چھ ہزار سے کم ہوتیں تو عمال شہر فتوے کو کالعدم قرار دیتے)۔

اِس کے بعد ہر نام کے خلاف جتنی رائیں ہوتیں اُنہیں علیحدہ علیحدہ شمار کیا جاتا اور جو سب سے زیادہ رائیں پاتا وہ دس سال کے واسطے وطن سے نکال دیا جاتا اگرچہ اس کے شہری حقوق اور ذاتی املاک برقرار رہنے دیئے جاتے تھے۔ اس قسم کا ہوتا تھا وہ فتوئے عام جس کی بدولت ارِس تدیز کو وطن سے نکلنا پڑا اور اس کے متعلق یہ واقعہ بھی مشہور ہی کہ جب لوگ ٹھیکریوں پر نام لکھ رہے تھے تو ایک ان پڑھ گنوار نے اپنا ٹھیکرا خود ارِس تدیز کو (یہ سمجھکر کہ وہ کوئی معمولی شہری ہی) دیا اور درخواست کی کہ اس پر ارِس تدیز لکھدے! اور جب اس نے نہایت متحیر ہو کے شخص مذکور سے دریافت کیا کہ تمھیں اس سے ایسا کیا ضرر پہنچا ہی جو اسے جلا وطن کرانے کے درپے ہو، تو جواب ملا کہ نہیں مجھے کوئی ضرر نہیں پہنچا۔ نہ میں اُس کو جانتا ہوں کہ وہ کون ہی لیکن اُسے ہر جگہ عادل، عادل سنکر میرا جی اُکتا گیا ہی!"

کہتے ہیں یہ سنکر ارِس تدیز چپ ہو گیا اور ٹھیکری پر اپنا نام لکھکر شخص مذکور کے حوالہ کر دیا۔ اِس کے بعد جب وہ شہر سے نکلنے لگا تو اُس نے اپنے ہاتھ آسمان کی طرف اُٹھائے اور دُعا کی (جو اکی لیس کی بددعا سے بالکل معکوس نظر آتی ہی) کہ اے خدا کبھی اہلِ ایتھنز پر ایسا وقت نہ آئے کہ وہ مجبور ہو کر ارِس تدیز کو یاد کریں!

لیکن اس کی جلا وطنی کے تین سال بعد زرکسیز دارائے ایران نے یونان پر شکرکشی کی اور تھالیہ (تھسلی) اور بیوشیہ کے علاقوں سے گزرتا ہوا خاص اتی کا پر حملہ آور ہوا اُس وقت اہلِ ایتھنز نے خود آسٹراسزم کی تنسیخ کر دی اور تمام جلا وطنوں کو واپس بلا لیا۔ دراصل اُنہیں زیادہ خوف ارِس تدیز کی طرف سے تھا کہ اگر وہ ایرانیوں سے جا ملا تو اپنے سینکڑوں

ہنجیال شہریوں کو بھی اِدھر سے توڑ لیگا۔ حالانکہ یہ اُن کا اندیشہ سراسر باطل تھا اور وہ اُس کے مزاج کو بالکل نہ سمجھے تھے، کیونکہ اُن کے واپس بلانے سے قبل وہ بغیر کسی اُمید معافی کے ہر ممکن طریق سے یونانیوں کو اشتعال دلا رہا تھا کہ اُٹھیں اور اپنی آزادی کی حفاظت کریں۔

اِس کے علاوہ جب تمس طاکلیس سردار ہوا تو ارسس تدیز نے قول و فعل غرض ہر طرح اس کی امداد کی اور محض فائدۂ وطن کی خاطر اپنے سب سے بڑے دشمن کی ایک جاں نثار نوکر کی طرح خدمت کرتا رہا۔ چنانچہ جس وقت ایرانیوں نے سلامیس کے قریب یونانی بیڑے کو گھیرنے کی کوشش کی اور (امیر البحر) یوری بیا داس خوف زدہ ہو کے یہاں سے بھی بھاگنے پر آمادہ ہوا تو ارسس تدیز راتوں رات دشمن کے جہازوں کے بیچ سے کشتی کھیتا ہوا چلا اور جان پر کھیل کر تمس طاکلیس کے پاس پہنچا کہ اُسے اپنے محصور ہو جانے کی اطلاع دے۔ پھر خود آواز دے کے اُسے بلایا اور کہنے لگا "تمس طاکلیس، اگر ہمیں ذرا بھی عقل ہے تو اس وقت اپنی طفلانہ ضد بحث اور رقابت کو بالائے طاق رکھ کے ایک شریفانہ اور مفید مقابلہ کرینگے کہ دیکھیں یونان کو بچانے میں کون زیادہ مستعدی دکھاتا ہے؟ یعنی آیا تم سپہ سالاری اور راہ بری کرنے میں افضل ہو یا میں تمہاری خدمت گزاری اور مشورہ دینے میں۔ اور چونکہ مجھے معلوم ہے کہ تم صلاح نیک ماننے میں کبھی تامل نہیں کرتے لہٰذا اس وقت میں تمھیں رائے دیتا ہوں کہ اس جگہ دشمن سے مقابلہ کرنے میں ہرگز پہلو تہی نہ کرنا۔ اور اگرچہ خود ہمارے ساتھی اس رائے کے مخالف ہیں مگر غنیمت ہے کہ دشمن ہماری تائید میں ہے اور اُس نے ہمیں چاروں طرف سے اس طرح محصور کر لیا ہے کہ کوئی راہِ گریز باقی نہیں اور ہم چاہیں یا نہ چاہیں، ہمیں اس مقام پر لڑ کر اپنی یونانی شجاعت و حمیت کا امتحان دینا پڑیگا!"

تمس طاکلیس نے جواب دیا "ارسس تدیز مجھے یہ شریفانہ مقابلہ دل سے منظور ہے اور میں اِس میں تم سے بآسانی مغلوب نہونگا۔ بلکہ کوشش کرونگا کہ اپنی آئندہ کاموں سے تم پر سبقت لے جاؤں، کیونکہ اس میں شک نہیں کہ یہ مبارک ابتداء کر کے تم مجھ سے کچھ نہ کچھ آگے بڑھ گئے ہو

پھر اُس نے بہ تفصیل ارِس تدیز کو بتایا کہ کس طرح چال سے ایرانیوں کو اُس نے لڑائی پر آمادہ کیا ہے، اور التجا کی کہ تم بھی یوری بیاد اس کو جہاں تک ہو سکے سمجھاؤ کہ یہاں لڑنا نہایت ضروری ہے۔ کیونکہ غالباً تمہاری صلاح کا اُس پر زیادہ اثر پڑیگا۔"

چنانچہ جب مجلسِ مشاورت میں کلوکری ٹس کو رنتھی نے تمس طاکلیس سے کہا کہ ارِس تدیز کے خاموش رہنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی تمہاری رائے کو پسند نہیں کرتا تو ارِس تدیز نے جواب دیا "اگر طاکلیس کی رائے اچھی نہوتی تو میں کبھی چُپ نہ رہتا۔ میرے سکوت کی یہ وجہ نہیں ہے کہ میں رائے دینے والے کا لحاظ کرتا ہوں اور اُس کی مخالفت کرنا پسند نہیں کرتا۔ بلکہ فی الحقیقت اس کا مشورہ عین میری منشا کے مُطابق ہے اور اس لیے میں خاموش ہوں۔"

یونانی سردارانِ بحری اسی بحث مباحثے میں مصروف تھے کہ ارِس تدیز غنیم کو سی تالیا پر قابض ہوتا دیکھکر اُدھر روانہ ہوا (سی تالیا اسی آبنائے میں ایک چھوٹا سا ٹاپو سلامیس کے مقابل واقع تھا) اور چھوٹی چھوٹی کشتیوں میں سب سے بہادر اور پُرجوش ساتھیوں کو لے کر اس ٹاپو پر حملہ آور ہوا۔ اگرچہ لڑائی چند آدمیوں سے تھی لیکن اس میں یونانیوں کو کامل غلبہ ہوا۔ اور چند معزز اسیرانِ جنگ کے سوا تمام ایرانی سپاہی مارے گئے۔ انھیں قیدیوں میں بادشاہ کی بہن سندولس کے تین لڑکے بھی تھے جنھیں اُس نے فوراً تمس طاکلیس کے پاس بھجوا دیا اور وہاں ایک قدیم الہام کی تعمیل میں اُنھیں یوفرنٹیڈس منجم کے حکم سے باکوس دیوتا (جس کا ایک نام اومس ٹس یعنی کشندہ بھی ہے) کی بھینٹ چڑھا دیا گیا۔

ادھر ارِس تدیز نے قبضہ کرنے کے بعد سی تالیا میں ایک معقول سی تعداد سپاہیوں کی متعین کردی کہ لڑائی میں جو اپنا آدمی ادھر آجائے اُسے ہلاکت سے بچائیں اور اگر کوئی دشمن اس ٹاپو کا سہارا لینا چاہے تو قتل کر دیا جائے۔ اور واقعی یہ اُس کی تدبیر بہت مفید ثابت ہوئی کیونکہ جہازوں کا سب سے سخت اور ڈٹ کر مقابلہ اسی ٹاپو کے ارد گرد ہوا تھا اور یہی وجہ تھی کہ بعد میں اسجگہ بھی ایک یادگارِ فتح قایم کی گئی تھی۔

لڑائی کے بعد تھمس طاکلیس نے مشورۃً ارسس تدیز سے کہا کہ اگرچہ ہمیں بہت بڑی کامیابی ہوئی ہے تاہم اس سے بھی بڑھ کر کامیابی یہ ہے کہ اسی وقت اپنے بیڑے کو آبنائے دردانیال کی طرف لے چلیں اور اُس پُل کو توڑ کر جس پر سے ایرانی آئے ہیں، ایشیا کو یورپ میں قید کر لیں؟" یہ تجویز سنکر وہ گھبرا گیا اور کہنے لگا خدا کے واسطے ایسا غضب نہ کرنا کہ اتنی بڑی فوج کو تم بالکل مایوس اور جان پر کھیل جانے پر مجبور کر دو اور وہ سارے یونان کو تاراج کر ڈالے۔ ہماری تو کوشش یہ ہونی چاہیئے کہ جتنی جلد ہو سکے یہ ملچھ یہاں سے دفع ہوں اور یونان اُن سے پاک ہو جائے!"

تب تھمس طاکلیس نے ایک مرتبہ پھر ایرانی نژاد خواجہ سرا کو بھیجا اور خفیہ طور پر دارائے ایران کو یہ پیام دیا کہ خیر خواہی سے میں تم کو یہ اطلاع دیتا ہوں کہ یونانیوں کا ارادہ بیڑا لے جاکر اُس پل کو توڑ دینے کا ہے اور تم سے جو کچھ ہو سکے اپنی حفاظت کا سامان کر لو۔"

زرکسیز یہ سُنکر نہایت خوف زدہ ہوا اور بڑی عجلت کے ساتھ آبنائے کی جانب روانہ ہو گیا۔ لیکن اس کا سپہ سالار مردنیوس تین لاکھ چیدہ فوج جرار لیئے ابھی یونان میں موجود تھا اور بڑے دعوے کے ساتھ یونانیوں کو مقابلہ کے لیئے ٹوک ٹوک کے بلا رہا تھا۔ اس یہ پیغام لکھ لکھ کے بھیجا تھا کہ تم نے سمندر میں اُن کو مغلوب کیا جو خشکی میں لڑنے کے عادی ہیں اور چپو چلانا نہیں جانتے۔ لیکن بہادری کا زعم ہے تو اب پیادہ یا سوار جیسی فوج چاہو لیکر آؤ کہ سامنے تھسالیہ کا علاقہ اور بیوشیہ کے کھلے ہوئے میدان موجود ہیں اور مردانہ جنگ آزمائی کا بہترین موقع پیش کرتے ہیں۔ مگر ان پیغاموں کے علاوہ مردنیوس ایتھنزیوں کو بھی توڑ لینے کی سعی میں مصروف تھا اور کیا زبانی اور کیا تحریری، وعدے بھیجکر اُنھیں اندر ہی اندر اغوا کر رہا تھا کہ اگر وہ لڑائی میں یونانیوں کی شرکت سے ہاتھ اُٹھا لیں تو نہ صرف ان کا شہر دوبارہ تعمیر کرا دیا جائیگا بلکہ رقوم کثیر اور سارے یونان کی سرداری انہیں دی جائیگی۔

اسپارٹہ میں بھی یہ خبریں پہنچیں اور وہاں کے لوگوں کو بڑی تشویش ہوئی کہ مبادا

اہلِ ایتھنز اپنی پریشانیوں سے گھبرا کر ایرانیوں سے مل جائیں یا کم از کم اُن کے خلاف جنگ میں شامل نہوں۔ پس انھوں نے ایک سفارت بھیجی اور ایتھنزیوں سے درخواست کی کہ اپنے بال بچوں کو اسپارٹہ بھجوا دیں اور اپنے ضعیف اور زخمی ہموطنوں کے لیے بھی اہلِ اسپارٹہ کی امداد قبول کریں۔" اور اس میں شبہ نہیں کہ اس وقت شہر اور علاقہ تباہ و تاراج ہو جانے کی وجہ سے اہلِ ایتھنز سخت مصائب میں مبتلا تھے۔

جب یہ سفارتیں دونوں طرف سے اُنھیں پہنچیں تو اُنھوں نے ارِس تدیز کی تحریک سے وہ یادگار جواب دیا جو بڑی سے بڑی ستائش کا مستحق ہے۔ اُنھوں نے کہا "اگر ہمارا غنیم دولت کو سب سے بڑی شے تصور کرتا ہے اور اس لیے اُس کے خیال میں ہر چیز دولت سے خریدی جا سکتی ہے، تو وہ معذور ہے البتہ ہمارے حلیف لکڈیمونی (یعنی اہلِ اسپارٹہ) اگر ہمارے بچوں کو روٹی دے کر ہم سے چاہتے ہیں کہ یونان کے واسطے لڑیں تو یہ بڑی رنج دہ بات ہے۔ اور اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ انہیں صرف ہمارے موجودہ افلاس و مجبوریوں کا خیال آیا اور ہماری عزت سچائی و ایثار کو اُنھوں نے قطعاً فراموش کر دیا۔

اس تقریر اور اُس کی عام تائید کے بعد ارِس تدیز نے ایلچیوں کو مجلس میں بلوایا اور اُنہیں پیغام دیا کہ لکڈیمونیوں سے کہدینا کہ "ساری دنیا کے ظاہر و مدفون خزانے یونان کی آزادی کے مقابلے میں ہیچ ہیں اور باشندگانِ ایتھنز ان کی کچھ بھی وقعت نہیں سمجھتے!" پھر اُن آدمیوں سے جو مرد ونیوس کے پاس سے آئے تھے اُس نے سورج کو دکھا کے کہا کہ "جب تک یہ اپنی مقررہ منازل کو اسی طرح طے کیے جائیگا، اُس وقت تک ایتھنز کے رہنے والے اپنے ملک اور معابد کا انتقام لینے کے لئے جنھیں ایرانیوں نے تباہ و تاراج اور ناپاک کیا ہے، جنگ کرتے رہینگے!"

پھر اُس نے ایک قانون منظور کرایا کہ جو یونانی ایرانیوں سے جا ملے یا اُن سے خط و کتابت کرے اُسے علمائے دین خارج المذہب و ملعون قرار دیں۔

اس کے بعد مرددونیوسس نے دوسرا حملہ کیا اور پھر اہل ایتھنز کو شہر چھوڑ کے جزیرہ سلامیس میں پناہ لینی پڑی اور انھوں نے ارسس تدیز کو اسپارٹہ بھیجا کہ اس بات کا شکوہ کرے کہ انھیں کی تاخیر کے باعث ایتھنز کی حفاظت نہ ہوسکی اور دوبارہ دشمن اُس پر قابض ہوگیا۔ اس کے علاوہ اس کی سفارت کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ انھیں جتنی جلد ممکن ہو میدان جنگ میں لے آئے تاکہ شمالی یونان کے جو علاقے ابھی تک باقی تھے کم سے کم وہ، ایرانیوں کی دست برد سے بچ جائیں۔ اسپارٹہ کے حکام نے (جنھیں وہاں کی اصلاح میں اَلِفُور کہتے تھے) جب یہ باتیں سُنی تو دن بھر سیر و نمائش اور اپنا تہوار منانے میں اس طرح مصروف رہے (کیونکہ یہ اُن کے ہاں کن ہِقِین میلے کا زمانہ تھا) گویا ایتھنز کی سفارت کو مطلق قابل توجہ نہیں سمجھتے لیکن جب رات ہوئی تو سُفرا کی بے اطلاع پانچ ہزار اسپارٹی سپاہی جن میں سے ہر ایک کے ساتھ سات سات غلام تھے، انھوں نے میدان جنگ کی طرف روانہ کر دیئے اور صبح کو پھر ارسس تدیز نے ان کی غفلت پر ملامت کی تو کہنے لگے "یا تو تمھارے حواس برجا نہیں اور یا تم سو رہے تھے جو یہ بھی خبر نہیں کہ ہماری فوج "اجانب" کے مقابلے میں کوچ کرتی ہوئی میلوں دو نکل چکی ہے!" واضح رہے کہ ایرانیوں کو اسپارٹہ والے اجانب ہی کے نام سے پکارتے تھے۔ یہ جواب سُنکر اُس کو اول یقین نہ آیا اور کہنے لگا "یہ تمھاری ہنسی بالکل بے محل ہے اور تم دشمنوں کی بجائے دوستوں کو فریب دینا چاہتے ہو" لیکن بعد میں اہل اسپارٹہ کے قول کی تصدیق ہوگئی۔

مذکورہ بالا روایت اِدی ڈومی نیوسس نے کی ہے۔ مگر ارس تدیز نے جن سفرا کو اسپارٹہ جانے کے لیے انتخاب کرایا تھا اُن میں خود اُس کا نام کہیں نہیں نظر آتا بلکہ سائمن ذن طیغس (زان تی پوسس)، اور مائی رونی ڈدس کا بھیجا جانا مذکور ہے۔

اس کے بعد وہ ایتھنز کی سپاہ کا سپہ سالار منتخب ہوا اور آٹھ ہزار سپاہیوں کو لیکر مقام پلاٹیہ میں اسپارٹہ والوں سے جا ملا جن کا سپہ سالار پوسے نیاس ریاست ہائے

یونان کی تمام افواجِ متحدہ کا اعلیٰ سپہ سالار تھا۔ اسی جگہ اور یونانی فوجیں بھی آگئیں اور ایرانیوں کے مقابلے میں خیمہ زن ہوئیں جن کی خیمہ گاہ اسوپوس ندی کے سارے کنارے پر پھیلی ہوئی تھی اور کثرت تعداد کی وجہ سے وہ کوئی احاطہ اپنے گرد نہیں بنا سکتے تھے البتہ ان کا ساز و سامان اور قیمتی قیمتی چیزیں ایک مربع حصار میں محفوظ تھیں جس کا ہر ضلع لمبائی میں دس فرلانگ تھا۔

اس لڑائی کے متعلق ایلیہ کے منجم تسامنو کی یہ پیشین گوئی تھی کہ اگر یونانیوں نے خود پہل نہ کی اور صرف مدافعت پر قائم رہے تو فتح اُن کی ہے۔ لیکن ارسٹی دیز نے ڈیلفی سے استخارہ کرایا تو یہ جواب ملا کہ وہ اُس صورت میں غالب آسکتے ہیں جب کہ جوپیٹر جونو، پان اور سفراغی پریوں سے التجا کریں اور اندرو، لیوکن، پساندر، ڈاموو وغیرہ سورماؤں کے نام پر قربانیاں چڑھا کر اپنے ملک ایلوسینا اور پیراسرپاین کی حدود میں جنگ کریں۔

اس جواب سے وہ بہت حیران ہوا کیونکہ جن سورماؤں کے نام پر قربانی چڑھانے کی ہدایت تھی وہ پلاٹیہ کے سردار گزرے ہیں اور سفراغی پریوں کی کھو بھی اس علاقے میں سیتھرن نام پہاڑ کی چوٹی پر سمجھی جاتی تھی (گرمیوں میں ڈوبتے وقت سورج عین اُس کھو کے مقابل ہوتا تھا اور جیسا کہ مشہور ہے اسی نواح کے رہنے والوں کے سر پر یہ پریاں آیا کرتی تھیں جس سے وہ غیب کی باتیں بتانے لگتے تھے اور ان کا نام نمفولیپٹی ہوتا تھا) لیکن ایلوسینا کا علاقہ جہاں اتھنزیوں کو فتح کی بشارت دی گئی تھی، بالکل علیحدہ اور اٹیکا میں واقع تھا۔ اس حالت میں کہ ڈیلفی کی متضاد ہدایات پر عمل کرنا محال نظر آتا تھا۔ پلاٹیہ کے سپہ سالار ارم نسٹس نے خواب میں جوپٹر دیوتا کو دیکھا اور اُس کے دریافت کرنے پر عرض کی کہ خداوند ایلوسینا کا علاقہ شہر ایلوسس میں ہے اور اس لیے آپالو دیوتا کی حسب ہدایت ہم وہیں جا کر دشمنوں سے جنگ کریں گے،،

یہ سُنکر دیوتا نے کہا کہ تم بالکل غلطی پر ہو اور ڈھونڈو گے تو وہ جگہ یہیں پلاٹیہ کی حدود میں مل جائیگی،، خواب میں ایسی صاف صاف ہدایت پاکر ارم نس نے صبح کو اپنے تجربہ کار اور سن رسیدہ ہموطنوں کو بلایا اور اُن سے مشورہ کرنے کے بعد معلوم کرلیا کہ واقعی اسی کوہ سیتھرن کے دامن میں ایلوسینا اور پروسرپاین نام کا ایک بہت قدیم مندر موجود ہے۔ پھر اُس نے یہ خبر ارس تدیز کو دی اور وہاں جاکر دیکھا کہ وہ جگہ پیادہ فوج کے لڑنے کے لیے نہایت موزوں ہے اور آس پاس ایسی ڈھلانیں ہیں کہ دشمن کے سواروں کی وہاں تک رسائی ہونی دشوار ہے۔ اس کے علاوہ اندروکریٹس نام سورما کا مندر بھی یہیں درختوں کے گھنے جھنڈ میں ملا۔ غرض ڈیلفی کے الہامی پیام کی تمام شرائط بہمہ وجوہ پوری ہوگئیں اور صرف یہ بات باقی رہ گئی کہ وہ مقام اہل ایتھنز کی ملکیت نہ تھا۔ اسکی بجا آوری بھی ارم نس نے فتح کی خاطر ادھوری چھوڑنی چاہی اور اپنے ہموطنوں سے کہہ کر اس علاقے کو بخوشی ایتھنزیوں کو دیدیا تاکہ پیشین گوئی کے مطابق وہ "اپنی زمین میں دشمنان یونان سے جنگ،، کرسکیں۔ اہل پلاتیہ کا یہی وہ ایثار اور جوش فیاضی ہے کہ جب سالہا سال بعد سکندر فیلقوس نے ایشیا کو فتح کیا اور پلاتیہ کی شہر پناہ از سرنو بنوائی تو اُسی سال اولمپی کھیلوں کے موقعے پر یہ اعلان عام بھی کرایا کہ یہ صلہ ہے اُس بے نظیر وطن پرستی اور شجاعت کا، جو پلاٹیہ والوں نے ایرانی محاربات کے زمانے میں دکھائی تھی۔

اب متحدہ افواج میں ایک تنازعہ یہ پیش آیا کہ دایاں پہلو اسپارٹہ کے لوگوں کو تفویض کیے جانے کی صورت میں بایاں پہلو ایک قدیم رواج کی بنا پر اہل تگیا نے لینا چاہا اور اپنے بزرگوں کے بعض کارناموں سے اس دعوے کو حق بجانب ثابت کرنے لگے۔ ایتھنزیوں کو یہ بات سخت ناگوار ہوئی اور اُنھوں نے ان کی مخالفت کی لیکن معاملے کے طول پکڑ جانے سے پہلے ارس تدیز نے ان کو روک دیا اور یہ تقریر کی کہ اس نازک وقت میں تگیا کے لوگوں سے جگہ کے لیے لڑنا کسی طرح مناسب نہیں ہے" لیکن اے اسپارٹہ والو تم ہے

اور تمام یونانیوں سے ہم یہ کہتے ہیں کہ کسی خاص مقام پر صف آرا ہونے کی وجہ سے کسی کی بہادری میں کچھ کمی بیشی نہیں آسکتی - باقی ہیں تم جس جائے پر متعین کردو گے ہم وہیں قائم رہیں گے اور کوشش کرینگے کہ اس طرح لڑیں کہ ہماری پچھلی نیکنامیوں پر کوئی حرف نہ آئے - حقیقت میں، یہاں ہم دوستوں سے بحث کرنے کے لیے نہیں بلکہ دشمنوں سے مقابلہ کرنے کے لیے آئے ہیں اور اپنے بزرگوں کی بڑائیاں کرنی نہیں بلکہ خود اپنے تئیں شجاع ثابت کرنا ہمارا مقصود ہے - اور بے شبہ اسی میدان جنگ میں کھل جائیگا کہ کون شہر اور سردار اور سپاہی یونان کے واسطے کام کرسکتا ہے اور کتنا قابل قدر ہے"۔ یہ تقریر سُنکر لڑائی کی مجلس شوریٰ نے ایتھنزیوں کے موافق منشا فیصلہ کیا اور وہ بائیں بازو پر متعین کردیئے گئے -

اس لڑائی سے پہلے تمام یونان سخت بیم و رجا کی حالت میں تھا اور خاص کر اہل ایتھنز اکثر پریشان اور کسی خوش آیند مستقبل کی طرف سے تقریباً مایوس ہورہے تھے - لہذا ان میں سے بعض اشخاص نے غداری پر کمر باندھی اور ارادہ کیا کہ یا تو اپنے ہاں کی جمہوریت کا خاتمہ کردیا جائے اور یا اس سازش میں کامیابی نہ ہو تو ایرانیوں سے مل کر سارے یونان سے دشمنی کی جائے - اس خیال میں اول اول یا تو وہ لوگ شریک تھے جنھیں لڑائی نے مفلس اور نادار کردیا تھا اور جو اپنی دولت کے ساتھ ہی اپنی عزت و وقعت کو بھی دیکھتے تھے کہ شہر میں باقی نہیں رہی، اور یا بعض مقتدر اشخاص تھے جنھیں اور زیادہ قوت و حکومت حاصل کرلینے کی ہوس تھی - مگر بعد میں اور بھی کچھ آدمی ان کے ساتھ ہوگئے اور اُنھوں نے پلاٹیا کے ایک مکان میں اپنا جلسہ کیا - اُس وقت اس خبر کا چرچا ہوا اور سارے خیمہ گاہ میں ایک اضطراب اور بے چینی پیدا ہوگئی - موقع کی نازکی دیکھکر ارسٹدیز ڈرا کہ اگر سختی سے کوئی تفتیش یا گرفت کی گئی تو ممکن ہے کہ زیادہ لوگوں کی شرکت ثابت ہو اور معاملہ زیادہ سنگین بن جاوے - ادھر بالکل چشم پوشی کرنا بھی مناسب نہ تھا اور اسی لیے وہ مجبور تھا کہ یہاں خالص عدل کی بجائے فائدۂ عام کی خاطر کچھ مصلحت برتتے - چنانچہ اُس نے

اہل سازش میں سے صرف آٹھ سے مواخذہ کیا اور ان میں سے دو جو سب سے بڑے مجرم تھے اور جن کے خلاف سب سے پہلے کارروائی کی گئی تھی، خیمہ گاہ سے فرار ہو گئے۔ باقی چھ کو بھی اُس نے تنبیہہ کر کے اور یہ کہہ کے چھوڑ دیا کہ سب سے بڑی عدالت میدان جنگ ہی جہاں تم اپنے خلوص اور وطن پرستی کا سچا ثبوت دیکر اپنے جرم کا بہترین کفارہ کر سکتے ہو۔ اس طرح معاف کر دینے سے ایک یہ بھی مطلب تھا کہ جو اور لوگ کچھ مذبذب یا اُن کے شریک سازش تھے وہ زیادہ خایف نہ رہیں اور اپنے پہلے طریق عمل کی بھی نادم ہو کر اصلاح کر لیں۔

اب مردونیوس نے تمہید جنگ کے طور پر پہلے یونانیوں کی بہادری آزمانی چاہی اور اپنی تمام سوار فوج سے اُن پر حملہ کیا جس میں وہ اپنے تئیں بہت قوی سمجھتا تھا لیکن یونانی پڑاؤ کوہ ستھی رُن کے دامن میں پتھریلی اور غیر ہموار زمین پر تھا صرف اہل مگارا کی تین ہزار سپاہ میدان میں خیمہ زن تھی اور اُنھیں پر ایرانی رسالے کا دھاوا ہوا۔ اور اُنھیں کو اُن کی چوطرفہ یورش نے زیادہ نقصان پہنچایا۔ تب مگاریوں نے پوسے نیاس سے کمک طلب کی اور پیغام بھیجا کہ اکیلے ہم اتنے کثیر التعداد دشمنوں کا مقابلہ زیادہ دیر تک نہیں کر سکتے۔ پوسے نیاس کو جب یہ اطلاع ملی اور دور سے اُسے نظر آیا کہ تمام مگاری خیمے تیر باراں کی کثرت سے گویا چھپ گئے ہیں، اور وہ خود دبتے دبتے ایک مقام میں ہٹ آئے ہیں، تو وہ حیران ہوا کہ ان کی کس طرح مدد کرے کیونکہ خود اس کے سپاہی بھاری زرہ بکتر میں تھے اور سواروں کے مقابلے میں کچھ نہیں کر سکتے تھے۔ پس وہ دوسرے سرداروں کی طرف جو اُس کے اردگرد جمع تھے، مُڑا اور کہنے لگا کہ تم میں سے کون مگاریوں کو کمک پہنچانے اور بچانے کا بیڑا اُٹھاتا ہی؟ مقصد اس صلائے عام سے یہ تھا کہ اُنھیں ایک دوسرے پر سبقت لیجانے کا جوش پیدا ہو اور اظہار شجاعت اور حصول امتیاز میں وہ ایک دوسرے سے بڑھنے کی کوشش کریں۔ مگر جب

اوروں نے اس میں تامل کیا تو ارسس تدبیر نے یہ کام اپنے ذمے لیا اور اپنے ایک دلیر ترین ماتحت افسر، اولمپی اڈورسس، کو تین سو چیدہ جوان دے کے لڑنے بھیجا نیز کچھ ایتھنزی تیرانداز اس کی اعانت کے لیے روانہ کیے۔ ان احکام کی تعمیل بہت جلد ہوئی اور ایتھنزی سپاہی دوڑتے ہوئے دشمن سے لڑنے چلے۔ ادھر ایرانی رسالے کا افسر اعلیٰ ماسیس تیوس کہ اپنے حسن مردانہ، غیر معمولی قدوقامت اور تعجب انگیز دلاوری میں مشہور تھا، انھیں آتے دیکھتے ہی پلٹا اور پوری قوت سے اُن پر حملہ آور ہوا۔ تھوڑی دیر تک اسی جگہ ایک سخت مقابلہ ہوا اور فریقین ایسے جم کر لڑے کہ گویا اسی مقابلے پر جنگ کی کامیابی ناکامیابی کا فیصلہ ہے۔ مگر بالآخر ماسیس تیوس کو گھوڑے نے زخمی ہو کر ایسا گرایا کہ اپنے بھاری اسلحہ کے باعث وہ گر کر نہ اُٹھ سکا ادھر سے ایتھنزیوں نے وار کرنے شروع کیے اور اُسے سنبھلنے کی مہلت نہ دی۔ بایں ہمہ وہ دیر تک اُسے قتل نہ کر سکے کیونکہ سینہ و سر اور تمام اعضا پر وہ سونے، پیتل اور لوہے کے ایسے زرہ بکتر پہنے ہوئے تھا کہ کوئی حربہ کارگر نہ ہوتا تھا آخر کار اُن میں سے ایک کی تلوار چہرہ پوش کو کاٹتی ہوئی گردن میں اُتر گئی اور اُس کا وہیں کام تمام کر دیا۔

اُس کے مرتے ہی باقی ایرانی بھی اس کی لاش میدان میں چھوڑ کر بھاگ گئے اور یونانیوں کو بڑی کامیابی حاصل ہوئی جو اس لیے بڑی نہیں تھی کہ دشمن کے آدمی زیادہ قتل ہوئے (کیونکہ ان کے مقتولین کی تعداد بہت معمولی تھی) بلکہ اس لیے کہ مجوسیوں کو اُس کا نہایت رنج ہوا اور اُنھوں نے ماسیس تیوس کے سوگ میں اپنے اور اپنے گھوڑوں اور خچروں کے بال مونڈے اور سارے میدان میں ایک کہرام مچا دیا۔ اور اس میں شک نہیں کہ مردونیوسس کے بعد ماسیس تیوس کیا شجاعت اور کیا عہدہ کے لحاظ سے ان میں سب سے بڑا اور ممتاز آدمی تھا۔

اس آویزش کے بعد ان میں عرصے تک کوئی مقابلہ نہ ہوا۔ دونوں طرف کے

نجومی فتح اُس کی بتاتے تھے جو مدافعت پر رہے اور خود حملہ نہ کرے ورنہ حملہ کریگا توشکست ہوگی ‘‘ مگر جب بہت دن اسی طرح گزر گئے ایرانیوں کے پاس سامان رسد ختم ہونے کو ہوا اور ساتھ ہی مردونیوس کو یہ نظر آیا کہ یونانیوں کی جمعیت روز افزوں ترقی پر ہے اور مختلف ریاستوں کی فوجیں برابر اُن میں آن آن کر شامل ہو رہی ہیں، تو پھر اُس سے صبر نہ ہوا اور اُس نے صبح ہوتے ہی اسوپوس اُتر کر یونانیوں پر دفعتاً حملہ کرنے کی ٹھان لی۔ یہی احکام راتوں رات سرداران لشکر کو پہنچ گئے اور اندر ہی اندر چھاپے کی تیاریاں ہونے لگیں۔ لیکن آدھی رات کے وقت ایک سوار چھپ کر یونانی لشکر میں آیا اور طلایے والوں سے درخواست کی کہ ارس تدیز اتیھنزی کو بلا دیں۔ اور وہ اسی وقت وہاں آیا تو اجنبی نے کہا ’’میں اہل مقدونیہ کا بادشاہ سکندر[1] ہوں اور اپنی جان کو بالکل ہتھیلی پر رکھ کر محض تمھاری خیر خواہی کے لیے آیا ہوں کہ مبادا تم ایرانیوں کے اچانک حملے کی تاب نہ لا سکو یا سراسیمہ ہو کر نقصان اُٹھاؤ۔ کیونکہ کل جو حملہ مردونیوس کرنے والا ہے اس میں خود اُسے فتح کی امید نہیں نہ اظہار شجاعت منظور ہے بلکہ دراصل اس کے پاس رسد ہو چکی ہے اور ہر چند تمام نجومی اُسے لڑائی لڑنے سے منع کرتے ہیں اور شگون اور قربانی کی علامتیں بُری ہیں اور فوج میں سخت ابتری اور مایوسی پھیلی ہوئی ہے، بایں ہمہ ضرورت اسے مجبور کر رہی ہے کہ یا جنگ میں قسمت آزمائی کرے اور یا خالی پڑے پڑے قلت رسد کی مصیبت اُٹھائے۔‘‘ یہ کہہ کر سکندر نے اُس سے التجا کی کہ مجھے نہ بھولنا اور میرا لحاظ رکھنا لیکن میرا ذکر کسی شخص سے نہ کرنا۔ ارس تدیز نے جواب دیا کہ جس وقت تک لڑائی جاری ہے میں وعدہ کرتا ہوں کہ سوائے پوسے نیاس کے (جس سے بہ حیثیت اعلیٰ سپہ سالار ہونے کے۔ یہ خبر کہنی ضروری ہے) کوئی شخص اس راز سے مطلع نہ ہونے پائیگا۔

[1] واضح رہے کہ یہ فیلقوس کا بیٹا سکندر نہیں ہے بلکہ مقدونوی بادشاہوں میں ایک اور اُس کا ہمنام پیش رو ہے ۱۲

البتہ اگر یونانیوں کی فتح ہوئی تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ وہ سکندر کی اس مہربانی اور احسان سے ناواقف رکھے جائیں۔ اس گفتگو کے بعد شاہ مقدونیہ واپس لوٹ گیا اور ارسٹیدیز نے پوسے نیاس کے خیمے کی راہ لی جہاں سے یہ اطلاع ملتے ہی تمام سرداروں کو ہدایتیں پہنچ گئیں کہ وہ صف جنگ بنا کر تیار ہو جائیں۔

اس موقعے پر بقول ہیروڈوٹس، پوسے نیاس نے ارسٹیدیز سے درخواست کی کہ میمنہ والے اور میسرہ لکدیمونیوں کو دے دے جدھر اُن یونانیوں کے حملے کی توقع تھی جو ایرانیوں کے شریک تھے۔ اس کا منشا یہ تھا کہ خاص ایرانیوں کے مقابلے میں اتھنزی سپاہ رہے کہ وہ اُن سے لڑنے کا تجربہ زیادہ رکھتی ہے اور پچھلی فتوحات کی وجہ سے اُن پر حاوی بھی ہے۔ اس تجویز کو دیگر اتھنزی سرداروں نے بہت ناروا اور متحمل نہ سمجھا کہ پوسے نیاس ہمیں غلاموں کی طرح ادھر سے اُدھر جس مقام پر چاہتا ہے، اور زیادہ خطرہ دیکھتا ہے، بھیج دیتا ہے حالانکہ اور تمام فوجیں اپنی اپنی جگہ پر متعین اور قائم ہیں۔ مگر ارسٹیدیز نے ان کو بتایا کہ یہ تمھاری سراسر غلطی ہے اور اگر تھوڑی دیر پہلے تم تگیا والوں سے بایاں بازو لینے کے لیے لڑائی لڑ رہے تھے اور ان پر ترجیح پا کر خوش ہوے تھے تو کیا وجہ کہ اب سب سے ممتاز جگہ تمھیں دی جاتی ہے اور خود لکدیمونی تمھیں اپنے اوپر فوقیت دے رہے ہیں اور تم اس کے لینے سے انکار کرتے ہو؟ حالانکہ نہ صرف یہ عزت پا کے بلکہ زیادہ تر اس خیال سے تمھیں خوش ہونا چاہیے کہ تمھارا مقابلہ اپنے ہم نسل یونانیوں سے نہ ہوگا بلکہ وحشیوں سے جنھیں خود قدرت نے تمھارا دشمن بنایا ہے۔

اس کے بعد اتھنزیوں نے خوشی خوشی لکدیمونیوں سے اپنی جگہ بدل لی اور آپس میں ایک دوسرے کو بڑھاوے دینے لگے کہ دیکھنا جو لوگ اب مقابلے میں آ رہے ہیں یہ نہ تو ہمت میں کچھ زیادہ جری ہیں نہ ان کے ہتھیار ہی اُن سے اچھے ہیں جو مراتھان میں آکر لڑے تھے۔ بلکہ ان کی وہی تیر کمانیں، ویسی ہی سنہری رُپہلی وردیاں اور ویسے ہی نازک

جسم اور ان کے اندر زنانہ دل ہیں، جیسے کہ پہلے تھے۔ بحالیکہ ہمارے جسم اور ہتیار تو وہی ہیں جو پہلے تھے مگر پچھلی فتوحات سے ہماری دلیری زیادہ بڑھ گئی ہے اور ہم اپنی دوسری ہم قوموں کی طرح صرف وطن کی مدافعت ہی کے لیے نہیں لڑ رہے ہیں بلکہ سلامیس اور میراتھان کے غنائم کے واسطے بھی سینہ سپر ہیں تاکہ دنیا پر ثابت ہو جائے کہ وہ ظفر مندیاں مل تیادیس کی عمدہ سپہ سالاری یا محض خوبیٔ قسمت کا نتیجہ نہ تھیں بلکہ خاص اہل ایتھنز کی قوت بازو اور جانبازی سے حاصل ہوئی تھیں۔" اس قسم کی تقریریں کرتے ہوئے وہ بہ تعجیل اپنی نئی جگہ پر آن آن کر قائم ہو رہے تھے کہ ایرانیوں کے طرفدار اہل تھیز کو بھی بعض بھاگ کر جا ملنے والوں سے اس تغیر کا علم ہو گیا اور اُنھوں نے فوراً مردونیوس کو اس کی خبر پہنچا دی۔ اور اُس نے یا تو ایتھنزیوں سے ڈر کر یا لکدیمونیوس سے خود مقابلہ کرنے کے خیال سے ایرانیوں کو دوسرے بازو پر چلے جانے کا حکم دیا اور اپنے یونانی حلیفوں کو ایتھنزیوں کے مقابلے میں جما یا۔ لیکن فریق مقابل بھی اس تبدیلی سے آگاہ ہو گئے اور پوسے نیاس پھر پلٹ کر دائیں بازو پر آ گیا اور جب مردونیوس نے سہ بارہ ترتیب بدلی تو اُس نے بھی ویسا ہی کیا یہاں تک کہ اسی اُلٹ پلٹ میں دن تمام ہو گیا اور فریقین بے لڑے اپنے اپنے مقام کو چلے گئے۔

اب یونانیوں نے باہمی مشورے سے اپنے پڑاؤ کو یہاں سے ذرا فاصلہ پر ہٹا لے جانے کا ارادہ کیا تاکہ آب رسانی میں آسانی ہو۔ کیونکہ جس جگہ ان کا قیام تھا اُس کے گرد و جوار کے تمام چشمے ایرانی سواروں نے یا توڑ دیئے تھے یا خراب کر دیئے تھے اور انہیں پانی لانے میں بڑی دشواری ہوتی تھی۔ لیکن جب رات ہوئی اور سرداران لشکر نے نئے مقام پر سپاہیوں کو لیجانا چاہا تو بڑی دقت پیش آئی۔ اہالی لشکر پوری طرح اُن کے ساتھ جانے پر آمادہ نہ تھے، ان میں بے ترتیبی سی پھیل گئی تھی اور اکثر اپنے استحکامات سے نکل کر پلاٹیہ کا رخ کر رہے تھے۔

اس موقعے پر اہل اسپارٹہ اپنی منشا کے خلاف سب سے پیچھے رہ گئے جس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ اُمم فرتوس نے جانے سے قطعی انکار کر دیا تھا۔ وہ بڑا من چلا بہادر سردار تھا اور لڑنے کے شوق میں بیتاب ہوا جاتا تھا۔ اُس کے نزدیک ان کی پہلی تاخیر اور پہلو تہی کچھ کم قابل اعتراض نہ تھی کہ اب پڑاؤ کو ہٹانے کی تجویز کی گئی۔ اُس نے اس حرکت کو صریح فراری سے تعبیر کیا اور کہنے لگا کہ کچھ ہی کیوں نہ ہو میں اپنی جگہ سے نہیں ہٹونگا اور مردونیوس کی پوری فوج کا اپنے اکیلے دستے سے مقابلہ کرونگا۔" پھر جب پوسے نیاس خود آیا اور اسے سمجھانے لگا کہ یہ تجویز تمام یونانی افسروں کی متفقہ رائے سے منظور ہوئی ہے تو امم فرتوس نے ایک پتھر اُٹھا کے اُس کے پانوں میں پھینک دیا اور کہا کہ لو یہ میری رائے ہے اور یہی علامت ہے کہ میں نے جنگ کرنے کا ارادہ کر لیا ہے اور دوسروں کے بزدلانہ مشورے اور فیصلوں کی میں کوئی پروا نہیں کرتا!" پوسے نیاس یہ دیکھکر حیران ہوا کہ کیا کرے اور آخر اتیھنزیوں کو جو رواں ہو رہے تھے ٹھہرنے کے لیے کہہ کر باقی ماندہ یونانیوں کو وہ پلاٹیہ کی طرف لے چلا کہ شاید وہاں جانے میں اُمم فرتوس زیادہ حجت نہ کرے اور اپنے پڑاؤ سے چلا آئے۔

اس اثنا میں دن نکل آیا اور مردونیوس (جو اُن کے اس طرح لشکرگاہ چھوڑ دینے سے بے خبر نہ تھا) فوج کی صف بندی کر کے لکدیمونیوں پر حملہ آور ہوا۔ اس کے سپاہی وہی وحشی اقوام کے سے نعرے لگا رہے تھے اور اس طرح غل مچاتے ہوئے بڑھے تھے کہ گویا یونانیوں سے جنگ کرنا مقصود نہیں بلکہ اُنھیں فرار ہونے میں کچل دینا چاہتے ہیں۔ اور اس میں شک نہیں کہ اوّل اوّل جنگ کی صورت کچھ اسی قسم کی تھی۔ کیونکہ پوسے نیاس جو اُنھیں آتے دیکھکر تھم گیا اور صف بندی کا حکم دے رہا تھا، یا تو امم فرتوس کی عدول حکمی کے غصّے میں اور یا دشمن کے ناگہاں نمودار ہو جانے کی گھبراہٹ میں باقی ماندہ یونانیوں کو جنگ کا اذن عام دینا بھول گیا اور اس غفلت کا

نتیجہ یہ ہوا کہ اکھٹے ہو کر وہ اس کی امداد کو نہ آسکے بلکہ دستہ دستہ لڑائی شروع ہونے کے بعد وہاں پہنچے اور بے ترتیبی کے ساتھ جہاں تہاں دشمن سے اُلجھ گئے۔ ادھر پوسے نیاس نے قربانیاں کرائیں تو شگون اچھا نہ نکلا اور اس لیے اُس نے لکدیمونیوں کو حکم دیا کہ اپنی ڈھالیں قدموں میں ڈال ڈال کر خاموش کھڑے ہو جائیں اور جب تک وہ نہ کہے نہ مقابلہ کریں نہ مدافعت۔ پھر اُس نے دوبارہ جانور ذبح کرائے اور عین اُس وقت ایرانی سواروں نے بھی ہلہ کیا جس میں بعض لکدیمونیوی سپاہیوں نے زخم کھائے اور خاص کر کالی کراتس مجروح ہو کے گرا جو کہا جاتا ہے کہ ساری فوج میں سب سے وجیہ جوان تھا۔ اُس کے تیر کاری لگا تھا اور دم توڑتے وقت اُس کے منہ سے یہ نکلا کہ "مجھے اپنی موت کا کچھ افسوس نہیں (کیونکہ میں گھر سے خاص اسی ارادے سے چلا تھا کہ یونان پر سے اپنی جان نثار کرونگا) لیکن اس بات کا قلق ہے کہ بے ہات پاؤں ہلائے مرتا ہوں!" واقعی موقع نہایت نازک تھا اور لوگوں کا ضبط اور برداشت، قابل حیرت کیونکہ وہ خاموش کھڑے زخم پہ زخم کھاتے اور مر مر کے گر جاتے تھے مگر ہات تک نہ ہلاتے تھے اور صرف اپنے دیوتاؤں اور سپہ سالار کی ہدایات کے انتظار میں نہ دشمن کا مقابلہ کرتے تھے نہ اپنا بچاؤ۔ اور بعضوں کا بیان ہے کہ خود پوسے نیاس پر جبکہ وہ مراسم عبودیت میں مصروف تھا بعض لدیہ والوں نے یکایک حملہ کر دیا اور اسکی تمام قربانیوں کا ساز سامان منتشر کر کے لوٹ لیا۔ اور اُس وقت اُس کے ساتھیوں نے بے ہتیار ہونے کی وجہ سے جریبوں اور کوڑوں سے دشمنوں کو مارا۔ چنانچہ اسی واقعے کی یادگار میں آج تک اسپارٹہ میں اہل لدیا کا جلوس نکالا جاتا ہے اور اس سے پہلے قربان گاہ کے پاس لڑکوں کو جریبوں سے مارتے ہیں۔

القصہ جبکہ پروہت یکے بعد دیگرے قربانیاں کر رہے تھے پوسے نیاس ان افسوسناک حالات اور اپنی بے دست و پائی پر بے اختیار آنکھوں میں آنسو بھر لایا

اور کوہ ستھرن کے مندر کی طرف ہات اٹھا کر جو نو اور پلاٹیہ کے دیوتاؤں سے بہ عاجزی دعا مانگنے لگا کہ "اگر یونانیوں کی قسمت میں فتح نہیں لکھی تو کوئی غیر معمولی شجاعت دکھائے بغیر وہ ہلاک نہ ہوں اور کم سے کم اپنے کاموں سے دشمن پر یہ تو ثابت کر سکیں کہ اُس کا مقابلہ بہادر سپاہیوں سے ہوا تھا"۔ وہ انہیں دعاؤں میں مصروف تھا کہ قربانیوں میں مساعد علامات ظاہر ہوئیں اور کاہنوں نے فتح کی پیشین گوئی کی۔ اور اب جونہیں لڑائی کا حکم ملا لکدیمونی پیادوں کی معلوم ہوا کہ صورت ہی بدل گئی اور وہ یکایک ایک غضبناک شیر نظر آنے لگے جس کے جسم کے بال کھڑے ہو گئے ہوں اور حربہ کرنے کو جھپٹتا ہو۔ اس وقت ملیچھوں پر بھی ظاہر ہو گیا کہ وہ جن سے لڑنے آئے ہیں۔ وہ مرنے سے پہلے میدان جنگ سے ہٹنے والے نہیں۔ تب اُنھوں نے ڈھالیں اپنے سامنے کر لیں اور لکدیمونیوں پر تیروں کا مینہ برسا دیا۔ لیکن وہ بہت جلد ایک قطار میں مرتب ہو گئے اور دشمنوں پر اس طرح ٹوٹ کر گرے کہ ڈھالیں ہاتوں سے چھوڑوا دیں اور برچھوں سے سر و سینہ بیندھ بیندھ کر ہزاروں کو مار ڈالا۔ مگر ایرانیوں نے بھی کچھ بزدلی سے جانیں نہ دیں بلکہ بار بار اُن کی برچھیاں پکڑ پکڑ کر توڑ ڈالیں اور تلواروں اور خنجروں کی لڑائی میں جوہر سپاہ گری دکھا کر اسپارٹہ والوں سے ڈھالیں چھین چھین لیں اور پہلوانوں کی طرح گتھ گئے۔ اور بڑی دیر تک جم کر مقابلہ کرتے رہے۔

ادھر ایتھنزی جو کچھ فاصلہ پر اسپارٹہ والوں کے منتظر کھڑے تھے کہ وہ آئیں تو مل کر پلاٹیا یا دوسرے مقام کو چلیں، لڑائی کا غل شور سنکر متعجب ہوئے مگر تھوڑی ہی دیر میں پوسے نیاس کا ہرکارہ پہنچ گیا اور جو کچھ گزرا تھا اس سے اطلاع دی ساتھ ہی وہ لکدیمونیوں کی مدد کو دوڑ پڑے۔ اور جس وقت میدان جنگ سے گزر کر اس موقع پر پہنچے جہاں سے غل و شور کی آوازیں آ رہی تھیں تو اُدھر سے وہ یونانی ان کے مقابل آئے جو ایرانیوں کے شریک ہو کر خود اپنی ہمقوموں سے لڑنے آئے تھے۔

انہیں دیکھکر ارِسٹ تدیز صف سے نکلا اور کچھ فاصلے پر بڑھ کر اُنھیں بہ آوازِ بلند مخاطب کیا اور یونان کے محافظ دیوتاؤں کا واسطہ دیا کہ وہ اس جنگ میں حصہ نہ لیں اور اُس جاتی ہوئی کمک کو نہ روکیں جو مادرِ وطن کے جاں نثار مدافعین کے لیے چلی ہے۔ لیکن اُن پر اس التجا کا کچھ اثر نہ ہوا اور انہیں صف جنگ ترتیب دیتے دیکھکر ارسٹ تدیز نے بھی لکدیمونیوں کو مدد پہنچانے کی بجائے پہلے انہیں سے (جو تعداد میں پانچ ہزار تھے) فیصلہ کرلینا مناسب سمجھا اور لڑائی شروع کی۔ مگر اُن کے اکثر دستوں نے جلد ہمت ہار دی اور ساتھ والے ایرانی بھی پسپا ہو کر بھاگ نکلے البتہ اہل تھبز سے سخت مقابلہ ہوا اور وہ دیر تک سامنے سے نہ ہٹے۔ واضح رہے کہ اس شہر کے بڑے بڑے سردار دولت ایران کے بڑے سرگرم طرفدار تھے اور اگرچہ اُن کے ہموطنوں کا منشا نہ تھا تاہم حکومتِ خواص کی رعایا ہونے کی وجہ سے وہ (مجبوراً) اپنے حکام کے ساتھ لڑنے چلے آئے تھے۔

لڑائی کی اس تقسیم کے بعد پہلی فتح لکدیمونیوں نے پائی ایک اسپارٹی سپاہی ارم نس ٹس کے پتھر کی ضرب سر پر کھا کر ایرانی سپاہ سالار مردونیوس مارا گیا اور اس کی موت کے متعلق جو پیشین گوئی امفیاروس کے مندر میں کی گئی تھی وہ پوری ہوئی۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ مردونیوس نے ایک لدیہ کے باشندے کو اس مندر سے تفائل کرنے بھیجا تھا اور ایک اور کاریہ کے آدمی کو ٹروفونیس کے غار کی سمت روانہ کیا تھا۔ مگر اس چلے کے پجاری نے تو اپنی بولی میں جواب دیا (جسے مردونیوس کا آدمی پوری طرح سمجھ نہ سکا) اور لدیہ والا امفیاروس کے مندر میں جاکر سو رہا تھا کہ خواب میں دیوتا کا ایک پجاری اُسے نظر آیا جو سامنے کھڑا حکم دے رہا تھا کہ تم یہاں سے چلے جاؤ اور جب اُس نے تعمیل کرنے سے انکار کیا تو پجاری نے ایک پتھر اُس کے سر پر مارا جس کی ضرب سے اُسے ایسا معلوم ہوا کہ گویا وہ مارا گیا ہے ـــــ یہ ہے وہ

روایت جو مردونیوس کی موت کے متعلق مشہور ہے۔ بہر حال لکدیمونیوں نے ایرانی فوج کو بھگا دیا اور تعاقب کرتے ہوئے اس مقام تک لے آئے جہاں اُنھوں نے لکڑی کی دیواریں بنا رکھی تھیں۔ اُدھر تھوڑی ہی دیر میں ایتھنز والوں نے بھی فتح پائی اور اہل تھبز اپنے نامور اور مقتدر تین سو سرداروں کی لاشیں میدان میں چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ اسی وقت ایرانیوں کے پڑاؤ میں پناہ لینے اور محصور ہو جانے کی اہل ایتھنز کو اطلاع ملی اور اُنھوں نے اپنے یونانی دشمنوں کا پیچھا کرنے کی بجائے اسی طرف کا رُخ کیا تاکہ تھبز والے خواہ بچ کر نکل جائیں مگر ایرانیوں کو حتی الامکان دم لینے کی فرصت نہ ملے۔ اور اصل یہ ہے کہ لکدیمونی سپاہی دھاوا کر کے قلعہ لینے کے فن میں ناتجربہ کار تھے اور ان کے بھاری اسلحہ بھی اس کام کے لیے ناموزوں تھے۔ پس ایتھنزیوں نے آتے ہی ایرانی پڑاؤ پر حملہ کیا اور تعداد کثیر کو قتل کرنے کے بعد اُسے مسخر کر لیا۔ اُن کے مقتولین کی نسبت مشہور ہے کہ تین لاکھ فوج میں سے صرف چالیس ہزار آدمی اپنے سردار ارتابازو کے ساتھ زندہ پھرے تھے، حالانکہ یونانیوں کے مقتولین کی کل تعداد صرف تیرہ سو ساٹھ تھی۔ اس میں باون آدمی ایتھنزیوں کے مارے گئے جو سب کے سب قبیلہ ایانیٹس سے تعلق رکھتے تھے۔ کلیڈمس کا قول ہے کہ لڑائی میں سب سے زیادہ بہادری اسی قبیلے نے دکھائی تھی اور اسی بنا پر ایک الہامی پیغام میں اُس (قبیلے) کو حکم دیا گیا تھا کہ فتح کی یادگار میں سفراغی پریوں کے نام پر سرکاری خرچ سے بھینٹ چڑھایا کریں۔ اور ریاستوں میں، اسپارٹا کے اکانوے اور تگیا کے سولہ سپاہی کام آئے تھے۔ بایں ہمہ ہیروڈوٹس کہتا ہے کہ سارا لڑائی کا بار مذکورہ بالا تین ریاستوں نے اُٹھایا تھا اور صرف انہیں نے بلا شرکت غیرے فتح حاصل کی تھی۔ مگر سمجھ میں نہیں آتا کہ ایسا کہنے کی کیا دلیل اس کے پاس ہے۔ کیونکہ خود مقتولین کی تعداد گواہ ہے کہ لڑائی اور فتح میں تمام ریاستوں کا حصہ تھا اور نہ فقط ان تین مقامات کے باشندے جنگ کرتے

اور باقی ماندہ ہات پر ہات دھرے خاموش کھڑے رہتے تو قربان گاہ پر یہ کتبہ کندہ ہوتا کہ

اُہل یوناں نے بہ زور و جوش جب وزدغا مار کر ایرانیوں کو رن سے پسپا کر دیا

اور وطن کو دشمنوں سے رستگاری مل گئی سرپرست حریت برجیس[عہ۱] کے تب نام پر

سب کی جانب سے یہاں قربا نگہ تعمیر کی،،

ایتھنزیوں کا بیان ہے کہ یہ لڑائی ماہ بودرومیاں کی چوتھی تاریخ لڑی گئی۔ لیکن اہل بیوشیہ ماہ پانی مس کی ستائیسویں اس کا دن بتاتے ہیں۔ اور اس میں شک نہیں کہ ہمارے زمانے تک اسی تاریخ یونانیوں کا پلاٹیا میں اجتماع ہوتا ہے اور آزادی کے حامی برجیس (جوپیٹر) دیوتا کے نام پر قربانیاں کی جاتی ہیں۔ باقی یہ امر کہ دنوں کا اختلاف کیوں ہوا؟ زیادہ قابل تعجب نہیں۔ کیونکہ آجکل جبکہ علم ہیئت نے اس قدر ترقی کر لی ہے اور ہمارا علم نسبتاً کہیں زیادہ صحیح ہے، بعض مقامات پر مہینہ کسی وقت سے شروع کرتے ہیں اور بعض پر کسی اور وقت سے۔

اس کے بعد ایتھنز والوں نے فتح کی عزت اسپارٹہ کو دینی گوارا نہ کی اور ان کے نام کی یادگار قائم کرنے پر کسی طرح راضی نہ ہوئے یہاں تک کہ ان میں سخت مخالفت پیدا ہو گئی اور اگر ارس تدیز اعتدال ملاطفت سے ان کا غصہ نہ ٹھنڈا کرے تو عجب نہ تھا کہ یونانی فوجیں آپسمیں کٹ مرتیں۔ لیکن غنیمت ہوا کہ اُس کی فہمائش اثر کر گئی اور اُس نے ایتھنزی سرداروں (خاصکر می رونی دوس اور لیوکرے ٹس) کو سمجھا بجھا کر اس بات پر آمادہ کر لیا کہ اس معاملے میں یونانیوں کے متفقہ فیصلے کو قول ناطق مانا جاے۔ چنانچہ ان کی ایک عام مجلس منعقد ہوئی اور تھیوگی ٹن مگاری نے راے دی کہ اگر خانہ جنگی روکنی منظور ہے تو فتح کی عزت کسی تیسری ریاست کو دیدی جائے۔ اس کے بعد کلیوکرٹیس کورنتھی کھڑا ہوا اور لوگوں کو یقین ہو گیا کہ وہ اپنے وطن کے

عہ۱ برجیس یعنی جوپیٹر دیوتا ۱۲م

لیے اعزازِ فتح دیئے جانے کی تحریک کریگا (کیونکہ اسپارٹہ اور ایتھنز کے بعد سب سے بڑی وقعت کورنتھ کی تھی) لیکن یہ دیکھکر سب نے تعریف کی کہ اُس نے پلاٹیہ کا نام پیش کیا اور انہیں مشورہ دیا کہ فتح کا اعزاز اور انعام اس ریاست کو ملنا چاہیے جو کسی فریق کو بھی ناگوار نہیں گزر سکتا۔ کرٹیس کی تقریر کے بعد پہلے ارس تدیز نے اپنے ہموطنوں کی طرف سے اُس کی تائید کی اور پھر پوسے تیاس نے اسپارٹہ کی جانب سے اس فیصلے پر اظہار رضامندی کیا۔ اس طرح اُن میں مصالحت ہوگئی اور اسی ٹیلنٹ پلاتیہ کو دیئے جانے قرار پائے جس سے اُنھوں نے ایک مندر بنایا اور مندر کی مورت کو منروا کے نام سے موسوم کیا، اور اُسے بہت سی عمدہ عمدہ تصاویر سے آراستہ وپیراستہ کیا، جن کی چمک دمک آج تک قائم ہے۔ ایتھنز اور اسپارٹہ والوں نے اپنی یادگار فتح اس کے علاوہ علیحدہ قائم کی اور قربانیوں کے بارے میں اپالو دیوتا سے استشارہ کیا تو وہاں سے جواب ملا کہ وہ سرپرست حریت برجیس کے نام پر ایک قربان گاہ بنائیں لیکن قربانیاں اس وقت تک نہ کی جائیں جب تک کہ وہ تمام علاقے کے آتش خانے نہ بجھائیں جو گویا وحشیوں کی وجہ سے ناپاک ہوگئے تھے۔ نیز دیوتا کا حکم تھا کہ مذکورہ بالا قربان گاہ پر خاص اُس کے مندر ڈیلفی سے لیجاکر آگ روشن کی جائے۔ ان ہدایات کے بموجب یونان کے حکّام نے جابجا خود جاکر ہر جگہ کی آگ اپنے سامنے بجھوا دی اور پلاتیہ کے ایک باشندے یوکی داس نے جلد سے جلد ڈیلفی سے آگ لانے کی حامی بھری۔ چنانچہ اُس نے وہاں جاکر پہلے اپنے جسم کو (متبرک پانی) چھڑک کر پاک کیا پھر سر پر سہرا باندھا اور خاص اپالو کی قربان گاہ سے آگ لے کر پلاتیہ کی سمت دوڑ پڑا اور ایک دن میں ہزار فرلانگ کی مسافت طے کرکے سورج غروب ہونے سے پہلے منزل مقصود پر پہنچ کر اپنے ہموطنوں کو آسلام کیا! اور اُس نے آگ انھیں سونپتے ہی گر کر تھوڑی دیر میں دم دیدیا۔ تب اہل پلاتیہ نے اُس کی نعش ڈی آنا یوکلیا کے مندر میں دفن کردی اور یہ کتبہ وہاں کندہ کرایا:۔

"یوکی داس ڈیلفی تک دوڑا اور اُسی دن وہاں سے واپس آگیا تھا!"

اس یوکلیا دیوی کی نسبت اکثر لوگوں کا خیال ہے کہ وہ ڈی آناہی کا دوسرا نام ہے لیکن بعض کہتے ہیں کہ وہ ہرقل اور مرٹو کی بیٹی تھی اور کنواری مری جس کے بعد بیوشیہ اور لکریہ کے باشندے اُسے دیوی بنا کے پوجنے لگے۔ اُس کی مورتی اور قربان گاہ بازاروں میں استادہ کر دیتے ہیں اور جب کسی کی شادی قرار پاتی ہے تو نکاح سے پہلے دولھا دلھن دونوں اُس (مورتی) کے سامنے قربانیاں کرتے ہیں۔

اس کے بعد ایک اور جلسۂ عام میں ارسٹی تدیز نے یہ تحریک کی کہ ہر پانچویں سال تمام یونانی ریاستوں کے وکیل اور مذہبی نمایندے پلاٹیہ میں جمع ہو کر ال یوتھیریا (یعنی آزادی کے کھیلوں) کا تہوار منایا کریں، اور سارے یونان سے دس ہزار نیزہ بردار، ایک ہزار سوار اور سو جنگی جہازوں کی فوج ایرانیوں سے لڑنے کے لیے تیار رکھی جائے اس میں صرف پلاٹیہ مستثنیٰ ہو اور سپاہی دینے کی بجائے اُس کے سپرد یہ محترم خدمت کر دی جائے کہ یونان کی بہبود اور سلامتی کی قربانیاں دیوتاؤں پر چڑھایا کرے"

سب نے اس تحریک کو منظور کیا اور اس قرارداد کے مطابق جو لوگ لڑائی میں کام آئے اور وہاں مدفون تھے ان کی سالانہ نذر نیاز اہل پلاٹیہ نے اپنے ذمے لی اور اس وقت تک حسب ذیل طریقے سے وہ مراسم مذکور کو ادا کرتے ہیں۔

می مک ٹیریاں مہینے کی (جسے بیوشیہ میں ال کومی نس کہتے ہیں) سولھویں تاریخ کو علی الصباح ایک جلوس نکلتا ہے جس کے آگے آگے نقارچی طبل جنگ بجاتا چلتا ہے۔ پھر کچھ رتھ آتے ہیں جن میں خوشبو اور پھولوں کے ہار رکھے ہوتے ہیں پھر ایک کالا سانڈ اور پھر آزاد شہریوں کے نوجوان لڑکے آتے ہیں اور بڑے بڑے دودستی برتنوں میں، ان کے پاس ہوم (یا نادید کی رسم ادا) کرنے کی غرض سے دودھ اور شراب بھری ہوتی ہے اور بعض ظروف میں تیل اور قیمتی عطر بھی ہوتے ہیں۔ مگر سوائے احرار کے

غلام یا غلام زادوں کو ان چیزوں میں ہات لگانے کی سخت ممانعت ہی کیونکہ مقتولین جنگ نے خاص آزادی کی حمایت میں جان دی تھی۔ ان سب کے بعد پلاتیہ کا حاکم اعلیٰ عنابی جبہ پہنے نکلتا ہی (حالانکہ اور وقت وہ سفید لباس کے سوائے کوئی رنگین کپڑا نہیں پہن سکتا نہ اس کے لیے لوہے کو ہات لگانا جائز ہی) پھر ایوان شہر سے ایک پانی کی ٹھلیا لے کر وہ ننگی تلوار ہات میں لیے شہر کے وسط سے گزرتا ہوا شہدا کے قبرستان میں آتا ہی اور خود ایک چشمے سے پانی کھینچ کر قبروں کو دھوتا اور پھر تیل لگاتا ہی۔ اس کے بعد لکڑیوں کے ایک انبار پر سانڈ کو ذبح کرتا ہی اور برجیس وعطارد سے دعائیں مانگ کے، اُن بہادروں کو، جو یونان کی آزادی کے لیے ہلاک ہوئے، اس خون کی دعوت دیتا ہی اور اور آخر میں ایک بڑے سبو سے شراب اُنڈیل کر یہ الفاظ کہتا ہی کہ "میں یہ جام اُنکی یاد میں پیتا ہوں جنھوں نے یونان کی آزادی کے لیے جانیں دیں!"

اہل ایتھنز جب لڑائی سے لوٹ کر آئے تو ارسٹیڈیز نے دیکھا کہ عوام الناس معاملات سلطنت میں اور زیادہ حقوق حاصل کرنیکے خواہاں ہیں اور بے شبہ اپنی جانبازی اور ایثار سے اُنھوں نے اپنے تئیں زیادہ عزت و لحاظ کا مستحق ثابت کر دیا تھا، علاوہ ازیں انہیں اب بہ زور دبانا بھی آسان نہ تھا کہ وہ سب مسلح، طاقتور اپنے فتوحات کے جوش میں بھرے ہوے تھے۔ نظر بریں اُس نے معاملات سلطنت میں سب کو شریک بنانے کی سعی کی اور یہ قانون جاری کرا دیا کہ آیندہ سے ہر ایتھنز کا باشندہ، بلا تخصیص امارت آرکن منتخب کیا جا سکتا ہی۔

اسی زمانے میں تمسٹاکلیس نے مجلس عام میں بیان کیا کہ وطن کے فائدے کے لیے ایک عمدہ تجویز میرے ذہن میں ہی مگر اُس کا علانیہ ظاہر کرنا خلاف مصلحت سمجھتا ہوں لوگوں نے ارسٹیڈیز کو نامزد کیا کہ صرف وہ طاکلیس کی تجویز سُنے اور اپنی رائے سے آگاہ کرے۔ اور جب اُسے معلوم ہوا کہ تمسٹاکلیس یونانیوں کے بیڑے کو آگ

لگا دینے کا خواہاں ہے کہ پھر ملک میں کوئی ریاست ایتھنز کی مدمقابل نہ رہے، تو اُس نے مجلس میں آکر اعلان کیا کہ تھمس طاکلیس کی تجویز کی برابر کوئی بات فائدہ مند نہیں ہو سکتی لیکن اُس کے برابر کوئی ناانصافی بھی نہیں ہو سکتی! یہ سُنکر شہریوں نے حکم دیا کہ طاکلیس اپنے ارادے سے باز آئے۔ اور اس سے نہ صرف وہ اعتماد اور بھروسہ ظاہر ہوتا ہے جو انہیں ارسس تدیز کی ذات پر تھا، بلکہ یہ امر بھی ثابت ہے کہ اہل ایتھنز انصاف کو کسقدر محبوب اور مقدم سمجھتے تھے۔

پھر ارسس تدیز سائمن کی شرکت میں سردار بنا کے جنگ پر بھیجا گیا اور وہاں اس مرتبہ بڑی قابل توجہ بات جو نظر پڑی یہ تھی کہ پوسے نیاس اور اسپارٹ کے دوسرے فوجی سردار اپنے تبختر اور سخت گیری کی وجہ سے تمام متحدہ افواج میں غیر ہر دلعزیز ہوتے جاتے تھے۔ اس کے برعکس ارسس تدیز کا برتاؤ ویسا ہی معقول اور ملاطفت آمیز تھا اور اسی کی تقلید میں کائمن نے جس خوش خلقی اور بے غرضی کا آئندہ مہمات میں برتاؤ کیا اُس نے ایتھنزیوں کو اور بھی محبوب عوام و خواص بنا دیا اور اس طرح گویا بغیر کسی لشکر کشی یا جنگ آزمائی کے، ارسس تدیز نے محض دانائی اور انصاف پسندی کی بدولت یونان کی سرداری لکدیمونیوں سے چھین لی۔ اور فی الحقیقت اُن کی انسانیت اور عدل کے مقابلے میں پوسے نیاس کی زیادتیاں اور خودغرضی اور زیادہ ناگوار معلوم ہونے لگیں۔ پوسے نیاس کی یہ حالت تھی کہ ہر موقعے پر دوسری ریاستوں کے سپہ سالار سے درشتی اور تکبر سے پیش آتا اور ان کے سپاہیوں کو معمولی خطاؤں پر کوڑوں سے پٹواتا یا دن بھر آہنی لنگر کے نیچے کھڑا رکھتا تھا۔ کہ حلیف سپاہ کے آدمی کو گھوڑوں کے یا بستر کے لیے گھاس پھوس فراہم کرنے کی اجازت نہ تھی اور نہ اسپارٹہ کے گھوڑوں کے پانی پینے سے پہلے وہ چشموں کے پاس جا سکتے تھے۔ اور اگر جاتے تو نوکر چابکوں سے انہیں مار مار کر وہاں سے ہٹا دیتے تھے۔ ارسس تدیز نے ایک مرتبہ

بدسلوکی کی شکایت بھی کرنی چاہی تھی مگر یوسے نیاسس نے نگاہِ خشم آلود کے ساتھ اُسے روک دیا کہ "نہیں اس وقت سننے کی فرصت نہیں ہے"۔ نتیجہ ان باتوں کا یہ ہوا کہ یونان کے اکثر بحری سرداروں نے (خاص کر ساموس، خیوس اور لس بوس والوں نے) ہم آہنگ ہو کر ارس تدیز سے درخواست کی کہ اتحادی افواج کو جو عرصہ دراز سے اسپارتہ کی غلامی چھوڑ کر اتھنزیوں کے حلقۂ متابعت میں آنا چاہتی ہیں، اپنی قیادت میں لے لے۔ اُس نے جواب دیا کہ "جس وجہ سے وہ مجبور ہو کر یہ درخواست کرتے ہیں اُس کے معقول اور واجبی ہونے میں شبہ نہیں، لیکن میں ایسی ذمے داری اُس وقت تک نہیں لے سکتا جب تک کہ وہ عملی طور اپنی خواہش کا اظہار ایسے طریقے سے نہ کر دیں جس کے بعد ان کے اور ساتھیوں کو بھی انحراف کی گنجائش نہ رہے اور ان کی سچائی کا بھی امتحان ہو جائے"۔ یہ سُنکر الیاڈیز ساموسی اور انتاگورس خیوسی نے باہم سازش کی اور شہر بائی زنطہ کے قریب یوسے نیاسس کے بڑھتے ہوئے جہاز کے دونوں طرف اپنے جہاز لاکر اُسے ڈھکیلتے ہوئے لے چلے۔ اور جب یوسے نیاسس نے اُٹھکر دھمکی دی کہ اُنھیں بہت جلد معلوم ہو جائے گا کہ وہ اُس کے جہاز کو خطرے میں نہیں ڈال رہے بلکہ خود اپنی ریاستوں کو مصیبت میں پھنسا رہے ہیں"، تو اُنھوں نے اُسے دھتکار دیا اور کہنے لگے کہ جاؤ تقدیر کا شکر ادا کرو کہ جس کی بدولت پلاٹیا میں فتح حاصل ہو گئی تھی جو یونانیوں نے اب تک تمہاری گوشمالی نہ کی اور اُسی کارگزاری کے خیال سے تمھیں بے سزا چھوڑ دیا۔

پھر یہ سب کے سب مل کر اتھنزیوں کے پاس چلے آئے اور آخر کار اسپارتہ کی سرداری کا خاتمہ ہو گیا۔ لیکن اس موقع پر اُنھوں نے (یعنی اہل اسپارٹا نے) جو شرافت دکھائی وہ کچھ کم قابلِ تعجب نہ تھی۔ کیونکہ جب اُنھوں نے اپنے سرداروں کی زیادتی کا حال سنا اور معلوم ہوا کہ وہ حکومت پاکر فرعون ہو گئے ہیں، تو اُنھوں نے

بطیب خاطر اپنے دعاوی سے ہات اُٹھالیا اور ایسے سرداروں کو آئندہ میدان جنگ میں بھیجنا موقوف کر دیا اور سارے یونان کی حکومت حاصل کرنے کی بجائے ترجیح دی کہ اُن کے آدمی اپنے ہی شہر میں پابند قانون اور اعتدال پسند رعایا بن کے رہیں اور اپنے مراسم قدیم کی حدوں سے قدم آگے نہ بڑھائیں۔

لکدیمونیوں کی ماتحتی کے زمانے سے ہی یونانی ریاستیں مصارف جنگ کے لیے ایک رقم بطور چندہ ادا کیا کرتی تھیں۔ اب انھوں نے اہل ایتھنز میں ارسٹ تدیز سے خواہش کی کہ ہر ریاست کے رقبے اور مداخل کی باضابطہ تشخیص کرے اور حسب حیثیت اُن پر چندہ لگائے۔ یہ اتنا بڑا اختیار تھا کہ گویا سارے یونان کی حکومت اُسے مل گئی تھی مگر بایں ہمہ جب یہ خود مختارانہ انتظام کرنے وہ روانہ ہوا تو ایک مفلس شخص تھا اور انتظام کرنے کے بعد پلٹا تو اور زیادہ مفلس ہو گیا تھا۔ اور یہی نہیں کہ ان رقوم کے تعین میں اُس نے کمال تدین اور انصاف سے کام لیا ہو، بلکہ فی الحقیقت جو کچھ اُس نے کیا ایسی خوبی سے کیا کہ سب خوش اور مطمئن ہو گئے، اور کسی کو شکایت کی گنجایش باقی نہ رہی۔ چنانچہ جس طرح قدما زحل کے دور کو بہترین زمانہ مانتے اور مناتے تھے اسی طرح ایتھنز کے اتحادیوں نے ارسٹ تدیز کے اس عہد انتظام کو یونان کے دور مسرت کے نام سے موسوم کیا۔ زیادہ تر اس وجہ سے بھی کہ جو رقم اُس نے باندھی تھی وہ (ان کی روز افزوں ثروت کے باعث) بہت جلد دُگنی اور پھر تگنی ہو گئی۔ چنانچہ اُس نے چار سو ساٹھ ٹیلنٹ کل چندہ تشخیص کیا تھا اور طوسی دیدیز لکھتا ہے کہ فارقلیس کے زمانے میں جنگ پیلوپنی سس چھڑی تو اہل ایتھنز کے حلیف چھ سو ٹیلنٹ ادا کیا کرتے تھے۔ لیکن فارقلیس کی وفات کے بعد نوخیز مقرروں نے اس رقم کو تیرہ سو ٹیلنٹ تک بڑھوا لیا تھا جس کا باعث کچھ جنگ کی طوالت، ناکامیابیاں یا مصارف کثیر کا پورا کرنا نہ تھا بلکہ اس روپے سے محض عوام الناس کو خوش کرنا، یا نئی نئی امدادیں دینا، اور عمدہ عمدہ تماشا گاہیں

مندر اور بُت بنوانا مقصود تھا۔ بہرحال ارسس تدیز کی اس مالی انتظام سے اتنی تعریف اور شہرت ہوئی کہ اُس کے حریف تھمس طاکلیس کو تمسخر کے سوائے کوئی طریقہ نکتہ چینی کا نہ سوجھا اور اُن چبھتے ہوئے الفاظ کے جواب میں جو ارسس تدیز نے اس کی نسبت ایک مرتبہ کہے تھے وہ کہنے لگا کہ جس روپیئے کے جمع کرنے اور امانت سے رکھنے کو ارسس تدیز اپنا بڑا کمال اور وصف جانتا ہے وہ خدمت روپئے کی ایک تھیلی بھی بہت اچھی طرح انجام دے سکتی ہے!" تھمس طاکلیس پر جس تعریض کا ادھر ذکر آیا اس کا قصہ یہ ہے کہ ایک دفعہ تھمس طاکلیس کی زبان سے گفتگو میں یہ نکلا کہ فوج کے سپہ سالار کی سب سے بڑی صفت اور قابلیت یہ ہے کہ وہ دشمن کی چالوں کو خوب سمجھتا اور پہلے سے تاڑ لیتا ہو۔ اسی کے جواب میں ارسس تدیز نے کہا کہ طاکلیس یہ بات تو یقیناً سپہ سالار میں ہونی لابد ہے۔ لیکن خوبی اور بڑائی اُس کی یہ ہے کہ کسی حال میں اُس کی نیت خراب نہ ہو اور روپیہ لینے سے ہاتھ روکے رکھے۔

ریاست ہائے یونان کا اتحاد قائم رکھنے کے لیے یہ مالی انتظام کرنے کے علاوہ اُس نے سب سے حلف لے اور اہل ایتھنز کی طرف سے آگ میں تپی ہوئی لوہے کی سلاخیں سمندر میں ڈال کر خود بھی حلف اُٹھایا اور ان سب کو جو ایسی سخت قسم کے بعد معاہدہ توڑیں، بددعا دی۔ لیکن بعد میں جب حالات کے لحاظ سے اہل ایتھنز کو زیادہ سختی سے حکومت کرنے کی ضرورت پیش آئی تو معلوم ہوتا ہے ارسس تدیز نے عہد شکنی کا وبال اپنی گردن پر لینا قبول کیا اور اپنے ہموطنوں کو اجازت دیدی کہ جو اقتضائے مصلحت ہو اُس کے مطابق کام کریں۔ یہ درحقیقت ایک قسم کی ناانصافی تھی مگر جیسا کہ تھیو فراطس نے تحریر کیا ہے، ارسس تدیز ذاتی اور وطنی معاملات میں نہایت منصف تھا لیکن سلطنت کے بیرونی تعلقات میں وہ بالعموم ملکی مصالح کو مقدم رکھتا تھا اور ان کی خاطر ایسے کام کرگزرتا تھا جو بعض اوقات سراسر انصاف سے بعید ہوتے۔ چنانچہ جب اہل ساموس نے تحریک

کی کہ متحدہ ریاستوں کے مشترکہ خزانے کو جزیرۂ دِلوس سے ایتھنز میں منتقل کردیا جائے تو بیان کرتے ہیں کہ ارِسْ تدیز نے اپنے حلفی معاہدے کے خلاف دورانِ بحث میں یہ کہا کہ یہ بات منصفانہ نہیں ہے مگر قرین مصلحت ضرور ہے۔

اس طرح آخر کار اُس نے اپنے وطن کی حکومت متعدد امصار و بلاد پر پھیلا دی مگر یاد رہے کہ وہ خود ویسا ہی مفلس رہا اور اس افلاس پر اپنی اور فتوحات کی طرح ہمیشہ ناز کرتا تھا جس کا ذیل کی روایت سے بخوبی ثبوت ملتا ہے۔

کے لیس مشعل بردار ارِسْ تدیز کا رشتہ دار تھا۔ اُس کے دشمنوں نے ایک مرتبہ کوئی سنگین مقدمہ اس کے خلاف اٹھایا اور دیگر معاملات پر مختصر بحث کرنے کے بعد، عدالت پر اثر ڈالنے کے لیے، ایک تقریر اصل الزام کے علاوہ بھی کی اور ارکان عدالت سے کہنے لگے "آپ سب صاحب لِسی ماجس کے بیٹے ارِسْ تدیز سے واقف ہیں جو تمام یونان کا ممدوح و محبوب ہے۔ اب آپ اُسے باہر ایسے پُرانے اور جھرجھرے کوٹ میں دیکھتے ہیں تو بھلا آپ کے نزدیک اُس کی اور اُس کے اہل وعیال کے گھر کے اندر کیا حالت ہوگی؟ کیا ظن غالب نہیں ہے کہ وہ جو گھر کے باہر اس طرح سردی کھانے پر مجبور نظر آتا ہے، گھر میں دیگر ضروریات زندگی اور قوت لایموت تک کا محتاج ہو؟ اب یہ شخص (کے لیس) جو ایتھنز میں سب سے مالدار اور ارِسْ تدیز کا چچازاد بھائی ہے باوجودیکہ سو طرح کے فائدے اُس کے مُلکی اقتدار سے اُٹھاتا ہے لیکن کیا ممکن جو اُس کی کوئی مدد کرے اور اس شکستہ حالی میں اس کے بال بچوں کے کبھی کام آئے ـــــ" اس تقریر کا بڑا اثر ہوا اور جب کے لیس نے دیکھا کہ یہ الزام سُن کر عدالت سخت بیزار ہوگئی ہے اور خلاف کارروائی کرنے پر تُلی ہوئی ہے تو اُس نے ارِسْ تدیز کو عدالت میں طلب کرایا کہ خود وہ تصدیق کرے کہ کس طرح کے لیس نے بارہا اُس کی امداد کرنی چاہی اور مختلف ہدیے قبول کرلینے کی التجا کی مگر اُس نے ہمیشہ انکار کیا اور یہی جواب دیا کہ کے لیس

تمھیں اپنی دولت پر نازاں ہونا اس قدر زیبا نہ ہوگا جتنا کہ مجھے اپنے افلاس پر۔ کیونکہ ایسے دولتمند تو بہت مل جائینگے جو کم و بیش اپنے روپے کا اچھا استعمال کرتے ہیں، لیکن ایسے مفلس شاید کم ہیں جو اپنی تہی دستی کو شریفانہ استقلال کے ساتھ برداشت کرتے ہوں۔ باقی مفلسی کی اگر شرم ہو تو انھیں ہو جنھیں وہ بار معلوم ہوتی ہو!" جب کےلیس نے یہ باتیں دھرائیں اور ارس تدیز نے اسکی شہادت دی تو سامعین میں سے کوئی شخص ایسا نہ تھا جو عدالت سے اُٹھتے وقت کےلیس جیسا دولت مند ہونے کی بجائے ارس تدیز جیسا مفلس نہ بننا چاہتا ہو!

یہ ہے وہ روایت جو حکیم سقراط کے شاگرد اس کائی نوس نے لکھی ہے۔ اور افلاطون کا قول ہے کہ دولت ایتھنز کے تمام مشاہیر میں اگر فی الحقیقت کوئی شخص کامیاب مدبر ہے تو وہ ارس تدیز ہے۔ کیونکہ تھمس طاکلیس، کائمن اور فارقلیس نے شہر کو عمارات و خزائن اور دیگر طفلانہ سامان عیش و آرائش سے معمور کیا تھا لیکن وہ جس نے صرف عدل کو اپنا مسلکِ عمل بنایا ارس تدیز تھا اور اسکی شرافت و انسانیت کا حال اس طرز عمل سے بخوبی ظاہر ہو جاتا ہے جو تھمس طاکلیس کے معاملے میں اُس نے اختیار کیا تھا۔ طاکلیس اس کے تمام کاموں میں دراندازی کرتا رہا اور آخر میں اُس کی جلاوطنی کا بھی وہی باعث ہوا۔ مگر جس وقت اُس سے بدلا نکالنے کا موقع آیا اور اہل شہر نے اُس کے خلاف مقدمہ دائر کیا تو ارس تدیز نے اُس کی مطلق مخالفت نہ کی اور جب الکمیان، اور سائمن وغیرہ اکثر مقتدر شہری طاکلیس کے درپے ہو رہے تھے تو صرف ارس تدیز ایسا شخص تھا جس نے قولاً و فعلاً اُس کے ساتھ کوئی برائی نہ کی اور دکھا دیا کہ وہ اپنے حریف سے جس طرح اُس کی ثروت و اقتدار کے زمانے میں حسد نہ کرتا تھا اُسی طرح اب اُس کی مصیبتوں پر بھی کوئی اظہار فتح و شادمانی کرنا نہیں چاہتا۔

بعض کا قول ہے کہ ارس تدیز نے کسی سرکاری کام کے لیے پونٹس (بحیرہ اسود) کا سفر کیا تھا اور وہیں وفات پائی۔ ایک دوسرے بیان کے بموجب وہ ایتھنز ہی میں عمر طبعی کو پہنچ کر مرا اور آخر وقت تک اپنے ہموطنوں میں محبوب و محترم رہا۔ کراتی روس

مقدونوی نے اس کی موت کا حال اس طرح لکھا ہے کہ طاکلیس کی جلاوطنی کے بعد عوام الناس کا بڑا زور بڑھ گیا تھا روز افزوں دولت و حکومت نے ان کے دماغ آسمان پر پہنچا دیے تھے اور ایک جماعت ان میں ایسے حاسدوں کی پیدا ہوگئی تھی جو ہر نیکنام اور ذی اقتدار شخص کے خلاف بہتان باندھتے اور شیخی یا زعوام الناس کے ہاتھوں اسے ذلیل کرا دیتے تھے۔ اسی ضمن میں دیوفانتس نام باشندۂ امفی ٹروپے نے اس پر بھی رشوت ستانی کا مقدمہ چلایا کہ اپنی محصلی کے زمانے میں اس نے آیونیہ (آئی اونیہ) والوں سے کچھ ناجائز رقم لی ہے۔ اسی جرم میں اس پر پچاس مینے جرمانہ کیا گیا جسے ادا نہ کرسکنے کی وجہ سے ناچار آیونیہ چلا آیا اور وہیں وفات پائی لیکن اس بیان پر کراتی روس نے کوئی تحریری ثبوت پیش نہیں کیا نہ لوگوں کا فیصلہ یا جرم کی روئداد اور سزا کا کوئی حوالہ دیا۔ حالانکہ وہ عام طور پر ایسی شہادتیں اور مصنفوں کے حوالے لکھ دیا کرتا ہے۔ علاوہ ازیں تقریباً ہر شخص جس نے عوام الناس کی نالائقی اور اپنے عمائد سے بدسلوکی کا تذکرہ کیا ہے، مشہور مشہور واقعات کو جمع کر کے ہمیں بتا دیتا ہے کہ کس طرح طاکلیس کو جلاوطن کیا گیا ملتیادیس کے مچلکے لئے گئے، فارقلیس پر جرمانہ ہوا اور پاکیس نے سزا برداشت کرنے کی بجائے موت کو ترجیح دی اور ایوان انصاف میں اپنے خلاف فیصلہ سن کر عدالت کے کٹہرے میں اپنے تئیں ہلاک کر لیا۔ یا اور اسی قسم کی باتیں۔ لیکن گو اس فہرست میں ارس تدیز کی پہلی جلاوطنی کا تمام مصنف حال لکھتے ہیں تاہم کراتی روس نے جو سزائے جرم کی روایت کی ہے اس کی کہیں تصدیق نظر نہیں آتی۔

لیکن سب سے بڑی بات یہ ہے کہ فلیرم میں ارس تدیز کا مقبرہ ابھی تک موجود ہے اور بیان کرتے ہیں کہ اسے شہر والوں نے اپنے خرچ سے بنایا تھا کیونکہ وہ جب مرا تو اس کے پاس بقدر اثاثہ بھی نہ نکلا کہ اس کی تجہیز تکفین کو کفایت کرتا۔ نیز تحریر ہے کہ اس کی دونوں بیٹیاں پری ٹانیم یا بلدیے کے روپے سے بیاہی گئی تھیں اور شہر والوں نے انہیں تین تین ہزار درہم مصارف جہیز کے طور پر دینے کی منظوری دی تھی اور اسکے بیٹے لسی ماخس کو سو مینے نقد اور اتنے ہی ایکڑ زمین کاشت کے لئے الگ دی گئی تھی اور الکبیادیس کی تحریک پر چار درہم روزینہ بھی اسکا مقرر ہو گیا تھا۔ پھر اس لسی ماخس نے جب ایک بیٹی پولی کریٹہ نام چھوڑی تو اس کی

محتاج کیلئے لکلیس تن کا بیان ہو کہ یہی وظیفہ مقرر کیا گیا تھا جو اولمپی کھیلوں میں جیتنے والوں کو ملا کرتا ہے۔ لیکن ڈمٹ ریس فلیری ہالی رونی مس روڈسی، ارس توزی نس مطرب اور حکیم ارسطو دنبہ طبیکہ "رسالہ امارت" ارسطو کی اصلی تصانیف میں محسوب و تسلیم کیا جائے) کہتے ہیں کہ ارس تدیز کی پوتی کا نام مرٹو تھا اور وہ حکیم سقراط کے پاس رہا کرتی تھی گو سقراط کی اصلی بیوی اور تھی تاہم مرٹو کی بیوگی اور کمال عسرت کی وجہ سے اُس نے اُسے اپنے گھر میں جگہ دے دی تھی۔ مگر پانی ٹیس نے جو کتاب سقراط پر لکھی ہے اس میں مذکورہ بالا روایت کی کافی طور پر تردید کر دی ہے۔ ڈمٹ ریس فلیری یہ بھی بیان کرتا ہے کہ میں ارس تدیز کے ایک نواسے لسی ماجس کو جانتا ہوں جو کمال تنگدستی میں گزر اوقات کرتا تھا اور اس مقام کے قریب بیٹھا تھا جسے ایاکیم کہتے ہیں اور خوابوں کی تعبیریں بتا بتا کر وجہ معاش پیدا کرتا تھا۔ پھر خود میری (یعنی ڈمٹ ریس کی) تحریک و وکالت پر اس شخص کی ماں اور خالہ کے نام نیم درہم روزینہ کی منظوری دی گئی "۔ بعد میں جب یہی ڈمٹ ریس وضع قوانین کے کام میں مصروف تھا تو ان عورتوں کا فی کس اس نے ایک درہم روزانہ مقرر کر دیا تھا۔ اور اہل ایتھنز کا اپنے شہریوں کی اس طرح خبرگیری کرنا کچھ قابل تعجب نہیں ہے کیونکہ خود وہاں کے رہنے والے تو درکنار، جن لوگوں نے دُور دُور سکونت اختیار کر لی تھی، اُن کو بھی باشندگان ایتھنز نہ بھولتے تھے چنانچہ جب انہیں ارستوگی ٹن کی پوتی کا حال معلوم ہوا کہ وہ جزیرہ لمنوس میں رہتی ہے اور اس قدر شکستہ حال ہے کہ کوئی اس سے شادی کرنے کا روادار نہیں، تو وہ اُسے ایتھنز لے آئے اور ایک شریف النسب شخص سے بیاہ دیا اور جہیز میں پوٹامس کی کچھ زمینیں اسے دے دیں۔ یہی وہ انسانیت اور فیاضیاں ہیں جن کے خود ہمارے زمانے میں بھی شہر ایتھنز نے بے شمار ثبوت دیے ہیں اور جن کی بدولت وہ بجا طور پر دنیا میں نامِ نیک اور تعظیم کے ساتھ یاد کیا جاتا ہے۔

رومۃ الکبریٰ کا مشہور محتسب اور رکن سلطنت

مارکُس کیٹو

(الاکبر)

مارکس کیٹو کی پیدائش، ٹس کلم کو بتاتے ہیں۔ اگرچہ اُس کی پرورش اور تربیت سبائنی علاقے میں ہوئی تھی اور معاملات ملک داری میں حصہ لینے سے پہلے وہ یہیں اپنے باپ کی جاگیر میں رہا کرتا تھا۔ اس کے آباؤاجداد کے حالات بالکل تاریکی میں ہیں گو خود کیٹو اپنے باپ دادا کی اکثر تعریفیں کیا کرتا تھا اور اپنے باپ مارکس کو بڑا منچلا سپاہی اور قابل شخص بتاتا تھا اور پردادا کیٹو کی نسبت بھی بیان کرتا تھا کہ اس نے بارہا میدان جنگ میں جوہر مردانگی دکھائے اور انعام پائے چنانچہ اس کی ران تلے پانچ گھوڑے مارے گئے تھے اور ان کی قیمت اس کی شجاعت کے صلے میں سرکاری خزانے سے عطا کی گئی تھی۔

مگر حقیقت یہ ہے کہ رومہ والے تو اُسے کچھ صاحب حسب نسب جانتے نہ تھے۔ اس زمانے میں رواج تھا کہ ایسے کم نسب آدمی کو جو محض ذاتی لیاقت سے بڑھ جاتا تھا "نو دولتے" یا "نئے شخص" کے نام سے یاد کرتے اور یہی لقب انھوں نے کیٹو کو بھی دے رکھا تھا۔ خود وہ بھی اپنے تئیں ایسا ہی کہتا اور اپنی ناموری اور اعزاز کو ذاتی بتاتا۔ مگر اس کے ساتھ ہی اُسے اپنے بزرگوں کی بڑائی اور خوبیوں پر اصرار تھا کہ ہم قدیم سے اپنی شرافت اور شجاعت میں مشہور ہیں۔ اُس کے نام کا آخری جزو پہلے کیٹو کے بجائے پرس کس تھا مگر بعد میں اپنی لیاقت کی

وجہ سے وہ کیٹو کہلانے لگا کیونکہ تجربہ کار اور ہوشیار آدمی کو رومی کیٹوس کہتے تھے۔

کیٹو کے چہرے کا رنگ سُرخی مائل تھا اور آنکھیں کنجی۔ چنانچہ جس شاعر نے اس کی ہجو میں ذیل کا قطعہ لکھا ہے اُس نے بھی اس کی تصدیق کی ہے:-

قطعہ

نہیں کوئی جگہ بھی بھونکنے سے خالی پرکس کی کہ جس کا لال انگارا ہے منہ اور آنکھ ہے کنجی
مرے پر بھی وہ جب دوزخ کے دروازے پہ جائیگا تو مشکل سے اجازت پائیگا مالک سے گھسنے کی

کیٹو ابتدا سے جفاکش آدمی تھا۔ جوانی میں اعتدال، جنگی خدمات اور اپنا کام اپنے ہاتھوں کرنے کی بدولت اس کا جسم خوب سدھ گیا تھا اور یقیناً جتنا تندرست تھا اُتنا ہی قوی اور مضبوط بھی تھا۔ اس کے ساتھ خطابت کی مشق بھی وہ بہت نوعمری سے اور کہیں نہیں تو اس نواح کے چھوٹے چھوٹے دیہات ہی میں کیا کرتا تھا کیونکہ اُس کے نزدیک یہ فن بھی جسم کی پرورش سے کم ضروری نہ تھا خاص کر ایسے شخص کے واسطے جو معمولی اور نکمی زندگی گزارنے کے بجائے دنیا میں کوئی امتیاز حاصل کرنے کا خواہشمند ہو۔ وہ کسی شخص کا جو اُس کی مدد کا حاجت مند ہوتا، مختار بننے سے انکار نہ کرتا۔ اس لئے تھوڑی ہی مدت میں خاصا قانون داں اور پھر ایک قابل مقرر سمجھا جانے لگا تھا۔

رفتہ رفتہ اس کی مستقل مزاجی اور علو ہمتی کا نقش اُن کے دلوں پر جن سے اس کا سابقہ پڑا جمنے لگا۔ اور وہ بڑی بڑی ملکی مہمات اور قومی اعزاز و مناصب کا اہل سمجھا جانے لگا۔ وہ نہ صرف اپنی وکالت اور مختاری کا محنتانہ لیتا تھا بلکہ قانونی لڑائیوں اور فتوحات سے جو اعزاز حاصل ہوتا تھا، انھیں کچھ زیادہ وقعت سے نہیں دیکھتا تھا اس کی عین تمنا تھی کہ فن سپہگری اور میدان کارزار میں مردانگی کے جوہر دکھائے اور سُرخروئی حاصل کرے اور عالم شباب ہی میں دشمن سے لڑ کر اتنی تلواریں کھائی تھیں کہ سارا سینہ زخموں کے نشان سے

ل یعنی دوزخ کا داروغہ ۱۲

منقوش ہو گیا تھا۔ خود اپنے قول کے مطابق اُس نے پہلی دفعہ لڑائی کی آنچ اُس وقت دیکھی جب ہنی بال اطالیہ کی تاخت تاراج میں مصروف تھا اور ہر معرکے میں کامیاب ہو رہا تھا اُس وقت کیٹو کی عمر سترہ برس کی تھی۔

لڑائی میں وہ مردانہ وار حملہ کرتا تھا اور دشمن کے سامنے ناممکن تھا کہ ذرا بھی لغزش ہو جائے۔ وار کے ساتھ ہی وہ نہایت درشت اور خوف انگیز آوازیں نکالتا جس سے وہ یہ سمجھتا تھا کہ دشمن پر بڑی ہیبت طاری ہو جاتی ہے چنانچہ اکثر کہا کرتا کہ اس قسم کی سختی اور بے جگری تلوار سے بڑھکر کاٹ کرتی ہے۔ کوچ کے وقت وہ ہمیشہ سارے ہتیار خود لے کر پیادہ پا چلتا اور ایک نوکر کھانے کا سامان لئے ہمراہ رہتا۔ کہتے ہیں اس نوکر سے کھانا پکاتے وقت اُس نے کبھی بدمزاجی یا جلدبازی کا برتاؤ نہیں کیا بلکہ فوجی فرائض سے فرصت ہوتی تو اُسے پکانے ریندھنے میں بیٹھکر مدد دیتا۔ فوج میں اُس نے ہمیشہ پانی پر گزارا کیا کبھی بہت تشنگی ہوتی تو پانی میں سرکہ ملا لیتا یا جب بالکل قوت نہ رہتی تو تھوڑی سی شراب بھی شاذ و نادر پی لیا کرتا تھا۔

کیٹو کے کھیت کے عین سامنے مانیس کوریس کا مختصر دیہی مکان واقع تھا۔ یہ وہ شخص ہے جس کا شاندار فتوحات کی جلدو میں تین مرتبہ جلوس نکلا تھا۔ کیٹو اکثر اس مکان کے پاس جا جا کے اُس کے مختصر احاطے اور سادگی پر غور اور مالکِ مکان کی طبیعت کا اندازہ کیا کرتا کہ اس شخص کا ظرف کیسا ہوگا جو رومہ کے سب سے نامور فرزندوں میں ہونے اور اطالیہ کی سب سے زیادہ جنگجو قوموں کو زیر کرنے کے باوجود تین محاربات میں کامیابیاں پانے کے بعد ہنسی خوشی اس چھپر میں رہتا ہی اور ایک چھوٹے سے قطعۂ زمین میں ہل چلا کے پیٹ پالنے پر قانع ہی۔ اسی غریبانہ عمارت میں سمنیٹی سفرا اس سے ملنے آئے تھے۔ وہ اُس وقت باورچی خانے میں گوبھی اُبال رہا تھا مگر جب ان سفیروں نے اُسے کچھ اشرفیاں نذر کرنی چاہیں تو اس نے یہ کہکے انھیں واپس کیا کہ جو شخص اس خوراک پر صبر شکر کے ساتھ

گزارا کرسکتا ہے اسے اشرفیوں کی ضرورت نہیں اور میں تو خود زر حاصل کرنے کی نسبت زرداروں پر غلبہ حاصل کرنا زیادہ پسند کرتا ہوں۔ یہ باتیں سوچنے کے بعد نوجوان کیٹو گھر لوٹتا اور اپنی کھیتی اور خانگی آمد و خرچ نوکر چاکر اور کارخانے پر غور و فکر کرکے غیر ضروری مصارف گھٹا دیتا اور زیادہ محنت کے ساتھ اپنے کاروبار میں مصروف ہو جاتا۔

ٹے رینٹم کی تسخیر کے وقت نوجوان کیٹو نے بئیں میکس مس کی فوج میں سپاہی تھا اور نیارحس کی ماتحتی میں لگایا گیا تھا۔ یہ نیارحس حکیم فیثاغورث کے ماننے والوں میں تھا۔ کیٹو نے اُس سے حکیم موصوف کے اصول سیکھنے چاہے اور پہلے سے زیادہ کفایت شعاری اور پرہیزگاری کا دلدادہ ہو گیا جب نیارحس سے وہ باتیں سنیں جنھیں افلاطوں نے بھی بیان کیا ہے۔ مثلاً مسرت بدکاری کا خاص طعمہ ہے (یعنی بدکاری پر سب سے زیادہ جو شے للچاتی ہے وہ مسرت حاصل کرنے کی مفرط خواہش ہے) روحانی آفتوں کا بڑا باعث جسم ہے اور وہ خیالات جو جسم کی آرزوؤں سے روح کو زیادہ علیحدہ اور الگ کرتے ہیں درحقیقت اس کو زیادہ جلا دیتے اور قوت بخشتے ہیں۔

مذکورۂ بالا تعلیم کے سوا کہتے ہیں کیٹو نے بڑی عمر تک یونانی کا مطلق مطالعہ نہیں کیا تھا اور فنِ تقریر میں طوسی دیدس کی نسبت زیادہ فائدہ دموس تھنیس سے اُٹھایا تھا تاہم اس کی تحریریں یونانی کہاوتوں اور کہانیوں سے بھری ہوئی ہیں بلکہ اکثر کا اس نے لفظ بہ لفظ ترجمہ کرکے اپنے خیالات اور حکیمانہ اقوال کے پہلو بہ پہلو رکھا ہے۔

اُن دنوں رومیوں میں ایک شخص ویلریس فلے کس بڑا عالی مرتبہ اور صاحب رسوخ تھا اُسے جوہر قابل کو تاڑ لینے میں کمال حاصل تھا اور ہونہاروں کو ہمیشہ بڑھاتا اور مقدور بھر مدد پہنچاتا۔ کیٹو کی زمینیں معلوم ہوتا ہے اس کی جائداد سے بالکل متصل تھیں چنانچہ اس نے بھی نوکروں چاکروں کے ذریعے کیٹو کا حال سُنا کہ کس مشقت اور سادگی کے ساتھ گزارا کرتا ہے اور کس طرح صبح اُٹھکر پیدل کچہریوں میں پہنچتا ہے کہ جن کو وکیل کی ضرورت ہو انھیں مدد دے

اور پھر گھر آکر کس طرح جاڑا ہو تو معمولی چُغے میں اور گرمی ہو تو بغیر اُس کے اپنے نوکروں کے ساتھ کام کرتا ہے اور انھیں کے ساتھ بیٹھکر جو روکھی سوکھی وہ کھاتے ہیں اور جو شراب وہ پیتے ہیں کیٹو بھی کھا پی لیتا ہے۔ یہ باتیں سُن کر ویل ریس اُس کا بہت مشتاق ہو گیا اور جب اُس نے کیٹو کے عمدہ اطوار، راست بازی، کھرے پن، اعتدال اور دانشمندانہ اقوال کا حال سنا تو اس کی اپنے ہاں دعوت کی۔ اور اس کی خوش خلقی اور فطرت پسندیدہ سے ذاتی طور پر واقف ہو گیا کہ اُسے ایک پودے کی مثل بارآوری کے لئے صرف عمدہ مقام اور تربیت کی ضرورت ہے۔ لہذا اصلاح دی کہ وہ بے تاخیر رومہ چلا جائے اور معاملات ملک داری میں اپنی قابلیت کے جوہر دکھائے۔ کیٹو نے اس مشورے پر عمل کیا اور اپنی خوش بیانی کی بدولت جلد بہت سے دوست اور مدّاح پیدا کر لئے۔ لیکن اس کی ترقی میں زیادہ مدد ویل ریس نے کی اور اوّل ہی اوّل اس کا فوجی ٹربیون کے عہدے پر تقرر ہو گیا۔ اس کے بعد بخشی[1] یا فوجی خزانچی بنا دیا گیا اور پھر شہرت و ناموری پا کے خود ویل ریس کی شرکت میں اس نے بڑے بڑے عہدے حاصل کئے یعنی پہلے اس کے ساتھ قنصل کے ممتاز منصب پر سرفراز ہوا پھر عرصے تک محتسب[2] (اعلیٰ) رہا۔

مجلس ملکی کے پُرانے ارکان میں کیٹو سب سے زیادہ فے بیَس مکیسی مس کا طرفدار تھا اور اس کی وجہ مکسی مس کا محض اقتدار یا شخصی اعزاز نہ تھا بلکہ زیادہ تر اُس کی عادتیں اور طرز ماند و بود، جنھیں کیٹو سب سے بڑھکر قابل تقلید جانتا تھا اور جب سی پیو اعظم نے جوانی کے زور میں مکسی مس کی مخالفت پر کمر باندھی تو کیٹو نے اس کا مقابلہ کرنے میں ذرا باک نہیں کیا اور اس کو اپنا دشمن بنا لیا۔ چنانچہ جب وہ سی پیو کے ہمراہ خزانچی کی حیثیت سے صقالیہ (سسلی) کی مہم پر گیا اور اُس کو حسب عادت بے غل و غش روپیہ فوج پر لُٹاتے

---

[1] یعنی کواسٹر۔ اس عہدے کو بخشی گری کے مثل سمجھنا چاہیئے ۱۲

[2] محتسب کا عہدہ قنصل سے ملکی اختیارات میں کم مگر معاشرتی معاملات میں اس سے بھی زیادہ اہم ہوتا تھا۔ اس کو ایک قسم کا قاضی سمجھنا چاہیے

دیکھا تو کیٹو اس سے کئی مرتبہ لڑا کہ اگرچہ روپیہ خرچ کرنے کا چنداں خیال نہیں مگر اسراف سے سپاہیوں کی عادتیں خراب ہو جاتی ہیں اور وہ عیش و نشاط کے روز بروز دلدادہ ہو رہے ہیں۔ اس کے جواب میں سی پیو نے (جو کہنا چاہیئے کہ اس وقت فوج کا مختار کُل بنا ہوا تھا) کہا کہ ہمیں تم جیسے باریک بین خزانچی کی ضرورت نہیں اور ہم سے لوگ بھی یہی پوچھ سکتے ہیں کہ کیا کیا کام کئے نہ یہ کہ کتنا روپیہ صرف ہوا؟ اس پر کیٹو واپس چلا آیا اور نکیس مس کے ساتھ مل کر سی پیو پر کھلم کھلا مجلس ملکی (سینٹ) میں الزامات لگانے شروع کئے کہ وہ بے شمار روپیہ خرچ کئے ڈالتا ہے اور بچوں کی طرح کھیل تماشوں میں سارا وقت گزارتا ہے گویا لڑائی لڑنے نہیں گیا جشن اُڑانے گیا ہے۔ آخر اتنا اثر ان مخالفتوں کا ہوا کہ لوگوں کے چند ٹریبوں صقالیہ گئے کہ اگر یہ الزامات درست ہوں تو سی پیو کو واپس پھیر لائیں لیکن اُن کو اُس نے اپنی جنگی تیاریاں دکھا کے قایل کر دیا اور انھوں نے بھی یہی دیکھا کہ اگرچہ وہ اپنا خالی وقت یار باشی میں گزارتا ہے تاہم امور ضروری کی طرف سے بھی غافل نہیں پس اس پر تن آسانی اور اسراف کا الزام کچھ زیادہ وزنی نہیں غرض سی پیو بے روک ٹوک جہاز میں بیٹھکر اپنی مہم پر روانہ ہو گیا۔

کیٹو کا اپنی فصاحت اور خطابت کی بدولت روز بروز اثر بڑھنے لگا اور وہ عام طور پر "رُومی دموس تھینیز" کے معزز عرف سے پکارا جانے لگا مگر خطابت سے زیادہ اس کی طرز معاشرت مشہور ہوئی۔ کیونکہ فن تقریر سیکھنا اس زمانے میں شریف زادوں کے لئے ایک ضروری چیز تھی اور کسی کا اس میں مہارت تامہ حاصل کر لینا ایسی اچنبھے کی بات نہ سمجھی جاتی تھی۔ البتہ قدیم زمانے کے لوگوں کی طرح جسمانی مشقتیں کرنا اور موٹی جھوٹی خوراک پر یا بے پکے ناشتے پر گزارا اور غریبانہ لباس و مکان کو ترجیح دینا یا تحصیل دولت و تعیش کو مطمح نظر بنائے بغیر قومی کام کرنا، نوجوانوں میں الشاذ کالمعدوم تھا۔ درحقیقت اس زمانے میں رومہ کی وسیع سلطنت بیرونی اثرات قبول کئے بغیر نہ رہ سکی تھی۔ اس قدر

کثیر ممالک اور مختلف المشارب لوگوں کو زیر فرمان رکھنا اور رسوم و رواج یا طرز معاشرت میں تبدیلی کا پیدا نہ ہونا امر محال تھا۔ پس ان عشرت پسندیوں میں کہ ہر شخص عیش و نشاط کا غلام اور محنت مشقت کرنے میں نہایت بودا ہو گیا تھا۔ کیٹو کی تعریفیں بلا وجہ نہ ہوتی تھیں۔ وہ جوانی اور طلب جاہ کے زمانے ہی میں نہیں بلکہ بڑھاپے تک قنصل ہونے کے بعد بھی نہ عشرت سے مغلوب ہوا تھا نہ محنت سے جی چُراتا تھا۔ بلکہ اس ضعیفی میں بھی کسی مشاق کرتبی کی طرح مختلف کسرتوں اور ریاضتوں کا پابند تھا۔ لباس کے بارے میں خود اس کا قول ہے کہ میں نے سو درہم[1] سفید سے زیادہ قیمت کا جوڑا کبھی نہیں پہنا۔ اور جب وہ سپہ سالار اور قنصل تھا اس وقت بھی وہی شراب پیتا تھا جو اس کے ہاں کے مزدور استعمال کرتے تھے اور اس کے کھانے کے واسطے جو گوشت یا مچھلی بازار سے خریدی جاتی اس کی قیمت چودہ پندرہ پیسوں[2] سے زیادہ کبھی نہیں ہوئی۔ اور یہ بھی صرف سلطنت اور قوم کی خاطر کہ وہ زیادہ سخت خدمت بجا لا سکے! اُسے ترکے میں ایک بابلی قالین بھی ملا تھا اس کو کیٹو نے فروخت کر دیا کیونکہ اُس کا کوئی دیہی مکان پکے فرش کا نہ تھا! اُس نے پندرہ سو درہم سے زیادہ قیمت کا کوئی غلام عمر بھر خرید نہ کیا۔ کیونکہ اُسے صاحب جمال اور نازک چھوکروں کی ضرورت نہ تھی بلکہ مضبوط اور جفاکش سائیس یا چرواہے درکار ہوتے تھے۔ اور جب بڈھے ہو جاتے تو ان کو کیٹو دوبارہ فروخت کر دیتا کیونکہ اس کے گھر میں نکمّے نوکروں کو مفت میں بٹھا کے کھلانے کی کوئی مد نہ تھی۔ الغرض بے کار شئے کا اس کے ہاں کچھ کام نہ تھا بلکہ ایسی چیز کو خواہ کتنی ہی کم قیمت میں بکے وہ بے تامل فروخت کر ڈالتا تھا اور جو کچھ قیمت اس کے ہاتھ آ جاتی اسے بہت غنیمت جانتا۔ اُسے کھیل کود یا تفریح کے لئے ایسے قطعوں کی بھی خواہش نہ تھی جن میں صفائی ستھرائی اور چھڑکاؤ

[1] درہم یعنی درکما (Drachma) جو ہمارے نو دس آنے کے برابر ہوتا تھا۔ یہ سکہ ایرانی ہے لیکن یونان سے ہوتا ہوا روما آیا اور مروّج ہو گیا [2] روما میں ایس (As) تانبے کا سکہ تھا اور ہندوستانی معمولی پیسے کا ہم قیمت

کراکے لوگ بیٹھا کریں بلکہ جب خریدتا وہ کھیت کیا ر یا چرائی کے مطلب کی زمین خریدتا تھا

ان عادتوں کو بعض لوگ تو کنجوسی سے منسوب کرتے اور بہت سے یہ کہتے کہ نہیں یہ اس کی نفس کشی ہے جس میں وہ غلو اس لئے کرتا ہے کہ دوسروں کو عبرت اور سبق ہو اور کچھ نہ کچھ اپنی اصلاح کریں۔ لیکن میری دانست میں درحقیقت یہ بڑی سنگ دلی کی بات ہے کہ آدمی نوکروں سے جانوروں کی مانند کام لے اور جب وہ بوڑھے ہو جائیں ہاتھ پاؤں میں جوانی کے سے کس بل نہ رہیں تو انھیں گھر سے باہر نکال کھڑا کرے اور فروخت کر ڈالے اور دل میں یہ سمجھے کہ آدمی کو آدمی سے صرف اس وقت تک تعلق رکھنا چاہیئے جب تک کہ کام نکلتا رہے اور فائدہ پہنچتا رہے۔ انسانی ہمدردی اور مہربانی کا میدان تو انصاف کے میدان سے بھی زیادہ وسیع ہے کیونکہ انصاف اور قانون صرف بنی نوع انسان تک محدود ہے مگر اپنی رحمدلی اور انسانیت سے ہم وحوش و بہایم تک کو آسایش پہنچا سکتے ہیں اور یہ باتیں طبعاً نیک دلی سے پیدا ہوتی ہیں جس طرح کسی عمیق چشمے سے پانی اُبلتا ہو۔ بے شبہ نیک دل آدمی کی سرشت میں یہ بات داخل ہوتی ہے کہ وہ بڈھے اور بے کار گھوڑے اور کتّوں تک کو اپنے پاس رکھتا ہے اور ان کی دیکھ بھال صرف اسی وقت تک نہیں کرتا جب تک کہ وہ بچھیرے یا پلّے رہیں بلکہ اُن کے بالکل بڈھے ہو جانے کے بعد بھی اُسے ان کی پرورش اور آسایش کا خیال لگا رہتا ہے۔ ایتھنز میں جب ہکا ٹوم ڈن (یعنی سو قربانیوں کی جگہ یا مندر) کا عظیم الشان مندر تعمیر ہوا تو جن خچرّوں کو انھوں نے اُس کے بنتے وقت سب سے زیادہ مشقت اُٹھاتے اور بارکشی کرتے دیکھا تھا انھیں آزاد کر دیا کہ جس جگہ چاہیں جائیں اور چریں (کہتے ہیں) انھیں میں سے ایک خچر ایک مرتبہ از خود کام کرنے آیا اور جو جوڑیاں گاڑیاں بھر بھر کے قلعے تک لیجا رہی تھیں ان کے ساتھ ساتھ بلکہ آگے آگے دوڑنے لگا گویا اُن کو زیادہ طاقت کے ساتھ گاڑی کھینچنے پر اُکستا اور اُبھارتا ہے۔ اس پر وہاں یہ تجویز مجلس ملکی میں منظور کی گئی کہ اس خچر کی

پرورش کا انتظام سرکاری خزانے سے کیا جائے اور مرتے دم تک اس کے نام کی رقم الگ دی جایا کرے۔

سائمن کے گھوڑوں کی قبریں بھی خود اس کے مقبرے کے پاس اب تک بنی ہوئی موجود ہیں۔ یہ اولمپی گھڑ دوڑوں میں تین مرتبہ جیتے تھے۔ اور بڈھے زان تی پوس نے بھی (اور لوگوں کی طرح جو اپنے پالتو کتوں کو اچھی طرح دفن کرتے ہیں) اپنے کتے کی قبر بنائی تھی۔ یہ وفادار کتا اس کے جہاز کے پیچھے (جب لوگ بھاگے) تیرتا ہوا ایتھنز سے سلامیس تک آیا تھا۔ اور آج تک پہاڑی پر اس کا ڈھیر "کتے کا مقبرہ" کہلاتا ہے۔ حقیقت میں دیکھا جائے تو یہ بات کسی طرح مناسب نہیں کہ ہم خدا کی زندہ مخلوق (حیوانات) کو پیر کی جوتی یا رکابیاں سمجھیں کہ جب تک برتیں، برتیں، اور جب گھس گھسا کے ٹوٹ پھوٹ گئیں تو اٹھا کے باہر پھینک دیا اور کچھ تو کم از کم اسی خیال سے کہ نیکی کرنے کی عادت رہے، آدمی کو محبت اور ہمدردی دکھانے کے ایسے موقعے نہ کھونے چاہئیں۔ اپنی نسبت تو میں کہہ سکتا ہوں کہ بڈھے ہو جانے کے باعث اپنے نکمے سے نکمے بیل کو بھی فروخت نہ کروں گا کہ چند سکوں پر ایک آدمی کو جو اُس غریب کو نہ صرف اپنے ہاتھوں سے بکمال بے مروّتی دُھتکار دیتا ہے بلکہ ایک قسم کی جلاوطنی ہے اور جس طریق زندگی کا وہ عادی تھا وہ زبردستی چھڑوانا ہے۔ خاص کر ایسے وقت میں جب کہ وہ بایع کے کام کا نہیں تو مشتری کے بھی کسی مصرف کا نہ رہا ہو۔ لیکن کیٹو وہ شخص ہے جس نے اپنی اقبال مندی اور نام آوری کے باوجود اپنے اُس عزیز گھوڑے کو ہسپانیہ میں چھوڑ دینا گوارا کرلیا جس پر وہ قنصلی کے زمانے میں بڑی بڑی لڑائیاں لڑا تھا۔ محض اس سبب سے کہ اس کے جہاز پر رومہ لانے کا خرچ وہ سرکاری خزانے پر ڈالنا نہ چاہتا تھا! اب ان افعال پر ہر شخص کو اختیار ہے کہ اُنھیں عالی ظرفی کی دلیل سمجھے یا دنایت کی!

مگر اس کی پرہیزگاری اور اپنے نفس پر قابو رکھنا حقیقت میں ایسی صفات ہیں کہ ان کی جتنی تعریف ہو بجا ہے۔ سپہ سالاری کے زمانہ میں بھی اُس نے اپنے اور اپنے تمام عملہ کے لئے دس بلدہ

من گیہوں ماہوار سے زیادہ کوئی شے نہیں لی اور اپنی بار برداری کے جانوروں کے واسطے چھ من روزانہ سے بھی جو کچھ کم ہی لیا کرتا تھا۔ اور جب جزیرہ سارڈینیا کی حکومت پر بھیجا گیا جہاں اس کے پیش رو خیمے ڈیرے فرش فروش اور لباس تک کا خرچ سرکاری خزانے سے لیتے تھے مصارفِ خدم و حشم اور اپنے احباب کی ضیافتوں کا بار بھی سلطنت پر ڈالتے تھے تو اس نے اپنی کفایت شعاری سے جو رقم بچائی وہ اتنی کثیر تھی کہ لوگوں کو اس پر یقین آنا مشکل تھا۔ در اصل اس نے اپنے ہموطنوں پر کسی قسم کا خرچ ہی نہ ڈالا تھا، حتیٰ کہ گانوں گانوں اور شہر شہر وہ بغیر گاڑی کے پیدل جاتا اور صرف ایک گانوں کا نمبردار یا کوئی اور سرکاری نوکر لباس لئے اس کے ہمراہ رہتا اور اسی کے پاس دودھ یا شراب کا پیالہ بھی ہوتا کہ جہاں ضرورت ہو ناویدؔ[1] کی رسم بھی ادا کردے۔ لیکن اگرچہ وہ اپنے ماتحتوں کے سامنے اپنی ذات سے اس قدر بے تکلف اور سادہ مزاج تھا تاہم انصاف و عدل کے معاملے میں اس کی سخت گیری اور کھرا پن اس سے بھی بڑھکر مشہور تھا اور یہ ممکن نہ تھا کہ اس کے سامنے رومۃ الکبریٰ کے قوانین و ضوابط کی بجا آوری میں کسی قسم کی کوتاہی ہو سکے۔ چنانچہ اس کی حکومت میں جتنی کہ سلطنت خوفناک اور اسی کے ساتھ نرم اور آسان معلوم ہوتی تھی کبھی نہ معلوم ہوئی تھی۔

کیٹو کا محض طرزِ گفتار نہایت پُرمعنی ہوتا تھا۔ کیونکہ تمیز و شایستگی کے ساتھ اس میں زور و قوت بھری تھی اس کی باتیں لطیف مگر اس سے بڑھکر دلنشین اور ظریفانہ مگر کھری کھری ہوتی تھیں اور اس کے چھوٹے چھوٹے فقرے نہایت پُرمغز ہوتے تھے۔ گویا اس کی وہ کیفیت تھی جو افلاطون نے سقراط کی دکھائی ہے کہ اگرچہ اس کے دل کی تہ میں وہ قابلیت اور طاقت مخفی تھی جو سخت سے سخت لوگوں کو ہلا دے لیکن ظاہر دیکھو تو وہ ایک معمولی سیدھا سادہ باتونی آدمی نظر آتا تھا۔ ناظرین، میری سمجھ میں نہیں آتا کہ لوگ کیٹو کے طرز کو لی سیس کی خطابت سے

[1] پوجا کے وقت دودھ بہانے کو سنسکرت میں ناوید کہتے ہیں یہ ٹھیک ترجمہ ہے Libation کا کیونکہ یہ رسم قدیم یونانی اور رومی بُت پرستوں میں بھی جاری تھی۔ ۱۲۔

کیونکر تشبیہ دیدیتے ہیں۔ مگر خیر یہ بحثیں ہم ان کے لئے چھوڑے دیتے ہیں جنھیں لاطینی فصاحت کی اقسام میں تشخص و امتیاز کرنے کا دعویٰ ہے اور یہاں اس کے بعض یادگار اقوال نقل کرتے ہیں کیونکہ ہماری رائے میں آدمی کی طبیعت کا حال اس کی باتوں سے زیادہ کھلتا ہے نہ کہ اس کی شکل صورت سے، جیسا کہ بعض لوگوں کا خیال ہے۔

ایک مرتبہ جب رومہ کے عوام الناس زمین اور غلّے کی تقسیم کے بارے میں بہت بیجا شور شغب کر رہے تھے۔ کیٹو نے ان کو سمجھا کے اس شورش سے روکنا چاہا اور اپنی تقریر اس طرح شروع کی کہ "اے شہریو بے شبہ پیٹ کے آگے تقریریں کرنا، جو کانوں سے بہرا ہوتا ہے بہت ہی مشکل کام ہے" پھر ان کی عیش پسندیوں اور تکلفات پر ازرہ طنز کہنے لگا کہ ایسے شہر کا قایم رکھنا دشوار ہے جس میں ایک مچھلی کے دام بیل کی قیمت سے زیادہ ہوں!

یہ بھی اسی کا قول ہے کہ رومی لوگ بھیڑوں کی مثل ہیں جو الگ الگ تو کسی کا کہنا نہیں سنتیں لیکن سب ایک گلّے میں ہوں تو آگے والیوں کے پیچھے پیچھے ہو لیتی ہیں یہی حال کیٹو کہا کرتا تھا "تم لوگوں کا ہے کہ اکثر بخوشی ان رہبروں کے پیچھے ہو لیتے ہو جن کی منفرداً بات تم قیامت تک نہ سنو"!

عورتوں کے رسوخ و اثر پر تقریر کرتے ہوئے اس نے ایک مرتبہ کہا کہ "مرد بالعموم عورتوں پر حکومت کرتے ہیں۔ مگر لوگوں کے حاکم ہم ہیں اور ہم بالکل تابع فرمان ہیں عورتوں کے"! مگر یہ خیال یقیناً اس نے تمس طاکلیس کے اقوال سے لیا ہے جس نے یہ دیکھکر کہ اس کا بیٹا اپنی ماں کے توسط سے جو چاہتا ہے اس سے کرا لیتا ہے کہا تھا کہ اے عورت! یونانیوں پر اتھنز حکومت کرتے ہیں، میں اتھنز کا حاکم ہوں۔ لیکن مجھ پر حکمراں تو ہے اور تو اپنے بیٹے کی تابع فرمان ہے پس اُسے چاہیے کہ اپنی قوت کو ذرا احتیاط سے استعمال کرے کیونکہ وہ اپنی سادہ لوحی کے باوجود وہ کچھ کرسکتا ہے جو سارے یونانی مل کر بھی نہیں کر سکتے!

کیٹو کا ایک قول یہ ہے کہ جس طرح سے ایک رنگریز ایسے رنگ رنگتا ہے جو آنکھوں میں

کھپ جائیں۔ اسی طرح اہل رومہ وہی عادات و اطوار سیکھتے ہیں جو دل لبھائیں۔ ان کی نگاہ میں اخلاقِ حمیدہ کی کوئی قدر ہی نہیں رہی۔ وہ یہ بھی کہتا تھا کہ اگر تمہاری موجودہ عظمت نکوئی اور اعتدال کی بدولت ہے تو انھیں برائیوں سے نہ بدلو۔ اگر تم بے اعتدالیوں اور غلط کاریوں سے اس عروج کو پہنچے ہو تو انھیں بھلائیوں سے بدل دینا چاہیئے۔ اس لئے کہ درحقیقت ایسی چیز نے ہمیں اس مرتبہ کو پہنچایا ہے اُن لوگوں کے متعلق کیٹو کی اچھی رائے نہ تھی جو سدا کسی نہ کسی عہدے پر رہنا چاہتے ہیں وہ کہا کرتا کہ غالباً یہ لوگ اپنا راستہ بھی نہیں جانتے جو ہمیشہ چوبدار اور چپراسیوں کے آسرے رہتے ہیں! لوگوں کو بھی اس نے اس معاملے میں بار بار متنبہ کیا کہ ایک ہی شخص کو متواتر عامل منتخب کئے جانا کسی طرح مستحن نہیں۔ کیونکہ "اس کا مطلب تو یہ ہے کہ یا تم حکومت کی بُرائی بھلائی سے کچھ غرض نہیں رکھتے اور یا صرف چند نفوس کو اس کے لائق سمجھتے ہو۔"

اپنے ایک دشمن کے متعلق جو بہت شرمناک اور ذلیل زندگی گزارتا تھا اس نے اپنی تقریر میں کہا کہ اس شخص کی ماں ہمیشہ دعائیں مانگتی ہے کہ اُسے اپنے پیچھے زندہ چھوڑ جائے مگر یہ دعائیں درحقیقت شخص مذکور کے واسطے کوسنا سمجھی جاتی ہیں!

کیٹو کے زمانے میں ایک رئیس زادہ تھا جس نے اپنے باپ کی بہت بڑی جائیداد جو سمندر کے کنارے واقع تھی بیچ کر برابر کر دی تھی۔ کیٹو اس کی نسبت اظہار تعجب کرنے لگا کہ "یہ شخص سمندر سے بھی زیادہ قوی ہے" کیونکہ اس کے پانی نے جو زمین بڑی دقت کے بعد چھوڑی تھی وہ اس شخص نے نہایت آسانی سے ڈبو دی!"

شاہ یومی نیس کے رومہ آنے کے موقعے پر مجلس ملکی نے بڑے تزک و احتشام کے ساتھ اس کا استقبال اور مہمانداری کی اور شہر کے قریب قریب سب عمائد و اکابر چاہتے تھے کہ ہم ہی اس کے ارد گرد رہیں اس وقت کیٹو شاہ مذکور سے بہت بدگمان اور مشکوک تھا۔ اور جب ایک شخص نے جو اس کے قریب کھڑا تھا یومی نیس کی تعریف کی کہ وہ بڑا اچھا بادشاہ

اور رومیوں کا نہایت گرویدہ ہے تو اس نے جواب دیا کہ ہوگا۔ مگر فطرتاً تو یہ حیوان اگرچہ بادشاہ ہو مردم خوار واقع ہوا ہے! اور حقیقت میں ایسے شاہ و شہریار دنیا میں کہاں گزرے ہیں جن کا مقابلہ اپامنن داس، فارقلیس، تمس طاکلیس، مانیوس کیوریس یا حملکار، عرف برقس (جیسے فدائیان قوم) سے کیا جا سکے؟

کیٹو کا قول تھا کہ میرے دشمن مجھ سے اس لئے حسد کرتے ہیں کہ میں ہر روز سورج نکلنے سے پہلے اٹھ بیٹھتا ہوں اور قومی کاروبار کی خاطر اپنے ذاتی کام کی مطلق پروا نہیں کرتا۔ یہ بھی اسی نے کہا ہے کہ مجھے نیکی کی جزا اتنی زیادہ مطلوب نہیں جتنی کہ بدی کی سزا۔ اور یہ کہ میں ہر ایک کا جرم بخش سکتا ہوں مگر خود اپنا جرم ممکن نہیں کہ معاف کیا جا سکے"۔

جب رومیوں نے ملک بتھینیہ کو تین سفیر روانہ کیے جن میں سے ایک کو گٹھیا تھی ایک کے دماغ پر عمل جراحی کیا جا چکا تھا اور تیسرا احمق سا معلوم ہوتا تھا تو کیٹو نے قہقہہ مار کر کہا "اب کے رومیوں نے جو سفارت مقرر کی ہے اس کے نہ تو پیر ہیں نہ دل ہے نہ دماغ"۔

پولی بیس کی حمایت میں جب سی پیو نے درخواست کی کہ ایکیہ کے جلاوطنوں کو (جو بہت ضعیف العمر لوگ تھے) واپس بلا لینا چاہیئے اور اس پر مجلس میں بڑی شد و مد کے ساتھ مباحثہ ہوتا رہا تو کیٹو سے نہ رہا گیا اور کھڑے ہو کر کہنے لگا "صاحبو آج تمام دن ہم نے مغز پاشی کی اور یہ فیصلہ نہ کر سکے کہ آیا ان بڈھے یونانیوں کو یہاں کے شہد سے (یعنی جنازہ بردار) قبر تک پہنچائیں گے یا ایکیہ کے؟ معلوم ہوتا ہے ہمیں اور کوئی کام دنیا کا کرنا نہیں ہے!

آخر مجلس نے ان کو واپس بلا لینے کا فیصلہ کر لیا۔ مگر تھوڑے ہی دن بعد پولی بیس کے حامیوں نے یہ سوال اٹھایا کہ ان جلاوطنوں کو تمام وہی اعزازات یہاں ملنے چاہئیں جو ایکیہ میں انھیں حاصل تھے اس غرض کے لئے انھوں نے کیٹو کو بھی شریک مشورہ کیا۔ تب اس نے مسکرا کے جواب دیا کہ معلوم ہوتا ہے پولی بیس ایک مرتبہ راکھشسوں کی کھوہ سے

اُلیاسس کی طرح نکل تو آیا ہے مگر پھر چاہتا ہے کہ دوبارہ اسی میں گھس جائے کیونکہ اس کی ٹوپی اور پیٹی وہاں رہ گئی ہے!"

وہ بوثوق کہا کرتا تھا کہ بیوقوف لوگ عقلمندوں سے اتنا استفادہ نہیں کرتے جتنا کہ عقلمند بیوقوفوں سے حاصل کر لیتے ہیں۔ کیونکہ بیوقوف کی غلطیوں سے عقلمند نصیحت اخذ کرتے ہیں مگر بیوقوفوں میں یہ مادہ کہاں کہ وہ عقلمندوں کی اچھی باتوں کی تقلید کر سکیں

نوجوانوں کے بارے میں اس کا قول تھا کہ مجھے وہ پسند ہیں جو شرم سے سُرخ ہو جائیں نہ کہ وہ جو زرد پڑ جائیں۔ اور کہتا کہ وہ سپاہی میرے کام کا نہیں جو چلنے میں ہاتھ زیادہ چلائے اور لڑنے میں پیر یا جس کے خراٹے اس کے نعروں سے زیادہ بلند ہوں۔ ایک فربہ اندام مُسن شخص کا تمسخر بھی اُس نے ان الفاظ میں اُڑایا ہے کہ ایسے شخص کا جسم سرکار کے کس مطلب کا ہے جس میں پیڑو سے لے کے حلق تک پیٹ ہی پیٹ ہو؟

جب اُس سے کسی عیش پرست امیرزادی نے یہ منّت دوستی کی خواہش کی تو اس نے جواب دیا کہ میرا ایسے شخص سے نباہ مشکل ہے جس کی قوت ذائقہ اس کے قلب سے زیادہ ذکی الحس ہو۔

عشق کے متعلق اس کا مقولہ تھا کہ عاشق کی روح دوسرے کے جسم میں رہتی ہے وہ کہتا تھا میں اپنی تمام عمر میں صرف تین باتوں پر بہت پشیمان ہوا۔ اوّل میں نے عورت ذات پر بھروسہ کیا اور راز کہدیا۔ دوسرے خشکی کا راستہ چھوڑ کے تری سے گیا۔ تیسرا میرا ایک پورا دن کوئی اہم اور مفید کام کئے بغیر گزر گیا۔ ایک ضعیف العمر شخص سے جو کسی بُرائی کا ارتکاب کر رہا تھا اس نے کہا "عزیز من بُڑھاپا تو خود سو عیبوں کا عیب ہے پھر تم اس میں بُرائی کا اضافہ کرکے ناحق اس کی فضیحت کیوں بڑھاتے ہو"!

کسی نوعمر ٹریبیوں پر جس کی نسبت زہر خورانی کا چرچا تھا اور جو ایک مسودۂ قانون منظور کرانے میں نہایت گرم مزاجی دکھا رہا تھا۔ کیٹو نے یہ فقرہ کسا کہ اے شخص نہ معلوم تو جو کچھ

ملاتا ہے اس کا پی لینا اچھا ہے یا جو تجویز تو نے پیش کی ہے اس کی تائید کرنا بہتر ہے ؟

جب ایک شخص نے جو اوّل درجے کا اوباش اور بدکار تھا کیٹو کی بجمال دریدہ دہانی مذمتیں کیں تو اس نے یہ جواب دیا کہ میری تمہاری جوڑ برابر کی نہیں ہے۔ کیونکہ تمھیں گالیاں سننے میں باک ہے نہ دینے میں۔ لیکن مجھے نہ کسی اور کو گالیاں دینی گوارا ہیں اور نہ خود سننے کا خوگر ہوں۔ ان مثالوں سے ظاہر ہو گیا کہ اپنے مشہور اقوال میں اظہار خیالات کا کیا طریقہ اُس نے اختیار کیا تھا۔

جب اپنے پُرانے دوست ویلریس فلکیس کے ساتھ وہ قنصل منتخب ہوا تو اس کے حصے میں ہسپانیہ کا وہ علاقہ آیا جسے رومی "ایں روئے ہسپانیہ" کہتے تھے۔ عنانِ حکومت ہاتھ میں لیتے ہی اس نے بعض اقوام کو بجبر اور بعض کو دم دلاسوں سے تابع کرنا شروع کیا مگر اسی اثنا میں دشمن کا لشکر اس قدر کثیر التعداد ہو گیا اور اس طرح چاروں طرف سے اس پر ٹوٹ کر گرا کہ ایک شرمناک ہزیمت کا اندیشہ قوی پیدا ہو گیا اور جو کچھ حاصل کیا تھا اس کے لالے پڑ گئے۔ تب کیٹو نے اپنے ہمسایہ باشندگانِ کلتی بیریہ سے مدد کی درخواست کی۔ انھوں نے دو سو ٹیلنٹ اپنا معاوضۂ اعانت ٹھیرا لیے، اس وقت ہر شخص یہی سمجھتا تھا کہ رومی ان ملیچھوں کو اس قسم کا معاوضہ دینا کسی طرح گوارا نہیں کر سکتے۔ مگر کیٹو کی رائے اور تھی: وہ اس میں کوئی نقصان یا بے عزتی نہیں سمجھتا تھا۔ اُس کا کہنا یہ تھا کہ اگر ہم غالب آئے تو یہ رقم دشمن کی جیب سے نکلے گی نہ کہ ہماری اور اگر مغلوب ہو گئے تو پھر مانگے گا کون اور دے گا کون ؟ لیکن لڑائی ہوئی تو اسی نے فتح کامل پائی اور اس کے بعد وہ اپنے تمام ارادوں میں کامیاب اور بامراد ہوتا رہا۔

پولی بیس لکھتا ہے کہ اس کے حکم قضا شیم سے تمام ایں روئے بی تیس شہروں کی فصیلیں ایک دن میں منہدم کر دی گئیں اگرچہ ان میں بہت سی دلیر اور جنگ جو قومیں آباد تھیں۔ (لیکن کیٹو کے سامنے کسی کو سرتابی کی جرأت نہ ہوئی) خود کیٹو کا دعویٰ تھا کہ وہ جتنے دن

ہسپانیہ میں پھر ان سے زیادہ تعداد میں شہر اس نے تسخیر کئے اور اگر یہ روایت صحیح ہے کہ اس کے تسخیر کردہ شہروں کی تعداد چار سو تھی تو کیٹو کا دعویٰ کچھ مبالغہ یا شیخت نہیں ہے گو ان لڑائیوں میں سپاہیوں کے ہاتھ بہت سا مال غنیمت آیا لیکن پھر بھی کیٹو نے ہر شخص کو آدھ آدھ سیر چاندی تقسیم کی اور کہا کہ چند آدمیوں کے سونا لے جانے سے بہتر ہی کہ بہت سے رومی چاندی سے کے گھر جائیں۔ اپنی ذات سے کیٹو یقین دلاتا ہے کہ سوائے اشیائے اکل و شرب کوئی چیز اس نے نہیں حاصل کی"۔ اور اگرچہ میرے نزدیک" وہ کہتا ہے جو لوگ لوٹ مار سے متمتع ہوئے وہ زیادہ قابل الزام بھی نہیں۔ تاہم میری آرزو سب سے دلیر کے ساتھ دلیری میں مقابلہ کرنے کی ہے نہ کہ مالدار کے ساتھ مال میں یا لالچی کے ساتھ لالچ میں!"

اپنی ذات تو در کنار درحقیقت کیٹو نے اپنے عملہ والوں کو یا جو لوگ اس کی ذات سے متعلق تھے انھیں بھی کچھ نہ لینے دیا۔ فوج میں اس کے ہمراہ پانچ نوکر تھے ان میں سے ایک شخص پی کس نے اسیرانِ جنگ میں سے تین لڑکے خریدے تھے مگر جب کیٹو کو یہ خبر ہوئی تو شخص مذکور اس کے سامنے آنے کی جرأت نہ کرسکا بلکہ خود پھانسی پہ لٹک کے مرگیا۔ بعد میں اس کے خرید کردہ لڑکے بھی کیٹو نے فروخت کر دیئے اور جو قیمت ملی وہ سرکاری خزانے میں دیدی۔

سی پیو اعظم کیٹو کا دشمن ہو گیا تھا۔ اس نے کیٹو کی کامیابیوں پر حسد کھا کے چاہا کہ اس کے رستے میں مشکلات پیدا کرے اور ہسپانیہ کی حکومت اس کے ہاتھ سے نکال لے۔ چنانچہ اس غرض کے لئے بہت سی کوششیں کر کے خود اپنے تئیں اُس کا جانشین مقرر کرا لیا اور جتنی جلدی ہو سکا جاکے کیٹو کو عہدے سے سبکدوش کر دیا مگر اس کے بعد بھی کیٹو نے رومہ کو جاتے وقت اپنے ہمراہی پانچ سو سوار اور پانچ دستہ پیادہ فوج سے لس تینیہ والوں کو ہستے ہی میں شکستیں دیں اور چھ سو نمک حراموں کو جو رومی فوج سے بھاگ کر ان میں جا ملے تھے واپس لے لیا اور سب کے سر قلم کر دیئے۔ یہ واقعات سُن کے سی پیو بہت بگڑا۔ لیکن کیٹو

مصنوعی انکسار دکھا کے کہنے لگا "اگر رومہ کے گمنام اور کم نسب لوگ (جیسا کہ یہ خادم ہے) بڑے بڑوں کا مقابلہ کرنے لگیں اور مشہور مشہور عالی نسب شجاعوں کی ہمسری کریں تو اس سے بڑھکر اُس کی عظمت کیا ہوگی؟ پھر مجلس ملکی میں بھی بالاتفاق طے پاگیا کہ جو کچھ کیٹو نے انتظام یا کام کئے ہیں ان میں ردّ و بدل نہ کیا جائے جس کی وجہ سے گو سی پیو کے پاس حکومت تو آئی مگر بے کار آئی۔ اور اس کا سارا وقت وہاں محض لہو ولعب یا بیکاری میں گزرا اور اس سے کیٹو کی منزلت کم ہونے کی جگہ خود سی پیو کی شہرت کو بٹہ لگا۔

ادھر کیٹو کا جلوس فتح نکالا گیا مگر ان تمام عزتوں کے باوجود اُس نے بعد میں قومی کاموں سے اُن لوگوں کی طرح دستکشی نہ کی جو دراصل بھلائی، بھلائی کی غرض سے نہیں کرتے بلکہ نام و نمود کی غرض سے اور جب انتہائی مناصب و اعزاز جیسے قنصلی کا عہدہ یا جلوس فتح کا شرف حاصل کر چکتے ہیں تو اس کے بعد تمام کاروبار سے کنارہ کش ہوکر باقیماندہ عمر عیش ونشاط میں صرف کرتے ہیں لیکن اس کے برعکس کیٹو کی جدوجہد آخر دم تک ان لوگوں کے مثل جاری رہی جو ملکی خدمت کے لئے میدان میں نئے نئے آتے ہیں اور عزت وشہرت کی خاطر اپنے فرائض کے انجام دینے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا دیتے ہیں۔ سفارت کے عہدہ سے سبکدوش ہوتے ہی کیٹو نے اپنے ہموطنوں اور دوستوں کی اس طنطنہ سے خدمت کی کہ گو یا اس نے ابھی قومی گلشن میں قدم رکھا ہے اور وکالت اور سپہگری کا نیا دور شروع کیا ہے۔

ٹائی بے ریس سم پرونیس جس وقت تھریس اور دریائے ڈینیوب کے علاقوں پر فوج لے کے گیا تو کیٹو اس کے مددگار اور نائب کی حیثیت سے ہمراہ تھا۔ نیز انطیاجس اعظم کے مقابلے میں جس کی ہنی بال کے بعد رومہ میں سب سے زیادہ دہشت چھاگئی تھی وہ مانیوس ایکلیس کے ساتھ ٹریبون بن کر یونان گیا۔ واضح رہے کہ انطیاجس وہ بادشاہ ہے جو تقریباً ساری ایشیا پر (یعنی سلوکس کے تمام مقبوضات پر) تن تنہا قابض تھا اور بہت سی جنگجو وحشی قوموں کو زیر کرنے کے بعد اب رومہ پر جھکا تھا گویا دنیا میں اس کی ٹکر کے لایق تھی تو یہی سلطنت

رہ گئی تھی۔ چنانچہ اپنی ٹڈی دل افواج کو لے کر دفعتہً وہ ادھر بڑھا اور لڑائی کا بہانہ یہ بنایا
کہ یونانیوں کو رومہ کے پنجہ ستم سے چھڑانا مقصود ہے۔ حالانکہ بچارے یونان کو اس ہمدردی
کی مطلق ضرورت نہ تھی، وہ اُلٹا شکر گزار تھا کہ رومیوں نے اپنی مہربانی سے فلپ بادشاہ
مقدونیہ سے رہائی دلا کر اُسے آزاد اور خود اپنے آئین و قوانین قایم رکھنے کا مجاز کر دیا تھا
لیکن اس موقع پر عام لوگوں کے مشیر اور صلاح کاروں کی بدولت، جو شاہ انطیاخس کی
سرپرستی کے فوائد سُنا سُنا کے سبز باغ دکھا رہے تھے، یونان کے شہروں میں بھی سخت
بے چینی اور اضطراب پیدا ہو گیا تھا، لہذا مانیوس اسیلیس نے جگہ جگہ اپنے سفیر بھیجے۔
ٹی ٹس فلے می نی نس نے تو (جیسا کہ اس کے بیان میں درج ہے) بہت سے شور مچانے
والوں کو خاموش کیا اور ان کی کوششوں کو بڑی خوبی سے خاک میں ملا دیا۔ اُدھر کیٹو
نے پیٹ ری اور ایجیم کے کورنتھیوں کو اپنا طرفدار بنا لینے میں کامیابی حاصل کی اور بہت
دن تک مدینۃ الحکما ایتھنز میں بھی وقت گزارا۔ مشہور ہے کہ یہاں لوگوں کے آگے اس نے
ایک تقریر یونانی زبان میں کی جس میں قدیم ایتھنزیوں کی بہت کچھ مدح سرائی تھی اور یہ کہ
مجھے اس شہر کے حسن و عظمت کو دیکھنے کا شوقِ مسرت آمیز یہاں لے کر آیا ہے۔ مگر یہ روایت
بالکل غلط ہے کیونکہ اگرچہ اس میں خود تقریر کرنے کی قدرت تھی تاہم اس نے ایتھنزیوں کے
سامنے ترجمان کی مدد سے تقریر کی تھی اور وہ اپنے ملک کے طریق کو ترک کرنا نہ چاہتا تھا بلکہ
اُن کا جو ہر یونانی چیز کے گرویدہ ہو جاتے تھے مضحکہ اُڑایا کرتا تھا۔ چنانچہ البینس نے جب
یونانی زبان میں تاریخ لکھی اور معذرت چاہی کہ مجھ سے اس غیر زبان میں کوئی غلطی ہو گئی ہو
تو نظر انداز کر دی جائے تو کیٹو نے اس کو بہت بنایا اور کہنے لگا کہ بے شک اگر ہمیں معلوم ہو
کہ یونان کے دیوتاؤں نے گلا گھونٹ کر تم سے زبردستی کتاب لکھوائی ہے تو اس صورت میں
غلطیاں نظر انداز کی جا سکتی ہیں۔
اس کا بیان ہے کہ ایتھنز میں اس کی تقریر کی تیزی اور زور کی بڑی تعریفیں ہوئیں کیونکہ

جس مطلب کو وہ مختصر طور پر جلدی سے ادا کر دیتا تھا اُس کو ترجمہ کرنے میں ترجمان کو بڑی دیر لگتی تھی۔ مگر مجموعی طور پر اُس نے اپنا عقیدہ یہ ظاہر کیا کہ یونانیوں کے الفاظ فقط ہونٹوں سے نکلتے ہیں لیکن رومیوں کے دل سے آتے ہیں۔

شاہ انطیاجس نے اس اثنا میں تھرموپلی کے قریب تمام دروں پر قبضہ کر لیا تھا اور فصیلوں اور مورچوں کو جا بہ جا تعمیر کرا کے اس نے وہاں کے قدرتی کوہی استحکامات کو اور بھی زیادہ مضبوط و مصئون بنا لیا تھا۔ یہ انتظام کرنے کے بعد وہ آرام سے بیٹھ گیا اور دل میں خیال کیا کہ لڑائی کا رُخ پھیرنے کے لئے اتنا انتظام کافی ہے۔ اُدھر رومی بھی درحقیقت اس راستے سے جبراً گزر جانے سے مایوس معلوم ہوتے تھے۔ لیکن کیٹو کو ایرانی لشکر کا اسی مقام پر چکر کاٹ کے آنا بروقت یاد آگیا اور وہ فوج کا ایک حصہ ہمراہ لے کے راتوں رات نکل کھڑا ہوا۔ مگر جب وہ پہاڑوں پر پہنچے تو ان کا رہبر جو ایک قیدی تھا رستہ بھول گیا، اور ایسے ایسے دشوار گزار کھڈیلے مقامات میں بھٹکنے لگا کہ کیٹو کے سارے ساتھی گھبرا گئے۔

کیٹو بھی سمجھ گیا کہ موقع نازک ہے پس سب کو وہیں ٹھیرا کر وہ خود صرف لوسیس مان لیس نام ایک شخص کو لے کے آگے روانہ ہوا۔ یہ شخص پہاڑوں پر چڑھنے میں بہت مشاق تھا پھر بھی رات کی تاریکی، چٹانوں کی پھسلن اور جنگلی زیتونوں کی بھیانک صورتیں پھر ان سب سے بڑھ کر ہر لحظہ کسی گہرے غار میں جا پڑنے کا خوف، ایسی چیزیں تھیں کہ موت سامنے نظر آ رہی تھی۔ اور ایک ایک قدم بڑی دیر میں اُٹھتا تھا۔ بایں ہمہ وہ آگے بڑھے گئے اور آخر ایک تنگ درے تک پہنچے جو انھوں نے خیال کیا کہ دشمن کی خیمہ گاہ کے قریب ہی کہیں نکلے گا۔ یہاں انھوں نے چند بہت نمایاں چٹانوں پر جو کالی دروماں پہاڑی کے اوپر سر بلند ہیں بعض نشانیاں چھوڑیں اور خود باقی ساتھیوں کو لینے گئے اور آخر ساری فوج کو وہاں تک لے آئے اور یہاں ایک پتلی پگ ڈنڈی پر سب کو ٹھیرا کر کیٹو پھر آگے

روانہ ہوا۔ لیکن اب کے جا کے معلوم ہوا کہ وہ راستہ کسی درے کا نہیں بلکہ ایک ہیبت ناک غار میں چلا جاتا ہے! اس وقت سب کے حواس گم ہو گئے کہ کیا کیا جائے نہ آگے جانے کا راستہ تھا نہ یہ معلوم تھا کہ دشمن سے کتنی دُور پر ہیں غرض سخت تشویش اور پریشانی کے عالم میں وہ وہیں کے وہیں ساکت کھڑے تھے کہ نورِ صبح نے آہستہ آہستہ دنیا کو روشن کرنا شروع کیا۔ اسی وقت انھیں کچھ آوازیں سُنائی دیں اور تھوڑی دیر میں دکھائی دیا کہ عین اُس چٹان کے نیچے یونانی پہرے دار جنگی خندقیں کھودے پڑے ہیں۔ کیٹو نے ساری فوج کو تو وہیں روکا اور خود صرف فرمِم کے دستے کو جسے اس نے ہمیشہ مستعد اور وفادار پایا تھا، اپنے ساتھ آنے کا حکم دیا۔ جب یہ چیدہ جماعت اس کے سامنے گول دائرہ میں قریب آ کے استادہ ہوئی تو اس نے کہا "دیکھو میں یہ چاہتا ہوں کہ دشمن کا ایک آدمی زندہ گرفتار کیا جائے تاکہ اُن کے حالات تعداد وغیرہ معلوم ہو جائے اور یہ بھی کہ خود ہماری فوج اور تیاریوں کا انھوں نے کیا اندازہ لگایا ہے۔ لیکن اس ساری کارروائی میں بڑی ضرورت عجلت اور دلیری کی ہے اور اس طرح جا پڑنے کی جس طرح شیر ببر کسی سہمے ہوئے جانور پر جھپٹتا ہے!"

یہ سنتے ہی کیٹو کے اشارے پر سارے سپاہی نیچے دوڑ پڑے اور پہرے داروں کو اچانک جا دبایا۔ اس بلائے ناگہانی سے وہ غریب بدحواس ہو کر بھاگے مگر ایک شخص مسلح پکڑا گیا۔ اُسے کیٹو کے پاس لائے اور اسی کے ذریعے بہت جلد کھُل گیا کہ پہاڑی چوٹیوں پر چھ سو منتخب اطولی جوان متعین ہیں باقی تمام فوج بادشاہ کے گرد تنگ درے کے قریب خیمہ زن ہے۔ کیٹو نے پہرے داروں کی مختصر تعداد کی مطلق پروا نہ کی اور تلوار گھسیٹ کر ان غافلوں پر حملہ آور ہوا۔ ساتھ ہی طبل ہائے جنگ اور نعروں سے اس قدر شور مچایا کہ دشمن گھبرا گئے اور انھیں پہاڑوں پر سے کودکود کے آتے دیکھ کر بے تحاشہ قلب لشکر کی جانب بھاگے اور اپنی پریشانی سے وہاں بھی ہر طرف سراسیمگی اور ابتری پھیلا دی۔ دوسری طرف مانیوس سپہ سالار لشکر نے نیچے دروں پر دھاوا کر دیا اور ان تنگ رستوں میں جس قدر

ممکن تھا فوج لے کر گھس پڑا۔ اسی ہل چل میں شاہ انطیاجس کے منہ پر ایک پتھر اس زور سے لگا کہ کئی دانت جھڑ کر باہر آپڑے اور اس شدت کا درد ہونے لگا کہ گھوڑا موڑ کر الٹا پھرنا اس نے غنیمت جانا اور ادھر اس کی فوج بھی رومیوں کے زبردست حملے کے آگے نہ ٹھیر سکی اور اگرچہ وہ جگہ ایسی خراب تھی کہ ہر سمت گہری گہری دلدلیں اور پھسلواں کھڈ موت کا منہ کھولے کھڑے تھے کہ جو ادھر بھاگ کر جائے اسے لقمہ بنالیں نیز تمام راستے تنگ اور سخت دشوار گزار تھے تاہم بھاگنے والے ایک دوسرے پر گرے پڑتے تھے۔ ان کی گھبراہٹ اور ایسے زبردست ہجوم نے طوفان بے تمیزی بپا کر دیا تھا یہاں تک کہ دہشت کے مارے بہت سے تو آپس ہی میں ایک دوسرے کو دشمن سمجھ کر لڑ مرے۔

کیٹو اپنی تعریف کرنے میں کبھی زیادہ حجاب نہ کیا کرتا تھا اور نہ کسی کارنمایاں کی شیخیاں مارنے کا موقع ہاتھ سے دیتا (بلکہ درحقیقت معلوم ایسا ہوتا ہے کہ وہ اس صفت کو بھی کارہائے نمایاں کا ضروری جز تصور کرتا تھا) سو اب جو اس جنگ میں فتح رومیوں کو ہوئی تو وہ اور بھی پھول گیا اور بعد میں کہنے لگا کہ اُس دن جنھوں نے مجھے دشمنوں کا تعاقب کرتے اور سر اُتارتے دیکھا تھا وہ قسمیں کھا کھا کے کہتے تھے کہ قوم کا اتنا احسان کیٹو پر نہیں ہے جتنا کہ کیٹو کا قوم پر ہے۔

یہ روایت خود اسی کی زبانی ہے کہ عین میدان کارزار میں مانیوس گھوڑا دوڑاتا ہوا اس کے پاس آیا اور گلے سے لگا لیا۔ اور اتنی دیر تک لپٹا رہا کہ دونوں پسینوں میں نہا گئے پھر فرط مسرت سے بے اختیار ہو کر چلایا کہ میں تو میں سب لوگ مل کر بھی اُس کے (یعنی کیٹو کے) کام کا معاوضہ پورا نہیں دے سکتے۔

لڑائی کے بعد کیٹو رومہ بھیجا گیا تاکہ وہی فتح کی خوشخبری لے جا کر سنائے۔ چنانچہ وہ سیدھا برنڈزیم پہنچا اور وہاں سے جہاز ہی جہاز میں ہوا کی موافقت سے ایک دن میں ٹرنٹم اور پھر چار روز خشکی کا راستہ چل کر رومہ پہنچا اور اس طرح سب سے پہلے اسی نے مژدہ فتح بھی

لوگوں کو وہاں سُنایا۔ جس سے تمام شہر میں خوشی کے نقارے بجنے لگے۔ شکریے کی قربانیاں ادا کی گئیں اور دلوں میں ایسا تا ثر پیدا ہو گیا کہ وہ اپنے تئیں خشکی و تری دونوں میں عدیم المقابل سمجھنے لگے کہ ہم جس سمندر یا جس ملک کو چاہیں فتح کر سکتے ہیں!

کیٹو کے بڑے بڑے فوجی کارنامے قریب قریب اتنے ہی ہیں جتنے کہ بیان ہوئے عام معاملات ملکی میں اس کے نزدیک سب سے بڑا فریضہ مجرموں کو عدالت کے روبرو لانا اور سزا دلوانا تھا۔ خود اُس نے بہتوں پر نالشیں کیں اور دوسرے نالش کرنے والوں کو بھی اکثر مدد دی، یہی نہیں بلکہ بارہا نالش کرنیوالے ڈھونڈ ڈھونڈ کے پیدا کیے۔ چنانچہ اس کی ایک نظیر پیٹیلی تھا جسے اس نے سی پیو کے خلاف کھڑا کیا تھا۔ لیکن اُس کی خاندانی وجاہت اور ذاتی عظمت کے آگے کچھ پیش نہ گئی اور جب کیٹو نے دیکھا کہ اپنی خوبیوں کی وجہ سے کوئی اتہام یا الزام اُسے مطلق ضرر نہیں پہنچا سکتا تو اس کا پیچھا چھوڑ دیا، البتہ جب اس کے بھائی لوسیس پر الزامات لگائے گئے تو وہ بھی ان میں شریک ہو گیا اور آخر اپنی کوششوں سے اس پر ثبوت جرم اور بڑا بھاری جرمانہ کرا کے چھوڑا۔ لیکن چونکہ وہ دوالیہ تھا اور روپیہ ادا نہ کر سکنے کی صورت میں ضرور قید بھگتتا اس لئے (لوگوں کے) ٹربیون بیچ میں پڑے اور بہت گرم بحث مباحثو کے بعد مقدمہ خارج کرایا۔

کیٹو کی نسبت یہ بھی سنا ہے کہ ایک نوجوان سے جس نے اپنے باپ کے کسی پرانے حریف کو حد درجے ذلیل اور رسوا کرا دیا تھا، وہ بازار میں دوچار ہوا تو بڑے تپاک سے مصافحہ کر کے کہنے لگا "واللہ یہی شے ہے جو ہمیں بزرگوں کی نذر نیاز میں قربانی چڑھانی چاہیئے یعنی بھیڑ بکریاں نہیں بلکہ اُن کے مخالفوں کے اشکِ ندامت اور فضیحتیں!"

لیکن اپنے کاروبار اور معاملات میں وہ بھی ملزم بنے بغیر نہ رہ سکا۔ کیونکہ اگر اس سے ذرا سی بھی غلطی ہوتی تو اس کے دشمن جھٹ اس پر مقدمہ دائر کر کے عدالت میں طلب کرائے بغیر نہ مانتے۔ اس طرح سُنا ہے کہ وہ پچاس دفعہ سزایاب ہونے سے بچ گیا

خاص کر آخری مرتبہ جب بچا ہے تو اس کی عمر چھیاسی برس کی تھی! اسی مقدمہ میں اُس نے وہ مشہور فقرہ کہا تھا کہ جو شخص پہلی تانتی کے لوگوں کے ساتھ رہا سہا ہو اس کے لئے دوسری تانتی والوں کے سامنے وکالت اور مدافعت کرنی ضرور گراں گزرتی ہے۔ لیکن اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ اُس نے مقدمہ بازی سے کنارہ کشی کر لی تھی۔ نہیں اُس نے چار برس بعد بھی سردی لیس گلبہ پر دعویٰ کیا۔ اُس وقت اس کی عمر نوّے برس کی ہو چکی تھی گویا نسطور کی مانند اس کی زندگی اور تعلقات آدمی کی خاصی تین پیڑھیوں تک قایم رہے چنانچہ سی پیو اعظم سے امور سلطنت میں خوب مقابلے کرنے کے بعد جن کا کچھ تذکرہ ہم نے پہلے کیا وہ اس کے لے پالک پوتے سی پیو اصغر سے بھی اسی طرح لڑتا رہا۔ یہ سی پیو اُس پولوس کا بیٹا ہے جس نے پرسیس اور اہلِ مقدونیہ کی قوت جڑ سے اکھاڑ کے پھینک دی تھی۔

اپنی قنصلی کے دس سال بعد کیٹو نے عہدۂ محتسب کے اُمیدواروں میں اپنے تئیں پیش کیا یہ تمام اعزازوں میں چوٹی کا منصب تھا اور اندرونی معاملات میں اس سے بڑھکر کوئی عہدہ سلطنت میں نہ تھا کیونکہ دیگر اختیارات کے علاوہ عہدہ دار مذکور کو ہر شخص کی زندگی اور طریق عمل پر احتساب کرنے کا بھی حق تھا۔ جس کی وجہ یہ تھی کہ رومیوں کے نزدیک شادی غمی کی تقریبات بچّوں کی پرورش بلکہ اور چھوٹی چھوٹی باتوں میں بھی آزادی جایز نہ تھی۔ جب تک کہ ان کا احتساب اور امتحان نہ ہو جائے کیونکہ ان کی رائے تھی کہ انھی ذاتیات میں آدمی کی طبیعت کا اصلی اصول کھلتا ہے نہ کہ اس کے قومی یا علانیہ کاموں میں۔ لہذا اس گہری نگرانی کے واسطے وہ دو شخص چھانٹا کرتے تھے ایک طبقہ امرا میں سے اور دوسرا عوام الناس کے گروہ سے اور ان کا فرض ہوتا تھا کہ ہر شخص کے افعال پر نظر رکھیں اور اگر کوئی عام تہذیب ملکی کے خلاف عمل درآمد کرے یا عیاشی میں حد سے گزر جائے تو اس کی اصلاح کریں اور جہاں ضروری ہو وہاں مجرم کو سزا دیں۔ انھیں دونوں کو وہ سنسر (محتسب) کے لفظ سے خطاب کرتے تھے۔ اُن کے پاس فہرستیں رہتی تھیں جن میں ہر شخص کی پیدایش حیثیت

اور آمدنی وغیرہ درج ہوتی۔ نیز انھیں اختیار تھا کہ کسی سوار کو گھوڑے سے اُتار دیں یا ارکان مجلس میں سے کسی کی بے عنوانی دیکھیں تو مجلس میں سے اس کو اٹھا دیں۔ یہی اسباب تھے کہ جب کیٹو عہدہ مذکور کے لئے کھڑا ہوا تو اکثر بڑے بڑے آدمیوں نے اس کی مخالفت کی خاندانی امرا کو تو یہ حسد ہوا کہ ایسے ادنیٰ درجے کے لوگ مراتب عالیہ کیوں پائیں اور اور خود اُمرا پر کیوں حاوی ہو جائیں؟ اور بہت سے زرداروں کو جو اپنی عیاشی اور خلاف قانون افعال سے واقف تھے کیٹو کی سخت گیری کا اندیشہ ہوا کہ اتنا مقتدر عہدہ پانے کے بعد یہ شخص یقیناً کسی کو بغیر سزا دیئے نہ چھوڑے گا۔ الغرض آپس میں صلاحیں کر کے ان لوگوں نے کیٹو کے ایک نہ دو سات حریف کھڑے کئے جنھوں نے اندر ہی اندر لوگوں کو پرچانا شروع کیا اور اس یقین پر کہ لوگ بالعموم نرمی اور چشم پوشی کو پسند کرتے ہیں، انھوں نے تحمل اور تغافل دکھانے کے بڑے بڑے وعدے کئے۔ اُس کے برعکس کیٹو نے مطلق اس قسم کی نرمی برتنے کا وعدہ نہ کیا بلکہ بدکاروں کو اُس نے علانیہ دھمکایا اور صاف صاف سخت گیری کرنے کا اظہار کر دیا یہاں تک کہ خاص تقریر گاہ پر کھڑے ہو کر اسی سطح کر کہنا شروع کیا کہ "شہر کو بڑے زبردست مسہل کی ضرورت ہے تاکہ اس میں جو خرابیاں پیدا ہو گئی ہیں ان کا دفعیہ ہو سکے۔ اور اسی لئے اگر لوگ عقلمند ہیں تو کسی نرم مزاج کے بجائے وہ سخت سے سخت طبیب کو منتخب کریں گے۔ اور ایسا آدمی میں ہوں اور اُمرا میں ویلریس فلکیس ہے اگر ہم دونوں مل گئے، تو اس میں ذرا بھی شبہ نہیں کہ بدکاریوں کے اُس زہر کو جو اندر ہی اندر لوگوں کو تباہ کئے دیتا ہے، جلا کر کچھ نہ کچھ لایق قدر کام کر کے دکھا سکیں گے۔" اس نے یہ بھی جتا دیا کہ دوسرے اُمیدوار کسی نیک نیتی سے استادہ نہیں ہوئے ہیں بلکہ دراصل وہ ان لوگوں سے خایف ہیں جو اپنے فرایض کو انصاف کے ساتھ کما ینبغی ادا کریں گے۔

رومیوں کی عظمت کا اور اس امر کا کہ واقعی وہ لایق رہبروں کے زیر سیادت رہنے کے اہل تھے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ انھوں نے کیٹو کی درشتی اور تندی کا اندیشہ نہ کیا اور

اُن خوشامدیوں پر، جو عہدے کی خاطر ہر قسم کا وعدہ کرنے کو تیار تھے۔ اسی کو ترجیح دی اور فلیکس کے ساتھ اپنا حاکم منتخب کیا۔ گویا درحقیقت وہ عہدے سے پہلے اس کو محض امیدوار نہیں سمجھتے تھے بلکہ اپنا لایقِ متابعت سردار جانتے تھے اور جو وہ کہتا تھا اس پر برضا ورغبت عمل کرتے تھے؟

کیٹو نے مجلس ملکی کا صدر اپنے دوست اور ہم عہدہ ویلریس فلیکس کو بنایا۔ اور دوسروں کے علاوہ لوسیس کوان ٹیس کو بھی اس کی رکنیت سے خارج کر دیا۔ حالانکہ یہ شخص سات سال پہلے قنصل کے عہدے پر سربلند تھا اور اس سے بھی بڑھکر یہ کہ ٹی ٹس فلے می نی نس کا سگا بھائی جس نے شاہِ فلپ کا زور توڑا تھا۔ کیٹو نے اس کو جس سبب سے خارج کیا وہ یہ تھا:۔

معلوم ہوتا ہے لوسیس ابتدا سے ایک لڑکے کو تمام فوجی مہمات میں اپنے ساتھ رکھتا تھا اور اپنے عزیز ترین دوستوں اور رشتہ داروں کے برابر اس کو اختیارات دے رکھے تھے اور اس کی تعظیم و تکریم میں بھی ایسا ہی غلو کرتا تھا۔

ایک مرتبہ جب لوسیس کسی صوبے پر بہ حیثیت قنصل حکمراں تھا یہ اتفاق ہوا کہ اس لڑکے نے جو ہمیشہ پہلو بہ پہلو بیٹھتا تھا اور میخواری کے عالم میں اکثر لوسیس کی مدح سرائی کیا کرتا تھا۔ ایک دن ایسے ہی کسی موقعے پر اس سے کہا کہ اگرچہ رومہ میں درندوں سے کشتی کا دنگل بندھنے والا تھا اور میں نے عمر بھر میں کبھی یہ دلچسپ تماشا نہیں دیکھا تھا حالانکہ آدمی کو مرتا دیکھنے کا مجھے بے حد شوق ہے۔ مگر محض تمہارے پاس آنے کی خاطر میں نے جلدی کی اور سب کھیل تماشوں کو چھوڑ کر چلا آیا۔ اُس کے اس اظہار محبّت سے متاثر ہو کے لوسیس نے جواب دیا۔ اُداس نہ ہو میں ابھی اس کا بندوبست کئے دیتا ہوں۔ چنانچہ اسی وقت حکم دے کے اُس نے ایک مجرم کو جس کے لئے سزائے قتل تجویز ہوئی تھی۔ جلّاد اور تبر سمیت اپنے سامنے اُسی جلسے میں طلب کیا اور لڑکے سے پوچھا کہ کہو اب بھی اس کے قتل کی سیر دیکھا چاہتے ہو۔ اُس نے اثبات میں جواب دیا۔ تب لوسیس نے جلّاد کو حکم دیا کہ مجرم کا سر

قلم کر دے۔ یہ واقعہ کئی مؤرخوں نے بیان کیا ہے بلکہ سسرو نے تو اپنے مکالمے دانشِ لوت
میں یہ روایت خود کیٹو کی زبانی کہلوائی ہے مگر لوی کہتا ہے کہ کیٹو کی تقریر میں اس بیان
سے کسی قدر مختلف صورتِ واقعہ تحریر ہے یعنی یہ کہ مقتول غالوی قوم کا بھاگا ہوا ایک
غدار سپاہی تھا اور لوسیس نے جلاد کی جگہ خود اپنے ہاتھ سے اس کو مارا۔

المختصر جب کیٹو نے لوسیس کو مجلس سے نکلوا دیا تو اس کے بھائی کو یہ بات بہت گراں
گزری، اس نے لوگوں کے آگے فریاد کی کہ کیٹو سے اس اخراج کے اسباب دریافت کئے
جائیں۔ تب کیٹو نے کھڑے ہو کر مذکورہ بالا جلسے کا قصہ بیان کرنا شروع کیا اور لوسیس نے
اس کی صداقت سے انکار کرنا چاہا تو اس نے باضابطہ تحقیقات کرانے پر اس کو ٹوکا۔ مگر
یہ لوسیس نے قبول نہ کیا اور مقابلے پر نہ آیا جس سے لوگ اس کا اخراج بالکل بجا اور واجبی
سمجھنے لگے۔ لیکن تھوڑے ہی دن کے بعد جب لوسیس کوئی تماشہ دیکھنے تماشا گاہ میں آیا
اور ان کرسیوں پر بیٹھنے کے بجائے جو قنصل شدہ لوگوں کے لئے مخصوص ہوتی تھیں وہ
پیچھے کی قطاروں میں کہیں دور جا کے بیٹھ گیا تو عوام الناس کو اس قدر اس پر ترس آیا کہ انھوں
نے ہنگامہ بپا کر دیا اور جب تک کہ لوسیس کو اگلی قطاروں میں نہ بٹھوا لیا، خاموش نہ ہوئے
یہ ایک طرح کی اشک شوئی تھی جس سے حقیقت میں مغموم لوسیس کی تھوڑی بہت تشفی ہو گئی
کیٹو نے مانیلوس کو بھی اگرچہ اس کے سال آیندہ قنصل منتخب ہونے کی عام توقع تھی
مجلس سے نکلوا دیا۔ محض اس بنا پر کہ اُس نے روزِ روشن میں اپنی بیٹی کے سامنے اپنی بیوی کا
بوسہ لے لیا تھا! خود اپنے متعلق اس کا بیان تھا کہ میری بیوی سوائے سخت کڑاک چمک کے
وقت کے کبھی میرے آغوش میں نہیں آئی۔ گویا جوپٹر دیوتا کا گرجنا اس کی خوش وقتی اور
مزاح کا وقت ہوتا تھا۔

ایک اور لوسیس کے ساتھ اس کی بدسلوکی کسی قدر عام ناراضی کا سبب ہوئی۔ یہ لوسیس
سی پیو کا بھائی تھا اور خود بھی جلوسِ فتح کی عزت حاصل کر چکا تھا۔ کیٹو نے اس کا گھوڑا چھین لیا

اور بعض لوگوں نے خیال کیا کہ اس حرکت سے عمداً اس کے بھائی سی پیو افریکانوس کی، جو اس وقت فوت ہو چکا تھا، توہین منظور تھی۔ مگر سب سے زیادہ اس کی جس بات سے لوگ چڑے اور دِق ہوئے وہ لوگوں کے تکلفات کو کم کرنا تھا۔ کیونکہ اگرچہ بہت سے نوجوان ان کی عادت سے بگڑ جاتے تھے، علانیہ اور براہ راست تو اُن پر ہاتھ ڈالنا بالکل ناممکن معلوم ہوتا تھا۔ لیکن کیٹو نے ایک اور تدبیر نکالی وہ یہ کہ تمام زنانہ زیورات گھر گرہستی کے سازوسامان اور گھوڑا گاڑی وغیرہ کو جن کی کُل قیمت پندرہ سو درہم سے زیادہ تھی انھیں اصل داموں سے دس گُنا زیادہ آنکا تاکہ زیادہ تشخیص مالیت کی وجہ سے محصول بھی زیادہ ان سے وصول کیا جا سکے۔ علاوہ بریں اس نے یہ ضابطہ بھی نیا بنایا کہ اس قسم کے سامانِ تکلف پر تین پیسے فی ہزار (پیسے) محصول اور ادا کیا جائے۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ جو لوگ ایسی غیر ضروری چیزیں بڑھا لیتے ہیں انھیں سرکاری کر لگا کے روکا جائے اور وہ ان کفایت شعاروں کی ریس پر آمادہ ہوں جو ان کے برابر آمدنی رکھنے کے باوجود اپنے سازوسامان کی کمی کے باعث اس محصول سے محفوظ رہیں۔ اس طرح کیٹو سے وہ لوگ بھی ناراض ہوئے جنھیں یہ نئے محصول بھرنے پڑے اور وہ بھی جنھیں انھیں محصولوں کے خوف سے سامانِ تکلف بڑھانے سے مجبوراً گریز کرنا پڑا کیونکہ عام طور پر یہی سمجھا جاتا ہے کہ جو احکام اظہارِ تموّل سے روکیں وہ درحقیقت تموّل چھین لینے کے ہم معنی ہیں۔ اس لئے کہ تموّل کا اظہار ہی اُن اسبابِ عشرت سے ہوتا ہے جو معمولی اور ضروری اشیا کے علاوہ ہوں۔ اسی معاملے پر حکیم ارسطو نے اظہارِ تعجب کیا تھا کہ یہ کیا بات ہے کہ ہم ضروری اور مفید سامانِ زیست رکھنے والوں سے زیادہ خوش حال ان کو کہتے ہیں جو زائد از ضرورت سامان رکھتے ہوں؟ لیکن تھسلی کے مشہور دولت مند سکوپاس سے جب اس کے کسی دوست نے کوئی ایسی شے مانگی جو کچھ بہت کارآمد نہ تھی اور کہا کہ تمھیں ذاتی طور پر اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے تو سکوپاس نے جواب دیا کہ سچ پوچھئے تو یہی بے ضرورت اور نکمی چیزیں میرے اسباب

دولت وخوشحالی ہیں!"

غرض اصلیت یہی ہے کہ تموّل کی خواہش کچھ ہماری فطرت احتیاجات میں نہیں ہے بلکہ زیادہ تر محض بازاریوں کو خوش کرنے کی خاطر پیدا ہوتی ہے۔

بایں ہمہ کیٹو نے کسی ناراضگی کی پروا نہ کی اور اپنی سخت گیری کو برابر بڑھاتا ہی چلا گیا بہت سے لوگوں نے نل لگا لگا کے سرکاری پانی اپنے گھروں اور باغیچوں میں لے لیا تھا۔ کیٹو نے وہ سب نل کٹوا دیئے اور ان عمارتوں کو بھی جن کے چھجّے بازار اور کوچوں میں آگے بڑھے ہوئے تھے تڑوا دیا۔ سرکاری عمارتوں کے ٹھیکے بھی اس نے کم سے کم داموں پر دیئے اور اس کے برعکس محصولات (کی وصولی) کا ٹھیکہ اس کو دیا جس نے زیادہ سے زیادہ رقم لگائی۔ ان حرکتوں سے بہت لوگ اس سے بیزار ہو گئے۔ اور ٹی ٹس فلے می نی نس کے گروہ نے اس کے تمام ٹھیکے اور قرار دادیں مجلس میں سلطنت کے مضر بتا کے منسوخ کرا دیں جو مذہبی عمارتوں کی تعمیر و مرمّت کے واسطے کیٹو نے کی تھیں انھیں نے سب سے دلیر ٹریبیوں کو ابھارا کہ اس پر الزام لگا کے دو ٹیلنٹ جرمانہ کر دے اور کیٹو اپنے نام پر جو کچہری لوگوں کے خرچ سے خاص ایوانِ مجلس کے قریب چوک میں بنوانا چاہتا تھا اس کی بھی سخت مخالفت کی لیکن عام طور پر معلوم ہوتا ہے کہ جمہور اس کی محتسبی سے خوش تھے چنانچہ انھوں نے اس کا جو بُت صحت کی دیوی کے مندر میں نصب کرایا ہے اس کے کتبے میں کوئی ذکر اس کے جنگی کارناموں یا فتوحات کا نہیں کیا بلکہ اس مفہوم کی عبارت کندہ کرائی ہے کہ یہ کیٹو محتسب ہے جس نے اپنے احکام اعتدال سے اور ضوابط کی پابندی کی بدولت رومہ کی حکومتِ ملی کو قوی کیا اور انحطاط اور معصیت میں غرق ہونے سے بچا لیا۔

اس شرف کے ملنے سے پیشتر کیٹو اور لوگوں پر جنھیں ایسی چیزوں کا شوق ہوتا ہے ہنسا کرتا تھا کہ یہ لوگ بُت تراشوں کی کاریگری اور نقاشوں کی چابک دستی پر بہت ناز کرتے ہیں حالانکہ میری تو بہترین شبیہ لوگوں کے دلوں پر منقوش ہے اور جب کبھی کوئی شخص تعجب کرتا

کہ کیا وجہ معمولی معمولی آدمیوں کے مجسّمے نظر آئیں مگر تمہارا اب تک نہ بنے؟ تو کیٹو یہ جواب دیا کرتا تھا کہ میں اسی میں خوش ہوں کہ لوگ (مجھے اس قابل سمجھکر) بار بار سوال کریں کہ تمہارا بُت اب تک کیوں نہ بنا؟ نہ یہ کہ تمہارا بُت کس وجہ سے بنا؟ المختصر اسے پسند نہ تھا کہ کوئی شریف آدمی کسی کی تعریف سُننا گوارا کرے بجز اُس تعریف کے جو حقیقت میں اہلِ وطن اور حکومت ملّی کے لئے مُفید ہو۔ بایں ہمہ اسنے اپنی حد درجہ ستایش کی ہے وہ کہتا ہے کہ جب لوگوں سے خطا ہو جاتی تھی اور ان کی گرفت کی جاتی تھی تو وہ اپنی بریّت کے جواز میں یہ کہدیا کرتے تھے کہ ہم پر الزام رکھنا فضول ہے ہم خطا و نسیان سے مرکّب انسان ہیں، کوئی کیٹو تھوڑی ہیں!!

وہ یہ بھی کہا کرتا تھا کہ بعض لوگ جو بھدّے پن سے اس کے کاموں کی نقالی کرتے ہیں بُھس کیٹو کہلاتے ہیں۔ اور یہ کہ آفات و مصائب کے وقت مجلس ملکی کی اُس پر اس طرح نظریں پڑتی ہیں جس طرح کہ جہاز کے ناخدا پر۔ اور جب وہ نہیں ہوتا ہے تو اکثر وہاں بڑے بڑے معاملات کا تصفیہ ملتوی کر دیا جاتا ہے۔

واضح رہے کہ یہ محض کیٹو کی شیخیاں نہ تھیں بلکہ اور لوگوں نے بھی ان کی تصدیق کی ہے کیونکہ وہ واقعی اپنی پاکیزہ زندگی، فصاحت اور عمر کی وجہ سے شہر میں بڑا اقتدار رکھتا تھا۔

کیٹو اپنی اولاد کا بڑا شفیق باپ اور بیوی کا بہت اچھا شوہر اور پلے درجہ کا کفایت شعار تھا۔ امور خانہ داری میں بھی اسے خوب سلیقہ تھا اور چونکہ وہ ان چیزوں کو حقیر نہ سمجھتا تھا بلکہ بہت خیال کے ساتھ ان کا انتظام کرتا۔ اس لئے میں ضروری جانتا ہوں کہ ان صفات میں اس کی بعض قابل تحسین باتوں کا تھوڑا سا ذکر اور تحریر کروں۔

کیٹو نے شادی دولت سے زیادہ خالی شرافت دیکھکے کی تھی کیونکہ اس کی رائے تھی کہ امیر زادی اور مالدار مغرور و متکبّر ہوتی ہیں۔ لیکن شریف زادی کو کمینی حرکتوں سے بہت شرم آتی ہے اور اس لئے وہ ہر ایک جائز اور حق بات میں اپنے خاوندوں کی بڑی

اطاعت گزار اور وفا شعار بیویاں ہوتی ہیں۔

وہ کہا کرتا تھا کہ جس شخص نے اپنی بیوی یا بچے پر ہاتھ اُٹھایا اس نے مقدس ترین شے کی اہانت کی۔ اور اس کی دانست میں اچھا شوہر مجلس ملکی کے بڑے سے بڑے رُکن سے زیادہ قابل ستایش تھا۔ چنانچہ حکیم سقراط کی سب سے زیادہ تعریف وہ اس وجہ سے کرتا تھا کہ اُس نے بے عقل اولاد اور ایک بدزبان بیوی کے ساتھ ساری عمر بے لوثی اور خوشی کے ساتھ نباہ دی۔

جب کیٹو کے ہاں بیٹا پیدا ہوا تو ملکی معاملات کو چھوڑ کے اور کوئی کام اُسے اتنا ضروری نظر نہ آتا تھا جتنا کہ بیوی کے پاس بیٹھے رہنا، بچہ کو نہلانے دُھلانے اور نہالچے میں لپیٹنے میں مدد دینا۔ دودھ خود اُس کی بیوی پلاتی تھی بلکہ وہ اکثر اپنے نوکروں کے بچوں کے منہ میں بھی دودھ دے دیتی تھی تاکہ انھیں اُس کے بچے سے دودھ پلائی کی محبت ہو جائے۔

جب بچہ ذرا سیانا ہو گیا تو کیٹو نے خود اُسے پڑھنا سکھایا حالانکہ اس کے ہاں چیلو نام ایک عمدہ نحوی ملازم تھا اور بہت سے اور بچے بھی اس سے پڑھا کرتے تھے مگر جیسا کہ وہ خود کہتا تھا، اُسے یہ اچھا نہ معلوم ہوتا تھا کہ ایک نوکر اس کے بچے کو ڈانٹے یا سبق یاد نہ ہونے پر اس کا کان مروڑے۔ اور نہ وہ علم جیسی شے سکھانے کا احسان نوکر سے اپنے بچوں پر کرانا چاہتا تھا۔ غرض وہ خود ہی اُس کو صرف و نحو، قانون اور (جسمانی) ورزشیں سکھاتا تھا۔ اس کی تعلیم تیراندازی، مسلح ہو کر طریق جنگ یا سواری تک محدود نہ تھی بلکہ وہ مکے بازی گرمی سردی کی برداشت کرنا اور نہایت تیز و تند دریاؤں میں تیرنا بھی بتاتا، اس کا بیان ہے کہ میں نے اپنے ہاتھ سے بڑے بڑے حرفوں میں تاریخیں بھی تحریر کی تھیں تاکہ میرا بیٹا گھر کے اندر ہی رہ کر اپنے بزرگوں اور ہموطنوں کے حالات سے روشناس ہو جائے۔ وہ اپنے بیٹے کے سامنے غیر مہذب لفظ بولنے سے اتنا ہی پرہیز کرتا تھا جتنا کہ مقدس کنواریوں کی موجودگی میں جنھیں (وسٹالز) مُرلیاں کہتے ہیں۔ اور نہ اپنے بیٹے کے ساتھ کبھی نہاتا جس کا

معلوم ہوتا ہے رومیوں میں عام رواج تھا۔ داماد البتہ اپنے سسروں کے ساتھ نہانے سے پرہیز کرتے تھے اور ایک دوسرے کو برہنہ دیکھنا بہت بُرا جانتے۔ لیکن پہلے تو انھوں نے یونانیوں سے مردوں کے آگے برہنہ ہونا سیکھا پھر اتنی ترقی کی کہ خود یونانیوں کو عورتوں کے ساتھ ننگے نہانے کا سبق دینے لگے۔

اس طور پر کسی عمدہ عمارت کی طرح کیٹو نے اپنے بیٹے کو محنت سے بنایا اور صفات محمودہ سے اس کی آراستگی کی۔ نہ اس کی مستعدی اور اطاعت گزاری کے آگے کیٹو کو کبھی شکایت کا موقعہ پیش آیا۔ مگر چونکہ جسم اس کا بہت کمزور تھا، اور سختیاں اُٹھانے کے لایق نہ تھا کیٹو نے بھی اسے پُرمشقت اور مرتاضانہ زندگی کا عادی بنانے پر زیادہ زور نہ دیا۔ لیکن گو یوں وہ زیادہ تندرست نہ تھا تاہم میدانِ جنگ میں بڑا لڑنے والا نکلا۔ اور پولوس امی لیس کا پرسیس سے مقابلہ ہوا تو اُس لڑائی میں اُس نے بڑی شجاعت دکھائی۔ چنانچہ جب کسی ضرب کے صدمے سے اس کی تلوار گر پڑی یا غالباً قبضے پر سے پسیج کر نکل گئی تو اس کو ایسی غیرت آئی کہ پلٹ کے اپنے بعض رفقا کو پھر اپنے ساتھ لیا اور دوبارہ دشمن پر جا پڑا۔ اور ایک عرصے تک لڑ کر آخر بڑی کشمکش کے بعد ہتیاروں کے ڈھیر میں سے اپنی گری ہوئی تلوار، اگرچہ اردگرد دوست دشمن کی لاشیں پٹ گئیں اُس نے لے کے چھوڑی۔ اس واقعے پر اُس کے سپہ سالار پولوس نے بڑی شاباشی دی اور خود کیٹو کا ایک خط بھی بیٹے کے نام ملا ہے جس میں اس حمیت کی بہت کچھ داد دی گئی ہے۔ بعد ازاں اس لڑکے کی شادی پولوس ہی کی بیٹی اور سی پیو کی ہمشیر ٹرشیا سے ہوئی اور اس مشہور خاندان میں فقط باپ ہی کی وجہ سے نہیں بلکہ ذاتی اوصاف کے اثر سے اس کا پیوند ہوا، جس سے سمجھنا چاہیئے کہ کیٹو نے بیٹے کی تعلیم پر جو دردسری اُٹھائی تھی وہ رائیگاں نہ گئی۔

کیٹو اسیرانِ جنگ میں سے بہت سے غلام خرید لیا کرتا تھا مگر زیادہ تر ایسے جفاکش اور

مضبوط جوانوں کو چُنتا، جو پلّوں یا بچھیروں کی طرح سدھائی کی مار پیٹ بہ آسانی سہ سکیں۔ ان میں سے کوئی کیٹو یا اس کی بیوی کے بھیجے بغیر کسی دوسرے کے گھر میں نہ گھس سکتا تھا اور جب ان سے پوچھا جاتا کہ تمہارا آقا (کیٹو) کیا کرتا ہے؟ تو وہ کوئی جواب نہ دیتے سوائے اس کے کہ ہمیں خبر نہیں۔ گھر پر جتنے نوکر رہتے وہ سب مجبور تھے کہ یا کچھ کام کرتے رہیں یا سو جائیں۔ کیونکہ کیٹو بیکار جاگنے والوں سے سونے والوں کو زیادہ تربیت پذیر اور ہر کام کے قابل تصوّر کرتا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ تھوڑے سے آرام کے بعد آدمی پھر چاق وچوبند ہو جاتا ہے۔ اس کی یہ بھی رائے تھی کہ غلاموں میں سُستی اور مستی پیدا ہونے کا اصل سبب یہ ہے کہ انھیں اپنی خواہشات نفسانی پورا کرنے کی مُہلت دیدی جاتی ہے۔ لہذا اُس نے اپنے غلاموں پر آپس میں ملنے جُلنے کے لئے ایک رقم معاوضہ لگا دی اور گھر سے باہر تو کسی سے تعلق یا رابطہ اتحاد اُسے ایک آنکھ نہ بھاتا تھا۔ کیٹو کی رائے میں غلاموں کے میٹھے پن اور بُری طرح کام کرنے کی وجہ انکا بگڑ جانا یا کسی نشے کی عادت پڑ جانا تھی۔ لہذا گھر سے باہر نکلنے کی تو اجازت مطلق انھیں نہ تھی البتہ ایک رقم معاوضہ مقرر کر کے آپس میں انھیں آزادی برتنے کی اس نے اجازت دیدی تھی۔ ابتدا میں جب وہ محض معمولی سپاہی تھا تو کھانے پکانے کے بارے میں زیادہ سخت گیری اور نوکر سے تنور شکم کی خاطر جھگڑنے کو پسند نہ کرتا تھا مگر زیادہ صاحب ثروت ہو جانے کے بعد جب دوست احباب یا اپنے ہم منصب رفقا کی دعوتیں کرنے لگا تو دستر خوان اُٹھتے ہی اس کی عادت تھی کہ ایک دُرّہ ہاتھ میں لے کر باورچی خانہ میں گھستا اور گوشت بنانے یا پکانے میں جن سے غفلت ہوتی ان کو خوب اُدھیڑتا وہ اپنے نوکروں میں کچھ نہ کچھ جھگڑا فساد برپا کرا دینے کی بھی فکر میں رہتا تھا۔ کیونکہ ہمیشہ اُسے یہی بدگمانی اور خدشہ دامنگیر رہا کہ اُن کی آپس میں ملی بھگت نہ ہو؛ کوئی نوکر کسی قابل سزائے موت جرم کا مرتکب ہوتا تو کیٹو اس کے ساتھ والوں سے انصاف کراتا اور وہ بھی اُسے مجرم ٹھہرا دیتے تب مرتکب کو سزا دیتا۔ چونکہ کیٹو کو منافع کی زیادہ ہوس تھی اس لئے

رفتہ رفتہ وہ زراعت کو فائدہ مند ہونے کی بجائے زیادہ تر شوق کی چیز سمجھنے لگا اور اپنا روپیہ زیادہ نفع رساں اور مستقل کاموں میں لگانے کے خیال سے اُس نے تالاب، نہانے کے گرم چشمے، کھریا مٹی کے قطعے، کرائے والی زمینیں چراگاہیں اور جنگل مول لینے شروع کیے جن سے اسے کثیر سالانہ آمدنی ہوتی تھی اور نہ، بقول اُس کے جوپیٹر[1] دیوتا ہی کچھ زیادہ ان کا بگاڑ سکتا تھا۔

کیٹو کو سود خواری کی عادت بد بھی تھی خاص کر سمندری بیوپار میں جس کی صورت یہ ہوتی تھی کہ جن کو وہ روپیہ قرض دیتا تھا، ان پر زور ڈالتا تھا کہ وہ اور لوگوں کو بھی تجارت میں شریک کریں اور جب ان حصے داروں کی تعداد پچاس ہو گئی اور اتنے ہی اُن کے پاس جہاز ہو گئے تو اُس نے یہ ڈول ڈالا کہ اپنے ایک آزاد کردہ غلام کے نام سے خود بھی ایک حصہ خرید لیا۔ یہ غلام ان سوداگروں کے ساتھ سفر میں جاتا تھا اور تمام کاروبار میں شریک رہتا تھا۔ اس طرزِ عمل سے کیٹو کا اصل مدعا یہ تھا کہ اگر تجارت میں خسارہ ہو تو اس کا سارا دھن نہ ڈوبے بلکہ اس کے ایک جزو پر زد پڑے اور منافع بے شمار ہو۔ وہ اپنے غلاموں کو بھی روپیہ قرض دیا کرتا تھا کہ سود پر چلائیں اور کم عمر غلام بھی خریدیں جن کو سال بھر تک کیٹو کے خرچ سے پرورش اور تربیت کر کے فروخت کر دیا جاتا تھا۔ لیکن ان میں سے بعض کو خود کیٹو انہی داموں پر مول لے لیتا تھا جتنے کہ کسی اور نے لگائے ہوں۔

بیٹے کو بھی کفایت شعار اور اپنے سے مزاج کا بنانے کے لئے وہ اُس سے کہا کرتا تھا کہ کسی جاگیر کی حیثیت کم ہو جانے دینا مرد کے لئے زیبا نہیں بیوہ عورتوں کے لئے ہو تو ہو، مگر اس کی حریص طبیعت کا سب سے بڑھکر اندازہ اُس قول سے ہوتا ہے جس میں اُس نے بڑی دیدہ دلیری اور تیقن کے ساتھ بیان کیا ہے کہ جو شخص اپنا

[1] برق و باراں اور طوفانوں کا دیوتا ۱۲ م

ترکہ کچھ بڑھا کے چھوڑ جائے اُس کے برابر کوئی شخص قابل تعریف بلکہ خدا شناس نہیں ہو سکتا۔

کیٹو بہت بوڑھا ہو چکا تھا جب ایتھنز سے فلسفۂ افلاطون کا پیرو کار نیا دیس اور مذہب واقیہ کا عالم دیو جانس وکیل بنکے رومہ آئے تاکہ وہ پانسو ٹیلنٹ جرمانہ معاف کرائیں جو شہر ایتھنز پر ایک قصور کی سزا میں کیا گیا تھا۔ اس معاملے میں اروپی مدعی اور سکیونی قوم کے لوگ حکم بنائے گئے تھے مگر ایتھنز والے پیشی کے وقت نہ آئے اور ان کی غیر حاضری میں اس کا فیصلہ ہو گیا۔ ان فلسفیوں کے پہنچتے ہی ان کے قیام گاہ پر طلبا کا ہجوم رہنے لگا۔ جو ذوق و شوق سے ان کی تقریریں سنتے مگر کارنیا دیس کی شہرت اور حقیقت میں قابلیت زیادہ تھی اور خاص کر اسی کی جادو بیانی نے بے شمار شائقین کو اپنے درس میں کھینچنا شروع کیا اور زیادہ مدت نہ گزری تھی کہ آندھی کی مانند اس کی فصاحت کا شہر بھر میں زور بندھ گیا اور رومی یہ دیکھ دیکھ کر نہایت خوش ہوئے کہ ایک مشہور فاضل یونانی نے اپنے علم اور فن خطابت کے زور سے سارے نوجوانوں کو یونانی علم ادب اور فلسفے پر اس درجے مایل کر دیا کہ اب وہ اپنے تمام مشاغل سیر و تفریح چھوڑ چھوڑ کر علمی باتوں کے شوق میں اس کے پاس پہنچتے ہیں۔ لیکن اس عام خیال کے برعکس کیٹو ابتدا سے تقریر بازی کا مخالف تھا کہ کہیں یہ لسانی اور خوش بیانی کا جوش نوعمر رومیوں کو گمراہ نہ کر دے اور وہ لفاظی اور شوکت بیان کے آگے نیزہ و تلوار اور اعمال صالحہ کو فراموش کر بیٹھیں پھر جب ان فلسفیوں کا شہرہ اور بڑھا نیز کے اس اسی لیس جیسا معزز شخص مجلس ملکی میں ان کی پہلی پیشی پر ترجمانی کی خدمت ادا کرنے کھڑا ہوا تو کیٹو نے کسی معقول بہانے سے ان یونانی حکما سے شہر خالی کرانے کا عزم بالجزم کر لیا اور مجلس میں آکر حکام وقت پر سخت نکتہ چینی کی کہ ان وکیلوں کو اب تک بیکار

ٹھیرا رکھا ہی حالانکہ یہ اس قسم کے لوگ ہیں کہ اپنے اثر سے شہر والوں کو جس طرف چاہیں لگا دیں۔ پس ان کی درخواست کا جلد سے جلد فیصلہ کر دینا چاہیے تاکہ یہ بلا تاخیر اپنے گھر اور ملکی درس گاہوں میں پہنچکر یونانی بچّوں کی تعلیم تربیت میں مصروف ہو جائیں اور رومی لڑکوں کو اُن کے حال پر (اپنے قوانین اور حکام کا فرمان بردار) چھوڑ دیں۔

اس کوشش میں، جیسا کہ بعض لوگوں کو غلط گمان ہے درحقیقت کارنیادیس سے کوئی ذاتی کاوش پنہاں نہ تھی، بلکہ واقعی کیٹو سرے سے فلسفے ہی کو ناپسند کرتا تھا اور تمام یونانی علم ادب اور اس کی تعلیم کی ازرہ تحقیر تضحیک کرتا تھا۔ مثلاً حکیم سقراط کو کہتا کہ وہ محض بکّی اور فسادی شخص تھا جس نے سارے ملک کو اپنے کلّے میں دبانا چاہا تھا جو پرانے رسوم و رواج کی بیخکنی کے درپے تھا اور لوگوں کو بہکا سکھا کے قوانین رائج الوقت کے خلاف خیالات پھیلاتا تھا؛ حکیم ایسوکریتیس کے حلقۂ درس کی تضحیک میں بھی وہ کہا کرتا تھا کہ "دیکھو اس کے شاگرد پڑھتے پڑھتے بڈھے ہوگئے اور اب معلوم ہوتا ہے کہ اپنی لیاقت اور منطق عالم ارواح میں جا کے مینوس[1] کی کچہری میں دکھائیں گے"۔

اپنے بیٹے کو یونانی زبان سے ڈرانے کے واسطے کیٹو اس شد و مد کے ساتھ جو اُس کے زمانے میں کسی طرح موزوں نہ تھا اور ملہمانہ انداز سے کہا کرتا تھا کہ جس دن یونانی ادبیات کی وبا پھیل جائے سمجھو کہ رومہ کی موت قریب ہے۔ مگر اس کی یہ پیشین گوئی زمانے نے لغو و باطل ٹھیرائی، کیونکہ سچ پوچھیے تو یونانی علم و فضل ہی کے عہد اشاعت میں رومتہ الکبرٰے معراج ترقی پر پہنچا۔

یونانی حکما ہی پر موقوف نہیں کیٹو یونانی اطبا سے بھی بیزار تھا۔ معلوم ہوتا ہے

[1] مینوس۔ عالم آخرت کا قاضی جو یونانی عقیدہ کے مطابق اعمال کی جانچ پڑتال اور پرسش کریگا۔ م

اُس نے کہیں سُن لیا تھا کہ جب بقراط کو شاہ ایران نے بہت سامال و زر دے کر اپنے ہاں بُلوایا تو اُس نے جواب دے دیا کہ ”میں یونان کے دشمن بدیسیوں کی کوئی خدمت کرنی نہیں چاہتا۔“ اسی پر کیٹو کا قول تھا کہ سارے یونانی طبیب آج کل بقراط کی تقلید کرنے کا حلف اُٹھاتے ہیں اور اُس نے بیٹے کو اسی بنا پر تاکید کر دی تھی کہ اُن سے بچے اور ہمیشہ ہوشیار رہے۔ خاندان میں جو لوگ بیمار ہوتے ان کے علاج معالجے کے واسطے خود اُس نے ایک چھوٹی سی کتاب نسخوں کی بنا رکھی تھی اس کا قاعدہ تھا کہ مریض کو کبھی فاقہ نہ کراتا بلکہ ترکاری یا بط، کبوتر یا خرگوش کے بچے کا گوشت کھانا تجویز کرتا تھا۔ یہ اس کی دانست میں ہلکی اور بیماروں کے لئے عین مناسب غذائیں تھیں۔ البتہ جو انھیں کھاتا، اسے خواب ذرا زیادہ نظر آتے۔ وہ کہتا تھا کہ اس قسم کی حکمت سے میں نے نہ صرف اپنے آپ کو اور گھر والوں کو اچھا کیا بلکہ انھیں تندرست رکھا۔ لیکن ان شیخیوں کی سزا پائے بغیر وہ نہ رہ سکا۔ کیونکہ اس کی بیوی اور پھر بیٹا دونوں اس کے سامنے مرے مگر اپنی کاٹھی مضبوط ہونے کے سبب وہ خود عرصے تک زندہ رہا اور بڑھاپے میں بھی عورتیں بلاتا تھا۔ بلکہ ایک مزیدار رُجل دے کے اُس نے، اُس وقت کہ جوانی اور عہد تعشق کی حدود سے بہت دُور نکل آیا تھا، ایک کمسن عورت سے شادی رچائی۔ اس کا قصہ اس طرح پر ہے کہ اس کی پہلی بیوی مر چکی تھی اور بیٹا بہو بیاہ لایا تھا پھر بھی کیٹو کی ہوس قائم تھی اور ایک نوجوان عورت خفیہ طور پر اس کے پاس آیا جایا کرتی تھی۔ مگر گھر مختصر تھا اور اب اس میں بہو بھی رہتی تھی لہٰذا یہ کارروائی بہت دنوں تک نہ چھپ سکی۔ چنانچہ ایک مرتبہ جو کیٹو کی داشتہ ذرا زیادہ دلبری کے ساتھ گزری تو اُس کے نوجوان بیٹے کو بہت ناگوار ہوا، زبان سے وہ کچھ نہ بولا مگر گھور کے غصے سے اس کی طرف دیکھا۔ اس حال کی بدھی کیٹو کو بھی خبر ہوگئی کہ اس کی حرکتیں ناپسند کی جانے لگی ہیں۔ تب بغیر لڑے جھگڑے وہ حسب معمول

اپنے ساتھیوں کے ساتھ اُس دن چوک کی طرف گیا اور وہاں ایک شخص مسمی سالونیس کو جو اس کے ماتحت منشی بھی رہ چکا تھا، پکار کے بلایا اور پوچھنے لگا کہ تم نے اپنی بیٹی کی شادی کر دی؟

سالونیس نے کہا "نہیں۔ نہ آپ کے مشورے بغیر کرنے کا ارادہ"۔

کیٹو نے کہا "میں نے تمہارے لئے بڑا اچھا داماد ڈھونڈا ہے۔ بشرطیکہ تم اسکی عمر کا خیال نہ کرو۔ اور سب طرح تو وہ بالکل مناسب ہے۔ البستہ اُس کی عمر بہت زیادہ ہو گئی ہے"۔

سالونیس نے پھر بھی یہی کہا کہ "جو کچھ آپ فرماتے ہیں مجھے منظور ہے میری بیٹی آپ ہی کی کنیز ہے اور آپ اس کی خیر خواہی اور سرپرستی نہ کرینگے تو کون کریگا؟"

یہ سُن کر کیٹو نے رفرد کنایہ بالائے طاق رکھے اور صاف صاف کہدیا کہ میں خود اس لڑکی کو بیاہنا چاہتا ہوں۔

ان الفاظ نے ظاہر ہے بیچارے سالونیس کو بے حد متحیر کیا۔ کیٹو کے اس قدر عمر رسیدہ ہونے کے علاوہ، اس کے خواب میں بھی یہ بات نہ آسکتی تھی کہ ایسا نامور شخص جو قنصل رہ چکا ہے اور جلوس فتح کا اعزاز پا چکا ہے اس کے ہاں پیوند کرنا منظور کرے گا۔ بہرکیف جب اُس نے دیکھا کہ واقعی کیٹو ایسا چاہتا ہے تو بخوشی رضامند ہو گیا اور اسی وقت ان دونوں نے فورم (یعنی قاضی کی عدالت) میں جاکر اس معاملے کی باضابطہ تکمیل کر دی۔

جس وقت یہ شادی ہو رہی تھی، کیٹو کا بیٹا اپنے چند دوستوں کو ساتھ لے کر اس کے پاس گیا اور کہنے لگا کہ "کیا ہم سے آپ کسی وجہ سے ناراض ہو گئے ہیں کہ سوتیلی ماں لانے کا خیال پیدا ہوا؟" لیکن کیٹو نے چلا کے جواب دیا "واللہ بیٹے یہ تو خیال بھی دل میں نہ لانا کہ تم سے میں ناراض ہوں۔ البتہ میں چاہتا ہوں کہ

میرے بہت سے بچے ہوں اور اپنی حکومت قومی کے لئے تم جیسے کئی وطن پرست چھوڑ جاؤں" یہی جواب سنا ہی اتیھنز کے ظالم بادشاہ پی سیس تراسوس نے اپنے بیٹوں کو دیا تھا جن کے جوان ہونے کے بعد اس نے تمونسّا ارگسی سے دوسری شادی کی تھی اور اسی سے مشہور ہے کہ اس کے دو بیٹے یوفن اور تھالس ہوئے تھے۔ اس دوسری بیوی سے کیٹو کے ایک بیٹا ہوا جس کا نام اس کی ننھیال پر اس نے سالونیس رکھا۔ اسی زمانے میں اس کا پہلا بیٹا صدر عدالت (پریٹر) کے عہدے پر پہنچکر فوت ہوگیا۔ کیٹو اپنی کتابوں میں جگہ جگہ اس کی شرافت و لیاقت کی ستائش کرتا ہے لیکن اس کی موت پر اس نے رشتۂ ضبط کو ہاتھ سے نہ دیا۔ بلکہ اس غم کو حکیمانہ انداز سے برداشت کیا نہ اس رنج سے دل فگار ہوکر اس نے قومی معاملات سے کوئی بے توجہی کی۔ وہ لوسیس لوکلس یا مٹلّس پایس کی طرح بڑھاپے میں سست یا مضمحل نہیں ہوا تھا۔ نہ یہ سمجھ کے کہ خدمت قومی ایک وقتی فریضہ ہوتا ہے، اس سے کنارہ کش ہوگیا تھا نہ سی پیو افریکانوس کی مانند حاسدوں کے حملوں سے متاثر ہوکر لوگوں کی جانب سے اس نے منہ پھیر لیا تھا۔ کہ باقی ماندہ عمر بیکاری سے گوشہ نشیں رہ کر گزار دے بلکہ اس شخص کی راے کے مطابق جس نے دیونی سیوس کو جتا دیا تھا کہ دنیا میں سب سے معزز مقبرہ بنانا چاہے تو فرض کی ادائیگی میں جان دے، کیٹو بھی اسی بڑھاپے کو قابل عزت سمجھتا رہا جو آخر تک لوگوں کی خدمت میں صرف کیا جائے۔ اسی مصروفیت میں کبھی فرصت ملتی تو وہ خانہ داری اور تصنیف و تالیف کے شغل سے جی بہلا لیتا۔ چنانچہ کئی کتابیں اور تاریخیں اس نے لکھی ہیں۔ اوائل جوانی میں وہ زیادہ تر زراعت سے روپیہ کمانے کی فکر میں رہا تھا، کیونکہ وہ کہا کرتا تھا کہ میری آمدنی کے صرف دو ذریعے ہیں زراعت یا جزرسی۔ سو اب بڑھاپے میں بھی زراعت ہی کو مشغلہ بنایا۔ اور اسی کے مضمون کا مطالعہ بھی کیا۔ ایک کتاب اس نے دیہاتی معاشرت پر بھی لکھی جس میں اپنے اظہار

شوق و تجسس کی غرض سے ادنیٰ ادنیٰ چیزیں اور فروعی باتیں بہ طوالت بیان کی ہیں حتیٰ کہ روئی پکانے کے طریقے اور پھل کو عرصے تک اچھی حالت میں رکھنے کی تدابیر کی جزئی تفصیلیں بھی نہیں چھوڑیں۔

گانوں پر رہنے کے زمانے میں کیٹو کا دسترخوان بڑی رونق کا ہوتا تھا۔ وہ روزمرہ دوست احباب اور آس پاس والوں کی دعوتیں کرتا اور ہنس بول کے بڑے لطف سے وقت گزارتا۔ اسی باعث جوان اور معمر ہر عمر والے کے لئے اس کی صحبت دلچسپ تھی اس کی باتیں حقیقت میں سننے کے لائق ہوتی تھیں کیونکہ بہت سی باتوں اور کاموں کا اُسے ذاتی تجربہ تھا اور اپنے قصے بڑے مزے سے بیان کیا کرتا تھا۔ غرض دسترخوان پر کیٹو کا جلسہ بے تکلف جمتا تھا اور ہمیں دلیر اور قابلِ تعریف محبانِ وطن کے ذکرِ خیر اور افسانے دُہرائے جاتے مگر ذلیل اور نالائقوں کا مطلق تذکرہ نہ ہوتا کیونکہ اپنے سامنے کیٹو کو ان کی تعریف ہو یا ہجو کچھ سننا گوارا نہ تھا

بعض لوگوں کے خیال میں کیٹو کی سب سے بڑی خدمت وطن قرطاجنہ کا استیصال کرانا ہے۔ گو اس سلطنت کا فیصلہ سی پیو اصغر کے زبردست ہاتھوں سے ہوا مگر لڑائی چھڑی زیادہ تر کیٹو ہی کے صلاح و مشورے سے۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ جب مسی نیسا شاہ نومیدیا اور اہل قرطاجنہ میں جنگ چھڑی تو کیٹو بنائے مخاصمت دریافت کرنے کی غرض سے بھیجا گیا یہ بادشاہ مذکور رومیوں کا اوّل سے دوست تھا مگر جب سے سی پیو اعظم نے قرطاجنہ کا زور توڑا، مقبوضات چھین لئے اور بڑا بھاری خراج ان کے ذمے ڈالا تب سے وہاں والے بھی رومیوں کے حلیف ہو گئے تھے۔ لیکن کیٹو کا قرطاجنہ پہنچنے پر خیال ہی بدل گیا۔ اس نے وہاں دولت اور اسلحہ کی کثرت دیکھی اہل حکومت کو بھی قابل اور ترقی کرنے پر کوشاں پایا۔ اس وقت رومیوں کی غلط فہمی اس پر کھلی جو اپنے قدیم حریف کو ایک دفعہ کچل کر مطمئن ہوئے بیٹھے تھے کہ اب

اس میں سر اُٹھانے کی تاب نہیں ہے۔ نظر بریں اس کے نزدیک رومہ کا مسنی نیسا اور قرطاجنہ کے بیچ میں (بغرض صلح) پڑنا بالکل بے محل تھا۔ اس نے سوچا کہ زیادہ ضرورت تو اس امر کی ہے کہ رومہ اپنے پشتینی دشمن کی روزافزوں قوّت توڑنے کی فکر کرے مبادا آگے چل کر وہ از سرِ نو انتقام کے درپے اور رومہ کے لئے خطرۂ عظیم ثابت ہو۔ یہ سوچ کر وہ بہت جلد وطن کو واپس پھرا اور مجلس ملکی میں آکر ارکان سلطنت کو بتایا کہ پچھلی ہزیمتوں نے قرطاجنہ کا زور اتنا نہیں توڑا ہے جتنا کہ اس کی حماقتوں اور بلند پروازیوں کو کم کر دیا ہے یعنی بجائے کمزور ہونے کے وہاں والے اب زیادہ تجربہ کار اور جنگ سے واقف ہو گئے ہیں اور نومیدیا سے چھیڑ بھی انھوں نے محض لڑائی کی مشق کرنے کی خاطر نکالی ہے تاکہ آیندہ رومہ سے لڑنے کے لئے ان کے ہاتھ پاؤں کھل جائیں اور ان کی مصالحت اور اتحاد کرنے کا بھی اصلی مقصد صرف التوائے جنگ ہے کہ تیاریوں کی مہلت مل جائے اور مناسب موقع ملتے ہی پھر لڑائی چھیڑ دیں۔

اس کے بعد کہتے ہیں اس نے اپنی عبا کو جھٹک کر افریقہ کی کچھ کھجوریں مجلس کے سامنے گرا دیں اور جب انھیں دیکھ کر بعض ارکان مجلس نے تعریف کی کہ یہ کیسی خوشنما اور بڑی بڑی ہیں تو کیٹو نے فوراً کہا۔

"ہاں جس جگہ یہ ہوتی ہیں وہ رومہ سے صرف تین دن کی بحری مسافت پر واقع ہے!"

اور یہیں تک نہیں بلکہ بعد میں جب کبھی کوئی گفتگو وہ کرتا یا کسی معاملے میں مشورہ دیتا تو ہمیشہ بلاسہو آخر میں اس فقرے پر تان توڑتا کہ:۔

"نیز میری رائے میں قرطاجنہ کو بالکل فنا کر دینا چاہیے۔"

مگر پبلیس اسکیپو ناسیکا بھی ہمیشہ اپنی رائے اس کے بالکل برعکس ان الفاظ میں دیا کرتا تھا کہ "میری دانست میں قرطاجنہ کا ابھی سلامت رہنا بدرجہ اولیٰ مناسب ہے"۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ اپنے ہم وطنوں کی حالت دیکھتا تھا کہ روز بروز ابتر ہوئی جاتی ہے۔ دولت اور خوش حالی نے انھیں اتنا مغرور و سرکش کر دیا کہ مجلس کی اب وہ ذرا پروا اور اطاعت نہیں کرتے، پس اس کے خیال میں ایک حریف کا خوف ان کے دل میں قائم رکھنا ضروری تھا تاکہ اہل شہر حکومت کے قابو سے باہر نہ ہو سکیں اور سرکش جمہور کو بھی یہی خوف اپنے ارباب حکومت کا محتاج رکھے۔ اب قرطاجنہ ہی ایسا مدمقابل تھا جس میں رومہ کو مغلوب کرنے کی تو قوت تھی نہیں مگر ساتھ ہی اس کی جانب سے اہل رومہ بے پروا اور بے خوف بھی نہ ہو سکتے تھے۔ دوسری طرف کیٹو اس کو نہایت اندیشہ ناک جانتا تھا کہ ایک ایسی سلطنت جو ہمیشہ سے پُرعظمت مانی جاتی تھی اور اب مصائب سہنے کے بعد پہلے سے زیادہ ہوشیار ہو گئی تھی، یوں زندہ سلامت چھوڑ دی جائے کہ حد سے زیادہ بڑھ جانے والے رومیوں کی تاک میں رہے اور جونہیں ان کی بدعنوانیاں اور غلط کاریاں موقع دیں، اُن پر ٹوٹ پڑے۔ پس کیٹو اپنی بہترین مدافعت اسی کو سمجھتا تھا کہ جب اندرونی حالات مخدوش ہوتے جاتے ہیں تو کم سے کم بیرونی خطرات ضرور دُور کر دینے چاہئیں۔

اس طور پر بیان کیا جاتا ہے کہ قرطاجنہ سے تیسری اور آخری لڑائی کا اشتعال کیٹو نے دلایا لیکن اس کے چھڑتے ہی اس کا پیغام اجل آگیا اور وہ اُس شخص کی نسبت جو ابھی بالکل کمسن تھا یہ پیشینگوئی کر کے مرگیا کہ فتح و نصرت کا سہرا اسی کے سر رہے گا۔ کیونکہ ابتدائی معرکوں ہی میں ٹربیون کی حیثیت سے وہ ایسی بہادری کے

ساتھ لڑاکہ دھاک بیٹھ گئی اور اس کی خبر جب رومہ پہنچی تو کیٹو نے ایک شعر پڑھا جس کا مفہوم یہ تھا کہ :-

"ان سب میں کوئی صاحب تدبیر ہے تو وہی شخص ہے ورنہ
باقی پرچھائیوں کی طرح بھاگتے اور جھلمل دکھا کے غائب ہو جاتے ہیں"

چنانچہ سی پیو نے یہ پیشینگوئی اپنے کارہائے نمایاں سے بہت جلد صحیح ثابت کر دی۔

کیٹو نے سالونیس کے سوائے کوئی اولاد نہیں چھوڑی۔ پہلے بیٹے سے اس کے ایک پوتا ہوا تھا وہ کم عمری میں مر گیا۔ سالونیس بھی صدر عدالت ہونیکے بعد فوت ہو گیا۔ البتہ اُس کے بیٹے مرقس نے قنصلی کے عہدے تک ترقی پائی اور اُسی کا پوتا وہ حکیم کیٹو ہوا جو اعمالِ صالحہ اور ناموری میں اپنے عہد کا ممتاز ترین فرد گزرا ہے۔

ارسٹیڈیز اور مرقس کیتو کا موازنہ

ان نامور بزرگوں کے بڑے بڑے واقعات زندگی بیان کرنے کے بعد اگر ہم اُن کا باہم موازنہ کریں تو اس قدر مماثل حالات ملیں گے کہ اُن میں سے وہ چیزیں چُن کر نکالنا دشوار ہوگا جن سے ان کا باہمی فرق اور کمی بیشی معلوم ہوسکے۔ بایں ہمہ اگر اُن کی سوانح کا ایسی باریک بینی اور تفصیل کے ساتھ امتحان کیا جائے کہ جس طرح کسی تصویر یا نظم کا کیا جاتا ہے تو اُن میں پہلی بات یہ مشترک نظر آئیگی کہ دونوں نے محض ذاتی محنت و لیاقت سے ترقی پائی اور اپنی اپنی دستوری حکومتوں میں اعلیٰ ترین اعزاز و مناصب حاصل کئے؛ مگر اس میں بھی اتنا فرق قابل لحاظ معلوم ہوگا کہ جب ارسٹیڈیز سیاسی میدان میں داخل ہوا تو خود ایتھنز ثروت و اقبال کے معراج کمال پر پہنچا ہوا نہ تھا اور اُس وقت کے اکثر مشاہیر و حکام باہم تقریباً مساوی اور متوسط درجے کے دولت مند تھے چنانچہ سب سے بڑی جاگیرداری اُن کی سمجھی جاتی تھی جن کے پاس پانسو میڈم زمین ہو۔ دوسرے نمبر کے جاگیردار "صاحب الفرس" (نایٹ) کہلاتے تھے اور تیسرا گروہ زیوگیتی کا تھا جن کے پاس تین سو اور دو سو میڈم زمین ہوتی تھی؛ اس کے برعکس، کیٹو ایک چھوٹے گانوں کی دیہاتی زندگی سے نکل کر دستوری حکومت کے میدان میں داخل ہوا اور کہنا چاہئے کہ ایسے وقت ایک ذخار سمندر میں کودا جبکہ رومہ میں کیوری، فیبریسی اور ہوسٹلی جیسے (کم مایہ) اشخاص حکمراں نہ تھے اور نہ ادنیٰ مزدوروں کو ہل اور پھاوڑا چلاتے چلاتے اعلیٰ ترقیوں یا ملکی مناصب و اعزاز پانے کی کوئی توقع ہوسکتی تھی۔ بلکہ شہر میں امتیاز صرف اُن کو حاصل ہوتا تھا جو مشہور خاندانی یا بڑے دولتمند ہوں اور نہایت دریا دلی کے ساتھ لوگوں کی خاطر مدارات میں روپیہ صرف کرسکیں علاوہ ازیں مغرور اہل شہر کی رضاجوئی بھی ضروری تھی جو ہر طلب گار منصب کو اپنا دست نگر سمجھتے اور اس کے اظہار میں بھی باک نہ کرتے تھے؛ غرض سچ یہ ہے کہ تھمس طاکلیس جیسے

کم نسب اور کم حیثیت حریف کے مقابلے میں بازی لیجاتا (کیونکہ کہتے ہیں طاکلیس نے پہلے پہل امورِ ملک داری میں قدم رکھا تو اُس کی چار پانچ ٹیلنٹ سے زیادہ کی بضاعت نہ تھی ایسی بڑی اور دشواریات نہ تھی جتنی کہ کسی سی پیو افریکانوس یا سرویس گلبا اور یا فلےمی نی نس کی رقابت خاص کر ایسی حالت میں جب کہ ایسے بلند رتبہ اشخاص کے مدمقابل پاس ایک آزاد و حق کوش زبان کے سوا کوئی دوسری قوت اور سہارا نہ ہو؛

اس کے علاوہ ارس تدیز، میراتھان (مراتھن) اور پلاتیہ، دونوں لڑائیوں کے موقعہ پر منجملہ دس سپہ سالاروں کے ایک تھا۔ حالانکہ کیٹو کی قنصلی صرف ایک کی شرکت میں تھی اور وہ نہ صرف اس عہدے کے انتخاب میں کئی رقیبوں سے جیتا بلکہ منصبِ احتساب کے لئے بھی اُسے سات صاحب ثروت اور نہایت معزز دعوی داروں پر ترجیح دی گئی۔ پھر یہ کہ کوئی فتح ایسی نہیں جس کا سہرا بحیثیت افسر اعلیٰ ہونے کے ارس تدیز کے سر بندھے۔ کیونکہ جنگ میراتھن میں مل تیادیس اور جنگ سلامیس میں تھمس طاکلیس کے نام فتح لکھی گئی اور پلاتیہ کی جنگ عظیم میں ہیرودوتس کے بقول، اعزاز نصرت پوسے نیاس کا حصہ تھا۔ نیز ان سب معرکوں میں سفانیز ای نیاس، کالی ماکوس اور سنسی جیرس جیسے لوگوں نے جو پامردی دکھائی اُس کی وجہ سے فتح کے دوسرے درجے میں بھی وہ ارس تدیز کے حریف ہیں؛ برخلاف اس کے کیٹو (بزمانہ قنصلی) ہسپانوی محاربات میں، شجاعت و انتظام جنگ دونوں لحاظ سے اعلیٰ سپہ سالار تھا اور جب دوسرے کی ماتحتی میں بہ حیثیت ٹریبون انطیاجس کے خلاف لڑا تو اُس وقت بھی فتح کی عزت اُسی کو حاصل ہوئی۔ کیونکہ درۂ تھرموپلی پر اُس کا راستہ نکالنا اور یکایک بے خبر انطیاجس کی پشت پر حملہ آور ہونا، حقیقت میں لڑائی کا جیتنا تھا؛ یہی وہ جلیل الشان فتح ہے جس نے یونان سے ایشیائی اقتدار کو دفع کیا اور بعد ازاں سی پیو کے لئے خود ایشیا پر چڑھائی کرنے کا راستہ نکال دیا اور یہ بھی سب کو تسلیم ہے کہ اس کا اصلی فاتح کیٹو تھا؛

بیرونی معرکوں میں عام نیک نامی اور کامیابی، ارس تدیز اور کیٹو، دونوں کو یکساں
ملی لیکن وطنی معاملات میں ارس تدیز کو اپنے دشمنوں کے ہاتھوں جلاوطنی کی تکلیف اور
ذلت اٹھانی پڑی۔ اس کے برخلاف اگرچہ روما کے تقریباً تمام مقتدر اور ذی اختیار
عمائدین کیٹو کے مخالف تھے پھر بھی وہ بڑھاپے تک ان سے کشتیاں لڑتا رہا اور کسی سے
زیر نہ ہوا۔ ہزاروں ہی مقدمات اس نے لڑے، کبھی مدعی بنا اور کبھی مدعا علیہ، مگران میں
اکثر فتح اسی نے پائی۔ بہت سے حریفوں کو مغلوب کیا اور خود ہمیشہ صاف بچ کر نکل گیا۔
اسے یہ ساری کامیابی اپنی خوش بیانی کی بدولت حاصل ہوئی اور فی الحقیقت محض خوش
نصیبی اور حسن اتفاق سے نہیں، بلکہ اسی مضبوط مورچے اور زبردست حربے کی وجہ سے
وہ آخر تک صحیح و سالم رہا اور کوئی زک نہ اٹھائی۔ واقعی فن خطابت اور قوت بیان بھی
بڑی نعمت ہے اور انٹی پاٹر نے بجا طور پر حکیم ارسطو کی وفات پر جہاں مرحوم کی اور خوبیوں کا
تذکرہ کیا ہے وہاں اس وصف کی بھی بڑی تعریف لکھی ہے کہ ارسطو میں جو بات چاہتا
وہ منوا دینے کی خداداد طاقت تھی۔

یہ سب مانتے ہیں کہ آدمی کی سب سے بڑی خوبی اپنے وطن کی خوش حالی چاہتا ہے اور
اسی نیک خواہش کا حصول تونگری یا دولت پیدا کرنے کی کوشش، بھی ایک جزو سمجھی جاتی ہے
کیونکہ شہر یا سلطنت خاندانوں اور گھروں کے مجموعہ کا نام ہے اور اس کی فلاح و سرسبزی
انھیں شہریوں کی خوش حالی اور ثروت پر منحصر ہے۔ لکرگس نے اسپارٹہ سے چاندی سونا
دفع کر کے فقط بگڑے ہوئے لوہے کا سکہ اس لئے جاری نہ کیا تھا کہ اس کے ہم وطن اپنے
خانگی اور اقتصادی معاملات سے بے پروا ہو جائیں بلکہ درحقیقت اس کا منشا عیاشی، تن
پروری اور کثرت دولت سے جو بداخلاقیاں پیدا ہو جاتی ہیں ان کا سد باب کرنا تھا ورنہ
ہر شخص کے لئے ضروری سامان زیست بہ افراط مہیا کرنے میں جو کوششیں اور تدبیریں اس
نے کیں وہ کسی دوسرے مقنن سے کم نہ تھیں، کیونکہ درحقیقت ایک متکبر دولتمند سے لکرگس

اس قدر اندیشہ مند نہ تھا جتنا کہ ایک محتاج اور تہی دست فرد قوم سے۔ علیٰ ہذا کیٹو بھی خانگی انتظام و انصرام میں اتنا ہی منتظم و منصرم تھا جتنا کہ ملکی امور میں۔

اُس نے اپنی خاندانی جائداد میں معقول اضافہ کیا اور کفایت شعاری اور خوش انتظامی کا دوسروں کو سبق دیا۔ چنانچہ اپنی تحریروں میں بھی بہت سی کام کی باتیں لوگوں کے فائدے کے لئے چھوڑ گیا ہے۔ برخلاف اُس کے ارس تدیز نے اپنی تنگدستی سے عدل گستری کو بھی داغ لگایا اور گویا یہ ثابت کیا کہ جو لوگ ایسی نیکیوں سے دنیا کو فائدہ پہنچاتے ہیں۔ وہ خود ننگے بھوکے اور ان کے اہل و عیال افلاس کی بلا میں مبتلا رہتے ہیں۔ حالانکہ ہیسیود نے جہاں انصاف اور راست بازی کی تاکید کی ہے وہاں گھر کی خبر گیری پر بھی بہت زور دیا ہے اور لکھا ہے کہ بے کاری بے ایمانی کی جڑ ہے۔ اور دوسری طرف ہومر نے ایک عمدہ پیرایے میں یوں تحریر کیا ہے کہ

نہ مجھ کو کام سے الفت، نہ فکر کچھ گھر کا
کہ کس طرح سے پھلے پھولے خانداں میرا
ہمیشہ میری خوشی تھی یہی کہ میں دیکھوں
جہاز، جنگ و جدل، تیغ و تیر کا چلنا۔

گویا جنھیں اس قسم کی چیزوں کا شوق ہوتا ہے وہ اپنے خانگی کاروبار سے ہمیشہ بے پروا ہوتے ہیں اور ان کا گزارا ہی ظلم اور دوسروں کی لوٹ مار پر ہوتا ہے۔ بے شبہ یہ کچھ خوبی کی بات نہیں ہے کہ آدمی دوسروں کی رفاہ اور بہبود کا اس قدر خیال رکھے اور اپنی ذات اور ذاتی معاملات کی طرف سے بالکل بے خبر ہو اور اس کی خاصیت تیل کی سی ہو جو بقول طبیبوں کے جسم کے اوپر ہی اوپر ملا جائے تو نافع مگر پیٹ کے اندر اُتار لیا جائے تو مضر ہے۔ لیکن اس معاملے میں ارس تدیز کا نقص نمایاں ہے اور اکثر مصنفین کے بیان سے ثابت ہے کہ اُس نے اپنے بیٹوں کے لئے ایک حبہ بھی نہیں چھوڑا انتہا یہ کہ مرنے کے بعد

اس کے پاس اتنا بھی نہ نکلا کہ اس کی تجہیز تکفین کا خرچ تو چل جاتا۔ یہی وجہ ہے کہ کیٹو کے مقابلے میں جس کے پوتے اور پروتے چوتھی نسل تک اعلیٰ ترین مناصب پر سربلند ہوتے رہے اس کے برعکس ارس تدیز کے بعض اہل خاندان شعبدہ بازیوں سے پیٹ پالتے اور بعض خیرات پر بسر کرتے تھے۔ بہ الفاظ دیگر یونان میں سب سے بڑا آدمی ہونے کے باوجود اس نے ایسے وسایل نہ مہیا کئے تھے کہ اس کی اولاد سرسبز ہوتی اور اپنے کارناموں سے اس کا نام روشن کرتی۔

لیکن سوال یہ ہے کہ ایسا کیوں ہوتا ہے؟ افلاس فی نفسہ کوئی عیب نہیں، بلکہ یہ صرف اس وقت مذموم ہے جب کاہلی، بے اعتدالی، تن آسانی یا بے فکری اس کا باعث ہو۔ ایک ایسے شخص کے لئے جو متقی پرہیزگار بھی ہو، دلیر و جفاکش، نہایت راستباز اور عادل بھی ہو، افلاس درحقیقت بڑی بلند حوصلگی اور عالی ظرفی کی دلیل ہے۔ کیونکہ وہ، جو چھوٹے چھوٹے معاملات میں منہمک ہو بڑے بڑے کاموں کے لئے وقت نہیں نکال سکتا اور نہ وہ جس کی ضرورتیں خود بہت بڑھی ہوئی ہیں دوسروں کی ضرورتیں رفع کر سکتا ہے۔ پھر وہ شے جو سب سے زیادہ کسی شخص کو مخلوق کی خدمت کے قابل بناتی ہے، دولتمندی نہیں ہے بلکہ قناعت اور آزادی ہے کہ رفاہ عام کی طرف اس کی توجہ میں (جسے سامان تکلف سے استغنیٰ ہے) کبھی انتشار نہ پیدا ہوگا۔ احتیاج سے بالکل منزہی اور ماورئی خدا کی ذات ہے اور انسانی صفات میں بھی وہ صفات جن میں سب سے کم احتیاج ہے، سب سے کامل اور سب سے زیادہ ربانی ہیں۔ کیونکہ جس طرح ایک صحیح و تندرست جسم کو کسی اعلیٰ غذا یا قیمتی پوشاک کی ضرورت نہیں ہوتی اسی طرح ایک ہوشمند انسان اور اچھے گھر کو بھی بہت مختصر سامان کافی ہو جاتا ہے۔ دولت کے متعلق لازم ہے کہ ہم جتنا اس سے کام لیتے ہیں اسی مناسبت سے اس کو مفید سمجھیں۔ کیونکہ وہ، جو کم کام لیتا ہے اور زیادہ سمیٹتا ہے اعتراض سے نہیں بچ سکتا اس لئے کہ اگر وہ ان چیزوں کے لئے روپیہ جمع کرتا ہے جن کی اسے احتیاج اور

خواہش نہیں تو احمق ہے اور اگر چاہتا ہے مگر خست کی وجہ ضرورتیں پوری نہیں کرتا تو ایک منحوس بخیل ہے۔ اب اگر کُن ہوتا تو خود کیٹو سے یہ سوال کرتا کہ دولت جمع کرنے سے لطف و انبساط مقصود ہے تو پھر اُسے اپنی کثرت تمول کے ساتھ قناعت اور سادہ زندگی پر فخر کیوں ہے؟ لیکن اگر شرافت اور بزرگی اس میں ہے کہ فی المثل، موٹی جھوٹی روٹی اور اپنے نوکروں کے ساتھ انہیں کی شراب پر بسر اوقات کی جائے، اور صندلا گئے ہوئے مکان یا قاقم و سنجاب کی کچھ ہوس نہ ہو تو پھر ہم کہیں گے کہ ارس تدیز، اپامنن وانس، مانیس کیوریس یا کائی اس فبریکیس کوئی بھی ایسی ہوس نہ رکھتا تھا اور جن چیزوں کی انہیں خواہش نہ تھی ان کی فراہمی کی بھی وہ دردسری نہ اٹھاتے تھے۔ اور یقیناً جس کی مرغوب غذا گوبھی ہو اور اُسے خود بیٹھ کر اُبالے اور اپنی بیوی سے روٹیاں پکوائے اسے کسی طرح شایاں نہیں کہ بار بار اپنی دولت پر فخر کرے یا حصول تونگری پر کتاب لکھے کہ کس طرح آدمی تھوڑے دن میں زیادہ سے زیادہ روپیہ کما سکتا ہے؟ کیونکہ قانع ہونے کا اصلی فائدہ تو یہی ہے کہ آدمی تکلفات کی قیود سے آزاد ہو جائے اور اس لئے دولت بھی اس کی نظر میں کوئی خاص کشش نہ رکھتی ہو۔ چنانچہ کےلیس کے مقدمے میں اسی بنا پر ارس تدیز نے کہا تھا کہ عسرت پر شرم انھیں آنی چاہئے جو اپنی تمنا اور خواہش کے خلاف مفلس ہوں۔ ورنہ جو اپنی تنگدستی پر خوش اور قانع ہیں ان کے لئے افلاس باعث عار نہیں، قابل فخر ہے اور واقعی ارس تدیز کی نسبت یہ سمجھنا کہ وہ نکمے ہونے کی وجہ سے مفلس تھا، سراسر لغو ہے۔ وہ چاہتا تو یقیناً ایرانیوں کے کسی ایک خیمہ کی لوٹ یا ایک قیدی کا مال غنیمت ہی اُسے مالا مال کر سکتے تھے؟ مگر اس مبحث پر اتنا ہی لکھنا بہت ہے؟

واضح رہے کہ کیٹو کی مہمات نے رومی سلطنت میں کوئی اضافہ نہیں کیا۔ وہ ایک معتی کر کے پہلے ہی اس قدر بڑھ چکی تھی کہ اب اس میں مزید توسیع کی گنجائش باقی نہ تھی۔ لیکن ارس تدیز کے کارنامے یعنی میراتھن، سلامیس اور پلاٹیہ کی لڑائیاں، ایسے شاندار

پر شکوہ اور یادگار واقعات ہیں جن کی کوئی نظیر تاریخ یونان میں نہیں مل سکتی۔ اور اس میں بھی شک نہیں کہ اگرچہ جس یا ہسپانوی شہروں کی فصیلوں کی شکست وارائے عجم کی لکھوکھا فوجوں کی بری اور بحری ہزیمتوں کے مقابلے میں کوئی وقعت نہیں رکھتی اور ان سب دلیرانہ معرکوں میں ارس تدیز کا رتبہ کسی سے پست نہیں ہے اگرچہ فتح کی شہرت اور سہرا، روپے پیسے کی طرح اس نے ان کے واسطے چھوڑ دیا جنہیں ان کی احتیاج اور زیادہ ہوس تھی۔ میں کیٹو کو اس لئے الزام نہیں دیتا کہ وہ ہمیشہ اوروں کے سامنے اپنی شیخیاں اور بڑائیاں مارا کرتا تھا اگرچہ ایک مرتبہ خود اس نے ایک تقریر میں کہا ہے کہ آدمی کا اپنی خودستائی کرنا ایسا ہی مہمل ہے جیسا اپنی مذمت کرنا، تاہم میرے نزدیک وہ، جو کسی سے اپنی ستائش کا خواہاں نہیں، اس سے کہیں افضل ہے جو ہمیشہ اپنی صفت وثنا کے راگ گاتا پھرے۔ خودپسندی سے آدمی کا بری ہونا ملکی معاملات میں بے غرضی اور بردباری کا ضامن ہے برخلاف اس کے خودپسندی بڑی تنگ دل اور حسد کو سب سے زیادہ بڑھانے والی چیز ہے جس سے ارس تدیز بالکل پاک اور کیٹو جس کا غلام تھا۔ ارس تدیز نے نہایت اہم معاملات میں طاکلیس کی اعانت کی اور گویا اس کا ماتحت بن کر بھی ایتھنز کو ترقی دیتا رہا۔ کیٹو نے سی پیو سے دشمنی کی اور قرطاجنہ کی مہم روکنے اور برباد کرنے میں کوئی کسر باقی نہ چھوڑی، حالانکہ اسی مہم میں سی پیو نے ہنی بال کا سر توڑا جو اس وقت تک کسی سے زیر نہ ہوا تھا۔ مگر اس فتحمندی کے بعد بھی کیٹو سی پیو کی دشمنی سے باز نہ آیا اور اس کے خلاف مسلسل افترا پردازیوں سے شکوک وشبہات پیدا کر کے آخر میں اسے شہر سے نکلوا کے چھوڑا اور اس کے بھائی کو سرکاری روپیہ اڑانے کے جرم میں سزا دلا کر ذلیل وسرنگوں کیا۔

آخری شے وہ بے داغ پاکبازی اور تقویٰ ہے جس کی کیٹو تو ہمیشہ پکار پکار کے فقط زبانی تلقین وتعلیم کرتا رہا مگر عملاً پابندی ارس تدیز نے ہی کی۔ بلکہ اس معاملے میں

اقتضائے شان وسن کے خلاف کیٹو کا شادی کرنا اس کے چال چلن پر حرف لاتا ہے بے شبہ بڑھاپے میں بیٹے اور بہو کی موجودگی میں ایک معمولی تنخواہ دار دفتری کی بیٹی گھر بیاہ لانا کچھ پسندیدہ بات نہ تھی اور خواہ اس کی وجہ نفس پروری ہو خواہ بیٹے سے ناراضی، دونوں صورتیں مذموم تھیں اور ان کا عذر اس سے بھی بدتر۔ اس لئے کہ شادی کی جو وجہ اس نے بیٹے کو بتائی وہ صحیح نہ تھی کیونکہ اگر وہ اچھی اولاد پڑھانے کا خواہاں تھا تو اسے شادی کسی اچھے خاندان میں کرنی چاہئے تھی، دوسری خبر نہ ہونے تک ایک عورت سے ناجائز تعلقات نہ رکھنے چاہئے تھے اور جب یہ حال کھل گیا تھا تو اپنے شایان آبرو رشتہ کرنے کے بجائے ایسے خسر کا انتخاب نہ کرنا چاہئے تھا جو نہایت آسانی کے ساتھ بلا دقت بیٹی دینے پر آمادہ ہو جائے!

اسکندر (یونانی)

شاہ اسکندر کی اور سیزر کی (جس نے پامپی کا استیصال کیا) سوانح عمریاں لکھتے وقت میں بطور معذرت اپنے ناظرین کی خدمت میں یہ التماس کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ میرا منشا ان کے تمام مہتم بالشان کارناموں کی تفصیل اور ان کی ہر کامیابی کے خارجی اسباب و حالات پر بحث کرنا نہیں بلکہ زیادہ تر یہ مقصود پیش نظر ہے کہ ان کی زندگی کے صرف مشہور مشہور واقعات قید تحریر میں آجائیں یہ یاد رکھنا چاہیے کہ میں اس وقت تاریخ لکھنے نہیں بیٹھا ہوں بلکہ سیر- اور ظاہر ہے کہ انسان کی ذاتی خوبیاں یا برائیاں جانچنی ہوں تو فقط ان کے بڑے بڑے کام دیکھنے کافی نہیں کیونکہ بعض اوقات ایک معمولی فقرے یا ہنسی کی بات سے آدمی کی طبیعت کا حال ایسا کھل جاتا ہے کہ اس کے مشہور سے مشہور محاصرہ اور خونریز سے خونریز لڑائی سے بھی نہیں کھلتا۔ پس جس طرح مصور دوسرے اعضائے جسمانی سے بڑھکر تصویر کے چہرے کو جتنا بناتا ہے اور آدمی کی سرشت و اصلیت ظاہر کرنے کے واسطے اسی چہرے کے خط و خال کو ہو بہو دکھانا چاہتا ہے، اسی طرح مجھ کو بھی اجازت ملنی چاہیے کہ لوگوں کی سیر لکھنے میں اپنی تمام تر توجہ ان کے عادات و اطوار دکھانے پر صرف کروں اور بہت سے اہم واقعات تاریخی یا جنگی معرکوں کی تشریح دوسروں کے واسطے چھوڑ دوں۔

یہ مسلم ہے کہ سکندر، باپ کی جانب سے کرانس کی اولاد اور اس طرح ہرقل کی نسل میں ہے اور ماں کی طرف سے اس کا سلسلۂ نسب نوبطلیموس کے توسط سے ایقوس تک پہنچتا ہے اس کے باپ فیلقوس کا زمانۂ شباب علاقۂ ساموتھریس میں گزرا ہے یہیں وہ اولم پیاس پر عاشق ہوا اور یہیں بڑے بھائی اریمبس کی اجازت سے اس نے اپنی شادی اولم پیاس سے کی (اس وقت اس کے ماں باپ فوت ہو چکے تھے) شادی سے ایک رات پہلے خاتون

مذکور نے یہ خواب دیکھا کہ اس کے بدن پر بجلی گری جس سے چاروں طرف آگ لگ گئی اور اس آگ کے شعلے ہر چار سو پھیلنے کے بعد بجھ گئے۔ شادی کے چند روز بعد فیلقوس نے بھی ایک عجیب خواب دیکھا اور وہ یہ تھا کہ وہ اپنی بیوی کے جسم کو سر بہ مہر کر رہا ہے اور مُہر پر اُسے نظر آیا کہ شیر ببر کی تصویر کندہ ہے۔ بہت سے نجومیوں نے تو اُس کو ایک آسمانی تنبیہ تعبیر کیا جس میں اشارہ تھا کہ فیلقوس اپنی بیوی سے ذرا ہشیار رہے لیکن ارس تن ور نے بادشاہ کو سمجھا دیا کہ اس کا کچھ اور مطلب ہو ہی نہیں سکتا سوائے اس کے کہ اس کی بیوی حاملہ ہے اور عنقریب اس کے ایک لڑکا پیدا ہوگا جو طاقت و شجاعت میں شیر ببر کی مانند ہوگا۔

مگر کہتے ہیں ایک دن اور بھی فیلقوس نے یہ حیرت انگیز سانحہ دیکھا کہ اس کی بیوی سو رہی ہے اور برابر میں ایک سانپ لیٹا ہے جس کی وجہ سے اُسے ایک کراہت بیوی کی طرف سے پیدا ہو گئی اور نہ معلوم اُسے جادوگرنی سمجھ کر ڈر گیا یا کسی دیوتا کی نظر کردہ سمجھا بہر حال اُس کی بعد سے وہ ہمیشہ اولم پیاس سے دور دور رہنے لگا۔ بعضوں کا خیال ہے کہ اس ملک کی عورتیں دیونانیوں کی کنیتا، باکوس دیوتا کی پرستش میں بہت غلو کرتی تھیں اور انھوں نے عجیب و غریب ڈراونی رسمیں اپنے ہاں جاری کر لی تھیں اُنھیں کی پابندی میں اولم پیاس نے بھی سانپ پال رکھے تھے اور مذہبی ناچ کے وقت بارہا ایسا ہوتا کہ وہ اپنے دامن عشق پیچہ کی بیلوں سے نکل کر عورتوں کے کپڑوں میں لپٹ جاتے اور یہ نظارہ ایسا مہیب ہوتا تھا کہ مردوں کی بھی دیکھنے سے روح کانپتی تھی۔

بہر تقدیر فیلقوس نے اس مشاہدہ کے بعد شبرن کو ڈیلفی بھیجا کہ اپالو سے استخارہ کرے اور یہ جواب پایا کہ وہ قربانیاں چڑھائے اور آیندہ سے امّن دیوتا کی پرستش و احترام کا خاص طور پر لحاظ رکھے ساتھ ہی یہ بھی اسے جتایا گیا کہ ایک نہ ایک دن اس کی وہ آنکھ جاتی رہیگی جس سے اُس نے کواڑ کی درز میں سے جھانکا اور اپنی بیوی کے پاس سانپ کے بدن میں دیوتا کو لیٹے دیکھا تھا۔

جب سکندر اپنی پہلی مہم پر گیا تو اس کی ماں ساتھ تھی اس نے سکندر کو اس کی پیدائش کا اسرار بتایا اور فہمایش کی کہ تم جونو دیوتا کی اولاد ہو، اس کا نام رکھ لینا اور شجاعت و بسالت کو ہاتھ سے جانے نہ دینا۔ لیکن اس روایت کو سب نے جھٹلایا ہے۔ بیچاری اولمپیاس کو ہرگز اس قسم کا کوئی دعوی نہ تھا بلکہ وہ الٹا یہ کہا کرتی تھی کہ "سکندر جو جونو کی مجھ پر تہمت لگاتا ہے دیکھئے اس سے کب چھٹکارا ملتا ہے۔"

سکندر ماہ ہکاتوم بیان کی چھٹی تاریخ کو پیدا ہوا تھا (اہل مقدونیہ اس کو لوس کہتے ہیں) یعنی عین اس دن جس دن کہ شہر افی سس میں ڈی آنا دیوی کے مندر میں آگ لگی۔ اسی پر ہیجی سیاس میگنشی نے یہ لطیفہ گڑھا ہے کہ آگ اس وقت لگی جب کہ مندر کی دیوی سکندر کی ولادت میں مدد دینے مقدونیہ چلی گئی تھی! اور سارے مشرقی کاہن جو اس روز افی سس میں تھے اس مندر کی بربادی کو کسی اور سخت مصیبت کا پیش خیمہ سمجھے اور بے حواس ہو کے شہر میں چاروں طرف دوڑنے لگے۔ وہ منہ پیٹ پیٹ کے چلاتے جاتے تھے کہ آج کوئی ایسی شے عالم وجود میں آئی ہے جو ساری ایشیا کے لئے برباد کن اور مہلک ثابت ہوگی۔

فیلقوس قصبۂ پوٹی ڈیہ کی تسخیر سے فارغ ہوا ہی تھا کہ ایک ہی وقت تین ہرکارے اس کے پاس پہنچے اور خبر دی کہ (اس کے جرنل) پارمنیو نے اہل الیریہ کو ایک زبردست لڑائی میں شکست فاحش دی۔ دوسرے اس کا گھوڑا اولمپی گھڑدوڑوں میں سب سے اول نکلا اور تیسری خبر یہ تھی کہ اس کے ہاں سکندر تولد ہوا۔ یہ مژدہ جانفزا سن کر فیلقوس اور بھی خوش ہوا اور نجومیوں نے بھی یہ وثوق کہا کہ ایسا بیٹا جس کی ولادت تین کامیابیاں اپنے ساتھ لائی بے شبہ نہایت بلند اقبال ہوگا۔

سکندر کی اچھی سے اچھی شبیہ اُن مورتوں میں ملتی ہے جو لی سپس نے بنائی ہیں (اس کے سوا وہ کسی کو اجازت اپنی تصویر اُتارنے کی نہ دیتا تھا) انہیں میں اس کے چہرے کی نمایاں خصوصیتیں جن کی نقل اس کے جانشین یا بعض دوست بھی کیا کرتے تھے مثلاً گردن

آنکھیں یا سر کا تھوڑا سا جھکاؤ بائیں کھوے کی طرف، یہ کمال صناعی اور ہو بہو دکھائی گئی ہیں۔ مگر ایلیس جس نے اس کی تصویر برق بدست کھینچی ہے اس کے رنگ کو زیادہ سرخ بلکہ سانولا دکھاتا ہے حالانکہ یہ اصلیت کے خلاف ہے۔ سکندر کا رنگ بہت صاف اور گورا تھا اور اس کے رخسار اور سینے پر ہلکی سرخی جھلک مارتی تھی ارسطوشنوس اپنی تو زک میں لکھتا ہے کہ اس کے جسم سے اس قسم کی خوشبو لطیف و گوارا پیدا ہوتی تھی کہ کپڑے جو وہ پہنتا تھا مہکنے لگتے تھے جس کا سبب غالباً یہ ہے کہ اس کے بدن کا مزاج نہایت گرم و خشک تھا۔ کیونکہ سفراسطس کے نزدیک خوشبو اس وقت پیدا ہوتی ہے جب حرارت نمی کو سکھا دے یہی سبب ہے کہ دنیا کے بہترین مسالے گرم و خشک ممالک میں بہ مقدار کثیر حاصل ہوتے ہیں کیونکہ سورج کی تپش پودوں کی بیکار نمی کو، جو کچھ عرصہ بعد سڑاند پیدا کر دیتی، بالکل جذب کر دیتی ہے۔ بہر کیف کچھ عجب نہیں اگر سکندر کی شراب خواری اور تند خوئی کی علت بھی یہی گرم مزاجی ہو۔ ورنہ جسمانی خوشیوں کا بالطبع اسے شوق نہ تھا اور بچپن سے وہ ان کی طرف بہ مشکل مائل ہوتا تھا۔ البتہ شہرت و ناموری حاصل کرنے کا وہ اپنی بساط سے کہیں زیادہ سرگرم نظر آتا تھا، اور کم سنی میں بھی اس کی غیر معمولی بلند حوصلگی اور عالی نظری چھپی ہوئی نہ تھی۔ چنانچہ وہ اپنے باپ کی طرح ایسی شہرت بھی پسند نہ کرتا تھا جس میں چھچھوراپن نکلے۔ (حالانکہ فیلقوس کی یہ حالت تھی کہ اظہار فصاحت کا خبط مشیخت کے درجے تک ترقی کر گیا تھا یا شہرت کے شوق میں اس نے اپنی رتھوں کی کامیابیاں جو اولمپی نمائش یا دوڑوں میں حاصل کی تھیں سکوں تک پہ منقوش کرا دی تھیں)، مثلاً جب کسی نے اس سے پوچھا کہ کیوں اولمپی دوڑ میں دوڑو گے؟ تم بہت تیز پا ہو، تو سکندر نے جواب دیا "بخوشی! بشرطیکہ دوڑنے والوں میں اور بادشاہ بھی میرے ساتھ ہوں!"

بظاہر سکندر کو ایسے کھیل کود برے نہ معلوم ہوتے تھے تو کچھ قابل توجہ بھی وہ انہیں نہ سمجھتا تھا۔ اس نے بارہا انعام مقرر کیے ہیں جن میں ڈرامانویس، مطرب یا بانسری اور

سارنگی بجانے والے بلکہ ٹیبو اور چوبولے بنانے والے تک حصہ لیتے تھے اور ان کے خوب خوب مقابلے ہوتے ۔ اسی طرح اُسے لکڑی اور ہر قسم کا شکار بھی نہایت مرغوب تھا لیکن کشتی بانکے بازی کے مقابلوں کو وہ کسی قدر افزائی کے لایق نہ سمجھتا تھا۔

سکندر کی عمر ابھی بہت کم تھی کہ باپ کی عدم موجودگی میں شاہ ایران کے سفراکی مہمانداری کرنے کا اُسے اتفاق ہوا اور اپنی باتوں سے اور خاطر تواضع سے اُس نے اُن کو اپنا بالکل گرویدہ بنالیا ۔ خاصکر جو سوال اُس نے کئے وہ نہایت معقول تھے اور اُن میں کوئی بات بچپن کی نہ تھی مثلاً اُس نے اندرون ایشیا کی سڑکوں کا حال یا بُعد مسافت کے متعلق بہت سی باتیں پوچھیں ان کے بادشاہ کے حالات دریافت کئے کہ اس کے پاس کتنی فوج ہے اور دشمنوں سے وہ کیونکر لڑتا ہے ۔ اور ان سوالات نے ایرانی سفیروں کو دنگ کر دیا اور وہ اس ہونہار نونہال کی لیاقت اور روشن ضمیری کے مقابلے میں خود فیلقوس کی شہرۂ آفاق قابلیتوں کو ماند سمجھنے لگے۔

جب کبھی سکندر سنتا کہ اس کے باپ نے کوئی بڑی بھاری فتح حاصل کی یا کوئی مشہور شہر فتح کیا تو وہ محض خوشی کا اظہار نہ کرتا بلکہ ساتھ ہی یہ بھی اپنے ہمجولیوں سے کہا کرتا کہ معلوم ہوتا ہے کہ میرا باپ ہمارے تمہارے لئے کوئی موقع ناموری کا نہ چھوڑیگا بلکہ سارے بڑے بڑے کام پیش از پیش خود ہی ختم کر ڈالیگا ۔ درحقیقت اس کو کارنمایاں کرنے کا اور اپنے دست و بازو کی قوت آزمانے کا اتنا شوق تھا اور دولت و سامان ثروت سے ایسی نفرت تھی کہ وہ سمجھتا تھا جتنا زیادہ ترکہ اس کا باپ چھوڑ جائیگا اتنا ہی کم موقعہ اسے خود حاصل کرنے کا رہجائیگا

اس کی تمنا یہ تھی کہ جو سلطنت مجھے ورثہ میں ملے وہ جس قدر بھی لڑائی جھگڑوں میں پھنسی ہوئی ہو اتنا ہی اچھا تاکہ مجھے اپنی دلیری دکھلانے اور ناموری پانے کا میدان زیادہ وسیع ملے برخلاف اس کے وہ سمجھتا تھا کہ اگر پُرامن و مرفہ الحال سلطنت ترکے میں ملے تو سوائے عیش و نشاط میں بیکار وقت گزارنے کے اس کے لئے کوئی کام کرنیکا باقی نہ رہیگا۔

سکندر کی تعلیم خود قیاس کر سکتے ہو کہ کس اہتمام کے ساتھ کرائی گئی ہوگی ۔ نوکروں

چاکروں کے علاوہ مختلف علم و ہنر سکھانے پر بیسیوں استاد اس کے واسطے مقرر تھے اور ان سب کا افسر لیونی داس تھا۔ وہ ملکہ اولم پیاس کا قریبی رشتہ دار اور بڑا متدین شخص تھا جس کا عہدہ معلم گری بھی اگرچہ کسی طرح قابل عار نہ تھا تاہم نہایت آبرودار اور ملکہ کے عزیز ہونے کے باعث لوگ اسے ازرہ تکریم سکندر کا نسبتی باپ یا مالک کہتے تھے۔ مگر جس شخص کے سپرد اس کی اصلی تعلیم و تربیت تھی وہ اکرنانیہ کا باشندہ لقوماجیس[1] تھا۔ اس میں کوئی خاص قابلیت نہ تھی مگر وہ اپنے تئیں بڑے بڑے مشاہیر اساتذہ کا ہم سنگ سمجھتا تھا اور شاید اسی وجہ سے لیونی داس کے بعد سب سے زیادہ اس کی عزت اور خاطر مدارات ہوتی تھی۔

یہ فیلونی جس باشندہ تھسلی کا ذکر ہے کہ بوسفالس نام گھوڑا شاہ فیلقوس کے لئے لیکر آیا اور تیرہ ٹیلنٹ[2] قیمت طلب کی۔ مگر جب اس کا امتحان کرتے میدان میں آئے تو اس نے وہ شرارت شروع کی کہ کسی کے قبضے میں نہ آیا۔ کوئی ذرا بھی چڑھنے کا ارادہ کرتا تھا تو وہ الف ہو جاتا دولتیاں پھینکتا اور فیلقوس کے آدمیوں کو پاس آنے دیتا تو درکنار ان کی آواز تک سے بھڑکتا تھا۔ آخر سب نے تھک کر چھوڑ دیا کہ یہ کسی کام کا نہیں اور اس کا سدھانا بھی محال ہے۔ اس وقت جب وہ الٹا بھیجا جا رہا تھا سکندر قریب ہی کھڑا تھا، کہنے لگا "افسوس ہے اپنی کم ہمتی اور نادانی سے ایسا اچھا گھوڑا کھوئے دیتے ہیں!

پہلی دفعہ تو فیلقوس نے کوئی توجہ نہ کی لیکن جب اس نے بار بار یہی فقرہ دہرایا اور گھوڑا واپس کر دیئے جانے پر بہت جز بز ہوا تو فیلقوس اس کی طرف مخاطب ہوا اور کہنے لگا "تم ان پر جو تم سے عمر میں تجربے میں کہیں زیادہ ہیں اس طرح اعتراض کر رہے ہو گویا ان سے بہتر سواری جانتے ہو اور جس گھوڑے کو وہ قابو میں نہ لا سکے تم لے آؤ گے؟"

سکندر نے جواب دیا "بے شبہ اس گھوڑے کو میں ٹھیک کر سکتا ہوں" فیلقوس نے

---

[1] یہی شخص ہے جس کا معرب نام سکندر نامے میں لقوماجس ہے اور جسے حکیم نظامی نے شاعری میں ارسطو کا باپ بنا دیا ہے۔ م

[2] ٹیلنٹ قدیم سکہ۔ ہمارے تین ساڑھے تین ہزار روپیہ کے برابر ہوتا تھا۔ م

کہا" اور جو نہ کر سکے، تو اس گستاخی کا جرمانہ ؟" سکندر نے جواب دیا" میں گھوڑے کی قیمت ادا کر دوں گا!"

سب لوگ سکندر کی باتوں پر ہنسنے لگے۔ مگر یہ شرط پاتے ہی سکندر دوڑا ہوا گھوڑے کے پاس آیا اور زین تھام کے اس کا منہ سورج کی طرف کر دیا (معلوم ہوتا ہے وہ سمجھ گیا تھا کہ اصل میں گھوڑا اپنی پرچھائیں دیکھ دیکھ کے بھڑکتا ہے) پھر تھوڑی دور تک باگ پکڑے پکڑے اس کے ساتھ گیا اور جب وہ نتھنے پھلاتا یا جوش میں آتا تو اسے نرمی سے تھپکتا جاتا تھا یہاں تک کہ اس نے آہستگی سے پہلے اپنا بالائی چغہ اُتارا اس کے بعد ایک دفعہ ہی اچھل کر پیٹھ پر جا بیٹھا اور جب کھسک کے زین تک آ گیا اور خوب پڑی جمالی تو بغیر کسی چابک یا مہمیز کے صرف باگ اور زیر بند کی مدد سے اس کو قابو میں کر لیا۔ تھوڑی ہی دیر میں اس کی ساری اچھل کود موقوف ہو گئی اور فقط دوڑنے کی بیقراری رہ گئی تب سکندر نے بھی اس کو سرپٹ چھوڑ دیا اور ڈانٹ، دے دے کے اور ایڑ مار مار کے خوب بھگایا۔

اِدھر فیلقوس اور ساتھ والے سب خاموش متردد کھڑے تھے کہ دیکھئے کیا ہوتا ہے مگر جب اُسے دیکھا کہ واپس گھوڑا بھگاتا ہوا لا رہا ہے اور اپنی کامیابی پر خوشی سے پھولا نہیں سماتا تو سب نے شاباش و مرحبا کا شور مچایا۔ کہتے ہیں اس کے باپ کی آنکھوں سے مارے خوشی کے آنسو نکل پڑے۔ اور جب سکندر گھوڑے سے اُتر کے آیا تو اس کی پیشانی چوم کے فرط مسرت سے کہنے لگا کہ" بیٹا! مقدونیہ تیرے لئے بہت چھوٹی ہے تجھے اور کوئی سلطنت چاہیئے جو تیری لایق اور تیری بلند ہمتی کے موزوں ہو!"

اس واقعہ کے بعد سے فیلقوس نے اُسے حکم دینا چھوڑ دیا اور جب کوئی کام کرانا ہوتا تو بجائے تحکم کے اس کو سمجھانے کی کوشش کرتا کیونکہ اپنے بیٹے کا مزاج وہ سمجھ گیا تھا کہ حکومت نہیں اُٹھا سکتا البتہ ہر معقول بات نرمی سے سمجھا دی جائے تو وہ بخوشی ماننے پر تیار ہو جائیگا

اسی کے ساتھ اعلیٰ تعلیم و تربیت کے واسطے بھی مناسب معلوم ہوا کہ اب موسیقی و شاعری یا علم و فن کے معمولی اساتذہ پر اکتفا نہ کیا جائے بلکہ عمر و استعداد کے موافق زیادہ لائق معلّم مقرر کئے جائیں۔ اس نظر سے فیلقوس نے اپنے عہد کے سب سے بڑے عالم اور نامور فلسفی حکیم ارسطو کو بلوا بھیجا اور شاہانہ انعام و اکرام سے جو ایک شاہزادے کی تعلیم کے مناسب حال ہو اس کی عزت بڑھائی۔ تھوڑے دن پہلے ارسطو کے وطن استاجرہ کو اس نے برباد کر کے منہدم کرا دیا تھا مگر اب اسکندر کی تعلیم کے صلے میں ارسطو کی خاطر اس نے قصبہ مذکور کو دوبارہ آباد کرایا اور تمام باشندوں کو جو جلا وطنی یا غلامی کی زندگی گزار رہے تھے بلوا کے از سر نو بسا دیا۔

اُن کے اطمینان سے مشاغل علمی میں مصروف ہونے کے لئے اس نے میزر کے قریب دیویوں کا مندر انہیں دیدیا جہاں آج کے دن تک لوگ ارسطو کی سنگی نشستگاہیں اور درختوں کے جھنڈ جن کے نیچے وہ اکثر چہل قدمی کیا کرتا تھا، دکھایا کرتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے سکندر نے اخلاق و سیاسات کے علاوہ ان دقیق مسائل نظری کی بھی تعلیم ارسطو سے حاصل کی جسے یہ حکما عام کرنا پسند نہ کرتے تھے اور خاص خاص طلبا کو ان کا زبانی درس دینے کے سوا کسی کو اُن کے متعلق ناموں کے علاوہ کچھ اور نہ بتاتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ جب ارسطو نے ان خاص مسائل پر رسالے لکھ کر شائع کئے اور سکندر کو ایشیا میں اس کا علم ہوا تو اُس نے مخالفت کی۔ اور فلسفہ کی حمایت میں ذیل کا خط لکھ کر بھیجا۔

ارسطو کو سکندر کا بہت بہت سلام۔

آپ نے زبانی مسائل درسی کو جو لکھ کر شائع کیا، اچھا نہ کیا اگر وہ تمام چیزیں جنہیں خصوصیت کے ساتھ ہم نے سیکھا ہے اس طرح عالم میں آشکارا کر دی جائیں تو پھر ہمارے پاس وجہ امتیاز کونسی سے رہ جائیگی؟ کیونکہ اپنی نسبت تو میں

کہہ سکتا ہوں کہ اچھی اچھی باتوں میں اور علم میں دوسروں پر فوقیت رکھنا مجھے اس ساری سلطنت اور قوت سے زیادہ مرغوب ہے۔ والسلام۔"

اس کے جواب میں ارسطو نے ازرہ معذرت اس کو یوں تسلی دی کہ ہمارا فلسفہ اگرچہ قید تحریر میں آگیا تاہم اس کا شائع ہونا شائع نہ ہونے کے برابر ہے اور سکندر کا یہ اندیشہ کرنا کہ ہمارا امتیاز خاص باقی نہ رہیگا' بے جا ہے'، کیونکہ اُس نے جو کتابیں لکھی ہیں ان کا سیاق عبارت درحقیقت اس درجے پیچیدہ ہے کہ ہر شخص اُس سے فائدہ نہیں اُٹھا سکتا وہ دراصل ان لوگوں کے واسطے یادداشتیں سی معلوم ہوتی ہیں جنھیں حکماسے زبانی درس مل چکا ہو اور جو اُس طریق تعلیم سے پہلے سے واقف ہوں۔

سکندر نے نہ صرف طب پڑھی تھی بلکہ عملاً طبابت کرنے کا بھی شوق رکھتا تھا اور یہ بے شبہ ارسطو ہی کی تعلیم کا نتیجہ تھا۔ اس کے رقعات میں جابجا معلوم ہوتا ہے کہ اپنے احباب کی علالت میں وہ خود غذا اور بیماری کی دوا تجویز کیا کرتا تھا۔ اس کے علاوہ ہر علم وفن کے مطالعے کا اُسے بالطبع شوق تھا۔ اونی سکری طوس کا بیان ہے کہ ہومر کی ایلیڈ کا وہ نسخہ جس کی تصحیح ارسطو نے کی تھی اور جو صندوقچے کا نسخہ کہلاتا تھا ہمیشہ خنجر کے پاس اس کے تکیئے کے نیچے رہتا تھا۔ وہ کہا کرتا تھا کہ میں اسے جنگی علم وفن کا ایک ایسا خزانہ جانتا ہوں جسے آسانی سے جہاں چاہو لیجا سکتے ہو۔

جب وہ اندرون ایشیا میں مصروف ترکتاز تھا اور اس کے پاس کتابیں وہاں نہ تھیں تو ان کے لئے ہرپالوس کو حکم بھیجا اور اُس نے فِلِسطوس کی تاریخ یوری پیدیس سفوکلیس اور اسکائی لوس کے بہت سے ناٹک اور دیگر شعرا کی نظمیں اُسے ارسال کیں۔

ابتدا میں سکندر ارسطو کو اپنے باپ کے برابر قابل محبت سمجھتا تھا۔ اس کا اظہار خود اس نے بارہا کیا ہے اور وجہ بھی بتائی ہے کہ اگر فیلقوس کی بدولت اس کو زندگی عطا ہوئی تو عزت سے زندہ رہنا ارسطو کی تعلیم سے آیا۔ لیکن بعد میں وہ اس سے بدگمان

ہوگیا تھا۔ اور گو کوئی نقصان اس نے ارسطو کو نہیں پہنچایا تاہم وہ پہلی سی محبت اور خاطرداری بالکل نہ رہی اور وہ علانیہ طور پر اس سے دور دور رہنے لگا۔ مگر علم و فضل حاصل کرنے کا جو انتہائی شوق ایک بار دل میں جڑ پکڑ چکا تھا وہ آخر تک ترقی پذیر رہا نہ اس کی طالب علمانہ تشنگی بجھی نہ قدردانی میں کوئی کمی آئی چنانچہ انکسارکوس کی تعظیم و احترام میں اس کا غلو کرنا یا زینوکراٹس کو پچاس ٹیلنٹ بھیجنا یا ونڈامس اور کلانوس سے خاص الفت و ادب کا برتاؤ، اس خیال کی بہترین تصدیق ہے۔

جب فیلقوس نے بائی زنطہ پر چڑھائی کی تو سکندر کو مقدونیہ میں اپنی مہر شاہی دیکر نائب چھوڑا۔ اس کی عمر اس وقت سولہ برس کی تھی مگر وہ باپ کی غیبت میں بیکار نہ بیٹھا بلکہ علاقہ میڈی کے باغیوں کو زیر کیا اور وہاں کا دارالحکومت بزور فتح کرکے سب باشندوں کو اس میں سے نکال دیا اور ان کی جگہ دوسری قوموں کے باشندے لاکے بسا دیے اور شہر کا نام بھی اپنے نام پر الکزنڈروپولس یعنی سکندرآباد رکھا۔

ایک اور مثال لڑکپن میں اس کی شجاعت کی یہ ہے کہ جب اس کا باپ یونانیوں سے شیرونیہ کے میدان میں نبرد آزما ہوا تو اہل تھیبہ کے مقدس دستے پر (جس کی بڑی دھاک بیٹھی ہوئی تھی) سب سے پہلے جس نے حملہ کیا وہ سکندر تھا۔ دریائے سفی سوس کے کنارے میری یاد کے زمانے تک ایک دیودار کا درخت موجود تھا جس کے نیچے سکندر کا ڈیرا ڈالا گیا تھا اور جو اسی کی یادگار میں سکندری دیودار کہلانے لگا تھا اسی درخت کے تھوڑے فاصلے پر ان مقدونیہ والوں کی قبریں بھی نظر آتی تھیں جو اس لڑائی میں کام آئے۔

غرض لڑکپن کی یہی تعجب انگیز بہادری تھی جس کی وجہ سے فیلقوس اپنے بیٹے کا حد درجے گرویدہ ہوگیا تھا۔ وہ سکندر کو بادشاہ کہوا تا اور اپنے تئیں اس کا سپہ سالار اور خوش ہوتا۔ بلکہ پھولا نہ سماتا تھا مگر خانگی جھگڑوں نے یہ ساری محبت خاک میں ملا دی

فیلقوس کی نئی شادیوں پر جو فساد پیدا ہوئے اُنھوں نے بہت طول کھینچا (بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ عورتوں کے کہے سے جو جھگڑے چھڑے تو ملک کے کونے کونے تک ان کا اثر پھیل گیا) اور باپ بیٹے کی باہمی کشیدگی کو اولمپیاس کی محرور المزاجی نے اور زیادہ بڑھا دیا۔ یہ عورت بدرجہ غایت حاسد اور کینہ پرور تھی اور اس کی شر انگیزی نے سکندر کو باپ کی طرف سے سخت بیزار کر دیا تھا۔ اس بیزاری کو سب سے زیادہ جس شے نے ترقی دی وہ ذیل کا واقعہ ہے۔

کلیوپٹرا کے جشن عروسی کے موقعے پر، جس سے باوجود اس کی کم سنی کے، فیلقوس نے فریفتہ ہو کر شادی کر لی تھی، عروس کا چچا اتالوس شراب پیتے پیتے اہل مقدونیہ سے کہنے لگا۔ "صاحبو دعا کرو کہ میری بھتیجی سے تمہارے ملک کا وارث حقیقی پیدا ہو" یہ سن کر سکندر کو اس قدر طیش آیا کہ اس نے پیالہ اس کے سر پہ کھینچ کے مارا اور کہا "بدمعاش! تو مجھے حرامی سمجھتا ہے؟" اس پر خود فیلقوس اپنے نئے چچیا سسرے کی حمایت میں اُٹھا اور سکندر کو مارنے دوڑا مگر (باپ بیٹے دونوں کی خوش نصیبی سے) اس کا پانوں، نشے میں یا غصے میں، پھسل گیا اور وہ زمین پر گر پڑا۔ تب سکندر نے ان الفاظ میں اس کو ملامت کی کہ دیکھنا، یہی وہ شخص ہے کہ یورپ سے نکل کے ایشیا فتح کرنے کی تیاریاں کر رہا ہے لیکن دو قدم چلنے میں ٹھوکریں کھا کر گر پڑتا ہے!"

پھر وہ اور اولمپیاس فیلقوس کے پاس نہ ٹھہرے۔ اس نے ماں کو تو اپیروس میں لیجا کے رکھا اور خود الیریہ چلا گیا؛ تھوڑے دن بعد دماراطوس کو نتھی ان کے مکان پر آیا۔ اس شخص سے ان کے خاندانی مراسم بہت قدیم سے تھے اور وہ سب گھر والوں سے نہایت بے تکلف تھا اور کوئی اس کی صاف گوئی کا برا نہ مانتا تھا۔ فیلقوس صاحب سلامت اور معانقے کے بعد اس سے یونانیوں کے بارے میں دریافت کرنے لگا کہ کہو آجکل تو ان میں نفاق و شقاق نہیں ہے؟ دماراطوس نے

کہا جب تم نے خود اپنے گھرانے کو طرح طرح کی مصیبت اور جھگڑوں میں پھنسا رکھا ہے تو دوسروں کا حال کس منہ سے پوچھتے ہو؟"

اس نے یہ چٹکی کچھ ایسی برمحل لی تھی کہ فیلقوس پر بہت اثر ہوا اسی وقت سکندر کو واپس بلوایا اور دماراطوس کو بیچ میں ڈال کر آخر اس کو آ جانے پر رضامند کر لیا۔ لیکن یہ مصالحت بھی زیادہ عرصہ تک قائم نہ رہی؛ کیونکہ جب کاریہ کے والی پکسودورس نے ارسطاک ریطوس کو اس غرض سے بھیجا کہ اپنی بڑی بیٹی کی منگنی فیلقوس کے دوسرے بیٹے اری دیس کے ساتھ کر دے تو سکندر کی ماں اور اس کے ظاہری دوستوں نے سوچا کہ پکسودورس کے ہاں اگر سکندر کا رشتہ ہو جائے تو وقت پر وہ بہت کام آئیگا اسی خیال سے انھوں نے سکندر کے کان بھرنے شروع کئے اور جھوٹی باتیں گھڑ گھڑ کے اس کے دل نشین کر دیا کہ فیلقوس ایک ممتاز گھرانے میں اری دیس کا پیوند اور دھوم دھام سے شادی اس لئے کرنی چاہتا ہے کہ آیندہ اسی کی ولیعہدی کا اعلان کر دے اور اسی کو اپنا وارث قرار دے۔ اس خیال نے سکندر کو ایسا گھبرایا کہ اس نے تھسالس نام مرثیہ گو کو کاریہ بھیجا کہ اری دیس کی حماقت اور کم بسی کا حال سنائے اور اُسے بجائے اری دیس کے خود سکندر کو اپنا داماد بنانے پر رضامند کرے۔ یہ تجویز پکسودورس کو تو پہلے سے کہیں زیادہ پسند ہونی چاہئے تھی مگر فیلقوس کو اس گفت و شنید کی جب اطلاع ہوئی تو وہ سکندر کے ایک ہمجولی اور عزیز دوست فلوطاس کو ساتھ لئے ہوئے اس کے کمرے میں آیا اور اس نازیبا حرکت پر بہت کچھ سخت و سست کہا کہ میرا ولیعہد اور اتنی بڑی سلطنت کا وارث ہو کے تجھے غیرت نہ آئی کہ شادی کی درخواست کاریہ کے ایک ایسے ذلیل شخص کے ہاں کرتا ہے جو زیادہ سے زیادہ ایک ملیچھ بادشاہ کا غلام ہے۔ اُس نے اسی پر اکتفا نہ کی بلکہ غصے میں کورنتھ والوں کو لکھا کہ تھسالس کو پابزنجیر کر کے میرے پاس بھیجو اور پیرپالوس، نیارکوس وغیرہ سکندر کے بہت سے دوستوں کو بھی جلاوطن کرا دیا جنھیں

تخت نشینی کے بعد سکندر نے واپس بلا کے عزت و مناصب سے سرفراز کیا۔

اس واقعے کو زیادہ مدت نہ ہوئی تھی کہ ایک شخص پاسے نیاس نامی کے ساتھ اتالوس اور کلیوپٹرا کے اشارے سے کوئی سخت بدسلوکی عمل میں آئی اور جب اس ظلم کی داد فیلقوس کے ہاتھوں پانے سے وہ مایوس ہو گیا تو اُس کی دشمنی پر کمر باندھ لی اور ایک دن موقع پا کے اُسے قتل کر ڈالا۔ اس خون کا الزام زیادہ تر اولم پیاس کو دیا جاتا ہے کیونکہ کہتے ہیں، اُسی نے نوجوان پاسے نیاس کو انتقام پر اُبھارا اور غصہ دلا دلا کے یہ کام کرایا۔ اس کے علاوہ خود سکندر کی طرف سے بھی لوگوں کو تھوڑا بہت شبہ ہے اور مشہور ہے کہ جب پاسی نیاس اس کے پاس اپنی مظلومی کا دکھڑا رونے آیا تو اُس نے یوری پدیس کے ڈراما میدیہ کا یہ مصرعہ پڑھا۔

"اُس شوہر پر اور باوا پر اور دلھن پر"

بہرکیف اتنا تو اُس نے ضرور کیا کہ اس قتل کی سازش میں جو جو لوگ شریک تھے انھیں ڈھونڈ ڈھونڈ کے سنگین سزائیں دیں اور اولم پیاس سے سخت ناراض ہوا کہ اس نے سکندر کی عدم موجودگی میں کلیوپٹرا کے ساتھ نہایت وحشیانہ سلوک کیا تھا۔

باپ کے قتل کے وقت سکندر صرف بیس برس کا تھا۔ اُس کی تخت نشینی جب ہوئی تو سلطنت، بیسیوں خطروں میں اور بہت سے دشمنان سخت کے نرغے میں تھی۔ مقدونیہ کے ہمسائے میں جو غیر قومیں آباد اور مطیع تھیں انھیں اپنی محکومی کا خیال کھائے جاتا تھا وہ ہر لحظہ زیادہ سرکش ہوتی جاتی تھیں اور آزادی حاصل کرنے کے لئے سخت جدوجہد کر رہی تھیں۔ ان کے علاوہ فیلقوس نے خود مفتوحہ یونانیوں کو اگرچہ شکستیں دے کے اپنا تابع فرمان بنا لیا تھا تاہم انتظامی حالت وہاں کی نہایت ابتر چھوڑی تھی اور جب ان کا فاتح مارا گیا اس وقت وہاں ہر طرف بے ترتیبی اور بدنظمی پھیلی ہوئی تھی اہل مقدونیہ عام طور پر سمجھ رہے تھے کہ موقعہ نازک ہے اور اس میں سے بعض نے

سکندر کو بھی رائے دی کہ یونانیوں کو بزور شمشیر مطیع رکھنا محال ہے اور اس پرشور زمانے میں مصلحت یہی ہے کہ دشمن کو زہر کی جگہ گڑ دے کے مارا جائے اور سختی چھوڑ کے نرمی اختیار کی جائے۔ لیکن سکندر نے اس کو بزدلی اور کمزوری جانا اور سمجھ گیا اور اس موقعہ پر ذرا بھی پائے ثبات میں لغزش ہوئی تو پھر کہیں ٹھکانا نہ رہے گا اور ایک دشمن سے بھی دب جانے کے معنی یہ ہونگے کہ سب کو اپنے اوپر شیر کر لیا جائے۔ غرض اس نے یہ صلاح نہ مانی بلکہ چھٹتے ہی سرحد پار کے وحشیوں پر حملہ آور ہوا اور ایک سرے سے انھیں روندتا ہوا دریائے ڈینیوب تک جا پہنچا یہاں سرموس شاہ تریبالیہ کی قوت جڑ سے اُکھاڑ کے پھینک دی اور تمام گردن کشوں کو ایسا پست کیا کہ پھر اُن سے کوئی خطرہ ہی باقی نہ رہا بعد ازاں اہل تھیبز کی بغاوت اور ایتھنزیوں کی ان سے ہمدردی سُنکر وہ بہ کمال سرعت پلٹا اور درۂ تھرموپلی کے رستے اندروں یونان میں گھس پڑا۔ اور کہنے لگا کہ دیکھو جب میں الیریہ اور تریبالیہ میں تھا تو ڈیموس تھنیس نے مجھے بچہ کہا تھا، تھسلی میں آیا تو لڑکا بتایا تھا، مگر اب خاص ایتھنز کی دیواروں کے سامنے امید ہے کہ میں اُسے پورا آدمی نظر آؤنگا۔

تھیبز پہنچکر سکندر نے پہلے باغیوں کی خطا معاف کر دینے پر آمادگی ظاہر کی اور اپنی فیاضی کے اظہار میں اعلان عام کیا کہ جو لوگ میرے پاس آکے خطا بخشوا لیں گے اُن کے جرم سے چشم پوشی کی جائے گی البتہ اہل شہر پر یہ لازم ہوگا کہ وہ بغاوت کے بانی مبانی، فینکس اور پروتھی ٹس کو بخوشی ہمارے حوالے کر دیں۔ مگر شہر والوں نے مطلق سماعت نہ کی اور جواب میں کہلا بھیجا کہ سکندر اپنی خیر چاہتا ہے تو اپنے دونوں سپہ سالار فلوطاس اور انٹی پاٹر کو ہمارے حوالے کر دے۔ نیز ایک اشتہار میں صلائے عام دی کہ جو شخص یونان کی آزادی منوا دینی چاہتا ہے وہ ہماری طرف آجائے! اسوقت سکندر بھی آمادہ جنگ ہوا اور انھیں چاروں طرف سے دبانا شروع کیا۔

اس میں شبہ نہیں کہ تعداد میں کم ہونے کے باوجود اہل تھیبز نے بساط سے بڑھ کر ہمت و جوانمردی دکھائی اور مدافعت میں کوئی کمی نہ کی لیکن جب خود اندرونی قلعے میں سے مقدونوی دستے نے اُن پر حملہ کیا تو وہ دونوں جانب سے بہت بُری طرح گھر گئے اور ہزاروں کی تعداد میں تلوار کے گھاٹ اُترے۔ شہر سکندر نے ہلّہ کر کے فتح کر لیا اور زنرواسے زمین کے برابر کرا دیا۔ اس انتہائی سختی سے سکندر سارے یونان کو ہیبت زدہ کرنا چاہتا تھا ساتھ ہی اپنے حلیفان جنگ اہل فوکیس و پلاٹیہ کا انتقام لینا بھی اسے منظور تھا۔ اسی نظر سے اُس نے مذہبی علما یا اہل مقدونیہ کے بعض اعزا اور طرفدار یا پنڈار شاعر کا گھرانا یا جنھوں نے لڑائی کی مخالفت کی تھی اور اس کی موافقت میں رائے نہ دی تھی، انھیں چھوڑ دیا اور باقی سب شہر والوں کو جن کی تعداد تیس ہزار تھی غلام بنا کے فروخت کرا دیا۔ ان کے علاوہ جو بدنصیب اس موقعے پر لقمۂ شمشیر ہوئے ان کا شمار بھی کہتے ہیں ۶ ہزار سے اوپر تھا۔

اُن ایام مصیبت میں جہاں شہر پر اور بہت سے حادثے گزرے ایک یہ واقعہ بھی یادگار ہے کہ سکندر کے ساتھیوں میں سے بعض تھریسی سپاہی ایک مشہور خاتون عصمت شعار تماک لیہ نام کے گھر میں گھس آئے اور ان کے سردار نے اپنی حرص اور خواہشات نفسانی کی پیروی میں بہت سی زبردستیاں کرنے کے علاوہ خاتون موصوفہ سے کہا کہ کہیں اور روپیہ چھپایا ہو تو وہ بھی بتا دے۔ تماک لیہ نے بڑی مستعدی سے کہا ہاں ایک جگہ اور بچی ہے۔ اور ایک باغ میں لاکے اُسے ایک کنواں دکھا کے کہا کہ شہر کی فتح کے وقت میں نے اپنا تمام بیش قیمت مال متاع اسی میں ڈال دیا تھا۔ یہ سُن کر لالچی تھریسی کنوئیں میں جھک کے ہر سمت نظر دوڑانے لگا اور ابھی روپیہ کی جگہ کا تعین اپنے دل میں کر ہی رہا تھا کہ تماک لیہ نے پیچھے سے آ کے دھکا دیا اور اوپر سے اتنے بڑے بڑے پتھر کنوئیں میں پھینکے کہ اس کی جان

نکل گئی۔ بعد ازاں سپاہیوں نے اسے گرفتار کرلیا اور جس وقت سکندر کے سامنے لائے تو اس نے اپنے وقار و خودداری کو ذرا بھی ہاتھ سے نہ دیا نہ کسی قسم کا ہراس یا سراسیمگی اس پر طاری ہوئی بلکہ جب بادشاہ نے پوچھا کہ تم کون ہو؟ تو اس نے نہایت متانت سے جواب دیا کہ "میں تھیاجنس کی بہن ہوں جو تمہارے باپ فیلقوس سے شیرونیہ کی لڑائی میں لڑا تھا اور مادر وطن 'یونان' کی آزادی حاصل کرنے کی خاطر قوم پر سے نثار ہوا"۔

اس کے قول و فعل سے سکندر کو اس قدر حیرت ہوئی کہ سوائے اس کے اسے کچھ کرتے نہ بن پڑا کہ تماک لیے اور اس کی اولاد کو آزادی دیدے کہ وہ جہاں جی چاہے بے روک ٹوک چلی جائے۔

اگرچہ تھیبز کی تباہی پر اہل ایتھنز نے اتنا اظہار رنج کیا کہ اپنے مذہبی تہوار "مسٹریز" کو بھی اس مرتبہ نہ منایا اور نیز وہاں کے جو لوگ بچ بچا کر ان کے پاس چلے آئے ان کی ہر طرح خاطر مدارات کی، تاہم سکندر نے عتاب کی بجائے انھیں مورد عنایات بنانا شروع کیا۔ خدا معلوم شیر ببر کی طرح اب اس کی ہوس شکار سیر ہو چکی تھی یا ایسی سفاکی کے بعد وہ اپنی رحمدلی کا اظہار کرنا چاہتا تھا۔ غرض وجہ جو کچھ بھی ہو، جو کچھ ہوا ایتھنز والوں کے حق میں بہتر ہوا۔ کیونکہ ان کی پچھلی خطائیں معاف کرنے کے علاوہ اس نے انھیں اپنے اندرونی معاملات کی جانب متوجہ کیا، اس خیال سے کہ اگر خود اسکو زوال کا منہ دیکھنا پڑا تو ایتھنز ہی یونان کا سرپنچ ہوگا۔

اہل تھیبز کے ساتھ جو زیادتیاں سکندر نے کی تھیں ان کا اسے بعد میں مدت العمر قلق رہا۔ اور اس پشیمانی نے اتنا گہرا اثر اس کے دل پر ڈالا کہ پھر دوسروں کے ساتھ اس کی سختیاں ایک حد تک کم ہو گئیں۔ وہ اپنی ناکامیوں کو بھی سمجھتا تھا کہ تھیبز والوں کا صبر پڑا چنانچہ جب اس نے شراب کے نشے میں اپنے عزیز دوست کلی توس

(کلی ٹس) کو قتل کرا دیا، یا جب ہندوستان کی مہم میں خاطر خواہ کامیابی نہ ہوئی یعنی اس کے سپاہیوں نے آگے بڑھنے سے انکار کر دیا، تو وہ کہنے لگا "یہ ہم پر تھبنز کے حامی باکوس دیوتا کا قہر نازل ہوا ہے! یہ بھی لوگوں نے دیکھا کہ جو خوش نصیب تھبنزی اس لڑائی میں بچ رہے تھے اُن میں سے اگر کوئی سکندر کے پاس کسی قسم کی درخواست لاتا تو وہ بلا وقت قبول کر لی جاتی تھی۔"

تھوڑے ہی عرصہ بعد یونانیوں نے خاکنائے پر ایک بڑا جلسہ کیا اور اس میں سکندر کو متفق اللسان اپنا سپہ سالار تسلیم کیا اور ایرانیوں کے خلاف اُسے فوجی مدد دینے کا اعلان کیا۔ اس موقعے پر سکندر کے پاس جو وہیں موجود تھا، شہر شہر کے امرا اور حکما آتے اور اُسے مبارکبادیں دیتے تھے مگر امید کے خلاف، حکیم دیوجانس باشندہ انلوف جو قریب ہی کورنتھ میں مقیم تھا نہ آیا نہ اس واقعے کو اس لایق سمجھا کہ اپنے مسکن کرینیم سے ذرا بھی جنبش کرتا اور سکندر کی توصیف و ثنا میں کوئی حصہ لیتا۔ چنانچہ اسی جگہ سکندر نے اسکو ایک دن دھوپ میں سکتے دیکھا، اور جب بہت سی بھیڑ اس کے اردگرد آ لگی تو اس نے بھی ذرا لیٹے لیٹے گردن اُٹھائی اور سکندر پر سر سے پیر تک ایک نظر ڈالنے کی تکلیف گوارا کی اس وقت سکندر نے بہت محبت کے لہجے میں کہا کہ آپ کو کسی بات کی خواہش ہو تو فرما دیجئے" دیوجانس نے جواب دیا کہ "ہاں میں چاہتا ہوں کہ آپ دھوپ چھوڑ کے ذرا علیحدہ ہٹ جائیں!"

اس جواب سے سکندر متحیر ہو گیا اور یہ دیکھ کے کہ اتنے بڑے فرمانروا کی یہ شخص مطلقًا پروا نہیں کرتا اس کی عظمت کا ایسا قایل ہوا کہ واپسی میں اپنے ساتھیوں سے جو حکیم موصوف کی مردم بیزاری پر قہقہے اُڑا رہے تھے، کہنے لگا کہ "واللہ اگر میں سکندر نہ ہوتا تو دیوجانس بننے کی آرزو کرتا۔"

یہاں سے سکندر اپالو دیوتا سے استخارہ کرنے ڈیلفی گیا مگر اتفاق سے جس روز

وہاں پہنچا وہ دن ایام ممنوعہ میں سے تھا اور ان دنوں میں کوئی تفاؤل یا استخارہ قطعاً ناجائز سمجھا جاتا تھا۔ پھر بھی سکندر نے وہاں کی کاہنہ کے پاس آدمی بھیجا کہ اپنی خدمت انجام دے اور جب اس نے ضوابط کے خلاف اس دن استخارہ کرنے سے انکار کیا تو خود سکندر اس کے پاس گیا اور گھسیٹ کے زبردستی مندر میں لے جانے لگا یہاں تک کہ اس کی ضد سے وہ عورت بھی عاجز آگئی اور کہنے لگی کہ "بیٹا' تو کسی سے ہارنے والا نہیں!" یہی فقرہ سکندر نے پکڑ لیا اور کہنے لگا اب دیوتا سے تفاؤل کرنے کی ہمیں ضرورت نہیں ہمارا مطلب حاصل ہو گیا!'

افواج کی روانگی کے وقت جہاں اور غیر معمولی باتیں وقوع میں آئیں انہیں میں یہ بھی تھا کہ اورفیس اور ٹیمترا (شعرا) کے مجسمے جو سرو کی لکڑی کے بنے ہوئے تھے۔ اس زمانے میں بہت زیادہ پسیجتے ہوئے نظر آئے جس سے لوگوں میں بڑی تشویش پھیلی مگر ارس تندر نے کہا کہ یہ کوئی بدشگونی نہیں بلکہ اس کی تعبیر یہ ہے کہ سکندر ایسے کارنمایاں کریگا کہ زمانہ مستقبل کے شعرا و مطرب اس کی صفت و ثنا کے ہمیشہ گیت گائیں گے اور ان کے بیان کرنے میں عرق ریزیاں کرینگے۔

سکندر کی فوج کا کم سے کم اندازہ تیس ہزار پیادہ چار ہزار سوار کا ہے اور جنھوں نے زیادہ سے زیادہ تعداد بتائی ہے انھوں نے تینتالیس ہزار پیادہ اور تین ہزار سوار بتائی ہیں ارسطالیس کہتا ہے کہ فوجی اخراجات کے نام اس کے پاس ستر ٹیلنٹ سے زیادہ رقم نہ تھی اور ڈورس کی بات مانی جائے تو تیس دن سے زیادہ کی رسد بھی اس نے فراہم نہ کی تھی۔ اونی سک ریطوس کا بیان ہے کہ روانگی کے وقت وہ دو سو ٹیلنٹ کا مقروض تھا!

اگرچہ اس عظیم الشان مہم کا آغاز بہت حقیر اور جو جو منصوبے تھے ان کے مقابلے میں اس کے ساز و سامان بالکل ناکافی نظر آتے تھے تاہم سکندر نے اپنے سپاہیوں ورساتھیوں کو اس وقت تک وطن سے نکلنے کی اجازت نہ دی جب تک کہ ان کے ذرائع آمدنی نہ

معلوم کرنے کے لئے کافی اور معقول ہیں۔ جن پاس اس کی کمی تھی انھیں خود اس نے زمینیں گانوں ار جائدادیں دے کے حتی المقدور اس کو پورا کیا یہاں تک کہ اس کی ذاتی املاک تقریباً تمام اسی طرح تقسیم ہوگئیں، جس پر ہردکاس کو یہ پوچھنے کا موقعہ ملا کہ خود تم اپنے واسطے بھی کچھ رکھو گے یا نہیں؟ سکندر نے کہا "امیدیں" ہردکاس نے جواب دیا "تو تمہارے سپاہی بھی انہی میں حصہ دار ہونگے۔" اور جو جائداد خود اس کے نام آئی تھی اس کے لینے سے انکار کر دیا۔ اسی طرح سکندر کے بعض دیگر رفقا نے بھی کچھ نہ لیا لیکن کثرت ضرورتمندوں کی تھی اور انہیں سکندر نے نہایت فیاضی کے ساتھ مدد دی یہاں تک کہ مقدونیہ میں جو کچھ اس نے ترکہ پایا تھا قریب قریب سب انہیں بخششوں اور عطیات میں ختم ہوگیا۔

ایسے عزم بالجزم اور قوی و توانا اپنے دل کے ساتھ اس نے ہیلز پائنٹ کو عبور کیا اور ترو سے پہنچکر مزدا دیوی کی بھینٹ چڑھائی اور جو سورما وہاں مدفون ہیں نذر و نیاز سے ان کی یاد تازہ کی۔ خاص کر اکی لیس (شاعر) کے تعویذ قبر کو ازرہ احترام تیل سے دھویا اور مذہبی رسم کے مطابق اپنے دوستوں سمیت برہنہ ہو کر اس کی تربت کا طواف کیا۔ پھولوں کی بدھیاں اس پر سجائیں اور کہا کہ میں اس شخص کو نہایت خوش نصیب تصور کرتا ہوں جو جیتے جی ایسا وفا شعار تھا اور مرا تو اپنے کارنامے شاعری کے زور سے یادگار چھوڑ گیا۔ اسی مقام کے آثار قدیم اور نوادر کی سیر کرنے میں کسی نے کہا کہ اگر مشہور مطرب پارس کا ستار دیکھنا ہو تو وہ بھی یہاں محفوظ ہے۔ سکندر نے جواب دیا کہ میرے نزدیک کچھ دیکھنے کے لائق شے نہیں البتہ اکی لیس نے جس ستار پر بہادروں کی بہادری اور ناموری کے گیت گائے اور بجائے ہیں وہ مل جائے تو دیکھ کر جی خوش ہو۔"

اس اثنا میں دارا کے فوجی سرداروں نے لشکر عظیم جمع کر لیا تھا اور دریائے گرینی کوس کے کنارے خیمے ڈالے پڑے تھے۔ بالفاظ دیگر ایشیا میں جانے کا رستہ روکے ہوئے تھے کہ بے جدال و قتال کسی کو آگے نہ بڑھنے دینگے۔ دریا کی گہرائی اور دوسرے کنارے

کی ناہموار ڈھلان کی وجہ سے ساری فوج کا اس پر چڑھ جانا بہت دشوار نظر آتا تھا اور بعض لوگ ایسے بھی تھے جو اس وقت کو لڑائی کے لئے نامبارک بتاتے۔ کیونکہ ماہ دیسیس میں فوج کشی کرنا شاہانِ مقدونیہ کے خلاف معمول تھا۔ لیکن سکندر ایسی توہمات کو کب مانتا تھا اس نے حکم دیا کہ اس مہینے کا نام ہی دیسیس نہ لیا جائے۔ اسی طرح جب پرمنیو نے اسے مشورہ دیا کہ آج دیر ہو گئی ہے اس لئے پیش قدمی کرنی مناسب نہیں تو سکندر نے جواب دیا کہ دریائے گرینی کوس سے ڈرنا، دردانیال کی، جسے ہم نے بے تامل عبور کر لیا، توہین کرنا ہے۔ الغرض زیادہ چنیں و چناں کئے بغیر سواروں کے تیرہ دستے لے کے وہ دریا میں گھس پڑا۔ سامنے سے دشمن کا جم غفیر، پیادہ و سواران پر تیروں کا مینھ برسا رہا تھا اور ادھر پانی کا بہاؤ، گزرگاہ کا نشیب و فراز تھا کہ بڑھنے نہ دیتا تھا۔ درحقیقت حملہ کی ترکیب ایسی تھی کہ اُسے جلد بازی اور تہور کے سوائے کسی اور شے سے تعبیر کرنا مشکل تھا بہرحال سکندر راستہ نکالنے کے لئے اڑ گیا اور سخت جدوجہد کے بعد آخر کنارہ لے ہی لیا یہاں کیچڑ اور پھسلن کا کچھ ٹھکانا نہ تھا۔ ابھی اس کی فوج نے ندی کو پورا عبور نہیں کیا تھا کچھ کنارے پر آگئی تھی اور کچھ پانی میں تھی، کہ غنیم کی سپاہ اُس پر ٹوٹ پڑی، اور اُسے ترکی بہ ترکی جواب دئے بغیر چارہ نہ رہا۔ اُسے اتنی مہلت بھی تو نہیں ملی، کہ اپنی فوج کو صف درصف آراستہ کر لیتا۔ دشمن نے جنگ کے نعروں سے شورِ محشر بپا کر دیا اور نیزے تان تان کے ایک ایک سوار پر ایک ایک سوار آگرا اور جب نیزے ٹوٹ ٹوٹ کے ختم ہو گئے، تو تلوار چلنے لگی۔ سکندر کو غنیم نے اس کی ڈھال اور اس کی خود کے دو طرفہ طرّوں سے بھانپ لیا اور اُس کو چاروں طرف سے گھیر لیا مگر وہ زخمی ہوتے ہوتے بال بال بچ گیا، گو اس دست و گریبان میں اس کے چار آئینہ میں ایک برچھی بند کے رہ گئی۔ رساس اور سپروائتیس دو ایرانی سردار اُس پر ایک ساتھ بجلی کی طرح آپڑے سکندر نے ایک کو خالی دکھائی اور دوسرے کے اس زور سے برچھی ماری کہ برچھی دشمن کی زرہ میں اُلجھ کر ٹوٹ

گئی اور فقط دستہ ہاتھ میں رہ گیا۔ گراس نے وہیں بکمال تبسم خنجر نکال دشمن پر وار کیا۔ یہ دونوں غت پٹ ہو ہی رہے تھے کہ سپرواتیس پتیرا بدل سکندر کے پہلو میں آیا اور رکابوں پر کھڑے ہو تبر کو دونوں ہاتھوں سے تول کے سکندر پر ایسی جچی تلی ضرب لگائی کہ تبر خود کو کاٹتی ٹوپی کو اڑاتی ہوئی بالوں پر آکے اٹکی۔ خیریت اتنی ہوئی کہ سر کو کوئی آنچ نہیں آئی۔ وہ دوسری ضرب اور لگانی چاہتا تھا کہ کلائٹس جس کو کلائیٹس سیاہ نام کہتے تھے وہاں آپہنچا اور اس نے پلک جھپکانے میں سپرواتیس کو نیزے پر اٹھالیا اور وہیں دے مارا۔ سکندر نے دوسری طرف پھرتی سے رساس کو تلوار کے گھاٹ اتارا۔

مقدونوی سوار ابھی تک الجھ ہی رہے تھے کہ سکندری صفوں نے دریا عبور کر لیا اور پیادہ فوج دونوں طرف سے لڑنے چلی۔ لیکن دشمن پہلے ہی دھچکے کی تاب نہ لاسکا اور بہت جلد بدحواس ہو کے بھاگ کھڑا ہوا۔ ایرانی فوج کے یونانی سپاہی البتہ کھڑے رہ گئے۔ ایک اونچے ٹیلے پر سے طالب امان ہوئے۔ مگر سکندر کچھ ایسا جذبے میں تھا کہ عقل و صلاحیت کو بالائے طاق رکھا، امان دینے سے انکار کیا اور سب سے پہلے گھوڑا اڑا کے ان ناامیدوں پر خود حملہ آور ہوا۔ اس کا یہ گھوڑا (بوسی فلس[1] نہیں، کوئی اور) اسی معرکے میں کام آیا اور آدمی بھی اتنے مارے گئے کہ اب تک لڑائی میں نہ مارے گئے تھے۔ یہ نقصان سکندر کی راج ہٹ کے صدقے میں ہوا کہ مغلوب دشمن کو لڑائی لڑنے پر مجبور کیا اور مفت میں اتنی فوج کٹوائی۔ اس جنگ میں ایرانیوں کے بیس ہزار پیادہ اور ڈھائی ہزار سوار کام آئے۔ سکندر کی طرف ارسطابلس کا بیان ہے کہ فقط تینتالیس آدمی کم ہوئے! جن میں سے نو پیادہ تھے باقی سوار۔ ان سب کی یاد میں سکندر نے اتنے ہی برنجی بت لی سفس سے گھڑوا کے نصب کرا دئیے۔

---

[1] رستم کا رخش تو غالباً فرضی ہے لیکن سکندر کا بوسی فلس ایک تاریخی گھوڑا ہے جس میں وہ تمام خوبیاں جو کسی گھوڑے میں ہو سکتی ہیں جمع تھیں۔ م۔

اس نظر سے کہ یونانی بھی لڑائی کے اعزاز فتح میں شرکت کریں اُس نے بہت سا مال غنیمت انہیں بھجوایا خصوصاً تین سو بکتر ایتھنزیوں کو دئیے اور ہر ایک پر یہ کندہ کرا دیا کہ "سکندر فرزند فیلقوس اور یونانیوں نے (بہ استثنائے لک ڈیمونیوں) ایشیا کے بسنے والے ملیچھوں سے لڑائی میں چھینی"۔

ایرانیوں کے ریشمی کپڑے اور ظروف جو لوٹ میں ہاتھ آئے ان میں سے تھوڑے سے اپنے استعمال کے لئے رکھے باقی سب کے سب اپنی ماں کو تحفۃً ارسال کر دئے۔

اس ایک ہی لڑائی نے سکندر کا سکہ دلوں پر بٹھا دیا اور دارا کے ساحل علاقے خود بخود اس کے مطیع ہونے لگے۔ اور وہاں کے صدر مقام سارڈیس ہی نے اطاعت کرنے میں پہل کی۔ ہیلی کرناسوس اور ملطیہ البتہ اڑے رہے سو انہیں اور ان کے مضافات کو سکندر نے بزور تسخیر کیا۔ اس کے بعد وہ اس تذبذب میں تھا کہ اب کیا کرنا چاہئے؟ کبھی تو خیال آتا کہ فوج لئے ہوئے سیدھے گھس جائے اور جہاں کہیں ہو وہیں جا کر دارائے عجم سے ایک فیصلہ کن لڑائی لڑ لیجئے۔ اور کبھی وہ یہ سوچتا کہ اول تو ساحلی علاقوں کی تسخیر ضروری ہے یہ صوبے اچھی طرح قبضے میں آ گئے تو پھر آگے بڑھنے میں اور زیادہ آسانیاں ہو جائینگی۔ وہ اسی تامل میں تھا جو قصبۂ زانطوس کے قریب ایک چشمے کا پانی خود بخود اُبلا اور ایک تانبے کی لوح اس میں سے نکلی جس کے حاشیے پر قدیم خط میں یہ پیشین گوئی کندہ تھی کہ ایک وقت آئیگا کہ ایرانی حکومت یونانیوں کے ہاتھوں تباہ و برباد ہو گی۔ اس واقعہ نے سکندر کا حوصلہ بڑھا دیا۔ وہ سلیسیہ اور فینیقیہ تک اس تیزی سے بڑھا اور سارے پمفیلیہ[1] پر اس قدر جلدی چھا گیا کہ اُس زمانے کے مورخ اسے کرامات سے کم نہیں جانتے۔ کیونکہ وہ تمام ساحل بہت دشوار گزار اور سمندر کا آماجگاہ تھا۔ پس وہاں سکندر کا یلغار کرنا اور سمندر کا اس کے راستے میں حائل نہ ہونا ان مورخوں کے

[1] اس صوبے کا اب تعین کرنا محال ہے مگر غالباً وہ ایشیائے کوچک سے سمندر کے کنارے کنارے شام تک پھیلا ہوا تھا۔

نزدیک محض تائید الہی تھی۔
میاں درشاعر نے اسی معجزے کی اپنے ایک ڈراما میں تلمیح کی ہے اور لکھا ہے کہ :-
"سکندر کی اس میں کیا خصوصیت ہے؟ جو کوئی چاہتا ہے وہ پا لیتا ہے۔ اور میں بھی اگر سمندر سے راستہ مانگوں تو کچھ شک نہیں کہ وہ میرے لئے ہٹ جائیگا"۔ لیکن خود سکندر اپنے رقعات میں کسی غیر معمولی واقعے کا ذکر نہیں کرتا وہ صرف اتنا لکھتا ہے کہ میں فاسیل سے روانہ ہوا اور اس علاقے کے دوسرے سرے پر قصبۂ لداآز سے گزرا۔
فاسیل میں وہ کچھ دیر ٹھہرا، اور اس شہر کے فلسفی تیوو کلیس (المتوفی) کا مجسمہ چوک میں دیکھ کے، اس نے کھانا کھانے اور خوب پینے کے بعد، اس کا طواف کیا اور اس کے آگے ناچا اور ہار پھول پہنائے۔ کیونکہ اس فلسفی سے جو حال ہی میں مرا تھا ارسطو کی شاگردی کے زمانے میں سکندر کی ملاقات ہوئی تھی اور وہ اس کی باتوں سے نہایت محظوظ ہوا تھا۔ لہذا ایسے شخص کی یاد تازہ کرنی ضرور تھی۔ سو یہ رسم حسب رواج سکندر نے بڑی شان سے ادا کی۔
اس کے بعد سکندر نے پیدیہ والوں کو مغلوب کیا جنھوں نے اس کے خلاف سر اٹھایا تھا۔ اور فرغیہ پر قابض ہوگیا۔ اس علاقے کے دار الحکومت گوردیہ (گوردیم) میں اس نے وہ مشہور رتھ (چرٹ) بھی دیکھی جو تاڑ کے ریشوں کے بٹے ہوئے رسیوں سے بندھی ہوئی تھی۔ وہاں والوں کا عقیدہ تھا کہ جو کوئی اسے کھول دیگا وہ ساری دنیا کا بادشاہ ہو جائیگا۔ بہت سے مورخوں نے روایت کی ہے کہ سکندر نے بھی اسے کھولنے کی کوشش کی مگر اس کی گرہیں اس طرح پیچ دیکر رسوں کی لٹوں میں لگائی تھیں نظر آتی بھی نہ تھیں۔ چنانچہ سکندر انھیں یوں نہ کھول سکا تو تلوار سے کاٹ کے قصہ چکا دیا۔ لیکن ارسطابلس کا بیان ہے کہ اسے کھولنے میں کچھ بھی دشواری پیش نہ آئی۔ رتھ کا جوا جن کیلوں سے بندھا ہوا تھا سکندر نے انہیں نچلے سوراخوں میں سے کھینچ لیا اور جب وہ علیحدہ

ہوگئیں تو جُوا بھی کھُل گیا اور رتھ بھی کھُل گئی ؎

اِدھر سے سکندر شمال کی جانب پلٹا اور پے فلے گونیا[1] اور کے پے ڈوسیہ کو بآسانی فتح کرلیا اسی زمانے میں خبر ملی کہ دارا کا سب سے نامور امیر البحر ممنان مرگیا۔ چونکہ اس سے خدشہ تھا کہ یونانیوں کو بہت پریشان کریگا اور غالباً آگے نہ بڑھنے دیگا پس اس کی موت کی خبر سنکر سکندر اور بے خطر ہو کر اندرون ایشیا میں بڑھا ؎

اس اثنا میں دارا نے بھی اپنی دارالسلطنت سوسن سے کوچ کر چکا تھا۔ چھ لاکھ کا لشکر عظیم پشت پر تھا اور اس سے بھی بڑھ کر فتح کا بھروسہ اس لئے تھا کہ ایک خواب اس نے دیکھا تھا جس کی تعبیر میں رمالوں نے قرین قیاس باتیں بتانے کی بجائے محض خوشامد سے آسمان زمین کے قلابے ملا دئے تھے ؎ وہ خواب یہ تھا کہ اس نے عصبۂ سکندری کو آگ میں جلتے اور سکندر کو اپنے دروازے پر اسی لباس میں کھڑے دیکھا جو خود وہ اس زمانے میں پہنا کرتا تھا جبکہ بادشاہ سابق کا وہ (نقیب یا) ہرکارہ تھا[2]۔ اس کے بعد اُسے نظر آیا کہ سکندر باآل (بیلوس) کے مندر میں جاکے نگاہ سے غائب ہوگیا ؎

اب غور سے دیکھا جائے تو اس خواب میں صاف صاف ان کارہائے نمایاں کا اشارہ تھا جو مقدونیہ والوں سے ظہور میں آنے والے تھے اور یہ بھی کہ جس طرح وہ ایک ہرکارے سے بڑھ کر تخت سلطنت کا مالک ہوگیا اسی طرح سکندر بھی عروج پاکے آخر کار ایشیا کی بادشاہت حاصل کریگا ؎ اور پھر ان فتوحات کے بعد ہی شہرت و ناموری کے ساتھ دنیا سے کوچ کر جائیگا ؎

دارا کو اور زیادہ اطمینان سکندر کے قیام سلیشیہ سے ہوگیا تھا کیونکہ اس کو اس نے یونانیوں کی بزدلی پر محمول کیا حالانکہ اس کی وجہ محض سکندر کی علالت تھی جو بعض کہتے ہیں کہ

[1] یہ ساحل بحر اسود کا وہ علاقہ ہے جسے پہلے اسفندیار اور بعد میں قزل احمدلی کہنے لگے تھے اور اب یہ ایشیائے کوچک کا شمالی ٹکڑا ہے۔م

[2] یہ ایک عام نکتہ یاد رکھنا چاہئے کہ یونانی مورخوں نے ایرانیوں کی نقصیں میں بہت سی بے سروپا کہانیاں ایجاد کر دی ہیں اس لئے ان کی ہر حکایت لائق تسلیم نہیں۔م

رستے کی کسل سے اور بعض کہتے ہیں سیدنوس دریا میں (جس کا پانی بے حد سرد تھا) نہانے سے ہو گئی تھی۔ بہرحال جس سبب سے بھی ہو اس نے ایسا طول کھینچا کہ اس کے اطبا میں پریشانی پیدا ہو گئی اور دوا دینے سے وہ اس لئے پہلو تہی کرنے لگے کہ اگر فائدہ نہ ہوا تو مقدونیہ والے ان کی جان کے دشمن ہو جائیں گے۔ آخر جب حالت بالکل نازک ہو گئی تو حکیم فیلقوس اکرنانی سے نہ دیکھا گیا۔ اسے سکندر سے جو تعلق خاطر تھا سب جانتے تھے۔ پس اپنی دوستی کے بھروسے اس نے اپنے نزدیک اچھی سے اچھی دوا تجویز کی اور سکندر کو ہمت دلائی کہ جلد ہی سے اچھے ہو کر لڑائی کا انتظام کیا چاہتے ہو تو اسے دل مضبوط کر کے پی جاؤ۔ درحقیقت فیلقوس کا یہ ارادہ خود اس کے لئے خطرے سے خالی نہ تھا مگر اس نے سوچ لیا کہ خواہ میری جان بعد میں جاتی رہیگی مگر سکندر بغیر دوا اور بے علاج نہ رہے جس کا نتیجہ یقیناً بن آئی موت مرنا تھا۔

ٹھیک اسی وقت سپہ سالار پارمینو نے سکندر کو لکھ بھیجا کہ فیلقوس سے ہشیار رہنا یہ شخص دارا سے مل گیا ہے اور اس کی بیٹی اور زر خطیر کی رشوت کے لالچ میں تمہاری جان لینے پر آمادہ ہے۔ اس تحریر کو سکندر نے تکیے کے نیچے رکھ لیا اور راز دار سے راز دار دوستوں کو بھی اس سے آگاہ نہ کیا۔ اور جب فیلقوس دوا بنا کے لایا تو اس نے خوشی خوشی بکمال اطمینان اس کو پینا شروع کیا اور ساتھ ہی پارمینو کا خط نکال کے اس کے حوالے کیا۔ واقعی وہ منظر بھی دیکھنے کے لائق ہوگا کہ سکندر دوا پی رہا ہے اور فیلقوس خط پڑھ رہا ہے پھر دونوں پلٹ کے ایک دوسرے کو دیکھتے ہیں مگر کتنے مختلف جذبات کے ساتھ۔ کیونکہ سکندر کی نگاہوں سے اپنے معالج پر اعتماد کلی اور ایک قسم کی بشاشت مترشح تھی اور فیلقوس اس اتہام پر سخت خوف زدہ اور سراسیمہ تھا۔ کبھی دیوتاؤں کو اپنی بے گناہی پر گواہ لاتا کبھی آسمان کی طرف ہاتھ اٹھاتا کبھی سکندر کے پیروں میں گر کے التجا کرتا کہ کوئی وہم دل میں نہ لائے اور آخر تک اس کے مشورے پر عمل کرے۔ کیونکہ ابتدا میں تو دوا کا یہ اثر نظر آیا کہ ساری قوتیں گویا اس سے چھپ کے جسم کے اندر غائب ہو گئیں۔ زبان بند ہو گئی، غش آ گیا ہوش و حواس بلکہ

نبض بھی ساقط معلوم ہوئی مگر زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ فیلقوس کی تدبیروں سے توانائی نے عود کیا، وہ خاصی طرح اچھا ہو کے اُٹھ بیٹھا اور کھلے میدان میں مقدونیہ والوں کے سامنے آیا جنھیں اس کی طرف سے نہایت تشویش تھی اور جن کا وہم جب تک اپنی آنکھوں اُسے افاقہ پذیر نہ دیکھ لیا، کم نہ ہوا۔

اس زمانے میں دارا کی فوج میں آمین تاس نام ایک مقدونوی شخص بھاگ کے آ چھپا تھا اور سکندر کے مزاج اور خصایل سے خوب واقف تھا۔ اُس نے دارا کو پہاڑیوں اور تنگ میدانوں میں اپنی فوج لے جانے سے منع کیا اور منت کی کہ وہ جہاں ہے وہیں رہے کیونکہ دشمن قلیل التعداد ہو تو کھلے میدان میں اس کو گھیر کے اپنی کثرت کے زور پر مغلوب کر لینا آسان ہوتا ہے۔ لیکن دارا نے اس کا کہنا نہ سنا اور کہنے لگا کہ ہمیں تو یہ اندیشہ ہے کہ سکندر بھاگ کے ہمارے ہاتھ سے نکل نہ جائے۔ آمین تاس نے پھر جتایا کہ یہ خیال خام ہے۔ سکندر بچ نکلنے کی بجائے کوشش کریگا کہ جلد سے جلد مقابلے میں آئے بلکہ یقین ہے کہ اس وقت بھی وہ بہ سرعت ایرانی لشکر کی طرف بڑھ رہا ہے۔

مگر اُس کی کوئی شنوائی نہ ہوئی۔ بہت جلد دارا نے اپنے خیمے اُٹھوا کر عین اس وقت سلیسیہ کی طرف کوچ کیا جب کہ سکندر خود شام کی سمت آ رہا تھا۔ چنانچہ رات کے اندھیرے میں دونوں لشکر معمولی فاصلے سے گزر گئے اور آگے نکلے چلے گئے۔ لیکن بعد میں جب معلوم ہوا تو دونوں پھر پلٹے۔ سکندر کو اس واقعہ سے بڑی خوشی ہوئی وہ خدا سے چاہتا تھا کہ گھاٹیوں میں غنیم سے معروف پیکار ہو، چنانچہ اُس نے بکمال عجلت اپنی فوج کو وہاں پہنچا دیا علی ہذا دارا بھی خوشی کے مارے پھولا نہ سمایا۔ اس کی بھی خواہش تھی کہ اپنی افواج کو ایسی ناموزوں جگہ سے ہٹا کے وادیوں میں لے جائے لیکن اس کے وہاں پہنچتے ہی اُسے اپنی غلطی نظر آئی اور معلوم ہوا کہ سمندر کی کھاڑیاں پہاڑ اور دریائے پی نار اس طرح حایل ہوئے ہیں کہ اُسے اپنے لشکر کو کئی حصوں میں ٹکڑے ٹکڑے کرنا پڑیگا۔ خاصکر سوار بیکار

جائیں گے اور کثرت فوج دشمن پر غلبہ رساں ہونے کی بجائے الٹی بلائے جاں ہو جائیگی۔
اُدھر سکندر نے اس حسن اتفاق سے کہیں زیادہ فائدہ اپنی احتیاط کی بدولت حاصل کیا یعنی اپنی کم تعداد سپاہ کو گھرنے نہ دیا بلکہ جدھر میدان تھا اُدھر بہت وسیع کر دیا۔ چنانچہ اس کا میمنہ حریف کے میسرے سے زیادہ دور تک پھیل گیا اور اُسی کی اگلی صفوں میں خود سکندر لڑنے نکلا اور تھوڑی سی کشمکش کے بعد اس نے حریف کو بھگا دیا۔ اس لڑائی میں اس کی ران زخمی ہوئی اور یہ زخم چارس کہتا ہے کہ لڑائی میں خاص دارا کے ہاتھوں اس کے آیا تھا مگر خود سکندر نے جو احوال جنگ انٹی پاٹر کو شرح لکھا ہے اس میں اگرچہ وہ اپنی ران کے زخم کا اعتراف کرتا ہے کہ ایک چھچھلتی تلوار سے پہنچا تاہم تلوار مارنے والے کا کوئی ذکر نہیں کرتا کہ وہ کون تھا؟

اس جنگ میں ایک لاکھ دس ہزار سے کچھ اوپر فوج کو اُس نے تتر بتر کر دیا، فتح کے کامل ہونے میں سوائے اس کے کوئی کسر نہ رہی تھی کہ دارا بال بال بچ کے نکل گیا۔
بہرحال اس کی جنگی رتھ اور کمان پر قبضہ ہو جانے کے بعد سکندر تعقب سے باز آیا اور لوٹا تو اپنے لشکریوں کو بڑے ذوق شوق کے ساتھ دشمن کا خیمہ و خرگاہ لوٹنے میں مشغول پایا اس دولت کا کیا ٹھکانا ہے جو اُن کے ہاتھ آئی، اگرچہ خود اپنا اسباب ہلکا کرنے کے لئے وہ بہت کچھ دمشق میں ڈال آئے تھے پھر بھی جو کچھ ہاتھ آیا وہ اٹھائے نہ اٹھ سکتا تھا۔ لیکن دارا کا خیمۂ شاہی جس میں پر شکوہ ساز و سامان اور سونے چاندی کی افراط تھی، اُنھوں نے خاص سکندر کے لئے محفوظ کر دیا تھا جس نے گھوڑے سے اُترتے ہی اسلحہ اتارے اور یہ کہکر غسل خانے میں جانے لگا کہ "لاؤ اب لڑائی کا گرد و غبار خود دارا کے عجم کے حمام میں پاک کریں!" کسی ہمراہی نے برابر سے ٹوکا کہ "نہیں، بلکہ سکندر کے حمام میں۔ کیونکہ مفتوح کا مال ہمیشہ فاتح کا ہو جاتا ہے۔ اور فاتح کا ہی کہلاتا ہے"

پھر جب وہ اندر گھسا اور اس نے مٹکے اور تیشرے اور لوٹے اور عطر دان دیکھے جو سب

بکمال صناعی طلائی خالص کے بنائے گئے تھے پھر عود و بخورات کی خوشبو سونگھی جس سے وہ مقام مہک رہا تھا اور پھر ایک وسیع و بلند شامیانے کے نیچے پہنچکر اس کی سجاوٹ دیکھی کہ بیچ میں سینکڑوں دنگل اور کرسیاں درباریوں کے لئے پڑی ہوئی تھیں۔ تو وہ اپنے ساتھ والوں کی طرف پلٹا اور کہنے لگا "معلوم ہوا کہ بادشاہی اس کا نام ہے"

مگر جب وہ کھانا کھانے بیٹھتا تھا اس وقت کسی نے آکر کہا کہ دارا کی ماں، دونا کتخدا بیٹیاں اور بیوی جو بندی میں آئی ہیں دارا کی رتھ اور کمان دیکھ کر سخت سوگوار ہوئیں۔ اور اسے مردہ جان کر ماتم کر رہی ہیں۔ یہ سُنکر سکندر اپنی فتح کی خوشی بھی بھول گیا اور تھوڑی دیر ساکت رہنے کے بعد اپنے ایک مصاحب خاص کے ہاتھ انہیں کہلا بھیجا کہ دارا مرا نہیں ہے وہ اطمینان رکھیں اور یہ بھی سکندر نے صرف سلطنت کے واسطے اس سے لڑائی لڑی تھی لہذا اس کے اہل و عیال کی نگہداشت اور حفظ و آبرو میں اب بھی سرمو تفاوت نہ ہوگا۔ یہ پیغام بے شبہ بیچاری خواتین شاہی کے لئے آیۂ رحمت سے کم تسکین دہ نہ تھا خاص کر اس لئے کہ عملاً بھی سکندر نے اپنے قول کی پابندی کی اور انھیں اجازت دی کہ جن ایرانی مقتولوں کو وہ چاہیں اپنی رسم کے مطابق دفن کریں اور اس تجہیز و تکفین کے واسطے جو جو کپڑا یا سامان انہیں درکار ہو وہ مال غنیمت میں سے واپس لے لیں۔ اس کے علاوہ اُس نے ان کا خدم و حشم کم کرنا درکنار، ان کے وظائف کی مقدار دارا کے وقت سے بھی کچھ بڑھا دی اور سب سے بڑھکر جواں مردی اور شرافت کا کام یہ کیا کہ ان کے حفظ مراتب کو ملحوظ رکھا اور کوئی ایسی بات ان کے کانوں تک نہ پہنچنے دی جو ان کے شاہانہ شان کے خلاف ہوتی۔ نہ اشارۃً یا کنایۃً کوئی حرکت ایسی ہونے دی جو ان کے غمزدہ دلوں کو ناگوار گزرتی۔ غرض دشمن کے اردو میں ہونے کی بجائے معلوم ہوتا تھا کہ گویا وہ کسی مندر یا اپنے خلوت خانے میں جہاں کوئی شے ان کے افکار و افعال میں خلل انداز نہیں ہوسکتی۔ اگرچہ دارا کی بیوی اپنے شوہر کی مانند حسن و رعنائی میں

بے نظیر تھی اور اس کی بیٹیاں بھی اپنے شکیل والدین سے خوبصورتی میں کم نہ تھیں تاہم سکندر نے اُن سے کوئی ذاتی واسطہ یا رابطہ قائم نہ کیا۔ اس نے ہمیشہ یہ سمجھا کہ اپنے نفس پر قابو رکھنا غنیم پر غلبہ حاصل کرنے سے بمراتب احسن ہے۔ چنانچہ شادی کے قبل کسی عورت سے بھی اس نے تعلق نہیں پیدا کیا تھا سوائے بارسینہ کے جو ایرانی امیرالبحر ممنان کی بیوہ تھی اور دمشق میں اسیر کی گئی تھی۔ یہ شریف مزاج خاتون ارتابازو کی بیٹی اور اس لئے شاہی خاندان سے تھی اور سیرت پسندیدہ رکھنے کے علاوہ علوم یونانی سے بخوبی آشنا تھی۔ اس پر مستزاد یہ ہوا کہ (بقول ارسطابلس کے) سکندر کے سپہ سالار پارمینو نے اس کی سفارش کی اور اپنے توسط سے اُس کو سکندر تک پہنچایا حتیٰ کہ وہ اس مشہور دلربا خاتون کا بالکل گرویدہ ہوگیا۔ لیکن اور عورتیں جو جنگ میں اسیر ہوئی تھیں ان کے تناسب اعضا کی دلکشی اور حُسن قیامت خیز کے باوجود، اُس نے اُن پر کوئی توجہ نہ کی اور کہا تو ہنسی سے یہ کہا کہ ایرانی عورتیں بلا کی خارچشم ہوتی ہیں۔ اس کے بعد گویا جواب میں، اپنے قدرت نفس اور تقوے کی خوبصورتی یوں دکھائی کہ نہایت بے پروائی کے ساتھ انہیں سامنے سے اس طرح ہٹوا دیا جیسے کوئی بے جان چیزوں کو ہٹوا دیتا ہے۔

ساحل پر فلک سی نوس سکندر کی طرف سے نائب تھا، اس نے ایک بار لکھ کے بھیجا کہ "تھوڈورس نام ایک شخص ٹارن ٹم کا باشندہ، دو نہایت حسین امرد بیچتا ہے اگر آپ انہیں خریدنا چاہیں تو اطلاع دیں۔" اس پر سکندر نے اتنا بُرا مانا کہ بار بار اپنے دوستوں سے کہتا تھا کہ "فلک سی نوس نے مجھ میں کونسی بات ایسی رذالت کی پائی جو ایسا شرمناک تحفہ تجویز کرتا ہے۔" اُس نے جواب بھی فلک سی نوس کے خط کا ذرا درشت دیا۔ اور اس میں لکھا کہ "اگر تھوڈورس اور اس کا اسباب تجارت آج ہی غرق ہو جائے تو بخدا ہم نہایت خوش ہونگے!" اسی طرح وہ ہیگ نن پر بھی بہت بگڑا جس نے اُسے کہلا کے بھیجا تھا کہ "میں نے ایک کورنتھی لڑکا تحفۃً آپ کے واسطے مول لیا ہے۔" ایک مرتبہ اطلاع ہوئی کہ پارمینو کے دو مقدونوی

سپاہیوں نے بعض پردیسی بہو بیٹیوں کی آبرو بگاڑی ہے۔ سکندر نے فوراً اس سپہ سالار کو نہایت تاکیدی حکم بھیجا کہ اس معاملے کی سختی کے ساتھ تحقیقات کی جائے اور جرم ثابت ہو جائے تو مجرموں کو اُن درندوں کی طرح قتل کر دیا جائے جو نوع انسان کی محض ایذا کے لئے خلق ہوئے ہیں۔ اس پروانے میں اس نے یہ بھی تحریر کیا ہے کہ میں نے آج تک دارا کی بیوی کی شکل نہ دیکھی اور نہ اُس کی خواہش کی اور نہ یہ گوارا کرتا ہوں کہ کوئی اُس کے حسن وجمال کی تعریف میرے روبرو کرے۔

وہ بارہا کہا کرتا تھا کہ نیند اور توالد وتناسل کا سلسلہ دیکھ کر مجھے ہمیشہ اپنا فانی ہونا یاد آجاتا ہے ا جس کے دوسرے لفظوں میں یہ معنی ہیں کہ نشاط و اضمحلال دونوں کا اصلی سبب ایک ہے: یعنی یہ دونوں کے دونوں فطرت انسانی کی کمزوری اور نفس کی پیروی کرنے سے پیدا ہوتے ہیں۔

کھانے پینے کے معاملے میں بھی سکندر نہایت محتاط تھا۔ اس کی تصدیق میں بہت سی باتیں پیش کی جا سکتی ہیں مگر یہاں صرف اُس کہن پر اکتفا کی جاتی ہے جو اُس نے اپنے منہ بولی ماں آدا سے کہی تھی۔ یہ عورت سکندر کو بہت چاہتی تھی اور اُس نے بھی اُسے کاریہ کی ملکہ بنا کے محبت وتکریم کا حق ادا کیا تھا وہ اُسے روز اچھے اچھے کھانے اور نئی نئی طرح کی مٹھائیاں بھیجا کرتی تھی مگر جب اُس نے بعض صاحب کمال پکاول اور رکابدار بلا کے سکندر کے پاس نوکر رکھانے چاہے تو اُس نے انکار کر دیا اور کہنے لگا کہ "میرے اُستاد لونی داس نے اس ضرورت سے مجھے مستغنی کر دیا ہے اور پہلے ہی ایسی تدبیر بتا دی ہے کہ اچھے سے اچھے باورچی اس کے مقابلے میں بیکار ہیں۔ اور وہ تدبیر یہ ہے کہ مزیدار ناشتے کے واسطے تو رات بھر کوچ یا سفر کیا جائے اور رات کو اچھا کھانا منظور ہو تو صبح کو کھانا کم کھایا جائے۔" پھر کہنے لگا کہ لڑکپن میں لونی داس میرے کمرے اور صندوقوں کی باقاعدہ تلاشی لیا کرتا تھا کہ کبھی میری ماں نے کوئی لوزات یا شیرینی یا اور اسی قسم کی

عمدہ چیز تو میرے کھانے کے لئے نہیں رکھ دی ہے؟

سکندر در حقیقت شراب کا بھی اتنا دھتی نہ تھا جتنا کہ لوگ سمجھتے ہیں۔ بات یہ ہے کہ جب کاموں سے فراغت ہوتی تو شراب کا پیالہ بھر کے وہ سامنے دھر لیتا اور گھنٹوں بیٹھا باتیں کرتا رہتا۔ اس طرح اگرچہ پیتا تو بہت کم، لیکن گمان یہی ہوتا تھا کہ بیحد شوقین ہے۔ اس بات کا قطعی ثبوت کہ کبھی شراب خواری (اور اسی پر کیا منحصر ہے کوئی سیر تفریح یا تقریب) اس کے فرائض میں حارج نہ ہو سکی یا دیگر فاتحین کی طرح کبھی اس نے ضروری کاموں میں تساہل نہ کیا، اس کے کارنامے ہیں۔ اور بے شبہ اتنی سی عمر میں جو جو حیرت انگیز مہمات امور اس نے سرانجام دئے وہی اس کی مسلسل مستعدی کی سب سے قوی دلیل ہیں۔

فرصت کے زمانے میں سو کر اٹھتے ہی پہلے وہ دیوتاؤں کے نام کی نذر نیاز دیتا پھر کھانا کھا کے سارے دن شکار کھیلتا، یا اپنی توزک لکھتا اور مسائل جنگ پر رلئے زنی کرتا یا مطالعہ میں وقت گزارتا۔ اثنائے سفر میں جب زیادہ عجلت نہ ہوتی تو وہ راستے بھر صید افگنی کرتا ہوا چلتا تھا۔ اور یہ بھی اس کا ایک دستور تھا کہ دوڑتی رتھ پر سے اترتا اور اسی طرح چڑھتا تھا۔ بعض اوقات، جیسا کہ خود لکھتا ہے، تفریح کی خاطر لومڑیوں کا شکار کھیلتا یا پرندوں کے پیچھے پیچھے دور تک نکل جاتا۔ شام کو آکر نہانے دھونے اور عطر لگانے کے بعد وہ اپنے باورچیوں کو بلا کے پوچھتا کہ کھانا پک گیا یا نہیں، لیکن دسترخوان پر اکثر رات گئے بیٹھتا تھا اور اس معاملے میں بہت سخت تھا کہ جو کھانا خود کھائے وہی دوسروں کے لئے بھی آئے اور ان کی خاطر خواہ تواضع کیجائے۔ دسترخوان بڑھ جاتا اور شراب آتی تو ہم لکھ ہی چکے ہیں کہ سکندر پیالہ بھر کے سامنے رکھ لیتا اور گھنٹوں تک ادھر ادھر کی گپ شپ کرتا رہتا۔ ایسی باتوں میں اسے بڑا مزا آتا تھا۔ اور مانا کہ اس کی باتیں دنیا بھر کے بادشاہوں سے زیادہ پُرلطف ہوتی تھیں لیکن اس میں سپاہیانہ تعلّی کا بھی عیب تھا یہی خودستائی خوشامدیوں کو موقعہ دیتی تھی کہ اس پہ قابو پالیں اور خالص دوستوں کو جز بز

کرتی تھی۔ کیونکہ خوشامد کو وہ نہایت قابل نفرت کمینہ پن سمجھتے تھے۔ مگر اس صحبت میں خوشامد نہ کرو تو بھی مشکل تھی اور سکندر کی خفگی کا اندیشہ تھا۔ غرض وہ غریب دوگونہ عذاب میں رہتے تھے اور وہ وقت کاٹنا ان کے لئے مصیبت ہو جاتا تھا۔

اس محفل یاران کے برخاست ہو جانے کے بعد سکندر کی عادت تھی کہ وہ پھر ایک بار غسل کرتا اور پھر دن چڑھے تک پڑا سوتا رہتا بلکہ کبھی کبھی تو دن بھر سوتا رہتا تھا۔ سکندر کی خوراک بہت کم اور سادہ تھی۔ بارہا ایسا ہوا ہے کہ اس کے پاس کہیں سے بہت نایاب مچھلی یا ثمر بطور تحفہ آئے اور اس نے خود چکھے بغیر سب اپنے دوستوں میں تقسیم کر دیئے۔ لیکن اس کے باوجود اس کا دستر خوان نہایت پر تکلف ہوتا تھا۔ اس کی دولت و ثروت کے ساتھ ساتھ اس کا بھی خرچ بڑھتا رہا یہاں تک کہ جب اس کا تخمینہ دس ہزار درہم روزانہ تک پہنچ گیا تو سکندر نے اس کو زیادہ بڑھانے کی ممانعت کر دی اور دوسروں کو بھی حکماً روک دیا کہ جس ضیافت میں خود اس کو بلائیں اس کا صرف رقم مذکور سے زیادہ نہوتے پائے۔

جنگ ای سوس کے بعد اس نے تھسالیہ (تھسلی) کے سپاہیوں کو دمشق بھیجا کہ ایرانیوں کے بال بچوں کو گرفتار اور ان کے ساز سامان پر قبضہ کریں۔ وہ تھسلی والوں کی بہادری سے بہت خوش ہوا تھا اور اسی غرض سے ان کو منتخب کیا کہ اپنی محنت کا معاوضہ مال غنیمت سے پائیں۔ چنانچہ جس قدر مال متاع انہیں ملا وہ کسی دوسرے کے حصہ میں نہ آیا مگر اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ دوسرے بالکل محروم رہ گئے۔ درحقیقت جتنی دولت یونانیوں کے ہاتھ اس لڑائی میں آئی وہ ان سب کو مالامال کر دینے کے لئے کافی تھی اور ایرانیوں کے اسی سامان عشرت اور عورتوں کا مزا انہیں ایسا پڑا کہ خون منہ کو لگے کتوں کی طرح وہ ان کے شکار اور تعاقب کے نہایت مشتاق نظر آنے لگے۔ لیکن سکندر نے آگے بڑھنے سے پہلے ساحل کی طرف سے اطمینان کر لینا ضروری سمجھا۔ قبرس کے حاکموں نے جزیرہ مذکور کی حکومت بطوع خود اس کے حوالے کر دی اور فلیقیہ کا سارا علاقہ باستثنائے صور اس کا مطیع ہو گیا

سوُر سے سکندر نے گھیر لیا اور سات مہینے تک اس اہتمام کے ساتھ محاصرہ کیا کہ مٹی کے عظیم الشان گڑگچ تیار کرائے بڑی بڑی منجنیقیں لگائیں اور سمندر کی طرف دو سو جہاز بھیج کے شہر والوں کی آمدرفت مسدود کر دی۔ ان ہی محاصرے کے دنوں میں اُس نے خواب میں ہرقل کو دیکھا کہ فصیلوں پر کھڑا ہاتھ بڑھا بڑھا کے اِسے بلاتا ہے۔ اُدھر بہت سے صوروالوں کو بھی خواب میں آپالو اس شان سے نظر آیا گویا ان کی حرکتوں پر بیزار ہے اور انہیں چھوڑ کر سکندر کے لشکر میں بھاگا چاہتا ہے۔ شہر والوں میں اس کا چرچا پھیلا تو انھوں نے دیوتا کے بُت کو رسیّوں سے باندھا اور اُسے چوبی کیلوں سے ٹھوک دیا گویا وہ حقیقت میں غدار سپاہیوں کی مانند اُن کو چھوڑ کر بھاگ جاتا! اس کے علاوہ اس دیوتا پر سب نے نفریں کی کہ یہ دغا باز ہمارے دشمن سکندر سے مل جانا چاہتا ہے۔

سکندر نے ایک اور خواب میں غول بیابانی کو دیکھا کہ اُسے دور سے چڑا رہا ہے اور باوجود کوشش کے اس کے ہاتھ نہیں آتا۔ مگر آخر کار بڑی جدوجہد کے بعد سکندر نے اس کو پکڑ کے زیر کر لیا۔ اس کی تعبیر رمالوں نے یہ دی کہ صور عنقریب مسخر ہو جائیگا۔ اس میں نکتہ انھوں نے یہ نکالا کہ یونانی میں غول کو سے ٹیروس کہتے ہیں اور اس لفظ کے جزو آخر کو جو تشبیہ تیرہ یا صور سے ہے وہ ظاہر ہے پس سے تیروس کے قبضہ میں آنے کا مفہوم سوائے اس کے کچھ ہو ہی نہیں سکتا کہ شہر مذکور تسخیر ہونے کو ہی۔

آج کے دن تک باشندگان صور وہ چشمہ دکھاتے ہیں جس کے کنارے سکندر نے یہ تاریخی خواب دیکھا تھا۔

اس محاصرے کے زمانے میں سکندر نے ایک دستہ فوج لے کے عربوں پر بھی حملہ کیا جو کوہ ان تیلی بانوس پر آباد ہیں۔ اس چھوٹی سی مہم میں ایک مرتبہ وہ مرنے سے بال بال بچا۔ یہ مصیبت اُس پر اپنے سن رسیدہ اُستاد لقوماخس کی خاطر پڑی تھی جس کی تفصیل یہ ہے کہ منع کرنے کے باوجود وہ فوج کے ساتھ چلنے سے باز نہ آیا اور کہنے لگا کہ میں فنوے

کے فاتح) شاہ اکی لیس کے اتالیق فینکس سے عمر یا طاقت میں کسی طرح گیا گزرا نہیں ہوں۔ غرض ضد کر کے ساتھ چلا اور جب پہاڑ کی چڑھائی آئی اور گھوڑے چھوڑ کے سپاہیوں نے پیدل چڑھنا شروع کیا تو لقوماخس سب سے پیچھے رہ گیا۔ اسی کی ہمراہی میں ہمت دلانے اور ساتھ ساتھ چلنے کو سکندر بھی سپاہیوں سے چھٹ گیا یہاں تک کہ ان میں بہت فاصلہ ہو گیا۔ رات سر پر آگئی اور سردی اس قدر زور کی پڑنے لگی کہ آگے چلنا دشوار ہو گیا۔ اب سکندر نے جس کے ساتھ صرف چند نوکر تھے یہ مجبوری راستے میں قیام کیا لیکن دشمن کی طرف سے بڑی تشویش تھی جو اردگرد پھیلے ہوئے تھے۔ ادھر مقام کی خرابی اور سردی کی شدت پریشان کئے دیتی تھی۔ اتنے میں قریب ہی بہت سے الاؤ دشمن کے روشن ہوئے اور سکندر نے آگ لانے کا عزم مصمم کیا۔ اگرچہ یہ کام بڑی جان جوکھوں کا تھا تاہم اسے اپنی تیز پائی اور ہمت پر بھروسہ تھا۔ اور وہ اپنے سپاہیوں کو غیرت دلانے کی غرض سے ایسی جوانمردیاں پہلے بھی دکھا چکا تھا۔ غرض وہ سب سے پاس کے الاؤ کی سیدھ باندھ کے گیا اور جھپٹ کر اپنے خنجر سے دو ملیچھوں کا جو آگ پاس بیٹھے تھے کام تمام کر دیا اور ایک جلتا چیلا لے کے اپنے ساتھیوں میں پلٹ آیا جنھوں نے فوراً ایندھن کے انبار میں ایسے زور سے آگ لگا دی کہ غنیم حیران ہو گیا اور بہت سے آدمی سراسیمہ ہو کے بھاگ نکلے باقی جنھوں نے سکندر کی جمعیت پر حملہ کیا وہ بآسانی پس پا کر دئے گئے پھر جتنی رات رہی تھی وہ انھوں نے بہ خیر و عافیت گزاری۔ میں نے یہ روایت چارس سے لی ہے۔

یہ جملہ معترضہ تھا، محاصرہ کا حال سنئے۔ ایک روز سکندر تھوڑی سی جماعت لے کے شہر پناہ کے قریب آیا۔ اس کا ارادہ کسی بڑی لڑائی کا نہ تھا کیونکہ فوج پہلے معرکوں سے بالکل تھکی ہوئی تھی، البتہ دشمن کو وہ ذرا ستانا چاہتا تھا۔ اس وقت یہ اتفاق پیش آیا کہ بھینٹ چڑھاتے میں ارس تن در نجومی نے مذبوح کی اوجھڑی دیکھ کے حکم لگایا کہ اس مہینے کے اندر ہی اندر شہر تسخیر ہو جائیگا۔ یہ سُنکر اس پاس کے سپاہی مضحکہ کرنے لگے کیونکہ

وہی اس مہینے کا آخری دن تھا۔ مگر سکندر ایسی پیشین گوئیوں کی ہمیشہ تائید کیا کرتا تھا، اب جو اپنے نجومی کو اُس نے خفیف اور پریشان ہوتے دیکھا تو حکم دیا کہ آج تیسویں کی بجائے تئیسویں تاریخ سمجھی جائے پھر قرنائے جنگ بجانے کا اشارہ کرکے شہر پناہ پر حملہ آور ہوا اور اپنے پہلے ارادے کے خلاف فصیل کے آگے پوری قوت صرف کردی اور اس شدت سے پے بہ پے حملے کئے کہ سارے سپاہیوں کو جوش آگیا۔ جو لوگ لشکر گاہ میں رہ گئے تھے یکبارگی ہتھیار لے کے جھپٹ پڑے اور اس بے جگری سے لڑے کہ محصورین کے پاؤں نہ جم سکے اور شہر اسی دن تسخیر ہوگیا۔

دوسرا شہر جو سکندر کے مقابلے میں ڈٹا شام کا سب سے بڑا شہر غازا تھا اور یہاں ایک عجیب واقعہ پیش آیا کہ کسی بہت بڑے اُڑتے پرند کے نیچے سے مٹی کا ڈلہ چھوٹ کر سکندر کے شانے پر گرا پھر وہی جانور ایک منجنیق پر آکر بیٹھ گیا لیکن اس کی رسیوں کی حفاظت کیلئے جو تانت کا جالا لگا ہوا تھا اس میں یکایک اس کا پنجہ اٹکا اور وہ پھنس کر اسی جگہ رہ گیا اسی پر ارس تن در نے وہ پیشین گوئی کی تھی جو حرف بہ حرف صحیح اُتری۔ یعنی سکندر کے زخم کھانے اور شہر کے تسخیر ہو جانے کے جو حکم اس نے لگائے تھے وہ دونوں باتیں پوری ہوئیں[۱]

اس مقام سے سکندر نے مال غنیمت کا بڑا حصہ اولم پیاس، کلوپٹرا اور دیگر احباب و اقارب کو بھجوایا۔ وہ اپنے پرانے اتالیق لونی داس کو بھی نہ بھولا بلکہ سکندر سے جو اُمیدیں اُسے بچپن میں تھیں اُنھیں یاد رکھا اور بہت سا عود و لوبان اُسے تحفتہً بھیجا۔ سُنا ہے کہ لڑکپن کے زمانے میں سکندر کسی مذہبی نذر نیاز کے موقعے پر عود کی مٹھیاں کی مٹھیاں آگ میں جھونک رہا تھا۔ پاس ہی لونی داس کھڑا تھا اُس نے ٹوکا کہ "صاحبزادے پہلے وہ ملک جہاں سے یہ آتی ہیں، فتح کرلو پھر ایسی فیاضیاں دکھانا!" اس طرف اشارہ کرکے سکندر نے اب اُس خط میں لکھا کہ "بھیجئے ہم عود و لوبان کا یہ انبار آپ کو بھیجے دیتے ہیں تاکہ

[۱] یہ واقعہ بالکل ارستندر کی پیشین گوئی کے مطابق پیش آیا؛ یعنی سکندر زخمی ہوا اور شہر فتح۔

دیوتاؤں کے آگے آیندہ آپ جز رسی نہ دکھلائیں“

دارا کے تمام لوٹ میں آئے ہوئے خزاین اور جواہرات میں ایک صندوقچہ بڑا نادر روزگار سکندر کے ہاتھ لگا۔ اس کے متعلق سکندر نے اپنے رفقا سے صلاح لی کہ اس میں کونسی شے رکھی جانی موزوں ہے۔ کسی نے کچھ کہا کسی نے کچھ، مگر اس نے سب کا کہنا رد کیا، اور کہنے لگا کہ میں اس میں ہومر کی نظم الیاڈ کو رکھونگا“۔ یہ وہ روایت ہے جسے اکثر ثقات نے نقل کیا ہے اور شہر سکندریہ والوں کی روایت جس کا پہلا راوی ہرکلیدس مورخ کو بتلاتے ہیں، تسلیم کر لی جائے تو معلوم ہو گا کہ الیاڈ کو سکندر فقط داستان کی حیثیت سے نہ پڑھتا تھا بلکہ اپنی مہمات میں اس سے بڑے فائدے اٹھاتا تھا۔ چنانچہ مصر فتح کرنے کے بعد جب اس نے وہاں اپنے نام پر ایک یونانی نوآبادی بسانی چاہی اور ماہران فن نے مقام تجویز کر کے نقشہ بھی شہر کا تیار کر دیا تو سکندر کو عالم رویا میں یہ عجیب مکاشفہ ہوا کہ ایک باوقار سفید سر بزرگ اس کے پاس کھڑے ہیں اور الیاڈ کے چند شعر پڑھ رہے ہیں۔ جن کا مفہوم یہ تھا:-

”اس مقام پر جہاں سمندر کی متلاطم موجیں مصری ساحل سے ٹکراتی ہیں،
ایک جزیرہ واقع ہے۔ جسے لوگ فروس کہتے ہیں“

یہ دیکھتے ہی سکندر فوراً اٹھ بیٹھا اور فروس آیا جو اگرچہ اب دریائے نیل کی دلدل بڑھتے بڑھتے خشکی سے مل گیا ہے لیکن اس زمانے میں جزیرہ تھا اور نیل کے شمال میں عین اس کے دہانے پر واقع تھا۔ سکندر نے ایک ہی نظر میں اس کی خوبی اور موقع کی عمدگی تاڑ لی کہ نہایت محفوظ اور سب سے علیحدہ ہونے کے علاوہ اس کی بندرگاہ بہت اچھی بن سکتی تھی۔ اور کہا کہ ہومر جہاں اور اوصاف سے متصف ہے وہاں فن عمارت یا تعمیر میں بھی مہارت کاملہ رکھتا ہے۔ پھر اسی جگہ کی مناسبت سے شہر کا نقشہ بنانے کا حکم دیا۔ اس کی تعمیل میں وہاں کی کالی زمین پر جو لکیریں کھینچیں تو کھریا مٹی نہ ملنے کی وجہ سے وہ آٹے سے ڈالی گئی

تھیں۔ شکل ان کی ایک نیم دایرے کی تھی اور محیط تک مساوی خطوط کھینچے تھے۔ اور بہت بڑا قطعہ زمین گھیر کر نہایت خوبصورتی سے اس کو مختلف حصوں میں کاٹ دیا تھا۔ عین اس وقت جب سکندر ان آٹے کی لکیروں سے جی بہلا رہا تھا اور نقشے پر اظہار خوشنودی کر رہا تھا ایکا ایکی صدہا قسم کے پرندوں کا ایک بادل سا دریا میں سے نکلا اور سارا آٹا چٹ کر گیا۔ اس بدشگونی سے سکندر بھی ذرا گھبرا گیا تھا۔ لیکن نجومیوں نے تسلّی دی اور کہا اس سے مطلب یہ ہے کہ اس شہر میں نہ صرف ہر شے کی افراط ہوگی بلکہ وہ بہت سی قوموں کا پیٹ بھریگا۔ تب سکندر نے بیلداروں کو کام شروع کرنے کا حکم دیا اور خود ایمن دیوتا کے مندر کی زیارت کرنے آگے روانہ ہوا۔

سکندر کا یہ سفر بہت لمبا تکلیف دہ اور دو لحاظ سے مخدوش تھا۔ اوّل تو پانی کے ختم ہو جانے کا اندیشہ تھا کیونکہ راستے میں ایک بوند بھی اس کی میسر نہ آسکتی تھی۔ دوسرے جنوبی بادسموم کا خوف تھا کہ کہیں ریگستان میں سفر کرتے وقت زور سے چلنے لگی تو ان کا وہی حشر نہ ہو جو ایرانی سپاہیوں کا دو صدی پیشتر ہوا تھا جن پر مشہور ہے کہ ریت کا ایک سمندر اس طرح اُلٹ آیا تھا کہ پچاس ہزار آدمی اس کے نیچے دب کے ہلاک ہو گئے یہ تمام مشکلات سکندر کو معلوم تھیں اور بار بار جتائی گئی تھیں مگر وہ ایسا آدمی نہ تھا کہ جو ارادہ ایک مرتبہ کرے پھر اُس سے ہٹ جائے۔ اس کی اقبال مندی نے اب تک مشکل سے مشکل ارادوں میں اس کا ساتھ دیا تھا اور اسی وجہ سے اس کی رائے میں بلا کا استحکام پیدا ہو گیا تھا اور اسکی فطری شجاعت مشکلات کا مقابلہ کرنے کے لئے اُسے بیتاب رکھتی تھی۔ گویا فتوحات جنگ سے اس کی سیری نہ ہوتی تھی بلکہ ہر مقام و موسم اور خود قانون فطرت پر فرماں روائی کرنے کا وہ آرزومند تھا۔

اپنی بلند اقبالی کی جو پیشین گوئیاں اس نے کاہنوں سے بعد اس سفر کے سنیں ان کی وقعت اس لئے اور بڑھ گئی کہ اتفاقات نے اس کے سفر میں غیر معمولی سہولتیں پیدا

کر دی تھیں اور تمام قدرتی مشکلات از خود زائل ہو گئی تھیں۔ چنانچہ چلتے وقت اس زور کا مینھ برسا کہ ایک طرف تو ریت دب کے نہایت عمدہ راستہ نکل آیا اور ریگستان میں پیر دھنس جانے کی جو دقت ہوتی تھی وہ رفع ہو گئی دوسرے موسم خوشگوار اور پانی نہ ملنے کا اندیشہ جاتا رہا اس کے سوا یہ عجیب واردات بھی اس سفر میں پیش آئی کہ اگرچہ راستے کی لیکھیں مٹ گئی تھیں، رہ گیروں کے نقش قدم دکھائی نہ دیتے تھے اور ان کے راہ بر ادھر ادھر ریگستان میں بھٹکتے پھرتے تھے تاہم ان کی خدمت رہنمائی جنگلی کوّوں کے ایک جھلڑ نے گویا اپنے اپنے ذمے لی اور منزل بہ منزل ان کے آگے آگے ٹھیک اس سمت میں اُڑتے رہے جدھر کہ سکندر جانا چاہتا تھا۔ بلکہ جب یہ لوگ پیچھے رہ جاتے تھے تو وہ بھی ٹھہر کر ان کا انتظار کرتے تھے۔ لیکن سب سے زیادہ حیرت انگیز معجزہ، جس کا راوی کالیس تینیس ہے، یہ نظر آیا کہ اگر اس جماعت میں سے کچھ لوگ ساتھیوں سے رات کے اندھیرے میں بچھڑ جاتے تھے تو یہ کوّے برابر زفیلیں بجاتے اور شور کرتے رہتے حتیٰ کہ وہ گم کردہ راہ اپنے رفقا سے آن ملتے تھے۔

اس بیاباں کو طے کر کے وہ منزل مقصود پر پہنچے تو مندر کے بڑے پجاری نے ان کا استقبال کیا اور سکندر کو اس کے باپ ایمن کی طرف سے خوش آمدید کہا۔ اور جب سکندر نے دریافت کیا کہ میرے باپ کے قاتل قرار واقعی کیفر کردار کو پہنچے یا نہیں؟ تو اس نے کہا کہ ذرا ادب سے بات کرو تمہارا باپ کوئی فانی شے نہیں ہے۔ تب سکندر نے اپنے مطلب کی تشریح کی کہ میں جو کچھ معلوم کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ شاہ فیلقوس کی جن لوگوں نے جان لی تھی وہ بے سزا پائے تو نہیں بچ گئے؟ اور اپنی سلطنت کے بارے میں بھی پوچھا کہ کیا میری قسمت میں سارے عالم کی حکومت لکھی ہے؟

دونوں باتوں کا جواب دیوتا نے اثبات میں دیا جس سے سکندر کو اتنی خوشی ہوئی کہ اس نے جوپیٹر دیوتا پر بڑی بھاری بھینٹ چڑھائی اور مندر کے پجاریوں کو نہایت گراں

قیمت تحفے نذر دئے۔ یہ وہ باتیں ہیں جو بہت سے مصنفوں نے بالاتفاق نقل کی ہیں مگر سکندر نے اپنی ماں کو یہاں کے بارے میں لکھا ہے کہ دیوتا نے میرے سوالات کے بعض خفیہ جواب دئے جنھیں میں زبانی خاص تمہیں سے بیان کرونگا۔

سکندر نے مصر میں سماّن نام فلسفی سے بھی استفادہ کیا اور سب سے زیادہ اس کے جس قول کی قدر کی وہ یہ تھا کہ سارے بنی انسان پر خدا کی حکومت ہے کیونکہ دنیا میں جو شے اپنی جنس میں سب سے اعلیٰ اور مقتدر ہے وہ ربّانی ہوتی ہے۔ اس مقولے پر خود سکندر نے یہ فلسفیانہ نکتہ اضافہ کیا کہ خدا ہم سب کا یکساں طور پر باپ (یا خالق) ہے لیکن خصوصیت کے ساتھ اس نے اُن کو خلق کیا ہے جو ہم میں سب سے اچھے ہیں۔ شاید اسی خیال کا ظہور تھا کہ غیر ملکیوں سے وہ ایسے تکبّر سے پیش آتا تھا گویا اپنی مافوق الانسان ولادت اور دیونسبی ہونے کا پورا یقین رکھتا ہے۔ مگر یونانیوں کے ساتھ اس کا سلوک نسبتاً معتدل تھا وہ ان کے آگے اپنی ربانیت کی بہت کم تعلّی کرتا تھا۔ البتہ ساموس کے متعلق جو خط اس نے ایتھنز والوں کو بھیجا اس میں اپنی یہ بزرگی صاف صاف جھلکائی ہے مگر اس کے بعد جب ایک دفعہ وہ تیر سے زخمی ہوا اور تکلیف کی شدت ہوئی تو اپنے دوستوں کی طرف پلٹ کے کہنے لگا "صاحبو یہ جو بہ رہا ہے یہ حقیقت میں خون ہے خون، وہ پن لہو[1] نہیں ہے جو (کسی شاعر کے بقول) غیر فانی دیوتا اکثر بہا دیا کرتے ہیں"۔ اسی طرح ایک اور مرتبہ جب کڑک چمک خوب ہو رہی تھی انکسارجس نام منطقی نے اس سے پوچھا کہ آپ تو جوپیٹر دیوتا کی نسل سے ہیں۔ آپ بھی یہ کڑک چمک دکھا سکتے ہیں؟ سکندر نے ہنس کے کہا "نہیں تم ہزار کہو میرا تو جی نہیں چاہتا کہ اپنے دوستوں پر اظہار سطوت کروں یا اپنے دسترخوان پر مچھلیوں کی بجائے (جنھیں تم فضول سمجھتے ہو) اپنے صوبے داروں کے سر چنوایا کروں!" اصل یہ ہے کہ انکسارجس نے ایک سردار کو جسے سکندر نے مچھلی بطور تحفہ

[1] پن لہو یعنی وہ خون نما پانی جس کے یونانی لوگ قائل تھے کہ دیوتاؤں کی رگوں میں بجائے لہو کے ہوتا ہے۔

بھیجی تھی، طعنہ دیا تھا کہ اگر تمہاری ساری خدمت گزاری اور جگر کاوی کا یہی صلہ ہے "اور اگر جاہ و ثروت کے طلب گاروں کو بھی یہی معمولی غذائیں کھانے کو ملتی ہیں تو ایسی محنت کو سلام ہے جس میں ہر وقت کا خطرہ اور فائدہ کچھ بھی نہیں ہے" یہی واقعہ تھا جس کی طرف اشارہ کر کے سکندر نے اس پر چوٹ کی ہے۔

یہ تمام باتیں جو میں نے بیان کیں ظاہر کرتی ہیں کہ بے شبہ سکندر بجائے خود اپنے وہبی اوصاف پر کوئی یقین نہ رکھتا تھا نہ اپنے دیوتا ہونے کا اسے احمقانہ غرور تھا البتہ وہ اس قسم کے دعووں سے جہاں ضرورت ہوتی کام لیتا اور اس ادعائے ربانیت کو بھی اپنے اظہار تفوق کا ایک ذریعہ بناتا تھا۔

مصر سے فینقیہ کی مراجعت پر اس نے بڑی دھوم دھام اور مذہبی جلوسوں کے ساتھ قربانیاں چڑھائیں اور بہت سے تماشے کرائے جن میں قیمتی ملبوسات اور پر تکلف آرائشوں کے علاوہ ارباب کمال کا مقابلہ بھی قابل دید تھا۔ کیونکہ ان کا اہتمام جزیرہ قبرس کے بادشاہوں نے کیا تھا، اسی طرح جس طرح ایتھنز میں قبائل چند عمائدین کو اس کام کے لئے منتخب کر لیتے ہیں۔ ہر ایک کی کوشش یہ تھی کہ دوسروں سے کچھ بہتر تماشا ہو خاص کر شاہان سلامیس و سولی کے رشک باہمی نے بڑا لطف پیدا کر دیا تھا۔ ناٹک کے سارے اخراجات ادا کرنے کے سوا ایک نے تھسالس کو بلایا تھا دوسرے نے اتھینی ڈورس کا مجرا کرایا تھا اور یہ دونوں اپنے فن میں استاد مانے جاتے تھے۔ سکندر کو تھسالس کی نرت اور گانا بہت پسند تھا لیکن اس کا حریف اتھینی مقابلے میں کثرت رائے سے جیت گیا۔ تھسالس کے ہار جانے کے بعد سکندر نے کہا کہ ممتحنوں نے تو جو کچھ فیصلہ کیا وہ اچھا کیا لیکن بذاتہ اپنی سلطنت کا ایک حصہ ہاتھ سے نکل جانا مجھے اتنا ناگوار نہیں جتنا کہ تھسالس کی شکست رنج دہ ہے۔ تاہم جب اتھینی ڈورس پر اس کے ہم وطنوں نے اس لئے جرمانہ کیا کہ وہ باکوس دیوتا کے تہوار پر ایتھنز سے غیر حاضر رہا تو سکندر نے سفارشی خط دینے سے تو اسے انکار کیا مگر روپیہ

اتنا دیا کہ وہ بآسانی جرمانہ ادا کر سکے۔ اسی طرح جب ایک مرتبہ تماشا گاہ میں لی کن نے بڑا قابل تعریف کھیل دکھایا جس پر خوب واہ واہ ہوئی اور اُس نے گاتے ہی گاتے ایک شعر اپنی طرف سے بڑھا کر دس ٹیلنٹ انعام کی آرزو کی تو سکندر ہنسا اور اتنی رقم اُسی وقت اُس کو عطا کی۔

اس اثنا میں دارا نے سکندر کو خط لکھا اور بعض دوستوں کو بھی مصالحت کی غرض سے بھیجا کہ کسی طرح ایرانی اسیران جنگ کو ایک ہزار ٹیلنٹ فدیے پر رہائی مل جائے۔ نیز آن رود فرات ممالک اور اپنی بیٹی بیاہ میں دے کر اتحاد اور صلح کرنی چاہی۔ سکندر نے اپنے رفقاء سے یہ شرائط بیان کیں تو پارمینو نے اپنی ذاتی رائے ان الفاظ میں دی کہ میں سکندر ہوتا تو ان شرائط کو بہ خوشی منظور کر لیتا۔ سکندر نے کہا "ہاں میں اگر پارمینو ہوتا تو میں بھی ایسا ہی کرتا!"

غرض یہی جواب اس نے دارا کو بھیجا کہ اگر وہ اپنے تئیں بے چون وچرا حوالے کر دے تو ہر قسم کی مہربانی کی جانی ممکن ہے ورنہ سکندر اس کے پاس جہاں کہیں وہ ہوگا پہنچیگا لیکن اُسی زمانے میں دارا کی بیوی وضع حمل کے وقت فوت ہو گئی تو سکندر نے بہت اظہار رنج کیا کہ رحم وکرم دکھانے کا ایک موقعہ کم ہو گیا گو اس کی تلافی ایک حد تک اُس نے اس طرح کر دی کہ اس کی تجہیز وتکفین شاہانہ تزک واحتشام کے ساتھ کرائی۔

مرنے والی ملکہ کے ساتھ جو خواجہ سرا پکڑے گئے تھے ان میں سے ایک کا نام تیرو تھا یہ شخص کسی طرح چھپ کے سکندر کے لشکر سے نکل گیا اور گھوڑے پر بیٹھ کر ہوا کی مانند بھاگا کہ دارا کو ملکہ کی موت سے مطلع کر دے۔ جب اس کے حضور میں پہنچا اور اس کی محبوب بیوی کی خبر وفات پہنچائی تو دارا بے اختیار رونے لگا اور اپنا مُنہ پیٹ کے کہنے لگا "ہیہات ہیہات۔ ایرانیوں کی مصیبت کا کچھ ٹھکانا ہے؟ ان کے بادشاہ کے اہل وعیال کا دشمن کی قید میں ہونا کیا کم فضیحت تھی جو آسمان نے عزت کے ساتھ گور وکفن سے بھی

انہیں محروم کیا اور چاہا کہ وہ ذلت و گمنامی کی موت مریں۔"

مگر خواجہ سرا نے جواب دیا "اے بادشاہ اس معاملے میں تو ملک کی بدنصیبی کا زیادہ رونا نہیں کیونکہ اہل محل سے یونانیوں نے جو سلوک کیا وہ بہت عمدہ ہے۔ ان کی عزت و آبرو میں کوئی فرق نہ آیا اور وہ جس طرح اپنے ملک میں عیش و آرام سے تھیں بالکل اسی آسائش کے ساتھ ان کے دشمنوں نے انہیں رکھا اور حضور کے درخشاں روئے مبارک کی زیارت کے سوا اور انہیں کسی چیز کی تکلیف نہیں۔ مجھے امید کامل ہے کہ ہرمزا اپنے رحم و کرم سے آپ کی سابق برکت و عظمت پھر بخشدیگا۔ اور اُن کو روئے مبارک کا دیدار نصیب کریگا۔ اور جب ملکہ استاتترا نے وفات پائی تو میں حضور کو یقین دلاتا ہوں کہ اُن کی شایانہ تجہیز و تکفین میں کوئی کمی نہ ہوئی اور گراں بہا جواہرات کے علاوہ خود دشمنوں کے آنسو اُس فردوس نشیں کے جنازے پر نچھاور ہوئے۔ کیونکہ سکندر جتنا میدان کارزار میں خوفناک ہے اتنا ہی فتح کے بعد نرم دل بھی ہے۔"

جب دارا نے یہ سنا تو (اس کے رنج و شکستہ دلی کی یہ حالت تھی کہ) طرح طرح کے شبہے اُسے پیدا ہو گئے اور اپنے خیمے میں علٰحدہ ایک طرف تیرد کو لے جا کے کہنے لگا "اگر تو نے بھی ایران کے اقبال کی طرح مجھ کو چھوڑ دیا ہے اور دل میں مقدونیہ کا دم بھرنے لگا ہے تب تو سوائے افسوس کے میرے پاس کچھ نہیں، لیکن اگر ایسا نہیں اور تو اب تک مجھے اپنا آقا دارا سمجھتا ہے تو میں تجھے نور منتھراس کی عزت و جلال کی قسم دلاتا ہوں اور تیرے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دیتا ہوں کہ مجھے سچ سچ بتلا کہ کیا مجھے استاتترا کی موت و اسیری سے زیادہ کسی اور شے پر افسوس کرنا چاہئے؟ کیا اُس کی زندگی میرے لئے زیادہ باعث ننگ اور اس کی موت سے بڑھکر تکلیف دہ نہ تھی؟ اور کیا میں یہ آرزو کروں کہ کاش سکندر کی بجائے کوئی اور سنگدل غنیم ہوتا جو زیادتی کرتا نہ کہ آبروریزی؟ کیونکہ اُس کی عمر کے آدمی سے یہ کیونکر ممکن ہے کہ وہ اپنے دشمن کی بیوی کا اتنا لحاظ کرے اور اس کا سبب کوئی

ایسی ناپاک خواہش نہ ہو جو میرے لئے سب سے بڑی ذلت ہو؟"

اس کی تقریر پوری نہ ہوئی تھی کہ تیرو قدموں پہ گر پڑا اور گڑگڑا کے کہنے لگا کہ خدا کے لئے سکندر اور خود اپنی سری بیوی اور بہن کے ساتھ ایسی بے انصافی نہ کرو اور اپنی شکست میں یہ تسکین وہ خیال نہ چھوڑو کہ تم پر غالب آنے والا ایک غیر معمولی انسان ہے۔ پھر سکندر کی صفت و ثنا کر کے کہنے لگا وہ دارائے ایران کی محبت و تعریف کا مستحق ہے جس نے دشمنی میں بھی ایرانی عورتوں سے اسی بے نظیر شجاعت کا برتاؤ کیا جو مردوں کو میدان جنگ میں دکھائی تھی۔ اس سارے بیان کی تصدیق میں اس نے ہزارہا قسمیں کھائیں اور سکندر کی اور موقعوں پر سخاوت و اعتدال کے قصے سنا رہا تھا جو دارا اسے چھوڑ کے خیمے کے دوسرے حصے میں جہاں اس کے درباری بیٹھے ہوئے تھے چلا آیا اور آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کے یہ دعا مانگی:۔

"اے میرے، میرے خاندان و ملک کے دیوتاؤ! میں تمہارے آگے بعجز یہ التجا کرتا ہوں کہ سلطنت ایران کی ڈوبتی ناؤ کو بن پڑے تو بچا لو تاکہ میں اس کو اور اس کے رہنے والوں کو سرسبز و شاداب چھوڑ جاؤں جیسا کہ میں نے انہیں ورثے میں پایا تھا' اور تاکہ میں اپنے اظہار شکر گزاری میں سکندر کی اس مہربانی کا مناسب عوض کر سکوں جو اس نے میرے عزیزوں کے ساتھ ان مصائب صعب میں دکھائی ہے۔ لیکن اے خدا! اگر حکومت ایران کا وقت اخیر آ گیا ہے اور اگر حاسد آسمان اور گردش روزگار ہماری بربادی پر ہی تلے ہوئے ہیں، تو میری دعا ہے کہ خسرو کے تخت پر سکندر کے سوا کوئی اور جلوہ فرما نہ ہو!"

یہ وہ کہانی ہے جو اکثر مورخوں نے بیان کی ہے۔

لیکن اب سکندر کا حال سنو کہ جس وقت وہ آن روئے ذات ساری ایشیا فتح کر چکا تو دارا کی طرف بڑھا جو دس لاکھ فوج لئے مقابلے پر آ رہا تھا۔ اثنائے سفر میں ایک تمسخر انگیز واقعہ یہ ہوا کہ لشکر کے نوکروں نے کھیل کھیل میں دو فریق بنا کے ایک کے سردار کا نام دارا رکھا

اور دوسرے کا سکندر۔ اوّل اوّل تو وہ ڈھیلے پھینک پھینک کے لڑتے رہے لیکن تھوڑی ہی دیر بعد کشتی پہ اُتر آئے اور پھر اس میں فی الحقیقت لڑائی ہوگئی اور وہ ڈنڈے اور پتھر لے کے ایک دوسرے پر پل پڑے یہاں تک کہ لوگوں کو بیچ بچاؤ کرنے میں بھی دقّت پیش آئی۔ اور سکندر تک اس معاملے کی خبر گئی، جس نے حکم دیا کہ دونوں طرف کے سردار اکیلے ہو کر فیصلہ کریں اور اپنے ہمنام کو بلا کے خود اپنے ہاتھ سے اُس کے ہتھیار باندھے ادھر اس کے دوست فلوطاس نے یہی ہمت افزائی اُس کی کی جس نے دارا کا بھروپ بھرا تھا۔ اب دونوں حریف میدان میں نکلے ساری فوج حلقہ باندھے کھڑی تھی اور اپنی آیندہ کامیابی کا اس واقعے سے شگون لینے کی مشتاق تھی۔ آخر عرصے تک سخت جد وجہد ہونے کے بعد سکندر کے عرفی نام کا شخص غالب آیا۔ اس کی شہ زوری کے انعام میں ۱۲ گانوں ملے اور ایرانی لباس پہننے کی اجازت دی گئی۔ یہ نقل ارطس تن نے کی ہے۔

لیکن اکثر مصنفوں کا یہ بیان کہ سب سے بڑی جنگ اربیلا[1] پر ہوئی نادرست ہے۔ اصل میں اس کا مقام گاگ میلا تھا جس کے معنی ان کی زبان میں اونٹ کا گھر ہیں۔ اور وجہ تسمیہ اس کی یہ ہے کہ ان کا کوئی قدیم بادشاہ غنیم سے چھپ کر ایک تیز رفتار اونٹ پر چڑھ کے اسی مقام سے فرار ہوا تھا اور اپنے خیریت سے بچ نکلنے کی خوشی میں اُس اونٹ کے واسطے اسی جگہ ایک مکان بنوا دیا تھا اور اس کارگزار جانور کی پرورش کے لئے کئی دیہات اُسی کے نام معافی میں عطا فرما دئے تھے۔

اُن کے مقابل آنے کا زمانہ وہ تھا جب کہ ماہ بودرومیاں میں اہل ایتھنز "مسٹریز" کا تہوار مناتے ہیں۔ اتفاق سے عین اسی دن یعنی گیارہویں تاریخ کو چاندگرہن پڑا اور دارا نے اپنی فوج کو مسلح کر کے مشعلوں کی روشنی میں اُس کا جایزہ لیا۔ اُدھر سکندر، جس کی فوج آرام سے سو رہی تھی، مصروف عبادت تھا، یعنی اپنے پروہت ارس تن در کے

[1] جسے اب اربیل کہتے ہیں۔ موصل کے قریب ہے۔ م۔

ساتھ بعض عجیب عجیب مراسم مذہبی ادا کر رہا تھا اور خوف دیوتا کی بھینٹ دے رہا تھا۔ مگر اُس کے کہنہ مشق سپہ سالاران فوج خاص کر پار مینو دشمن کی کثرت فوج سے ہیبت زدہ ہوئے جاتے تھے۔ کیونکہ کوہ نفاتہ اور گرُدیاں کے درمیان سارا جنگل ان کی مشعلوں اور آگ سے منور نظر آرہا تھا اور اُن کی آوازیں جو اتنے فاصلے پر بے معنی اور بھیانک معلوم ہوتی تھیں، بعید سمندر کے غراٹوں کی مانند، دل پریشان کئے دیتی تھیں۔ ان یونانی افسروں پر رفتہ رفتہ اس کیفیت سے ایسا ہراس طاری ہوا کہ آپس میں مشورہ کر کے وہ سب سکندر پاس پہنچے، جو قربانی سے اسی وقت فارغ ہوا تھا، اور کہنے لگے کہ اس جم غفیر پر دن میں حملہ کرنا نہایت مشکل اور مخدوش ہوگا۔ بہتر یہ ہے کہ دارا پر شبخون مارا جائے تاکہ رات کی تاریکی اُس خطرے پر جو روشنی میں صاف سامنے نظر آئیگا، پردہ ڈال دے۔ سکندر نے اس درخواست کا وہ مشہور جواب دیا کہ "میں فتح کو چرانا نہیں چاہتا!" جو اگرچہ بعض لوگوں کی نظر میں اُس وقت ایک طفلانہ اور بیہودہ جوش کی بات تھی لیکن بہت سے ایسے بھی تھے جنھوں نے اُس کو خود اعتمادی کی دلیل یا یہ سمجھا کہ اس قول سے موجودہ حالت میں قوت بازو پر اعتماد اور آیندہ کا صحیح اندازہ مضمر ہے کیونکہ درحقیقت شبخون سے فتح حاصل کرنا دارا کو ایک تیسری لڑائی پر آمادہ کرنا تھا۔ وہ اپنی پہلی شکست سے جو بددل نہ ہوا تو اس کی بڑی وجہ یہی تھی کہ اس کا سبب وہ موقعہ کی خرابی (پہاڑ دریا اور سمندر) تصور کرتا تھا اور اُسی سوئے اتفاق کو الزام دے کے از سر نو لڑنے پر آمادہ ہوا تھا آپ جب تک کہ اُسے کھلے میدان میں کامل ہزیمت نہ دی جاتی اور اس کی کر ہمت نہ ٹوٹتی تو ابھی تک ایک بڑا حصۂ ملک قبضے میں ہونے کے باعث اس کو سامان جنگ یا آدمیوں کی کمی نہ تھی کہ دوبارہ طاقت آزمائی نہ کرتا۔ اور پھر یونانیوں کو دقتوں میں مبتلا نہ کر دیتا۔

جب اس کے سپہ سالار یہ جواب پا کے واپس چلے گئے تو سکندر اپنے خیمے میں پڑ کے غافل سو رہا۔ اور باقی رات اس قدر گہری نیند سویا کہ صبح کو اس کے افسر بھی دیکھ کے متعجب

رہ گئے۔ اور کہنے لگے کہ اس کے بیدار ہونے تک بہتر ہے فوج کھانے سے فارغ ہو جائے لیکن جب وقت نے انتظار کی گنجایش نہ چھوڑی تو پارمینو نے اُس کے بچھونے کے پاس کھڑے ہو کر دو تین دفعہ اس کے نام سے پکارا۔ اور وہ ہشیار ہو گیا تو کہنے لگا "میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ اس وقت تک سوتے کیوں کر رہے۔ دشمن سامنے اور نہایت معرکے کی جنگ سر پر ہے مگر آپ اس طرح آرام کر رہے ہیں گویا لڑائی جیت کر سوئے ہیں؟" سکندر مسکرایا اور بولا "کیا واقعی ہم ابھی تک فتحیاب نہیں ہوئے؟ ملک ملک جو اس ویران علاقے میں ہم بھٹکتے پھرتے تھے۔ وہ تکلیف وہ تعقب اور یہ انتظار کہ دارا مقابلے میں آئے ختم ہو گیا۔ دشمن ہمارے سامنے ہے۔ اب لڑائی جیتنے میں کیا کسر رہی؟" اور اسی وقت پر کیا منحصر ہے اس نے گھمسان میں اور سخت خطرے کے وقت بھی اپنی عظمت کا نقش دلوں پر بٹھایا۔ اُس کی پیش بینی اور اُس اطمینان واعتماد نے جو اُسے اپنی قوت بازو پر تھا، اخیر تک اس کا ساتھ دیا ورنہ سچ یہ ہے کہ تھوڑی دیر تک لڑائی کا انجام نامعلوم بلکہ مخدوش تھا۔ سکندر کے میسرے پر جسے پارمینو لڑا رہا تھا، باختری سواروں نے اس قیامت کا حملہ کیا تھا کہ یونانی صفیں درہم برہم ہو کے پیچھے ہٹنے لگی تھیں۔ ادھر ایرانی سالار لشکر مازیٹوس نے ایک دستہ فوج چکر دے کے بھیجا جو خیمہ گاہ اور اس کے نگہبانوں پر آپڑا۔ پارمینو اس چال سے ایسا پریشان ہوا کہ سکندر پاس آدمی دوڑائے اور کہلوایا کہ اگر معقول تعداد سپاہیوں کی ادھر نہ بھیجی تو سارا لشکر گاہ لٹ جائیگا۔ یہ پیغام سکندر کو اُس وقت ملا جب وہ اپنے دستے کو ہلے کا حکم دینے والا تھا۔ اس نے جواب میں کہلا بھیجا کہ تمہاری عقل کہاں ہے جو ایسی فضول باتیں کر رہے ہو؟ خوف کے عالم میں معلوم ہوتا ہے تم یہ بھی بھول گئے کہ جب لڑائی میں فتح پاتے ہیں تو سارا دشمن کا مال اسباب انہیں کا ہو جاتا ہے اور اگر ایسا نہ ہو بلکہ شکست ہو تو بہادروں کا شیوہ لڑ کے مرجانا ہے نہ کہ اپنے روپے پیسے اور غلاموں کی نگہبانی کرنا!"

اس کے بعد اُس نے خود سر پر رکھا کچھ ہتھیار پہلے سے سجے ہوئے تھے جو باقی تھے

وہ اب لنگائے اور خیمے سے باہر نکلا۔ اس کے جسم پر ایک صقالیہ کی ساخت کا سینے پر سے خوب چُست کوٹ تھا، اور اس پر ایک باریک سوت کا موٹا کفتان، جو جنگ ایسوس کی لوٹ میں آیا تھا۔ فولادی خود تھیوفلس کی صناعی کا نمونہ تھا جس کا لوہا صاف کی ہوئی چاندی سے زیادہ چمکتا تھا، اس پر ایک مکلّل بہ جواہر آہنی کلغی لگی ہوئی تھی۔ اور اس کی تلوار وزن میں پھول مگر نہایت مضبوط فولاد کی، جس سے لڑائی میں سب ہتھیاروں سے زیادہ کام لیتا تھا، شاہ ستی انیز کی دی ہوئی تھی۔ مگر تمام ہتھیاروں میں زیادہ بیش قیمت وہ پیٹی تھی جسے وہ لڑائی میں باندھتا تھا۔ یہ زمانہ قدیم کے استاد ہیلی کن نے بنائی تھی اور اہل رودس نے اظہار عقیدت مندی میں سکندر کو نذر دی تھی۔ صف بندی یا جایزے یا گھوڑے پر چڑھ کر حکم احکام دینے وقت تک وہ بوسی فلس کی بجائے کسی اور گھوڑے سے کام لیتا تھا کیونکہ بوسی فلس کسی قدر بڈھا ہوگیا تھا، لیکن لڑائی سے پہلے وہی طلب کیا جاتا اور جب اس پہ سکندر سوار ہو لیتا تو پھر بلا تاخیر حملہ شروع ہو جاتا تھا۔

اس لڑائی میں اُس نے اہل تھسالیہ اور یونانیوں کے آگے سب سے لمبی تقریر کی۔ اور اُنھوں نے اُس کے اشارے پر دشمنوں سے لڑنے کی، بہ نعرہ ہائے بلند آمادگی ظاہر کی۔ یہ جوش دیکھ کے اُس نے برچھی بائیں ہاتھ میں بدل کے دایاں آسمان کی طرف اُٹھایا اور دیوتاؤں کو پکارا کہ (کلیس تن کے بقول)، اگر وہ فی الواقع جوپیٹر کا بیٹا ہے تو آج دیوتا اس کی مدد اور یونانیوں کی پشت قوی کریں۔ عین اسی وقت ارس تن در نجومی نے جو تاج زریں سر پر رکھے سفید چغے میں لپٹا ہوا تھا، اپنا گھوڑا سامنے نکالا اور لوگوں کو ایک عقاب دکھلایا جو سکندر کے سر پر دشمن کی طرف رُخ کئے پرواز کر رہا تھا۔ اس فال نیک نے دیکھنے والوں کو ایسا بیقرار کیا کہ بگٹٹ گھوڑے چھوڑ کے رجز پڑھتے اور حسب معمول بڑھا دیتے دشمن پر جا پڑے اور ساتھ ہی عصبۂ سکندری کا کل پیادہ انبوہ موجیں مارتا ہوا آگے بڑھا۔ لیکن ابھی غنیم کی صف اوّل سے بھی ملنے کی نوبت نہ آئی تھی کہ حریف کی فوج نے گھونگھٹ کھایا اور پیچھے ہٹنے

بھاگی۔ سکندر نے سخت تعقب کیا اور بھاگنے والوں کو گھیر کے ڈھکیلتا ہوا قلب جنگ میں لے آیا جہاں دارا بنفس نفیس ایک بلند جنگی رتھ میں سوار تھا۔ سکندر نے اسکی صحیح قامت و حسین صورت کو دور سے شاہی نگہبانوں اور منتخب جانبازان ایران کے جھرمٹ میں، جو سینہ سپر کئے اس کے چاروں طرف گویا دشمن کے انتظار میں کھڑے تھے سب سے الگ ابھرا ہوا دیکھا۔ مگر سکندر کی آمد اس درجے ہیبت انگیز تھی کہ بھاگنے والوں نے جن پر یونانی پیچھے سے پلے پڑتے تھے، دوسروں کے بھی اپنے ریلے میں قدم نہ جمے رہنے دئے۔ اور سکندر نے قریب قریب سب کو مار کے پراگندہ کر دیا؛ چند سرفروش جان پہ کھیل کے البتہ سامنے آئے سو وہ ایک ایک کر کے اپنے بادشاہ کے حضور میں کٹ مرے۔ ان نمک حلالوں کی لاشوں کے پشتے لگ گئے تھے اور وہ نزع کے عالم میں زمین پر گر کے بھی حملہ آوروں کے گھوڑوں سے لپٹے جاتے تھے کہ آگے بڑھنے سے روک دیں۔ جب دارا نے دیکھا کہ تمام امیدوں کا خاتمہ ہو گیا اور اس کے خاص نگہبانوں کی صفیں بھی ٹوٹ ٹوٹ کے چھدری اور پسپا ہو گئیں تو ایک گھوڑی پر جسے کہتے ہیں اپنے بچھیرے سے جدا کر کے لائے تھے سوار ہوا اور جان سلامت لے کے فرار ہونا ایسا غنیمت سمجھا کیونکہ رتھ کا اپنی جگہ سے ہلنا بھی دشوار تھا۔ اس کے ہر جانب لاشوں کے ڈھیر پڑے تھے اور رتھ کے گھوڑے اس ہیبت ناک کشت و خون سے اس قدر بے حواس تھے کہ رتھ بان کے بالکل قابو میں نہ رہے تھے، جھنجھوڑیاں دے دے کے نکلنا چاہتے تھے لیکن آگے بڑھنے یا پیچھے ہٹنے کی مطلق جائے نہ تھی اور پہلیوں میں بھی مقتولوں کے جسم اس طرح پھنس گئے تھے کہ ہلنے نہ دیتی تھی۔

دارا کی کوشش فرار بے شبہ کامیاب نہ ہوتی اور اگر اسی وقت پارمینو کے تازہ ہرکارے یہ پیام نہ لائیں کہ میری طرف آؤ اور غنیم کے ایک حصہ فوج سے لڑنے میں جو ابھی تک الجھا ہوا ہے، مجھے مدد دو، تو شاہنشاہ ایران اسی مقام پر گرفتار ہو جاتا، مگر سچ یہ ہے کہ اس لڑائی میں اول سے آخر تک پارمینو نے سستی اور نالائقی دکھائی، جس پر سب ادی متفق ہیں

اور اس کی وجہ یا تو بڑھاپے کی کمزوری اور پست ہمتی تھی یا کلیس تن کے قول کے مطابق یہ تھی کہ وہ سکندر کی روز افزوں ناموری دیکھکر دل ہی دل میں حسد کرنے لگا تھا۔ بہرحال خود سکندر اپنے فاتحانہ تعقب میں اس طرح روکے جانے سے بہت دق ہوا، اور مجبوراً اس نے سپاہیوں کو واپسی کا حکم دیا گویا اب خوں ریزی سے سیر ہو کے ہاتھ اُٹھایا اور مقام خطرہ کی طرف فوج کو لے جا رہا تھا کہ رستے میں اطلاع ملی کہ دشمن نے ہزیمت کامل پائی اور سامنے سے بھاگ نکلا۔

اس فیصلہ کن جنگ کے بعد بظاہر احوال سلطنت ایران کا خاتمہ ہو گیا۔ سکندر نے دیہیم شاہی پر جلوس کیا اور یہ اعلان کر دیا گیا کہ اب ایشیا کے تخت کا مالک سکندر یونانی ہے۔ اس انقلاب انگیز کامیابی کی شکر گزاری میں اس نے تمام دیوتاؤں کی نذر نیاز نہایت پرشکوہ پیمانے پر ادا کی اور اپنے رفقا کو بڑی بڑی رقمیں، جاگیرات اور مناصب حکومت بہ جلدوئے خدمات مرحمت فرمائیں۔ بالخصوص وہ یونانیوں میں اپنی عزت و ناموری دکھانے کا خواہاں تھا اور اسی نظر سے اُن کو لکھا کہ میری آرزو ہے کہ تمام یونانی ریاستیں استبداد (یا شخصی حکومت) سے آزاد ہو جائیں اور بالکل اپنے بنائے ہوئے قوانین کی پابندی کریں۔ اہل پلاتیہ کو لکھا کہ ان کا شہر از سر نو تعمیر کیا جائے کیونکہ انھیں کے اجداد نے ایرانیوں کی یونان پر چڑھائی کے وقت ایثار دکھایا تھا کہ وطن مقدس کی آزادی کے لئے اپنا علاقہ میدان جنگ بنانے کی اجازت دی تھی۔ مال غنیمت میں سے ایک حصہ اس نے اہل کرتونیہ کو اطالیہ بھیجا۔ یہ اُن کے ایک قدیم پرجوش باشندے فےلوس پہلوان کے اعزاز میں تھا، جو ایرانی چڑھائی کے وقت یونانیوں کی حمایت میں سینہ سپر ہوا تھا اور جب کسی ہموطن نے اس کا ساتھ نہ دیا نہ اطالیہ کی دوسری یونانی نوآبادیوں نے مدد کی، تو اکیلے فےلوس نے ایک جنگی کشتی تیار کی اور سلامیس کی بحری لڑائی میں یونانیوں کی طرف سے لڑا۔ اسی شخص کی جانبازی کا صلہ تھا جو سکندر نے اب اس کے ہموطنوں کو دے کر اس کی یاد تازہ کی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہر قسم کے

اوصاف کا کیسا قدردان تھا اور کس درجے شایق تھا کہ قابل تعریف کارناموں کی یادگار قایم رہے۔

یہاں سے سکندر نے بابل کی سمت کوچ کیا۔ اُس کے پہنچتے ہی یہ صوبہ خود دایرۂ متابعت میں آگیا۔ اس سے گزرتے ہوئے وہ اک بٹّانا[1] میں اُس آگ کو دیکھکر بہت متعجب ہوا جو ایک چٹان کی دڑار سے چشمہ کی طرح اُبل اُبل کے نکلتی ہے۔ اسی کے قریب وہ مقام تھا جہاں نفط بہ مقدار کثیر نکلتا ہے۔ اتنا کہ جمع ہوتے ہوتے وہاں اس سیال آتش گیر کی جھیل بن گئی ہے۔ یہ شے جو تارکول سے بہت مشابہ ہے اس درجے مادۂ احتراق رکھتی ہے کہ آگ لگانے سے پہلے محض شعلہ سامنے لانے سے مشتعل ہوجاتی ہے اور اکثر بیچ کی ہوا میں بھی شعلے بھڑکا دیتی ہے۔ ایرانیوں نے اسی چیز کی قوت و کرشمہ دکھانے کے واسطے سکندر کے راستے میں باہر سے محل تک بڑی بڑی بوندیں نفطہ کی ٹپکا دی تھیں۔ رات کو جب بالکل اندھیرا ہوگیا تو وہ ایک سرے پر مشعلیں جلا کے کھڑے ہوگئے اور آگ دکھاتے ہی ہر مقام کا نفط بھڑک اُٹھا اور ایک طرف سے جو یہ سلسلہ چلا تو اس سرعت کے ساتھ کہ اتنی جلدی آدمی قیاس بھی مشکل سے کرسکتا ہے دوسرے کنارے تک دفعتہً ایک غیر منقطع آگ پھیل گئی اور سارا بازار منوّر ہوگیا۔

شاہی ملازموں میں ایک شخص اتھینوفانی ایتھنز کا رہنے والا بھی تھا کہ سکندر کے ہاتھ منھ دھوتے وقت یا کپڑے بدلتے وقت لطائف سے اس کا جی بہلاتا۔ اُس نے عرض کیا کہ نفطہ کا تجربہ استیفانو پہ کیا جائے۔ بچارہ استیفانو ایک خوش آواز مگر نہایت بدصورت نوجوان تھا۔ اتھینو کہنے لگا "حضور! اگر اس پر بھی نفط مشتعل ہوجائے اور نہ بجھے تو بے شبہ دونوں کی قوت کا اچھے سے اچھا امتحان ہوجائے گا۔" استیفانو نے اس تجربہ کو بہ خوشی منظور کیا مگر جب اُس کے جسم پر نفط ل دیا گیا تو ایسے شعلے بھڑکے کہ خود سکندر نہایت پریشان

[1] جس کا مشہور نام اب ہمدان ہے۔ م

اور خوف زدہ ہوا کہ کہیں اُس کی جان نہ جاتی رہے۔ حُسنِ اتفاق سے حمام کے پاس ہی بہت سے آدمی پانی کے گھڑے غسل کے واسطے بھر رہے تھے وہ دوڑ پڑے اور بڑے ہنگامے کے بعد بدقت آگ بجھی۔ پھر بھی غریب فانو کا بدن ایسا جھلس گیا تھا کہ وہ مدّت میں جا کے تندرست ہوا۔

اسی آتش گیر شے کے متعلق بعض لوگوں نے مشہور کر دیا ہے کہ اُس پرانی تراجدی میں میدیہ[ل] نے تاج اور نقاب میں روغن نفط ہی مل کر کری اُن کی بیٹی کو پہنا دیا تھا جس سے وہ جل گئی) اور یہ تاویل ایک حد تک بے بنیاد بھی نہیں کیونکہ کپڑے میں یا تاج میں آپ سے آپ آگ لگ نہیں سکتی نہ آگ کی شعاعوں کا یہ خواص ہے کہ دُور سے سامنے لائیں تو روشنی یا حدت پہنچانے کے سوا کسی شے کو جلا دیں۔ البتہ یہ روغن یا اور بعض آتش گیر مادّے ایسے ہیں کہ جن تک خشک ہوا سے آگ کی شعاعیں گزر کر پہنچ جاتی ہیں اور اکٹھی ہو کر اُس سیال کو بھڑکا دیتی ہیں۔ مگر اس معاملے میں کہ نفط پیدا کیونکر ہو جاتا ہے بہت کچھ اختلاف رائے ہے ... یا یہ سیال شعلہ پرور کسی ایسی سرزمین کی پیداوار تو نہیں جو نہایت خشک و آتش ریز ہوتی ہے جیسی کہ فی المثل بابل کی زمین ہے جہاں انتہائے حرارت کی وجہ سے جوار کے دانے زمین سے خود بخود اُچھل کے باہر نکل پڑتے ہیں گویا ایک احتراق ہے جو زمین میں اختلاج اور ہلچل پیدا کر دیتا ہے۔ جب گرمی کی شدّت ہوتی ہے تو یہاں کے لوگ مشکوں یا کھالوں پر پانی بھر بھر کے سویا کرتے ہیں۔ ہرپالوس نے جو اس صوبے کا حاکم مقرر ہوا تھا، بڑی کوشش کی تھی کہ یہاں باغات میں اور محلوں میں یونانی درخت لگائے۔ اس میں اُسے کامیابی ہوئی مگر عشق پیچہ کی بیل کسی طرح سرسبز نہ ہو سکی کیونکہ وہ ایسی شے ہے جو سرد ملکوں ہی میں پھلتی ہے اور ایسی تپتی زمین کی تاب نہیں لا سکتی۔ لیکن بے صبر ناظرین ایسی غیر متعلق باتوں کو اُسی حالت میں قابل معافی سمجھیں گے جبکہ انھیں زیادہ طول نہ دیا جائے۔

[ل] میدیہ کو یونانی زمانۂ قدیم کی ایک ساحرہ جادوگرنی یا دیوی سمجھتے تھے وہ جاسن پر عاشق تھی اور جب اُس نے دوسری عورت (کری اُن کی بیٹی گلالیہ) سے دل لگایا تو میدیہ نے اپنی سوکن سے یہ طرح انتقام لیا۔ م

سوس کی تسخیر کے وقت سکندر کو محل شاہی میں چالیس ہزار تپئے ڈھلے ہوئے ٹیلنٹ ملے۔ لیکن گرانبہا اقمشہ اور بے حساب جواہرات اس کے سوا ہیں۔ انھیں میں پانچ ہزار ٹیلنٹ کی صرف ہرمیونی قنا ویز بھی کہ ایک سو نوّے سال سے وہاں رکھی تھی مگر خوش رنگی اور آبداری کے لحاظ سے بالکل تازہ معلوم ہوتی تھی۔ اس کا سبب یہ بیان کرتے ہیں کہ اُسے ترمزی رنگنے میں شہد سے کام لیا تھا اور سفید دھاریاں سفید تیل سے ڈالی تھیں جن کی وجہ سے ریشم کی چمک عرصہ دراز تک قائم رہتی ہے۔

دی نن نے یہ روایت بھی کی ہے کہ شاہی خزانے میں دریائے نیل اور ڈینیوب کا پانی بھی رکھا ہوا ملا۔ اسے ایرانی بادشاہ اپنی سلطنت کی عظمت و وسعت نمائی کی غرض سے منگوا کے محفوظ کرا دیا کرتے تھے۔ ایران خاص میں داخل ہونے کا راستہ نہایت دشوار گزار تھا اور اگرچہ دارا خود آگے بڑھ گیا تھا تاہم حملہ آوروں کو روکنے کے لئے شرفائے ایران جا بجا پہرہ دار تھے۔ لیکن سکندر کو حسن اتفاق سے ایک نیم یونانی رہبر مل گیا اور وہ پیشین گوئی جو بچپن میں اس کی نسبت کی گئی تھی کہ ایران میں اُسے ایک لیسیہ کا باشندہ لے جائے گا، حرف بہ حرف پوری ہوئی۔ کیونکہ اُسے جو رہبر ملا تھا وہ حقیقت میں ایرانی عورت سے شہر لیسیہ (یونان) کے کسی رہنے والے کا بیٹا تھا اور دونوں زبانیں بخوبی جانتا تھا۔ اسی کی بدولت سکندر کسی قدر چکر سے ملک میں داخل ہوا یہاں پہنچ کے بہت سے اسیران جنگ قتل کرادئے جن کا سبب خود لکھتا ہے کہ مجھے اس فعل سے بہت فائدہ پہنچنے کا یقین تھا۔ دیگر مال منقولہ کے علاوہ جو روپیہ یہاں لوٹ میں ملا اس کی مقدار بھی سوس کی رقوم خطیر سے کم نہ تھی۔ چنانچہ دس ہزار خچر اور پانچ ہزار اونٹوں کی جوڑیاں اس سامان کو لادنے کے واسطے کافی ہوئیں!

شاہی محل میں دیکھتے دیکھتے سکندر کی نظر زرکسیز کے بت پر پڑی جو سپاہیوں کے ہجوم اور اندر گھسنے کی ریل پیل میں نیچے گر گیا تھا۔ وہ رک کے کھڑا ہو گیا اور اس طرح جیسے

کسی زندہ سے مخاطب ہو گویا ہُوا کہ ہم تجھے یوں ہی سرنگوں پڑا رہنے دیں، کیونکہ تو نے کبھی یونان پر حملہ کیا تھا۔ یا تیری اور خوبیوں اور تیری عالی ظرفی کی یاد میں تجھے سیدھا قایم کر دیں؟ پھر تھوڑی دیر دل ہی دل میں کچھ سوچنے کے بعد اس نے اُسے پڑا ہی رہنے دیا اور بے التفاتی سے آگے بڑھ گیا۔ اس مقام میں سکندر نے موسم سرما بسر کیا اور چار مہینے تک اپنے فوجیوں کو آرام دیتا رہا۔ کہتے ہیں کہ جب پہلی دفعہ سکندر نے دارا کے تخت پر چتر زر کے سایہ میں جلوس کیا تو دماراطوس کورنتھی (جو فیلقوس کے دوستوں میں تھا اور سکندر کو بہت چاہتا تھا) زار و قطار رویا اور جیسی کہ بڈھوں کی عادت ہوتی ہے ہاتھ مَل مَل کے تاسّف کرنے لگا کہ کاش جنگ میں کام آجانے والے یونانی تجھے ایک مرتبہ ہی دیہیم خسروی پر جلوہ فگن دیکھکر خوش ہو لیتے!

یہاں سے سکندر نے دارا کے تعقب کا پھر ارادہ کیا لیکن روانگی سے پہلے خوب جشن کئے اور اپنے افسروں کے ساتھ شرابیں پیں بلکہ یہاں تک اجازت دی کہ جس کا جی چاہے اپنی محبوبہ کو پہلو میں بٹھا کے جلسے میں عیش و طرب کا لطف حاصل کرے۔ انھیں عورتوں میں بطلیموس کی (جو بعد میں مصر کا بادشاہ بن گیا تھا) معشوقہ طائیس بھی تھی۔ یہ عورت ایتھنز سے بطلیموس کے ساتھ آئی تھی اور بذلہ سنجی اور خوب روئی میں مشہور تھی۔ اس جلسہ میگساری میں رفتہ رفتہ وہ کھُل گئی اور باتوں باتوں میں کچھ سکندر کی ستایش اور کچھ تفنّن طریق سے وہ بات اُس نے کہی جو اگرچہ اس کے ہموطن اہل ایتھنز کی سرشت کے عین مطابق تھی تاہم خود اُس کے مُنہ پر زیب نہ دیتی تھی، یعنی کہنے لگی کہ آج مجھے اس صعوبت و تکلیف کا جو لشکر کے ساتھ ساتھ اتنی دور آنے میں اُٹھائی ہو کافی بدلہ مل گیا کہ میں شاہان ایران کے محلات میں بُلائی گئی اور اس لایق ہوئی کہ انھیں بے حقیقت سمجھوں۔ پھر اسی سلسلے میں سکندر سے کہنے لگی کہ میرا جی تو اُس وقت ٹھنڈا ہو جب تمھاری آنکھوں کے سامنے خود اپنے ہاتھوں اُس جابر کے قصر رفیع الشان میں ازرہ تفریح آگ لگا دوں جس نے

مدینۃ الحکما ایتھنز کو جلا کے خاک کر دیا تھا۔ یہ بھی ایک واقعہ یادگار رہے گا کہ سکندر کے ساتھ جو عورتیں آئی تھیں انھوں نے اپنے قومی مصائب کا خود یونانی سپہ سالاروں سے زیادہ شدید انتقام لیا!

طائیس کے یہ الفاظ زبان سے نکلتے ہی جتنے اُس صحبت میں تھے سب نے صدائے احسنت بلند کی اور اس کی تعریف کے ساتھ خود بھی ایسا شوق ظاہر کیا کہ اُن کا اس درجہ اشتیاق دیکھکر سکندر اپنی جگہ سے ایک دفعہ ہی اُٹھ کھڑا ہوا اور اس ہیئت میں کہ ایک پھولوں کا سہرا سر پہ دھرا تھا اور ہاتھ میں جلتی ہوئی مشعل تھی سب کے آگے ہو لیا۔ وہ سب بھی اُچھلتے کودتے چیختے چلاتے اور رقص کرتے ہوئے اس کے پیچھے ہوئے اور یہ منظر دیکھکر سارے مقدونوی سپاہی ایسے جوش میں آئے کہ انھیں کی طرح مشعلیں جلا جلا کے دوڑے اور خوشی خوشی اُن کا ہاتھ بٹانے لگے کیونکہ اس آتش افروزی کے معنی یہ تھے کہ سکندر کا اگر ارادہ ایرانیوں میں رہنے سہنے کا تھا بھی تو اب فسخ ہو گیا اور وہ عنقریب وطن کو مراجعت کرے گا۔ اور یہ امر یونانیوں کے عین منشا کے مطابق تھا۔ بہرکیف ایرانی محل میں آگ لگانے کا یہ قصہ ہے جسے بعض مورخوں نے تو اس طرح بیان کیا ہے اور بعض نے لکھا ہے کہ نہیں یہ کام سکندر نے کسی فوری جوش میں آکے نہیں کیا تھا بلکہ سوچ بچار کے دانستہ کیا تھا۔ وجہ جو کچھ بھی ہو اس میں شبہ نہیں کہ بعد میں جلد وہ اس حرکت پر پشیمان ہوا اور آگ بجھانے کا حکم دیا جو کہ سب مصنفوں کے نزدیک مسلم ہے۔

سکندر طبعاً سخی تھا۔ جوں جوں اس کی دولت و ثروت میں اضافہ ہوا اس کی سخاوت بھی بڑھتی گئی، اور اُس حسنِ عطا میں بھی وہ منجھتا گیا جس کی وجہ سے آدمی کی داد و دہش میں ایک نئی شان اور نیا لطف پیدا ہو جاتا ہے اور دینے والے اور لینے والے دونوں کو حقیقت میں اس کا مزا آتا ہے چنانچہ اس قسم کی دو ایک مثالیں میں یہاں تحریر کرتا ہوں۔

اہل پیونیہ کے فوجی دستے کا کپتان ارستان تھا اس نے ایک مرتبہ کسی دشمن کو مارا اور سر سکندر کے پاس بطور نذر لا کے کہا کہ میرے ملک میں ایسے تحفے کا صلہ سونے کا پیالہ ہوتا ہے

سکندر نے مسکرا کے جواب دیا "ہاں وہاں تو خالی پیالہ ہوتا ہوگا مگر میں جس میں تمہارا جامِ صحت پیتا ہوں وہی جامِ زر شراب سے بھر کے تمھیں انعام دیتا ہوں!"

اسی طرح ایک بار جب فوج کے پیادے خچروں پر شاہی خزانے لادے ہوئے لے جا رہے تھے ایک سپاہی کا خچر تھک گیا اور سپاہی نے اس کا بوجھ خود اپنی کمر پر لاد کے چلنا شروع کیا اس حال میں سکندر نے اُس کو دیکھا اور لوگوں سے پوچھنے لگا کہ یہ کیا شے ہے جس کے نیچے یہ دبا جاتا ہے؟ انھوں نے اصلی سبب بیان کیا اور عین اس وقت جب غریب سپاہی اپنا بار نیچے رکھکر ذرا سستانا چاہتا تھا سکندر نے اُس سے کہا "ابھی ہمت نہ ہارو بلکہ لشکرگاہ تک اسی طرح چلے چلو اور اس بوجھ کو اپنے ہی خیمے میں لے جانا۔ یہ تمہارا مال ہے"

مانگنے والوں سے سکندر کبھی اتنا ناخوش نہ ہوتا تھا جتنا کہ اُن لوگوں سے جو اس کی دی ہوئی چیز پھیر دیں۔ اسی بنا پر اس نے فوشیاں کو ایک مرتبہ لکھا تھا کہ اگر میرے تحفے تم نے نہ لئے تو میں تمھیں آیندہ سے اپنا دوست نہ سمجھوں گا۔

سراپیاں نام ایک نوجوان اُس کے ساتھ چوگان کھیلا کرتا تھا۔ اس کی عادت تھی کہ وہ اپنی زبان سے کبھی کوئی شے طلب نہ کرتا تھا۔ سکندر نے بھی اُس کو کسی قسم کا انعام اکرام نہ دیا تھا آخر ایک روز جبکہ سراپیاں کے کھلانے کی باری آئی تو اُس نے گیند دوسروں کی طرف دینی شروع کی اور سکندر کو دانستہ اس سے محروم رکھا۔ یہاں تک کہ اُس سے رہا نہ گیا اور کہنے لگا کہ میری جانب گیند تم کیوں نہیں پھینکتے؟ نوجوان کھلاڑی نے جواب دیا۔ "اس لئے کہ آپ نے مانگی نہ تھی!" سکندر بہت خوش ہوا اور پھر اس پر ہمیشہ اپنی جود و سخا کا مینہ برساتا رہا۔

پروتیاس ایک شرابی، خوش طبع اور یار باش آدمی تھا۔ سکندر اس سے کسی وجہ سے ناراض ہوگیا۔ پروتیاس نے دوستوں کی معرفت سفارشیں کرائیں خود آنسو بہا بہا کے معافیاں مانگیں حتیٰ کہ سکندر من گیا اور کہنے لگا کہ ہماری تمہاری اب صفائی ہوگئی مگر پروتیاس کے لئے فقط اتنا کہنا کافی نہ تھا وہ کہنے لگا "مجھے اس وقت تک کہ آپ کوئی قول نہ دیں اس صفائی کا

اعتبار نہیں آتا"۔ سکندر اس کا مطلب سمجھ گیا اور پانچ ٹیلنٹ دیئے جانے کا حکم دیا۔ اپنے دوستوں اور نوکروں چاکروں سے اس کی شاہانہ بذل وعطا کا حال اس کی ماں اولم پیاس کے ایک خط سے معلوم ہوتا ہے جس میں اُس نے ٹوکا ہے کہ فیاضی اور انعام اکرام کی بھی حد ہوتی ہے ایسا زیادہ خرچ کرنا کسی طرح مناسب نہیں۔ وہ لکھتی ہے کہ "تم انھیں بادشاہوں کے برابر بڑھائے دیتے ہو کہ رسوخ اور موقع پاکے وہ اپنے گرد لوگوں کو جمع کرلیں اور تم خود اکیلے رہ جاؤ!" اس قسم کی نصحت وتنبیہ وہ اکثر اپنے خطوں میں کرتی رہتی تھی مگر وہ انھیں اپنے ہی تک رکھتا تھا اور کبھی کسی سے ان کا ذکر نہ کرتا تھا البتہ جب کبھی خط کھلنے کے موقع پر اس کا عزیز دوست ہفس شیان موجود ہوتا تو سکندر کی عادت تھی کہ اسے اپنے ساتھ پڑھنے کی اجازت دیتا تھا۔ مگر خط کے ختم ہوتے ہی وہ اپنی انگشتری انگلی سے اتار کر ہفس شیان کے لبوں پر مہر دیتا تھا!

دارا کا سب سے بارسوخ درباری مارتیوس تھا اور اس کا بیٹا ایک صوبے پر حکمرانی کرتا تھا۔ سکندر نے اُسے ایک اور ولایت پہلی سے زیادہ وسیع حکومت میں مرحمت کی۔ مگر اس نے بکمال محجوبی اس کے قبول کرنے سے انکار کیا اور عرض کی کہ اگر یہی سلسلہ قایم رہا تو بادشاہ کو ایک دارا کی جگہ کئی سکندروں سے سامنا کرنا پڑ جائے گا۔

پارمینو کو سکندر نے باگوس کا گھر بخش دیا تھا جس کے توشک خانے میں صرف کپڑا ایک ہزار ٹیلنٹ سے زیادہ کا تھا۔

اپنے دوست انٹی پاٹر[1] کو اُس نے یہ محبت بھرا حکم لکھکر بھیجا تھا کہ ایک دستہ خاص اپنے لئے پاسبانوں کا مقرر کرو تاکہ سازش کرنے والوں کی شرارت سے تمھیں بچا سکیں۔

سکندر اپنی ماں کو ہمیشہ بکثرت تحائف بھیجتا رہتا تھا لیکن معاملات سلطنت یا جنگ وصلح کے مسئلوں میں کبھی گوارا نہ کرتا تھا کہ وہ کسی قسم کا دخل دے چنانچہ اسی بات پر وہ اُس سے ناراض

---

[1] انٹی پاٹر وہ امیر ہے جسے سکندر مقدونیہ میں اپنا جانشین چھوڑ گیا تھا۔۱۲

ہو گئی۔ اس وقت سکندر نے اگرچہ اپنے اصول کو ہاتھ سے نہ دیا مگر اُس کی بدخوی اور طیش وغضب کو بڑے صبر کے ساتھ برداشت کیا۔ یہاں تک کہ جب انٹی پاٹر نے ایک طویل خط میں اس پر بہت سے الزام لگائے اور اس کی زیادتیوں کا شکوہ کیا تو سکندر کہنے لگا "انٹی پاٹر اتنا نہیں جانتا کہ ماں کی آنکھ کا ایک آنسو ایسی ایسی ہزار تحریروں کو مٹا دینے کے لئے کافی ہی!"

لیکن تھوڑے ہی دن میں سکندر کو نظر آیا کہ اس کے رفقا کی عیش پسندیاں اور اسراف حد سے بڑھ چلا چنانچہ ہیگ نن نے جوتی میں چاندی کے نعل لگوائے یا لیوناطوس نے اونٹوں کی ڈاک بٹھا دی محض اس لئے کہ مصر سے اُبٹنا لایا کریں تاکہ جب وہ کشتی کر چکے تو اس کے بدن پر ملا جائے، یا فلوطاس نے شکار کے جال تیار کرائے جو ہزاروں گز لمبے تھے۔ اور یہ تو عام طور پر ہونے لگا کہ معمولی تیلوں کی بجائے وہ نہاتے وقت قیمتی قیمتی عطر لگانے لگے یا جہاں کہیں جاتے نوکروں کی ایک بھیڑ کی بھیڑ ساتھ چلتی کہ گرد وغبار کپڑوں پر سے پاک کیا کرے اور احکام کی منتظر کھڑی رہی۔ غرض اسی قسم کی باتیں بہت سی تھیں جن پر سکندر نے نرمی اور معقولیت کے ساتھ انھیں تنبیہ شروع کی اور بار بار یاد دلایا کہ سچا عیش انھیں کا حصہ ہی جو مشقت کرتے ہیں۔ دیکھو آرام کی میٹھی نیند وہی لیتے ہیں جو آپ اپنا کام کریں نہ کہ دوسروں سے کرائیں۔ پھر وہ ایرانیوں کی مثال دے کے کہنے لگا کہ کیا تم اس بات کو اتنی جلدی بھول گئے کہ نفس پروری اور شہوت پرستی، بدترین غلامی اور انتہائی فرومائگی ہے حالانکہ ہمارے یونانی طریق زندگی میں سب سے بڑی شرافت اور بادشاہی اُس کی ہی جو سب سے زیادہ محنت اُٹھا سکے اور تمام صعوبتیں بخندہ پیشانی جھیلے! اسی سلسلے میں سکندر اُن سے تعریضاً پوچھنے لگا کہ بھلا جو شخص سپاہی ہونے کا دعویٰ رکھتا ہو اُسے اپنے گھوڑے کی نگہداشت اور تلوار اور زرہ کا چمکدار رکھنا پسند آئے گا یا اس شے کی پرورش کی دُھن میں رہنا جو اس کے ہاتھ سے قریب ترین ہے یعنی جسم؟ وہ کہنے لگا "کیا ہنوز تمھیں یہ بات بتانی باقی رہی کہ ہماری فتوحات کی سب سے

بڑی غایت اور تکمیل یہ ہی کہ اُس قوم کی بُرائیوں اور نقائص سے عبرت حاصل کریں اور بچیں جسے خود ہم نے مغلوب اور زیر نگیں کیا ہی؟"

اور سکندر نے ان نصیحتوں کو زبانی باتوں تک محدود نہ رکھا بلکہ اپنی عملی مثال سے لوگوں میں مشقت پسندی کی روح پھونکنی چاہی اور پہلے سے زیادہ جوش و شوق کے ساتھ شکار اور جنگی ورزشوں میں وقت صرف کرنے لگا۔ سختیاں جھیلنے کا یا خطرے میں پڑنے کا وہ کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتا یہاں تک کہ اسپارٹا کا ایک سفیر جو اس کے دربار میں آیا ہوا تھا اس کے سپاہیانہ کام دیکھکر دنگ رہ گیا اور جب ایک دن شکار میں سکندر نے ایک زبردست قوی جُثّہ شیر سے مقابلہ کرکے اُسے زیر کیا تو سفیر مذکور نے کہا کہ واقعی تم شیر سے خوب لڑے اور تم دونوں میں بادشاہی تمہارا حق ہی!

اسی واقعہ کی کراتی روس نے تصویر بنوائی ہے جس میں سکندر شیر سے لڑ رہا ہے اور خود کراتی روس اس کی مدد کو لپکا ہوا آرہا ہی یہ سب شکلیں کچھ لی سپس کے ہاتھ کی ہیں اور باقی لوکارس نے پیتل کی بنائی ہیں اور اپالو کے مندر ڈیلفی میں ہدیتہً بھیجدی گئی تھیں۔ ان خطرات میں اپنے کو ڈالنے کی غرض یہ تھی کہ خود عادی رہنے کے علاوہ سکندر اپنے رفقا کو بھی چاہتا تھا کہ اس کی تقلید میں قابل تعریف اور شجاعت کے کاموں میں زیادہ حصہ لیا کریں۔ لیکن وہ اب ایسے مالدار اور اپنی دولت پر اتنے مغرور ہو گئے تھے کہ ان سپاہیانہ کاموں کی طرف ذرا التفات نہ کرتے تھے اور نئی فتوحات یا مہمات جنگی کے سب خیالات و عزائم بالائے طاق رکھ کے عیش و نشاط میں مستغرق تھے انہی بے فکریوں میں بعض تو یہاں تک بڑھے کہ خود سکندر پر طعن و تمسخر کرنے لگے حالانکہ وہ ان کی محبت و تکریم میں کبھی کمی نہ کرتا اور ہر موقع پر ان کی دل داری کا خیال رکھتا تھا چنانچہ پوقس طس کو جب ریچھ نے کاٹ کھایا اور اس کی خبر سکندر کو ہوئی تو اس نے بڑی شکایت لکھی کہ تم نے سب کو خط لکھے مگر مجھے اپنے حال سے اطلاع نہ دی۔ اور لکھا کہ جو کچھ ہوا سو ہوا مگر اب مجھے ضرور لکھو کہ تمہاری طبیعت کیسی ہی اور خطرے کے وقت تمہارے ساتھ والوں نے تو نمک حرامی

نہیں کی کیونکہ اگر کوئی تمھیں اُس وقت چھوڑ کے بھاگ گیا ہو تو مجھے لکھو میں اُسے سزا دوں گا"۔

ایک مرتبہ ہفس شیاں کو جو کسی کام پر باہر گیا ہوا تھا، سکندر نے یہ اطلاع بھیجی کہ منس (مصری گیدڑ) کا شکار کھیلنے میں سوء اتفاق سے پردکاس کی برچھی کراتی روس کے لگ گئی اور دونوں رانوں میں زخم آیا (جس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اپنے ماتحتوں سے اس کے تعلقات کیسے بے تکلف اور عزیز دوستوں کے سے تھے)۔

اسی طرح جب بوقس طس نے کسی مرض سے شفا پائی تو سکندر نے اس کے طبیب کو شکریہ کا خط لکھا۔

کراتی روس کی بیماری میں اُسے کوئی خواب دکھائی دیا تو اُس نے اُٹھتے ہی بکرے کی قربانی کرائی اور اُسے بھی اسی قسم کی قربانی کے واسطے لکھا۔ نیز اس کے طبیب کو تاکید لکھی کہ خبردار مسہل دوا بڑی احتیاط سے دینا۔ جس سے معلوم ہو کہ اُسے اپنے دوست کی بیماری کا کیسا خیال ہے؟ ساتھ ہی اُسے اُن کی نیک نامی کا بھی خاص لحاظ تھا چنانچہ جب دو شخصوں نے سب سے پہلے آکر اطلاع دی کہ ہرپالوس فوج میں سے نکل کے فرار ہو گیا ہے تو سکندر نے اسے اتہام سمجھا اور خبر لانے والوں کو فوراً قید کرا دیا۔

جس زمانے میں وہ اپنے سن رسیدہ اور زیادہ ضعیف سپاہیوں کو وطن بھجوا رہا تھا ایگی کے باشندے یوری لوگس نے اپنے کو بیمار لکھوا دیا اور بہانے سے نکل جانا چاہا حالانکہ وہ بالکل تندرست اور مضبوط تھا۔ چنانچہ یہ بات کھل گئی اور دریافت کرنے پر اس شخص نے بھی اقرار کیا کہ ایک عورت کی محبت ہے جو مجھے کھینچے لئے جاتی ہے ورنہ علالت کا محض حیلہ ہے۔ تب سکندر نے پوچھا کہ وہ عورت کون اور کس خاندان سے ہے اور جب سُنا کہ گھر ستن نہیں بلکہ ایک آزاد رنڈی ہے جس کا فراق یوری لوگس کو بیتاب کئے دیتا ہے تو اس سے کہنے لگا کہ اگر روپے سے یا فہمایش کا کام ہو تو تمہاری مدد کو حاضر ہوں لیکن ان تدبیروں سے تمہاری معشوقہ نہ آسکے تو پھر مجبوری ہے کیونکہ وہ بھی ایک آزاد شہری کی حیثیت رکھتی ہے"۔

غرض بہت سی مثالیں ہیں جن سے تعجب ہوتا ہے کہ وہ ایسی چھوٹی چھوٹی باتوں کا اور اپنے دوستوں کے نوکروں تک کا کس درجے خیال رکھتا تھا۔

بیان کرتے ہیں کہ اول اول جب نگیں جرایم کی روئیداد سماعت کرنے بیٹھتا تو جب تک کہ مستغیث یا الزام دہندہ جرم کی کیفیت سُناتا اس وقت تک سکندر ایک کان پر ہاتھ دھرے رہتا تھا۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ ایک کان بالکل ملزم کی جانب سے صاف رہے اور اُس کی بُرائی دل میں نہ جم جائے۔ مگر بعد میں جب بکثرت الزامات صحیح نکلنے لگے تو رفتہ رفتہ اس کا نرم دل سخت ہو گیا اور پھر تو اُس نے ایسی زیادتی پر کمر باندھی کہ بارہا بے گناہوں کو سزائیں دیں اور جس چیز سے وہ خاص طور پر برافروختہ ہوتا تھا وہ تو داس کی ذاتی مذمت کی خبریں تھیں یعنی جوہیں سُنتا کہ کسی نے اس کی مذمت کی وہ اکثر آپے سے باہر ہو جاتا اور نہایت ظالمانہ سزائیں دینی روا رکھتا تھا گویا اپنی زندگی اور سلطنت سے بھی سوا اسے اپنے نام نیک کا پاس تھا اور کسی طرح گوارا نہ تھا کہ اس کی ذات پر کوئی معترض زبان کھولے۔

اب سکندر جیسا کہ ہم لکھ رہے تھے، دارا کے تعقب میں روانہ ہوا اُمید یہ تھی کہ شاید مغرور دشمن سے پھر کوئی مقابلہ ہو۔ لیکن تھوڑے ہی عرصے میں خبر ملی کہ اُسے بیسوس[1] نے پکڑ کے قید کر لیا ہے۔ تب اُس نے اپنا ایک حصۂ فوج جس میں تھسالیہ کے سپاہی تھے، وطن کو واپس کر دیا اور ان کی تنخواہوں کے علاوہ دو ہزار ٹیلنٹ کی معقول رقم بطور انعام تقسیم کی۔ اس تعقب میں جو پیاپے گیارہ دن تک کیا گیا تھا اور جس میں اُس نے تینتیس سو فرسنگ (یا سوا چار سو میل) کی مسافت طے کی، فوج والوں کو سخت کوفت اُٹھانی پڑی، بالخصوص پانی کی نامیسری سے بہت لوگ ہمت ہار بیٹھے اور کہتے تھے کہ اس تعصب سے ہاتھ اُٹھا لینا چاہیے لیکن اسی مصیبت کے عالم میں یہ واقعہ پیش آیا کہ چند مقدونوی دوپہر کے قریب خچروں پر پانی کی پکھالیں لے کے پہنچے اور سکندر کو پیاس سے بیتاب دیکھ کے ایک خود میں پانی بھر کر

[1] یونانی مؤرخ اسکو دولت ایران کا ایک صوبہ دار بتاتے ہیں۔

اس کے سامنے پیش کیا۔ اُس نے دریافت کیا کہ یہ پانی کس کے واسطے لائے اور کہاں لے جا رہے تھے انھوں نے کہا کہ اپنے بچّوں کے واسطے۔ مگر وہ سب ایک زبان ہو کے کہنے لگے کہ اگر اُس اکیلے کی جان بچ جائے اور وہ بچّے سب ہلاک بھی ہو جائیں تو کچھ مضایقہ نہیں کہ یہ نقصان پھر بھی پُورا ہو سکتا ہے۔ تب سکندر نے پانی بھرا خود اپنے ہاتھ میں لیا اور ایک نظر ان پیاسے سپاہیوں پر ڈالی جو چاروں طرف العطش العطش پکار رہے تھے اور اس پانی کو بڑی للچائی ہوئی نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ پھر اُس نے پانی لانے والوں کا شکریہ ادا کر کے جوں کا توں وہ خود واپس کر دیا اور ایک قطرہ تک پانی کا مُنہ کو نہ لگایا۔ "کیونکہ" اس نے کہا "اگر میں اکیلا سیراب ہو جاؤں گا تو باقی سب کی دلشکنی ہو گی۔"

جب سپاہیوں نے یہ ایثار دیکھا تو ہم آہنگ ہو کے چلّائے کہ بادشاہ کی عمر دراز ہو۔ ہم اس کے ساتھ جہاں وہ لے جائے جانے پر دل وجان سے آمادہ ہیں۔ اور اپنے گھوڑوں کو چابک مار کے تیز تیز چلانے لگے۔ کیونکہ وہ آپس میں کہنے لگے کہ جب تک ہمارا بادشاہ سکندر جیسا شخص ہو ہم بھوک پیاس اور تھکن کی کچھ بھی حقیقت نہیں سمجھتے اور تمام انسانی تکلیفات سے بے پروا اور خود موت سے بے خطر ہیں! مگر سپاہیوں کی اس پامردی کے باوجود، سنا ہے کہ صرف ساٹھ سوار ایسے تھے جن کے گھوڑے آخر تک سکندر کا ساتھ دے سکے اور دشمن کے خیمہ گاہ پر اس کے ہمراہ حملہ آور ہوئے۔ خیمہ گاہ میں وہ جس وقت گھُسے تو بھاگڑ پڑ گئی تھی۔ زر وجواہر راستے میں ہر طرف بکھرے ہوئے تھے اور رتھوں میں سینکڑوں عورتیں ادھر اُدھر ماری ماری پھرتی تھیں مگر رتھ بان مُیسّر نہ آتا تھا۔ سکندر اور اس کے ساتھیوں نے چاہا کہ سب سے پہلے بھاگنے والوں کو جس طرح ممکن ہو روکیں کہ انھیں گروہوں میں دارا کے ہونے کی اُمید تھی۔ لیکن بڑی جد وجہد اور ہزار دقتوں کے بعد آخر دارا ملا بھی تو ایک رتھ میں دم توڑتا ملا۔ اس کا بدن تیروں کے زخموں سے چھلنی تھا اور وہ کوئی دم کا مہمان معلوم ہوتا تھا۔ تاہم اُس نے پانی اُن سے مانگا اور جب پولی ٹراٹس نے ٹھنڈا پانی اُسے پلایا تو وہ پی کر کہنے لگا کہ اے بھی

میری انتہائی بدقسمتی اور بے بسی سمجھنا چاہیئے کہ لوگ میرا کام نکالیں اور میں اس کا صلہ انھیں نہ دے سکوں "۔ لیکن بے شبہ تمہاری اس انسانیت اور نیکی کا انعام سکندر میری جانب سے تمھیں ضرور دے گا۔ اُسی نے میری بیکس ماں بیٹیوں پر ترس کھایا تھا اور انھیں پناہ دی تھی۔ خدا اس کو اس مہربانی کی جزائے خیر دے۔ اور اُس سے کہہ دینا کہ اس کے احسان کے اعتراف میں یہ اپنا دایاں ہاتھ میں اُس کے ہاتھ میں دیتا ہوں "۔ پھر سیدھا ہاتھ پولی ٹرائٹس کے ہاتھ میں دے کر وہ جاں بحق تسلیم ہوگیا۔ جب سکندر اس جگہ آیا اور دارائے ایران کو اپنے سامنے مُردہ دیکھا تو بہت غمگیں ہوا اور اپنا چُغہ اُتار کے اس کی نعش پر اُڑھا دیا۔ پھر تھوڑے دن بعد جب بیسوس گرفتار ہو کے آیا تو اس نے نہایت بُری طرح اس کو ٹکڑے ٹکڑے کرایا۔ جس کی صورت یہ تھی کہ دو درختوں کے گدّے اس قدر جُھکائے کہ ایک دوسرے سے مل گئے۔ پھر بیسوس کی ایک ٹانگ اور ہاتھ کس کے ایک درخت سے بندھوا دیا اور دوسری ٹانگ اور ہاتھ دوسرے سے۔ اس کے بعد اُن گدّوں کو چھوڑ دیا کہ بڑے زور سے وہ اپنی اپنی جگہ لوٹ گئے اور وہ بدنصیب قیدی کا آدھا آدھا دھڑ چیرتے ہوئے اپنے ساتھ لے گئے جو اُن سے بندھا ہوا تھا۔ دارا کی میت شاہانہ تزک واحتشام سے اُٹھوائی گئی اور اُس کی حیثیت کے مطابق ساز و سامان کے ساتھ اس کی ماں کے پاس (تابوت میں) بھجوا دی گئی۔ دارا کے بھائی اکشاتریس کو سکندر نے مورد عنایات بنایا اور اپنے خاص دوستوں میں شامل کر لیا۔

اس کے بعد سکندر اپنی فوج کا منتخب حصّہ لے کے ہرکانیہ (سمرقند و بخارا) کی سمت بڑھا اور یہاں وہ سمندر کی جھیل دیکھی جو باحوال ظاہر طول و عرض میں بحر اسود سے کسی طرح کم نہ تھی۔ لیکن پانی اُس کا تمام سمندروں سے زیادہ شیریں تھا۔ سکندر کو تحقیق کے باوجود اس کا اصل حال معلوم نہ ہو سکا اور اس نے یہ فیصلہ کیا کہ غالباً یہ جھیل میوٹس کی شاخ ہے۔ مگر واضح رہے کہ علمائے طبیعات اس کے حال سے خوب واقف تھے اور سکندر کی مہم سے سالہا سال پیشتر اس کا انھوں نے ذکر کیا ہے کہ سمندر کی اُن چار خلیجوں میں جو برّاعظم کے اندر تک چلی گئی ہیں

یہ جسے بحیرۂ خزر یا بحیرہ ہرکانیہ کہتے ہیں، سب سے شمالی خلیج ہے۔

اسی نواح میں وحشی ملیچھوں نے ناگہانی طور پر ان آدمیوں کو گرفتار کر لیا جو سکندر کے عزیز گھوڑے بوسی فلس کی نگرانی پر مقرر تھے۔ اور انھیں کے ساتھ اس گھوڑے کو بھی پکڑ کر لے گئے۔ اس خبر پر سکندر اس درجے برآشفتہ ہوا کہ نقیب کے ہاتھ انھیں کہلا بھیجا کہ اگر گھوڑا صحیح سلامت واپس نہ دیا تو میں تمہاری ساری قوم کو زن و بچہ سمیت فنا کر دوں گا اور ذرا رحم نہ کھاؤں گا۔ مگر ان لوگوں نے یہ نوبت آنے سے پہلے سکندر کا گھوڑا اس کے حوالے کر دیا اور ساتھ ہی اپنی بستیاں بھی اس کے اختیار میں دیدیں جس سے سکندر خوش ہو گیا اور نہ صرف اُن کے ساتھ بکمال ملاطفت سے پیش آیا بلکہ اُن کو جو اس کے گھوڑے کو پکڑ کے لے گئے تھے فدیہ بھی ادا کیا۔

یہاں سے سکندر پارتھیہ (ترکستان) کی طرف روانہ ہوا اور یہیں فرصت کے زمانے میں اس نے پہلی مرتبہ غیر ملکی لباس زیب بدن کیا۔ جس کا منشا عجب نہیں جو یہ ہو کہ وہاں کے باشندوں میں یونانی تہذیب زیادہ سہولت کے ساتھ رواج پائے کیونکہ لوگوں کو اپنی طرف کھینچنے کی سب سے بہتر تدبیر یہی ہے کہ ان کی رسوم و معاشرت کے مطابق آدمی اپنے کو بنائے، لیکن اس کے علاوہ ایک وجہ اس تبدیلی کی یہ بھی ممکن ہے کہ سکندر اپنے آدمیوں کو آزمانا چاہتا تھا کہ آیا وہ ایرانی تاجداروں کی وضع قطع اختیار کرے تو ان کی رعایا کی طرح یہ لوگ بھی اس کی پرستش پر آمادہ ہو جائیں گے یا نہیں؟ تاہم اس نے یک بیک اپنے تئیں ایرانی معاشرت کا پورا پابند کر لینا پسند نہیں کیا۔ اور نہ اُن کا جامہ نیم آستیں اور سُبحہ (تاج نما حلقہ) اپنے لباس میں داخل کیا۔ اس نے ایک بین بین طریق اختیار کیا جو نہ تو یونانیوں جیسا سادہ تھا نہ ایرانیوں کا سا زرق برق۔ بلکہ ان دونوں کے وسط میں تھا۔ اوّل اوّل وہ یہ لباس صرف اُس وقت پہنتا جب کہ غیر ملکیوں سے گفتگو یا ملاقات کرنی ہوتی یا فقط رازدار دوست اور مصاحب موجود ہوتے۔ مگر بعد ازاں وہ اسی کو پہنے پہنے باہر بھی نکلنے لگا اور عام درباروں اور سواری کے موقعوں پر بھی اسی لباس میں نظر آنے لگا۔ جس سے مقدونیہ والوں کو یک گونہ رنج ہوتا تھا۔ لیکن وہ

اُس کی دوسری صفاتِ پسندیدہ کے اس قدر گرویدہ تھے کہ ایسی معمولی کمزوریوں کو نظرانداز کرنا ہی مناسب سمجھتے تھے۔ اور جانتے تھے کہ اس میں نمود و خود آرائی کے ساتھ وہ ایک قسم کی شوکت نمائی کرتا ہے۔ چنانچہ اسی دُھن میں اور جوکھوں کے علاوہ اُس نے اُسی زمانے میں اپنی ٹانگ پر تیر بھی کھایا جس نے ہڈّی کو اس طرح توڑا تھا کہ اُس کے ٹکڑے نکالنے پڑے تھے۔ یا ایک موقعہ پر گدّی پر ایک پتھر اُس کے ایسا زور سے لگا کہ اس کی وجہ سے بہت دن تک بینائی میں فرق آگیا۔ لیکن یہ سب تکلیفات سہنے کے باوجود وہ اُسی طرح بلا تامل اپنے تئیں خطروں میں ڈال دیتا تھا۔ یہاں تک کہ جب دریائے سیحون کو اُس نے (تنائی سمجھکر) عبور کیا اور ترکمانوں کو مار کے بھگا دیا تو گو وہ اسہال کے مرض سخت میں مبتلا تھا پھر بھی سو فرلانگ سے زیادہ دور تک برابر ان کا پیچھا کرتا رہا۔

اسی مقام پر بہت سے مصنفوں کا بیان ہی کہ اُس کی ملاقات کو جنگی عورتیں (امیزنز) آئیں۔ کلی ٹارکس، پولی کلیٹس، اونی سک ریٹس، انٹی جینیس، اور اسطرا اس روایت کے راوی ہیں۔ مگر ارسطا ئبس اور چارِس جو سکندری دربار میں عارض (درخواست گزار یا محرر پیشی) کے عہدہ پر ممتاز تھے اس کو بالکل بے سر و پا فسانہ بتاتے ہیں اور بطلیموس، انٹی کلیڈس، فیلان تھیبی اور فیلقوس بھی انھیں کے ہمراہ ہیں۔ بلکہ درحقیقت خود سکندر نے موخرالذکر راویوں کی بالواسطہ تصدیق کی ہے یعنی اُس خط میں جو انٹی پاٹر کو اُس نے یہاں کے متعلق لکھا ہی، وہ ان غیر معمولی عورتوں کا مطلق کوئی ذکر نہیں کرتا اگرچہ یہ اس نے لکھا ہی کہ شاہِ ترکمانان اپنی بیٹی اُسے دینا چاہتا تھا۔ اور کئی سال کے بعد جب اونی سک رٹس نے اپنے مقالہ چہارم میں سے یہ کہانی لقوماجیس کو پڑھکر سنائی (جو اس وقت سکندر کے جانشین ملوک طوائف میں سے تھا) تو وہ ہنس کے کہنے لگا کہ "میں اُس وقت کہاں تھا؟" (مطلب یہ کہ میں تو سکندر کی مہم میں اس کے ہمراہ تھا مجھے یہ واقعہ کیوں نہ معلوم ہوا؟) بہرحال اس کی صحت و عدم صحت سے سکندر کو کچھ علاقہ نہیں ہی۔ یہ بات البتہ متحقق ہے کہ

مقدونیہ والوں کو مضمحل اور لڑائی سے بے دل دیکھکے اُس نے صرف بیس ہزار پیادہ اور تیس ہزار سوار اپنے ساتھ کے لیے چُن لیے تھے۔ باقی سب کو اپنے قیام گاہوں میں چھوڑکر وہ ہرکانیہ میں انھیں تیس ہزار سپاہیوں کو لایا تھا اور انھیں کے روبرو اُس نے ایک تقریر کی تھی۔ جس کا مفہوم یہ تھا کہ ابھی تک پردیسیوں نے ہم کو بالکل اس طرح دیکھا ہے جیسے کوئی خواب میں کسی کو دیکھتا ہو۔ اور اگر اب ہم اپنے گھروں کو لوٹنے کا ارادہ کریں گے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ ایشیا کو چونکا کے بھاگ گئے۔ کیونکہ حقیقت میں ایشیا کی تسخیر ابھی تک ہم نے نہیں کی ہے پس ایسے وقت میں واپس ہوگئے تو ہمارے دشمن یقیناً پلٹ پڑیں گے اور ہمارا پیچھا اس طرح کریں گے جیسے کوئی عورتوں کا کرتا ہو! لیکن اُس نے یہ آخر میں اور بڑھا دیا کہ میں تمھاری منشا کے خلاف تمھیں مجبور کرنا نہیں چاہتا اور جن کا جی چاہے وہ واپس جاسکتے ہیں، البتہ میں اس رائے کا مخالف ہوں اور یہ ضرور کہوں گا کہ جب میں اہلِ مقدونیہ کو سارے عالم کا بادشاہ بنانے لے چلا تو انھوں نے عین وقت پر ساتھ چھوڑ دیا اور میرے پاس چند احباب یا رضاکار سپاہیوں کے سوائے کوئی ساتھ دینے والا باقی نہ رہا۔"

یہ ساری تقریر تقریباً لفظ بہ لفظ اُس خط سے ہم نے نقل کی ہے جو خود سکندر نے انٹی پاٹر کو لکھا تھا۔ اسی میں وہ کہتا ہے کہ اس کا اثر خاطر خواہ ہوا۔ اور تمام حاضرین نے باوازِ بلند، جہاں وہ لے جائے ساتھ چلنے کا عہد و پیماں کیا۔ یہ لوگ رضامند ہوگئے تو اوروں کو رضامند کرلینا کچھ دشوار نہ تھا۔ اور وہ خود ہی اپنے سے بہتر سپاہیوں اور افسروں کی تقلید پر تیار ہوگئے، اب سکندر نے اس ملک کے لوگوں سے میل جول بڑھانا شروع کیا اور ان کے طور طریق اختیار کرکے انھیں خود اپنے یونانی رسم و رواج کے قریب لے آیا۔ اس میں حکمت یہ تھی کہ اگر یہ لوگ بہ اچھی طرح مانوس اور ان کی وفاداری بھروسے کے لایق ہوجائے تو پھر آگے بڑھنا نسبتاً غیر مخدوش اور سہل ہوگا۔ کیونکہ اپنے وطن سے اتنی دُور نکل جانا درحقیقت

اس وقت تک کہ یہ کا راستہ صاف ہو کسی طرح درست نہ تھا پس سکندر نے دانشمندی سے یہاں کے باشندوں کو زور وجبر کے بجائے لطف وعنایت سے اپنا بنانے کی کوشش کی اور تیس ہزار لڑکوں کو بھی چھانٹ کر یونانی معلموں کی نگرانی میں دیا کہ یونانی زبان اور قواعد جنگ سکھائیں۔ رہی وہ شادی جو اُس نے روشنک (رکسانا) کے ساتھ کی جسے معلوم ہوتا ہے کسی تقریب میں رقص کرتے دیکھکر وہ فریفتہ ہو گیا تھا۔ تو دراصل معاملہ عشق ومحبت کا تھا لیکن مناکحت ایسے موزوں وقت پر عمل میں آئی کہ اس سے دوسرا مطلب بھی خود بخود نکل آیا۔ یعنی مفتوح لوگ یہ دیکھکر کہ سکندر جیسا ضابط شخص انھیں کی قوم کی ایک خاتون پر والہ وشیدا ہو گیا ہے (مگر اس کے باوجود اُس نے جب تک قانون وقاعدے کے بموجب اُس کے اہل خاندان سے اجازت نہ لے لی، وہ اپنی معشوقہ کو زوجیت میں لینے سے باز رہا) بہت مطمئن اور مسرور ہو گئے۔ اور اپنے کو یونانیوں سے اور زیادہ قریب سمجھنے لگے؛
سکندر کے دوستوں میں ہفس شیاں اور کراتیروس خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ان میں سے ایک تو اپنے مہربان آقا کی ہر بات میں تقلید کرتا تھا اور اُس کی نئی طرز معاشرت میں اُس کا شریک تھا مگر دوسرا اپنے یونانی رسم ورواج کا سخت پابند تھا اور تبدیلی کو مطلق پسند نہ کرتا تھا۔ اس بات کو سکندر بھی تاڑ گیا تھا۔ اسی واسطے جب کبھی ایرانیوں سے کوئی معاملہ یا گفتگو درپیش ہوتی تو اس میں وہ ہفس شیاں سے مدد لیتا اور جب یونانی مقدونوی لوگوں کے متعلق کوئی کام آپڑتا تو اپنے دوسرے وطن پرست دوست کراتی روس سے کام لیتا۔ جس کا وہ درحقیقت بہت لحاظ کرتا تھا، لیکن محبت زیادہ ہفس شیان سے کرتا اور کہتا کہ کراتی روس تو بادشاہ کا دوست ہے اور ہفس شیاں سکندر کا! یہی وہ باتیں تھیں جنھوں نے رفتہ رفتہ اُن دونوں کو اندرونی طور پر ایک دوسرے کا حریف اور حاسد بنا دیا۔ چنانچہ وہ علی الاعلان جھگڑ پڑتے تھے بلکہ جب سکندری فوجیں ہندوستان پہنچیں تو ان کی دشمنی اس حد تک بڑھ گئی کہ ایک مرتبہ انھوں نے تلواریں کھینچ لیں اور اپنے اپنے طرفداروں کو

ے کر واقعی لڑنے مرنے پر آمادہ ہو گئے۔ لیکن سکندر گھوڑا دوڑاتا ہوا بر وقت آپہنچا اور سب کے سامنے ہفس شیاں پر عتاب کیا کہ تو احمق اور مجنوں ہے اور اتنا نہیں جانتا کہ تیری ساری آبرو میری محبت کی وجہ سے ہے۔ اسی طرح کراتی روس کو اُس نے تنہائی میں بلا کے سخت چشم نمائی کی اور پھر دونوں کو اپنے روبرو بلوا کے گلے ملوا دیا۔ ساتھ ہی آمن اور اور دیگر دیوتاؤں کی قسم کھائی کہ اگرچہ میں تم دونوں کو سب سے زیادہ عزیز رکھتا ہوں مگر آئندہ تم نے باہم کوئی جھگڑا کیا تو اطلاع ہوتے ہی تم دونوں کو قتل کرا دوں گا۔ کم سے کم زیادتی کرنے والے کو ضرور مروا ڈالوں گا"۔

اس کے بعد یہ دونوں کبھی نہ لڑے بلکہ ہنسی میں بھی کوئی ایسی بات نہ کہتے تھے جو دوسرے کو ناگوار گزرے۔ یا وہ اُسے اپنی مذمت او تنقیص سمجھے۔

اہل مقدونیہ میں سب سے زیادہ جس شخص کا شہرہ تھا وہ پارمینو کا بیٹا فلوطاس تھا۔ کیونکہ علاوہ نہایت نامور جنگ جو اور شجاع ہونے کے سکندر کے بعد سب سے بڑا فیاض اور دوست نواز سردار وہی تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ کسی دوست نے کچھ روپیہ اُس سے طلب کیا اُس نے اپنے خزانچی کو حکم دیا۔ خزانچی نے جواب دیا کہ روپیہ موجود نہیں ہے۔ فلوطاس نے کہا روپیہ نہیں ہے تو کیا کچھ ظروف یا کپڑے بھی میرے نہیں ہیں جنھیں فروخت کیا جا سکے؟"

لیکن فلوطاس کو اپنی دولت اور اوصاف کا رفتہ رفتہ ایسا نشہ ہوا کہ وہ بہت نازیبا تکبر و نخوت کا اظہار کرنے لگا اور اپنی حیثیت اور لیاقت سے بڑھکر قدم مارنے لگا۔ اسی خود پسندی اور مشیخت نے اُس کو لوگوں میں رسوا کر دیا اور اکثر معاصرین اس سے حسد کرنے لگے۔ چنانچہ پارمینو اسی پر کبھی کبھی اُس سے کہا کرتا تھا کہ بیٹا حد سے زیادہ بڑا آدمی ہو جانا بھی اچھا نہیں ہے! اور واقعی اس کے دشمن عرصے سے سکندر کے کان اُس کے خلاف بھر رہے تھے۔ اُس پر طرہ یہ ہوا کہ انتوجن کے معاملے میں سکندر کے ہاتھ ایک اور شہادت اُس کے خلاف آ گئی۔ تفصیل اس واقعے کی یہ ہے کہ انتوجن شہر پڈنا کی رہنے والی ایک نہایت حسین عورت تھی، جب دارا کو سلسیہ میں

شکست ہوئی تو دمشق کی لوٹ میں وہ بھی بندی میں آئی اور مال غنیمت کی تقسیم کے وقت فلوطاس کو مل گئی۔ وہ اس سے ایسا مانوس ہوا کہ اپنی محبوبہ خاص بنا لیا۔ اور اسی کے روبرو ایک دن نشے کی ترنگ میں کہنے لگا کہ سکندر تو لڑکا ہے، یہ جتنی فتوحات اس کے نام سے منسوب کی جاتی ہیں دراصل سب ہم باپ بیٹوں کی بدولت ہیں۔ کام سب ہم کرتے ہیں مگر اس کا فائدہ اور شہرہ سکندر کے نصیب میں ہیں اور بادشاہت کے مزے بھی وہی لوٹتا ہے" وغیرہ وغیرہ انتوجن نے ان سپاہیانہ ڈینگوں کو اپنے تک رکھنے کی بجائے کسی اپنے محرم راز سے بھی کہدیا اور پھر جیسا کہ قاعدہ ہے شدہ شدہ یہ بات کراتی روس کے کانوں تک پہنچ گئی۔ جو خفیہ طور پر خاتون مذکور کو بادشاہ کی خدمت میں لے آیا۔ اور جب سکندر نے سارا قصہ سن لیا تو حکم دیا کہ فلوطاس کے ساتھ برابر سازباز کرتی رہے اور ادھر جو کچھ گزرے اس سے ہمیں بھی مطلع رکھے۔ اس طرح غریب فلوطاس جو بہ عالم بے خبری جال میں پھنس چکا تھا، اپنے خلاف اور زیادہ مواد جمع کراتا گیا، یعنی کبھی غصے میں اور کبھی مشیخت میں سکندر کے خلاف جو منہ میں آتا بے سوچے سمجھے بک دیتا، جس کی اطلاع دوسرے ہی دن بادشاہ کو مل جاتی۔ لیکن گو سکندر کے دل میں بل پڑ گیا تھا اور انتوجن کی تمام باتوں کا اس کے پاس بہت عمدہ ثبوت موجود تھا پھر بھی وہ فلوطاس کو طرح دیتا رہا۔ اس کی وجہ یا تو یہ تھی کہ اسے پارمینو کی وفاداری اور خیر سگالی پر پورا بھروسہ تھا، اور یا یہ کہ ان ذی اثر باپ بیٹوں پر ہاتھ ڈالتے جھجکتا تھا، بہرحال وہ ابھی ان سب باتوں کی طرف سے انجان بنا رہا۔ مگر فلوطاس کی بدقسمتی سے اسی زمانے میں یہ واقعہ پیش آگیا کہ لیمنس نام قصبۂ کلسترا (مقدونیہ) کے ایک سپاہی نے سکندر کو قتل کرنے کی سازش کی اور یہ ارادہ اپنے نہایت محبوب دوست نکوماجیس پر بھی ظاہر کر دیا بلکہ اسے بھی شریکِ سازش ہو جانے کی صلاح دی۔ نکوماجیس کم عمر لڑکا تھا وہ اس معاملے کی نازکی اچھی طرح نہ سمجھا اور اس کا ذکر اپنے بھائی بالی سے کر دیا۔ بالی اس کو لئے ہوئے سیدھا فلوطاس کے پاس آیا اور درخواست کی کہ ہمیں سکندر تک پہنچا دیا جائے

کہ ہم اُس کی ذات کے متعلق ایک نہایت ضروری خبر اسے پہنچانی چاہتے ہیں۔ لیکن نہیں معلوم کس وجہ سے فلوطاس انھیں نہ لے گیا اور کہنے لگا کہ بادشاہ اس وقت زیادہ ضروری کاموں میں مصروف ہے۔ دوبارہ انھوں نے پھر لجاجت کی مگر پھر اُس نے جھڑک دیا۔ تب انھوں نے کسی اور سردار کا توسّط ڈھونڈا اور آخر بادشاہ کے حضور میں باریاب ہوکے لم نوس کے منصوبہ بد کا حال عرض کیا اور ساتھ ہی یہ بھی بیان کیا کہ ہم پہلے فلوطاس کے پاس گئے تھے مگر اس نے دو مرتبہ ہماری درخواست رد کر دی، سکندر اس واقعے سے نہایت برافروختہ ہوا اور جب اُس نے سُنا کہ جو سپاہی لم نوس کو پکڑنے گیا تھا اُس سے سازشی نے مقابلہ کیا مگر لڑائی میں خود ملزم ہی مارا گیا، تو اور خفا ہوا کہ اب سازش کا پتہ کیونکر چل سکے گا؟

اس وقت فلوطاس کے پُرانے دشمنوں کی بن آئی۔ بادشاہ کو اس سے بگڑا دیکھکر انھوں نے اور طوفان اُٹھائے اور علانیہ کہنے لگے کہ بھلا کلسترا کے ایک گنوار کا یہ حوصلہ ہو سکتا ہے کہ بادشاہ کی محترم ذات پر حملے کا خیال دل میں لائے؟ یہ لم نوس تو زیادہ سے زیادہ ایک کٹھ پتلی تھا جس کا تار کسی اور ہی کے ہاتھ میں ہے۔ اور یقیناً اس کے پردہ میں کوئی اور صاحب حیثیت شخص چھپا ہوا ہے، لہٰذا اس معاملے کی تحقیق، اچھی طرح ہونی چاہیئے خاص کر ان لوگوں سے جو اس کو رفع دفع کرنا چاہتے تھے سخت مواخذہ ہونا چاہیئے۔

غرض جب بادشاہ کو بھی متوجہ پایا تو ہزاروں شبہات فلوطاس کی طرف سے اُس کے دل میں ڈال دیئے اور آخر کار یہاں تک جوش دلایا کہ اُس نے فلوطاس کو گرفتار کرنے کا حکم دیا۔ پھر بڑے بڑے افسروں کے سامنے اقبال جرم کے واسطے اس بدنصیب کو بدترین اذیتیں دی گئیں۔ اس وقت خود سکندر پردہ کے پیچھے چھپا ہوا تھا کہ فلوطاس کی نگاہوں سے پنہاں ہو کر اس کا بیان سُنے، مگر جب ملزم نے ہفس شیاں کی منت سماجت شروع کی اور بہت ہی گڑگڑا کے اس کی خوشامدیں کرنے لگا تو سکندر اوٹ میں سے نکل آیا اور سُنا ہے یہ لفظ فلوطاس سے کہے کہ کیا اس بزدلی اور نامردی کے باوجود تم اتنے بڑے کام میں ہاتھ

ڈالنا چاہتے تھے؟"

فلوطاس کے قتل کے بعد سکندر نے مدیہ میں آدمی بھیج کے اُس کے باپ پارمینو کو بھی مروا دیا۔ یہ بڈھا سردار فیلقوس کے وقت سے ایک نامور سپاہی تھا اور اس کی خدمتگزاری میں جاں نثاری کا حق ادا کر چکا تھا۔ خود سکندر کو جنھوں نے ایشیا پر حملہ کرنے کی ہمت دلائی پارمینو ان سب میں پیش پیش تھا وہ اپنے دو بیٹے تو پہلے انھیں لڑائیوں میں کٹوا چکا تھا اب آخری بیٹا بھی اسی قربان گاہِ شاہی پر چڑھا پھر خود بھی بڑھاپے میں ذلت کی موت مارا گیا۔ مگر ان واقعات نے سکندر کو سارے جہان میں بدنام کر دیا۔ اور اس کے دوست احباب سب اس سفاکی سے نہایت خائف رہنے لگے خاص کر انٹی پاٹر آیندہ سے بہت چوکنا ہو گیا اور اپنی قوت بڑھانے کی فکر کرنے لگا۔ اس نے اہل ایطولیہ کے پاس چپکے چپکے پیغامبر بھیجے اور اتحاد کے ڈورے ڈالے۔ اہل ایطولیہ بھی سکندر سے خوف زدہ تھے اس لئے کہ انھوں نے قصبہ اینادہ کو تباہ و برباد کر دیا تھا۔ اور سکندر نے اس کی خبر پاکر اینادہ کے باشندوں سے کہلوا دیا تھا کہ انھیں اپنے والدین کے خون کا انتقام لینے کی کوئی فکر نہیں کرنی چاہیئے کیونکہ میں خود ان کی اچھی طرح خبر لوں گا۔

اس واقعے کے تھوڑے ہی دن بعد کلی توس کا افسوس ناک قتل وقوع میں آیا جسے بہت لوگ فلوطاس کے قتل سے بھی سفاکی میں بدتر سمجھتے ہیں۔ لیکن اگر ہم اس وقت اور موقعے کا خیال رکھیں اور اس قصے کی جزوی باتیں نظر انداز نہ کریں تو تھوڑی سے تامُّل کے بعد کھُل جائے گا کہ یہ سارا واقعہ ایک سوئے اتفاق کا کرشمہ تھا۔ اور جانثار کلی توس کی تقدیر ہی اس سے دشمنی کر رہی تھی کہ بادشاہ کے نشے اور طیش کی حالت میں وہ اس قدر ضد کرتا رہا۔

تفصیل اس قصے کی یہ ہے کہ ایک دن بادشاہ کے پاس کوئی یونانی میوہ ساحلی علاقے سے تحفتہً آیا۔ جس کی تازگی اور خوش نمائی دیکھکر وہ نہایت متعجب ہوا اور کلی توس

کو بلوا بھیجا کہ وہ بھی آ کے دیکھے اور کھانے میں شریک ہو۔ کلی توس اگرچہ اس وقت قربانیاں کر رہا تھا لیکن اُن کو چھوڑ کر سیدھا بادشاہ کے پاس چلا آیا اور پیچھے پیچھے وہ بھیڑیں بھی آئیں جن پر قربانی کرنے سے پہلے حسب دستور تیل بھی چھڑکا جا چکا تھا۔ یہ خبر سکندر کو ہوتی اور جب اُسے اپنے درباری رمّالوں سے معلوم ہوا کہ یہ کلی توس کے لئے بدشگونی کی بات ہے تو اُس نے حکم دیا کہ فوراً اس کی دیت ادا کی جائے کیونکہ خود اُس نے بھی ایک خواب میں تین روز پہلے کلی توس کو ماتمی لباس میں پارمینو کے مقتول بیٹوں پاس بیٹھا دیکھا تھا۔ جو ظاہر ہے کہ نہایت منحوس بات تھی۔ کلی توس اس اثنا میں بادشاہ کے پاس کھانے میں شرکت کی غرض سے اپنی قربانیاں ادھوری چھوڑ کر آ گیا تھا مگر اس کی جانب سے جیسا کہ ہم نے لکھا، بادشاہ ہی نے دیت اور نذر و نیاز دیئے جانے کا حکم دیدیا۔ اس کے بعد بادشاہ اور اس کے ہمنشینوں نے خوب شرابیں لنڈھائیں اور چند آدمی مزے میں آ کے وہ گیت گانے لگے جو پرانی حس (یا بقول بعض پیریان) نام کسی شاعر نے اُن یونانیوں کی مذمت میں لکھا تھا جو لڑائی میں دشمن سے شکست کھا کے بھاگ نکلے تھے۔ بالخصوص اُن کے افسروں کی اس گیت میں بہت ہجو کی گئی تھی جس کو سُن کر حاضرین میں سے بعض پرانے پرانے سردار جو اس شکست کھانے والوں میں تھے، بہت بگڑے اور گیت بنانے والے اور گانے والے دونوں کو بُرا بھلا کہنے لگے۔ مگر خود سکندر اور اس کے نوعمر رفیقوں کو بہت مزا آیا اور گانے والوں کی تعریفیں کر کر کے اور شہ دینے لگے۔ یہاں تک کہ کلی توس سے ضبط نہ ہو سکا۔ وہ بہت ضدّی اور بیباک آدمی تھا اور اس وقت کثرتِ شراب خواری نے اُسے اور بھی بے حواس کر رکھا تھا۔ بدمزاج ہو کے کہنے لگا کہ غیر ملکیوں اور دشمنوں کے سامنے اہل مقدونیہ کے عیب بیان کرنا کچھ بہت خوبی کی بات نہیں ہے کیونکہ اگرچہ وہ لوگ بدقسمتی سے اُس موقعہ پر مغلوب ہو گئے تھے تاہم اس میں تو کوئی شبہ نہیں کہ وہ اُن لوگوں سے ہزار درجے بہتر اور اچھے

سپاہی ہیں جو آج گھر میں بیٹھے اُن پر مضحکہ کر رہے ہیں۔ اس پر سکندر نے یہ چُبھتا ہوا فقرہ کہا کہ کلی توس اس وقت اپنی وکالت کر رہا ہی اور نامردی کو بدقسمتی کے نام سے موسوم کر کے اپنی خفت مٹانا چاہتا ہی!"

یہ سُنتے ہی کلی توس جوش میں اُٹھ کھڑا ہوا اور بولا کہ اسی شے نے جس کو تم نامردی کہتے ہو ایک دیوتاؤں کے بیٹے کی جان بچائی تھی۔ عین اس وقت جبکہ وہ سپہ تری داد کی تلوار کے آگے سے فرار ہو رہا تھا! اور تم جو آج اس قدر بلندی پر نظر آتے ہو کہ اپنے کو فیلقوس کے بجائے امّن دیوتا کا بیٹا بتانے لگے ہو، کیا یہ سب کچھ اہل مقدونیہ اور ان کی خوں افشانیوں کے صدقے میں نہیں ہی؟"

یہ سُن کر سکندر (جو اس وقت طیش کے مارے بیتاب ہوا جاتا تھا) بولا "پاجی، نابکار! کیا تو یہی باتیں ہر جگہ کہتا پھرتا ہی؟ اور اس نمک حرامی کی پاداش میں ابھی تک اپنے کیفر کردار کو نہیں پہنچا؟ کلی توس نے جواب دیا "کیفر کردار کو کیوں نہیں پہنچے؟ اس سے بڑھکر اور کیا سزا ہو گی کہ ہماری خدمت اور تکلیفوں کا یہ انعام مل رہا ہے۔ واللہ وہ لوگ بہت خوش قسمت تھے جو دنیا سے پہلے ہی اُٹھ گئے اور جنھیں اپنے ہموطنوں کی یہ تذلیل دیکھنی نہ پڑی کہ ایرانی چابکوں سے ان کی کھال اُدھیڑی جاتی ہے اور اپنے بادشاہ تک ان کی رسائی بھی ہو سکتی ہے تو ایرانیوں کی خوشامد کرنے سے!"

غرض جو مُنہ میں آیا کلی توس کہتا چلا گیا، اُدھر سکندر کے قریب جو شاہی مصاحبت سے سرفراز امیرزادے بیٹھے تھے وہ بھی کھڑے ہو گئے اور جواب میں اس کو سخت و سُست کہنے لگے۔ سن رسیدہ اشخاص نے البتہ مصالحانہ طریق پر اس طوفان بے تمیزی کو روکنا چاہا۔ سکندر اس وقت اپنے دو ایرانی مصاحبوں کی طرف مخاطب ہوا اور کہنے لگا کہ آپ لوگوں نے ضرور یہی رائے قائم کی ہو گی کہ اہل مقدونیہ کے مقابلہ میں یونانی متکبر کس قدر اپنے کو اعلیٰ و ارفع سمجھتے ہیں اور کیسا سخت برتاؤ کرتے ہیں کہ گویا سب لوگ بہائم اور وہ خود فرشتے ہیں!

لیکن کلی توس نے اب بھی اپنی زبان نہ روکی۔ بلکہ سکندر سے کہنے لگا کہ اور جو کچھ تمھیں کہنا ہو وہ بھی کہہ لو، اور اگر تمھیں ایسی باتوں کا جواب سُننا پسند نہیں تو پھر اُن لوگوں کو اپنے دستر خوان پر کیوں بُلاتے ہو جو آزاد پیدا ہوئے اور دل کی بات صاف صاف کہہ دینے کے عادی ہیں؟ اس سے تو بہت بہتر ہے کہ تم اپنا وقت ایلچیوں اور غلاموں میں گزارو، جنھیں دو زانوں ہو کر تمھاری سفید کُرتی اور ایرانی چُغے کا دامن چومنے میں عار نہ آئے! ان الفاظ نے سکندر کو اس قدر مشتعل کیا کہ اب وہ اپنے کو قابو میں نہ رکھ سکا۔ اُس نے ایک سیب جو میز پر اس کے سامنے پڑا تھا اُٹھا کے کلی توس کے کھینچ مارا اور پھر اپنی تلوار تلاش کرنے لگا، جسے اس کے سواران خاصہ میں سے ایک شخص مُسمّی ارسطو فانی نے پہلے سے چھپا دیا تھا۔ اور لوگ بھی اس کی منت سماجت کرنے لگے لیکن وہ کسی طرح نہ مانا اور سب کو ہٹا کے مقدونوی زبان میں اپنے دربانوں کو بآواز بلند پُکارا۔ جو اس کے عین اضطرار و غضب کی علامت سمجھی جاتی تھی۔ اس کے ساتھ ہی ایک نقّارے والے کو نقّارہ بجانے کا حکم دیا اور جب اُس نے کچھ تامّل کیا تو سکندر نے زور سے اُس کے مُکّا مارا۔ اگرچہ بعد میں اسی شخص کی اُس نے بہت تعریف کی کہ نقّارہ بجانے میں حکم عدولی کی ورنہ ساری فوج میں پریشانی اور ہل چل پیدا ہو جاتی۔ لیکن کلی توس اب بھی نہ دبا بلکہ جب اس کے دوستوں نے پکڑ دھکڑ کے زبردستی کمرے سے باہر کر دیا تو وہ دوسرے دروازے سے اندر آگیا اور بکمال حقارت و بے پروائی سے یوری بیدیز کی کتاب اندروماک کے شعر پڑھنے لگا (جسے ایک طرح یونان کا شہر آشوب کہنا درست ہوگا) اس پر سکندر نے ایک سپاہی سے برچھی چھین لی اور عین اُس وقت کلی توس دروازے کا پردہ ہٹا کے داخل ہو رہا تھا۔ جسم کے پار کر دی کلی توس نے ایک چیخ ماری، ایک دفعہ کراہا اور گر کر اسی وقت مر گیا۔ اس کے ساتھ ہی سکندر کا غصہ بالکل فرو ہو گیا اور وہ اپنے حواسوں میں آگیا۔ اور اُس وقت کہ سب احباب و مصاحب ایک سنّاٹے کے عالم میں ساکت کھڑے تھے اُس نے وہی

برچھی کلی توس کے مُردہ جسم سے کھینچ لی۔ اور چاہتا تھا کہ اپنے حلق میں بھونک لے کہ لوگ لپٹ گئے، اور ہاتھ پکڑ کے زبردستی اس کے کمرے میں کھینچ لائے جہاں ایک دن اور ایک رات تک وہ زار وقطار روتا رہا اور جب چیختے چیختے بالکل نڈھال ہوگیا تو چپ چاپ غمزدہ پڑ گیا۔ حتیٰ کہ سوائے سِسکیوں کے کوئی آواز اُس کے منہ سے نہ نکلتی تھی یا نہ نکل سکتی تھی جس سے لوگوں میں بڑی تشویش پیدا ہوگئی اور اس کے دوست کمرے میں گھس آئے مگر وہ مطلق ان کی طرف متوجہ نہ ہوا۔ اور کسی کی بات پر اس نے سماعت نہ کی۔ آخر جب ارس تندر نے اس کا خواب اور وہ بدشگونی جو کلی توس کے متعلق قربانی کے وقت ظاہر ہوئی تھی، یاد دلائی اور اس حادثے کو ایک تقدیری اور شدنی واقعہ ثابت کیا تو اسے کسی قدر سکون ہوا، اس کے بعد لوگ کالیس تھنیز فلسفی کو جو ارسطو کا عزیز قریب ہوتا تھا اور انکسارجس متوطن ابدرا کو لائے کہ مغموم بادشاہ کو پند و نصیحت سے تسکین دیں۔ چنانچہ کالیس تھنیز نے بڑے دلکش پیرائے میں اخلاقی باتیں کیں اور ڈھارس بندھا کے چاہا کہ اس کے متلاطم جذبات میں سکون واطمینان کی کیفیت پیدا کر دے لیکن انکسارجس جو فلسفے میں اپنی ڈیڑھ اینٹ کی الگ چنتا تھا اور جو اپنے معاصرین سے نفرت اور ان کی تحقیر کرنے میں مشہور تھا، کمرے میں داخل ہوتے ہی چلایا کہ کیا وہ سکندر جس پر ایک عالم کی نگاہ لگی رہتی ہے یہی ہے جو چھوکروں کی طرح پڑا ہوا اس خوف سے رو رہا ہے کہ لوگ اُسے کیا کہیں گے؟ حالانکہ ان فضول اوہام میں مبتلا ہونے کے بجائے اگر وہ اپنی مطلق العنان شہنشاہی اور سرداری کے وہ حقوق یاد کرے جو اپنی شاندار فتوحات کی بدولت اُس نے حاصل کرلئے ہیں، تو کیا شک ہے کہ قانون اور میزان عدل جس چیز کا نام ہے وہ خود اُسی کی ذات ہے۔ صاحبو! (اس نے لوگوں کی طرف مخاطب ہو کے کہا) عطارد دیوتا کی صورت کو سب نے دیکھا ہے کہ اس کے ایک ہاتھ میں قانون ہے اور ایک ہاتھ میں انصاف تو کیا اس سے یہ مطلب نہیں کہ فتحمندانِ اُولو العزم

کے تمام افعال عینِ انصاف و قانون ہیں ؟"

اسی قسم کی تقریروں سے انکسارجس نے بادشاہ کا غم غلط کیا، لیکن اس میں شبہ نہیں کہ غمگساری کے ساتھ ہی اس کی طبیعت پر بھی بُرا اثر ڈالا اور اُسے پہلے سے زیادہ ضدّی اور خود پسند بنا دیا۔ انکسارجس اس موقعے پر اپنی ذاتی اغراض کو بھی نہ بھولا۔ بلکہ بادشاہ کے مزاج میں بڑا درخور حاصل کرلیا اور کالیس تینیز کو جس کی خشک مزاجی سے سکندر پہلے ہی ذرا گھبراتا تھا، بادشاہ کی نظروں سے ایسا گرا دیا کہ اُس کی صحبت تک اُسے ناگوار اور بُری معلوم ہونے لگی۔

ایک مرتبہ یہ اتفاق ہوا کہ یہ دونوں فلسفی کسی جلسے میں موجود تھے اور وہاں آب و ہوا اور موسم کے متعلق کچھ گفتگو ہو رہی تھی اور کالیس تینیز اُن کا ہمراے تھا جو ان ممالک کو یونان سے زیادہ سرد بتاتے تھے۔ اور کہتے تھے کہ یہاں جتنی سردی ہوتی ہے یونان میں نہیں ہوتی۔ لیکن انکسارجس اس کو کسی طرح نہ مانتا تھا بلکہ کسی قدر تندی کے ساتھ حجتیں کر رہا تھا۔ اس پر کالیس تینیز نے کہا کہ تم یونان کو اس ملک سے زیادہ ٹھنڈا کیونکر بتا سکتے ہو وہاں تم سرد سے سرد موسم میں ایک جھرجھرا لبادہ پہنے رہتے تھے حالانکہ یہاں ایک چھوڑ تین تین گرم کپڑے تمہارے جسم پر نظر آتے ہیں !"

اس تضحیک آمیز فقرے سے انکسارجس اور اس کے ساتھ کے دوسرے مدعیانِ علم و فضل بہت جلے۔ کالیس تینیز سے جو حسد انھیں تھا وہ زیادہ بڑھ گیا۔ اور انھیں لوگوں پر کیا منحصر ہے تمام خوشامدی اور فرومایہ لوگ اس کی قناعت پسندی، تدیّن اور حق شناسی کی خرد و بزرگ میں تعریفیں سُن سُن کے برداشت نہ کر سکتے تھے۔ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ وہ کسی ذاتی غرض سے سکندر کے ہمراہ نہ تھا بلکہ اُس تک جو پہنچا تھا تو غایت اُس کی محض یہ تھی کہ اپنے اہلِ وطن کی سزائے جلاوطنی معاف کرائے اور انھیں واپس بُلا کے اپنے شہر دوبارہ آباد اور از سرِ نو تعمیر کرائے۔ اس کے علاوہ حاسدوں کو مخالفت کا موقعہ خود

اس کی تنک مزاجی سے بھی ہاتھ آگیا تھا۔ کیونکہ کالیس تینیس ملنے جلنے سے بچتا تھا اور اکثر دعوتوں کو یا تو قبول نہ کرتا یا کسی محفل میں جاتا تو خاموش تیوری پر بل ڈالے بیٹھا رہتا۔ اور یہ ظاہر کرکے کہ وہ اہل محفل کی کسی حرکت اور فعل کو بہ نگاہِ استحسان نہیں دیکھتا اور کسی بات سے خوش نہیں ہوتا، ساری محفل کو افسردہ کر دیا کرتا تھا۔ چنانچہ خود سکندر اس کی نسبت ایک شعر پڑھا کرتا تھا جس کا مفہوم یہ ہے کہ ”ایسا شخص جو ادّعائے دانش میں اپنے اغراض تک فراموش کر دے، مجھے ایک آنکھ نہیں بھاتا۔“

ایک مرتبہ کسی ضیافت شاہی میں جب دَور شراب اس تک پہنچا تو اُس سے فرمایش کی گئی کہ اہلِ مقدونیہ کی ستایش میں ایک برجستہ تقریر کرے۔ کالیس تینیس نے اس کی تعمیل کی اور اس فصاحت و بلاغت کے ساتھ تقریر کی کہ حاضرین سے بے اختیار نعرہ ہائے احسنت بلند ہوئے اور سب نے کھڑے ہو کے اپنے اپنے ہار اُتار کر اُس کے گلے میں ڈال دیئے۔ صرف سکندر تعریفوں میں شریک نہ ہوا۔ بلکہ یوری بدیز کا ایک شعر پڑھ کے کہنے لگا کہ ”اچھے مضامین پر اچھی تقریر تم نے کر لی تو کمال ہی کیا ہوا۔ ہاں اگر تم واقعی زورِ فصاحت دکھانا چاہتے ہو تو میرے اہلِ وطن کو اُن کی بُرائیاں دکھاؤ اور اس طرح ہجو کرو کہ وہ اپنے عیوب سے واقف ہو کر آیندہ ان کی اصلاح کر سکیں۔ کالیس تینیس نے اس فرمایش کی بھی اسی مستعدی کے ساتھ تعمیل کی اور کھڑے ہو کے اپنی ساری تقریر کو اُلٹ دیا۔ یعنی نہایت آزادی کے ساتھ مقدونیہ والوں کی مذمت کرنی شروع کی اور بیان کیا کہ فیلقوس شاہ مقدونیہ کی ساری عظمت اس حُسنِ اتفاق کا کرشمہ ہے کہ اُس کے عہد میں یونان اندرونی لڑائی جھگڑوں میں مشغول تھا اور ہر ریاست نفاق و افتراق کا شکار تھی۔ پس ایسے موقعے سے اُس نے فائدہ اُٹھا لیا تو یہ ایسی بڑی بات نہیں کیونکہ کسی شاعر کے بقول ”خانہ جنگی اور شورش کے زمانے میں بدمعاش تک شہرت و نام آوری حاصل کر لیا کرتے ہیں!“

اس کا اس طرح بیباکانہ اظہارِ خیال ہی اہلِ مقدونیہ کو عام طور پر ناگوار گزرا۔ اور ان کے

دل میں اس کی طرف سے بُرائی بیٹھ گئی۔ سکندر نے تو یہاں تک کہا کہ کالیس تینیس کو فقط زورِ خطابت دکھانا ہی منظور نہ تھا بلکہ مقدونیہ والوں سے اپنا دلی بغض اور تنفر بھی اُس نے اس پیرائے میں ظاہر کیا۔ اوپر جو کچھ لکھا گیا، اس کا ناقل ہرمپس ہے اور بہ وثوق لکھتا ہے کہ یہ سب باتیں اسٹری بس نے جو کالیس تینیس کا ملازم کتاب خوانی تھا بعد میں ارسطو سے بیان کی تھیں، اور یہ بھی کہ جب اُس نے بادشاہ کو بہت ناراض دیکھا اور اپنے سے بالکل بیزار پایا تو اکثر اس کے پاس سے آتے جاتے یہ شعر پڑھا کرتا تھا کہ

"بزرگ پترو کلیس کو بھی آخر کار موت نے آن لیا۔ اگرچہ اعمالِ نیک کے لحاظ سے وہ تم سب میں بہتر اور افضل تھا"

حکیم ارسطو نے انھیں حالات کو دیکھکر کالیس تینیس کے متعلق یہ رائے قایم کی تھی کہ اس کے اعلیٰ خطیب ہونے میں تو شبہ نہیں لیکن وہ قوتِ فیصلہ بالکل نہیں رکھتا۔ جو کچھ ہو اس میں شک نہیں کہ سکندر کی پرستش سے انکارِ قطعی اور آزادانہ اس نالایق بدعت کی مخالفت کرنے سے اُس نے ایک بہت بڑا احسان یونانیوں پر کیا اور خود سکندر کو ایک بڑے سخت مواخذے سے بچالیا۔ کیونکہ اگرچہ اہل مقدونیہ کے تمام برگزیدہ اور روشن خیال سردار اس ذلت کو اپنے دلوں میں موجبِ عار سمجھتے تھے مگر علانیہ اظہارِ اختلاف کی انھیں جرأت نہ پڑی تھی اور صرف کالیس تینیس ایسا شخص ہے جس کی وجہ سے یہ بادشاہ پرستی یونانیوں میں پیدا ہوتے ہوتے رہ گئی۔ اسی حمایت حق میں خود وہ بالکل تباہ ہو گیا۔ اس لئے کہ اپنی شریفانہ جدوجہد میں اُس نے بڑی شدت سے کام لیا اور بجائے اس کے کہ بادشاہ کو فہمایش یا دلائل و براہین سے قایل معقول کرے یہ معلوم ہوتا تھا کہ گویا زبردستی اس کو مجبور کرنا چاہتا ہے۔ چارس لکھتا ہے کہ ایک دعوت میں جب سکندر خود چھک کے شراب پی چکا تو پیالہ بھر کے ایک ہم جلیس کی طرف بڑھایا۔ جس نے سروقد کھڑے ہو کے اسے لیا اور قربان گاہ کی طرف منہ کر کے پی لیا پھر بادشاہ کو سجدہ کیا اور اُس کا ہاتھ چوم کر اپنی جگہ پر بیٹھ گیا۔ اسی حرکت کی تقلید تمام حاضرین نے کی یہاں تک کہ کالیس تینیس کی باری آئی۔ اور اس نے نہ تو سجدہ کیا نہ قبلہ رو ہوا بلکہ پیالہ

پی کر سادگی سے بادشاہ کی جانب بڑھا کہ دست بوسی کرے۔ سکندر اس وقت دوسری طرف متوجہ تھا اور ہفس شیاں سے باتیں کر رہا تھا۔ لیکن دمت ریوس جس کا اسم عرفی فیدن تھا اس وقت دخل انداز ہوا اور بادشاہ سے کہنے لگا کہ "سرکار اس شخص کو دست بوسی کی اجازت ہرگز نہ دیجے کہ ہم سب میں یہی ایسا ہی جس نے آپ کو سجدہ کرنے سے احتراز کیا۔" چنانچہ بادشاہ نے ہاتھ کھینچ لیا اور کالیس تینیں کو اس رسمی تقبیل کا موقعہ نہ دیا۔ مگر حکیم موصوف نے اس کی زیادہ پروانہ کی اور فقط اتنا باآواز کہہ کے لوٹ گیا کہ معلوم ہوا کہ "میرے حصے میں اوروں سے ایک بوسہ کم تھا۔" اس پر سکندر بہت ناراض ہوا۔ اور ہفس شیاں کو بہت داد ملی جس نے اس موقعہ پر کالیس تینیں کو عہدشکن بتایا اور کہا کہ اس نے جو وعدہ پہلے کیا تھا اُسے پورا نہ کیا یعنی جو اظہار احترام بادشاہ کا سب نے کیا اس نے اُس سے پہلو بچایا۔ حالانکہ یہ خود اس کے اقرار کے منافی ہے۔ مگر ان سب باتوں پر طُرّہ یہ ہوا کہ اب لقوماجیس اور ہیگ نن جیسے لوگ بھی اس کے درپے ہوئے اور بکمال سنجید گی گواہیاں دینے لگے کہ یہ سوفسطائی حکیم پرکیں اپنی تعلّی کرتا پھرتا ہے کہ صرف مجھ اکیلے نے شخصیت و مطلق العنانی کا مقابلہ کیا اور سارے نوجوان اُس کی حریت پسندی پر مفتوں ہیں اُسے اپنا مقتدی جانتے ہیں اور ہم سب اگر کسی کو حُر یا حقیقی طور پر آزاد اور جری سمجھتے ہیں تو وہ کالیس تینیں ہی کی ذات ہے باقی ہم سب کے سب اُن کے نزدیک بالکل ذلیل نامرد اور ایمان فروش لوگ ہیں۔

یہی اسباب تھے کہ جب ہرمالوس کی سازش طشت از بام ہوئی تو اس کی شرکت کے جتنے الزام کالیس تینیں کے دشمنوں نے لگائے وہ باسانی یقین کر لئے گئے خاص کر یہ کہ جب نوجوان ہرمالوس نے اُس سے دریافت کیا کہ دنیا میں سب سے ممتاز ہو جانے کی کیا سبیل ہے تو کالیس تینیں نے اس کا سب سے بہتر طریقہ بتایا "اُسے قتل کر دینا، جو اس وقت سب سے ممتاز ہے۔" نیز اس فعل کے ارتکاب پر اُسے مستقل کر دینے کے واسطے اُس نے یہ بھی کہا کہ خبردار سکندر کی سنہری گاڑی اور سونے چاندی سے مرعوب نہ ہونا بلکہ ہمیشہ یاد رکھو کہ وہ بھی

ہم تم جیسا ہی انسان ضعیف البنیان ہے اور ایسی آسانی کے ساتھ فنا کیا جا سکتا ہی۔
لیکن واقعہ یہ ہے کہ ہرمالوس کے کسی شریک جرم تک نے انتہائی عقوبتوں میں بھی کالیس تینیس کا ذکر نہیں کیا اور اس کی شرکتِ سازش کا کوئی ثبوت بھی حاصل نہ ہوسکا۔ یہاں تک کہ خود سکندر نے اس زمانے میں جو خطوط کراتیرو، اٹالوس اور الکیٹاس کو لکھے ہیں ان میں تصدیق کی ہے کہ اہلِ سازش کو جب سخت سے سخت اذیتیں دی گئیں اس وقت بھی انھوں نے یہی کہا کہ ہم اس سازش کے لئے بطور خود آمادہ ہوئے، نہ کہ کسی اور کے کہنے سُننے سے“۔ لیکن تھوڑے عرصے کے بعد انٹی پاٹر کو جو خط اس نے تحریر کیا ہے اس میں کالیس تینیس پر الزام لگایا ہے اور صاف صاف لکھدیا ہے کہ اگرچہ تمام نوجوان سازشی سنگسار کر دیئے گئے مگر وہ سوفسطائی ابھی باقی ہے لیکن میں اُسے سزا دیئے بغیر نہ چھوڑوں گا۔ بلکہ اس کے ساتھ ہی وہ جنھوں نے اُسے میرے پاس بھیجا اور وہ بھی جو میرے دشمنوں کو اپنے شہروں میں پناہ دیتے ہیں کہ وہاں بیٹھکر میرے قتل کے منصوبے باندھیں، سزا سے نہ بچیں گے“۔ یہ اشارہ ہی ارسطو کی طرف جس کے گھر میں کالیس تینیس نے بہ سبب رشتہ داری[ا] کے تعلیم پائی تھی۔ بہرحال سکندر کی یہ دھمکی خالی نہ گئی۔ کالیس تینیس اس کی فرعونیت کا شکار ہوکے رہا۔ لیکن اس کی موت کے متعلق لوگوں کو اختلاف ہی۔ بعض تو کہتے ہیں کہ سکندر نے اس کو پھانسی دلوا دی اور بعض کا بیان ہے کہ وہ قید خانے میں بیمار ہوکے مرا۔ لیکن چارس لکھتا ہے کہ وہ شبہ پر سات مہینے تک پا بہ زنجیر رکھا گیا تھا تاکہ اس کا مقدمہ بھری مجلس میں خود ارسطو کے سامنے سماعت کیا جائے۔ اسی حال میں اُسے بلغمی امراض نے آگھیرا۔ اور فربہ ہوتے ہوتے آخر کار مرگیا یہ اس زمانے کا ذکر ہے جب سکندر نے ہندوستان کی مہم میں سرحدی اقوام کے ہاتھوں زخم کھایا ہی۔ مگر ہمیں سلسلہ واقعات کو چھوڑنا نہیں چاہیئے۔ اور اب پھر اُس زمانے سے

ا۔ کلیس تن ارسطو کی بھتیجی ہیرو کا بیٹا تھا ۱۲

قدم بہ قدم چلنا چاہیے جب کہ ضعیف دماراطوس اپنے وطن کورنتھ سے بہت سی سفر کی صعوبتیں برداشت کرکے سکندر کے پاس پہنچا اور اس سے ملنے کے بعد کہنے لگا کہ مجھے اُن یونانیوں پر کمال افسوس آتا ہے جو لڑائی میں کام آئے اور اس وقت تک نہ جیئے کہ سکندر فیلقوس کو دارائے ایران کے تخت پر متمکن ہوتے دیکھ لیتے۔ لیکن خود اُسے بھی اجل نے مہلت نہ دی کہ سکندر کی عنایاتِ خسروانہ سے زیادہ دیر تک متمتع ہوتا۔ وہ تھوڑے ہی عرصے کے اندر علیل ہو کے مرگیا۔ اس کی تجہیز و تکفین بڑی دھوم دھام سے کی گئی۔ اور اہل فوج نے اس کی یادگار میں نہایت عریض اور اسّی گز بلند ایک کچّا پشتہ تیار کیا۔ اور اس کی بھسمی (یعنی راکھ) چار گھوڑوں کی رتھ میں بڑے تزک سے ساحل سمندر تک لائی گئی۔

اب سکندر جو ہندوستان پر فوج کشی کا عزم مصمّم کر چکا تھا۔ یہ دیکھ کر ذرا متفکر ہوا کہ اس کے سپاہی مال غنیمت سے اس درجے لدگئے ہیں کہ اپنا اسباب ساتھ لے کے چلنا سخت دشوار ہے اس دقت کو اس نے اس طرح حل کیا کہ ایک روز دن نکلتے ہی جب گاڑیوں پر سارا سامان بار ہو چکا تو پہلے اُس نے اپنا اور اپنے خاص ہمنشینوں کے اسباب میں آگ لگادی اس کے بعد حکم دیا کہ اور سپاہیوں کا بھی سامان اسی طرح جلا دیا جائے۔ یہ تدبیر سوچنے میں تو بہت مشکل نظر آتی تھی لیکن جب اس پر عمل ہوا تو وہ بالکل آسان نکلی۔ یعنی نہ تو لوگوں نے اس کا کچھ بُرا مانا نہ وہ کچھ بہت زیادہ خسارے میں رہے۔ کیونکہ اس حرکت سے سپاہیوں میں ایسا جوش پھیلا، کہ انھوں نے سپاہیانہ غل و شور اور نعرہ ہائے رزم کے ساتھ دوڑ دوڑ کے ایک دوسرے کی ضروری اشیائے مایحتاج تو بچالیں باقی سارا بے کار سامان بتکلف جلتی آگ میں جھونک دیا یہ ایسا تعجب انگیز منظر تھا کہ خود سکندر کے ولولے بڑھ گئے اور فتوحات کے ارادے اور پختہ ہوگئے۔ اور اسی زمانے میں مزاج اس کا ایسا درشت اور سخت گیر ہو گیا کہ لوگوں کو معمولی خطاؤں پر شدید ترین سزائیں دینے لگا۔ چنانچہ منا ندر کا جو اس کے دوستوں میں شامل تھا، اس جرم پر سر کٹوادیا کہ وہ ایک قلعے کو چھوڑ کر چلا آیا جہاں سکندر نے اس کو دستہ فوج پر متعین کیا تھا

اسی طرح ارسودہ نام ایک ایرانی کو جو اس سے منحرف ہو گیا تھا، اُس نے اپنے ہاتھ سے تیر مار کے جان لی۔

انھیں دنوں میں ایک بھیڑ بیاہی اور ایسا عجیب وغریب بچہ دیا کہ اس کے سر پر ہو بہو (حلقی) تاج کی صورت بنی ہوئی تھی اور دونوں پہلوؤں پر فقیلیاں لٹکتی تھیں۔ اور اس کو سکندر نے اس قدر منحوس اور مکروہ جانا کہ اپنے بابلی پروہتوں کو جو اسی غرض سے ساتھ رہتے تھے، اپنے تئیں پاک کرنے کے واسطے طلب کیا۔ اور دوستوں سے کہا کہ مجھے اپنا اتنا غم نہیں جتنا تمہارا ہی کہ عجب نہیں جو میرے بعد سلطنت نا اہل اور کمزور ہاتھوں میں چلی جائے۔ مگر یہ خطرہ جو پہلی بدشگونی سے پیدا ہوا تھا ایک اور عجیب واقعے سے بہت جلد زائل ہو گیا۔ تفصیل اس کی یہ ہی کہ پراکسی نس مقدونوی جو شاہی توشک خانے کا داروغہ تھا، ایک دن لب جیحوں بادشاہ کے لئے شامیانہ کھڑا کرا رہا تھا کہ اتنے میں ایک جگہ کی زمین کھودتے وقت اُسے ایک چشمہ نظر پڑا کہ پانی کی جگہ ایک نرالی قسم کا روغنی سیال اس میں بہ رہا تھا۔ جب پراکسی نس نے مٹی کو اور ہٹایا تو حقیقت میں بالکل زیتون کے تیل جیسا پاک صاف سیال بہ نکلا کہ لوگ دیکھ دیکھ کے حیران رہ گئے۔ کیونکہ چمک چکناہٹ رنگ بو اور ذایقہ غرض ہر لحاظ سے اس میں اور تیل میں کوئی فرق نہ تھا، حالانکہ اس ملک میں تیل کا چشمہ تو درکنار زیتون کا درخت تک نہیں پیدا ہوتا۔ ہاں یہ ضرور معلوم و مشہور ہی کہ دریائے جیحون کا پانی سارے دریاؤں سے زیادہ چکنا ہے اور اس میں نہانے والے کے جسم پر بھی چکنائی کی تہ چڑھ جاتی ہی۔ بہر تقدیر سبب اس کا کچھ ہی ہو، سکندر کو اس انکشاف سے بدرجہ کمال مسرّت ہوئی اور اس کو بھی اس نے خدا کی طرف سے ایک فال نیک تصوّر کیا۔ اور اُس کے رقعات بنام انٹی پاٹر سے اُس کی خوشی کا کچھ اندازہ ہوتا ہی جن میں اُس نے لکھا ہی کہ یہ واقعہ منجملہ ان چند اعجوبہ شگونوں کے ہی جن کے ذریعے کبھی کبھی خدا تعالےٰ نے مجھ پر اپنی عنایت خاص کا اظہار کیا ہی۔ اُس کے معبّروں نے بھی یہی کہا کہ یہ مژدہ فتح ہی

اور بے شک تمھیں مُہمِ ہندوستان میں نصرتِ عظمیٰ حاصل ہو گی لیکن بہت سی دقتوں اور صعوبتوں کے بعد، کیونکہ تیل وہ شے ہے جو خدا نے انسان کو مشقت و جفاکشی کے بعد آرام و تسکین حاصل کرنے کے واسطے عطا فرمائی ہے۔

ان رمالوں کا اندازہ کچھ غلط نہ تھا۔ کیونکہ فی الحقیقت اس مہم میں سکندر کو بہت سی تکلیفیں جھیلنی پڑیں، بارہا جان جوکھوں میں ڈالنی اور زخم پر زخم کھانے پڑے۔ لیکن ان سب سے بڑھکر اس کی فوج کو آب و ہوا کی خرابی اور رسد کی نایابی نے نقصان پہنچایا تاہم وہ کسی مصیبت کو خطرے میں نہ لایا اور ہمیشہ یہ سمجھتا رہا کہ سچی جواں مردی کے سامنے ہر مشکل آسان ہے البتہ بزدلی شعار ہو تو سہل ترین کام بھی لاینحل نظر آنے لگتا ہے۔ کہتے ہیں کہ جب اُس نے سسی متر اور اس کی فوج کا محاصرہ کیا تو یونانی سپاہی دشمن کے حصن حصین اور مستحکم پہاڑی قلعے کو دیکھکر حیران اور اس کی تسخیر سے قطعاً مایوس ہو گئے۔ اُس وقت سکندر نے اکسیارتیس سے دریافت کیا کہ کیا سسی متر بہت جواں مرد سپاہی ہے؟ اور جب جواب ملا کہ "نہیں، نہایت بودا آدمی ہے" تو سکندر نے کہا کہ "پھر کیا باقی رہا! اگر سرداری کمزور ہے تو دوسرے لفظوں میں اس جگہ کا لے لینا بالکل آسان ہے" اور واقعی اُس نے تھوڑے عرصے میں سسی متر کو اس قدر پریشان کیا کہ اس کا قلعہ بلا دقت قبضے میں آگیا۔ اسی قسم کے ایک اور پُرخطر مقام پر جب اُس نے چند مقدونوی سپاہیوں کو لے کے حملہ کیا تو ایک شخص کو جس کا نام سکندر تھا بلا کے کہنے لگا "کم سے کم تمھیں تو میدانِ جنگ میں اس نام کی خاطر ہی سہی، پوری شجاعت دکھانی چاہیئے" چنانچہ یہ نوجوان سپاہی ایسی دلیری سے لڑا کہ جان سے گزر گیا جس کا سکندر کو بھی بہت صدمہ ہوا۔

مقام نیسہ کے محاصرے کے وقت بھی اس کے سپاہی بے دل اور کچھ پست حوصلہ ہو رہے تھے۔ کیونکہ شہر اور ان کے درمیان بہت گہرا دریا حایل تھا۔ سکندر یہ حال دیکھکر آگے بڑھا اور دریا کے کنارے پر کھڑے ہو کے کہنے لگا "میں بھی کتنا بدقسمت شخص ہوں کہ تیرنا نہیں جانتا" پھر چاہتا تھا کہ ڈھال پر بیٹھکر دریا میں اُتر جائے کہ لوگوں نے بہ مشکل

اس ارادہ سے اُسے روکا۔

اسی مقام پر کئی شہروں کے جنھیں اس نے گھر والیا تھا سفیر پیغام صلح لے کے آئے اور یہ دیکھکر متعجب رہ گئے کہ حملہ ختم ہونے کے بعد بھی اُس نے نہ تو زرہ بکتر اُتاری تھی نہ کوئی نوکر چاکر اس کے قریب نظر آتا تھا۔ پھر تھوڑی دیر بعد کسی نے ایک گدا بیٹھنے کے لئے لاکر دیا تو اس نے خود بیٹھنے کے بجائے اکوفس کو جوان سفیروں میں سب سے معمّر تھا اُس پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ اس تواضع اور خوش اخلاقی پر بوڑھا سفیر بھی دنگ رہ گیا اور کہنے لگا کہ وہ کون تدبیر ہے جو اس کی خسروانہ عنایت حاصل کرنے کے لئے میرے اہل وطن کو اختیار کرنی چاہیئے؟ سکندر نے جواب دیا "میں چاہتا ہوں کہ تمہارے اہل وطن تمھیں اپنا حکمران منتخب کرلیں۔ اور سَو چیدہ عمائدین بطور یرغمال میرے پاس بھیجدیں"۔ اکوفس ہنسا اور کہنے لگا کہ "بندہ نواز! اگر مجھے بے غل وغش حکومت کرنی منظور ہو تو چیدہ اشخاص کی بجائے زیادہ بہتر تو یہ ہے کہ بُرے سے بُرے افراد حضور میں بھیجدوں!"

ہندوستان میں ٹکسالا[1] کے راجہ کی سلطنت مصر کے برابر وسیع سمجھی جاتی تھی اور اپنی سرسبزی شادابی اور میووں کی افراط میں ممتاز تھی۔ خود راجہ بھی اپنی عقلمندی کے لئے مشہور تھا۔ سکندر سے پہلی ملاقات میں اس نے اس طرح گفتگو کی کہ:

ہم تم آپس میں ناحق کیوں لڑیں، جبکہ تمہارے یہاں آنے کا مقصد ہمارا آب ودانہ غصب کرنا نہیں؟ حالانکہ یہی دو چیزیں ایسی ہیں جن کے واسطے صاحبان دانش بھی جنگ کرنے پر مجبور ہیں۔ باقی رہے وہ مال ومتاع اور زر وجواہر جو دنیا کی آنکھوں میں بہت بڑی چیز سمجھے جاتے ہیں۔ تو اگر میرے پاس تم سے زیادہ ہوں تو میں بہ خوشی تمھیں حصّہ دینے کو آمادہ ہوں۔ لیکن تمہارے پاس یہ دولت مجھسے زیادہ نکلے تو تمہارا زیر بار منت بننے میں

[1] ٹکسالا یہ قدیم راج دھانی موجودہ راولپنڈی کے پاس واقع تھی۔ اس کے کھنڈر ڈیرھی شاہان کے نام سے اب تک وہاں پائے جاتے ہیں۔ م

بھی مجھے کوئی عار نہیں!"

یہ فقرے سُن کے سکندر پھڑک گیا اور اس سے بغل گیر ہو کے کہنے لگا "یہ نہ سمجھنا کہ یہ بھولی بھالی باتیں بنا کے تم میرے ہاتھ سے بچ نکلو گے، اور بے مقابلہ کئے مجھ پر غلبہ پا لو گے نہیں۔ اس تواضع اور خوش اخلاقی ہی میں سہی، میں تم سے مناقسہ ضرور کروں گا اور تمھیں اپنے سے بڑھنے نہ دوں گا۔" چنانچہ اُس نے راجہ کے تحایف سے کہیں زیادہ گراں بہا تحفے اُسے دیئے۔ اور ان کے سوا ایک ہزار مسکوک ٹیلنٹ دے کے اپنی فیاضی کا نقش بٹھایا۔ اتنی خطیر رقم کا اس ذرا سی بات اور آن کی خاطر اس طرح لُٹا دینا خود سکندر کے رفقا کو ناپسند ہوا البتہ ہندوستانیوں میں اُس کی بڑی شہرت ہوئی اور اکثر اس کے گرویدہ ہو گئے۔

مگر اب ہندوستان کے منتخب جنگ آزما میدان میں نکلے۔ یعنی ریاستوں کے نوکر ہو کے اُن شہروں کی مدافعت پر آمادہ ہوئے جو سکندر کے حملے کی زد میں تھے۔ اور حقیقت میں انھوں نے سکندر کو ناک چنے چبوا دیئے۔ یہاں تک کہ جب ایک مقام تسخیر ہوا اہل شہر کو امان مل گئی اور یہ تنخواہ دار سپاہی اس مقام سے نکل کے دوسری طرف چلے تو سکندر نے اُن پر حملہ کیا اور سب کو چن چن کے قتل کر ڈالا۔ یہ نقض عہد کا ایسا داغ ہے جو اس کی جنگی فتوحات پر ہمیشہ کے لئے لگ گیا ورنہ اس نے اپنی تمام لڑائیوں میں کبھی ایسی لغزش نہ کھائی جو اس کی شریفانہ شجاعت اور شاہانہ داد و ستد یا انصاف کے منافی ہوتی۔ انھیں سپاہیوں کی طرح سکندر کو ہندوستانی حکمانے بھی کچھ کم پریشان نہیں کیا۔ جو برابر آزاد ریاستوں کو مدافعانہ جہاد پر اُبھارتے پھرتے تھے اور اُن راجاؤں پر جنھوں نے سکندر کا غاشیہ اطاعت کندھے پر ڈال لیا تھا۔ تبرّیٰ کرتے تھے۔ ان اہلِ علم میں سے بھی بعض کو سکندر نے گرفتار کرا کے پھانسی دلوائی۔

سکندر نے اپنے خطوط میں فورِ ہندی (راجہ پورس) کی لڑائیوں کا حال خود تحریر کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ فریقین کے درمیان دریائے جہلم حایل تھا اور اُس پار راجہ کے حکم سے

ہر وقت ہاتھیوں کی صف دشمن (یعنی یونانیوں) کی سمت سر کئے تیار رہتی تھی کہ دریا کو عبور کرنے نہ دے۔ ادھر میں ہر روز اپنے لشکر میں غل و شور برپا کراتا رہتا تھا کہ ان ملیچھوں کو (ہماری موجودگی میں) کسی قسم کا شبہ نہ ہونے پائے۔ آخر ایک رات جبکہ گھٹا ٹوپ اندھیرا ہو رہا تھا، میں کچھ پیادہ اور کچھ چیدہ سوارے کے راجہ کے لشکر سے دور فاصلے پر دریا میں داخل ہوا مگر ابھی یونانی وسط دریا میں ایک ٹاپو تک پہنچے تھے کہ بارش کے سخت طوفان نے آگھیرا اور کڑک چمک کے سوا ہوا کے جھکڑوں اور بگولوں نے ہوش و حواس پراگندہ کر دیئے۔ میں نے اس حال میں یہ دیکھکر کہ بجلیاں لوگوں کو جھلسائے دیتی ہیں چارہ کار اسی میں دیکھا کہ دریا کے پار فوج کو لیجاؤں۔ لیکن سکندر لکھتا ہے کہ طوفان نے اب جہلم کو اس درجے گہرا اور تیز کر دیا تھا کہ موجوں نے بہاؤ کے زور سے سارے کنارے میں کٹاؤ ڈال دیئے اور اترنے میں بے حد دقتیں پیش آئیں کہ پھسلنی زمین پر قدم جمنے مشکل تھے۔" اسی موقع پر کہتے ہیں اُس نے کہا تھا کہ اواہل ایتھنز! اُن پرُ خطر مصائب پر بھی تم یقین لاؤ گے جو تم سے داد لینے کی خاطر میں نے برداشت کئے؟" لیکن یہ روایت اونی سک ری ٹس کی ہے سکندر بیان کرتا ہے کہ کنارے سے فاصلے پر ہی کشتیاں چھوڑ کر سینہ تک پانی میں اہل فوج پانی کی پتلی پتلی کھاڑیاں عبور کر آئے۔ اور اب وہ سواروں کو ہمراہ لے کے دو ڈھائی میل اپنی پیادہ فوج سے آگے بڑھ آیا کہ اگر دشمن کے صرف سواروں سے مقابلہ ہوا تب تو حملہ آوروں کی قوت بھی کافی ہوگی لیکن اگر فریق مخالف نے اپنی کل فوج لے کے لڑائی ڈالی تو اس اثنا میں یونانی پیادے بھی برسرِ موقع پہنچ جائیں گے۔ چنانچہ اُس کا یہ خیال بالکل صحیح نکلا۔ پہلے ہی راجہ کے سواروں سے مقابلہ ہوا کُل ایک ہزار سوار اور ساٹھ جنگی رتھیں اپنے لشکر کو بہت پیچھے چھوڑ کر مقابلے پر آئیں جن میں چار سو سوار مقتول ہوئے اور رتھ ایک بھی سلامت نہ لوٹی یعنی سب کی سب یونانیوں نے گرفتار کر لیں۔ اس اثنا میں پورس (جس نے سمجھ لیا تھا کہ ہو نہ ہو خود سکندر دریا پار کر آیا) اپنے سارے لشکر کو لے کے لڑنے نکلا۔ البتہ تھوڑی سی

فوج نگہبانی کے واسطے دریا پر اُس نے چھوڑ دی کہ اُدھر سے یونانی دریا کو اُترنے کا ارادہ کریں تو انھیں وہیں کے وہیں روک لے۔ سکندر نے اس جمِ غفیر کی ٹکر اور جنگی ہاتھیوں کا ریلا بچایا۔ اور سامنے پڑنے کے بجائے دو حصوں میں اپنی فوج بانٹ کر دشمن کے دہنے بازو پر خود ٹوٹ کے گرا اور میسرہ پر کینوس کو حکم دیا کہ بجلی کی طرح جا پڑے۔ چنانچہ یہ تدبیر حسبِ دلخواہ کامیاب ہوئی۔ دشمن کے یمین و یسار ٹوٹ گئے اور تتر بتر ہو کر قلب کی طرف سمٹ آئے جس سے خود بخود ہاتھیوں کا سامنا رک گیا۔ مگر یہاں وہ جم کر دست بدست لڑے اور دن کے آٹھویں گھنٹے تک پوری طرح مغلوب و منہزم نہ ہوئے یہ وہ بیان ہے جو خود فاتح اپنے رقعات میں لکھ کے چھوڑ گیا ہے۔

اس روایت میں تمام مؤرخ متفق ہیں کہ پورس چار ہاتھ اور ایک بالشت لمبا تھا اور اپنے جسیم و عظیم ہاتھی پر بیٹھا ہوا اُس سے ایسا متناسب معلوم ہوتا تھا جیسے کوئی سوار اپنے گھوڑے سے۔ اس ہاتھی نے بھی لڑائی میں اپنی فراست اور وفاداری کے عجیب و غریب جوہر دکھائے۔ چنانچہ جب تک اس کا مالک صحیح و توانا، لڑائی لڑتا رہا، ہاتھی نے بڑی دلیری سے اس کی مدافعت کی اور اس پر حملہ کرنے والوں کو پاس نہ پھٹکنے دیا لیکن جونھیں کہ تیروں کے زخموں سے چور ہو کر راجہ بے قابو ہوا تو اس نمک حلال حیوان نے اُسے گرنے نہ دیا بلکہ باہستگی دوزانو ہو گیا، اور اپنی سونڈھ سے اس کے تیر کھینچ کھینچ کر نکالنے لگا۔

پورس جب گرفتار ہو کے آیا تو سکندر نے پوچھا کہ کس سلوک کی توقع ہے؟" اس نے جواب دیا "شاہانہ سلوک کی" اور جب مکرر یہی سوال کیا گیا تو اُس نے کہا کہ سب کچھ اسی مختصر میں آگیا، اور سکندر نے بھی اس کو مایوس نہ کیا بلکہ خود اس کی مملکت کے علاوہ اور کئی آزاد اقوام کا علاقہ جنھیں یونانیوں نے بزور مطیع کیا تھا، اُسے والی بنا کے بخش دیا۔ کہتے ہیں اس صوبے داری میں پندرہ قومیں اور بے شمار دیہات کے علاوہ پانچ ہزار بڑی بستیاں شامل تھیں۔ مگر یہاں کا ایک اور صوبہ جس پر فیلقوس نامی اپنے ایک دوست کو سکندر نے

متعین کیا، پورس کی ولایت سے بھی نکلتا تھا۔

پورس کی لڑائی کے کچھ دن بعد سکندر کا محبوب گھوڑا بوسی فلس مرگیا۔ اکثر مستند مؤرخ تو اس کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ وہ اپنے زخموں سے معالجے کے باوجود جاں بر نہ ہوسکا لیکن اونی سک ری ٹس کا بیان ہے کہ اس کی عمر تیس برس کی ہو چکی تھی، کہاں تک جیتا مضمحل اور ضعیف ہو کے مرگیا۔ بہرحال سکندر کو اس کی موت کا اتنا صدمہ ہوا جتنا کہ کسی عزیز اور مدت کے ساتھی کا ہوسکتا ہے۔ اُس کی یادگار میں جہلم کے کنارے ایک شہر بھی سکندر نے تعمیر کیا اور اس کا نام بوسی فالیہ رکھا۔ اسی طرح کہتے ہیں اُس نے اپنے ایک چاہتے اور دست پروردہ کُتّے پری تاس کے نام پر بھی شہر آباد کیا تھا۔ اس روایت کا راوی سوشن نے ہٹوماں بس لیسی کو بتایا ہے۔

لیکن اس آخری جنگ نے مقدونیہ والوں کی کمرہمت توڑی۔ اور ہندوستان میں آگے بڑھنے سے روک لیا۔ انھوں نے دیکھا کہ پورس صرف بیس ہزار پیادہ اور دو ہزار سوار مقابلے میں لایا تھا۔ پھر بھی ایسا لڑا کہ حملہ آوروں کے جی چھوٹ گئے۔ اب اگر سکندر کے ارادہ کے بموجب دریائے گنگا تک بڑھے، جس کا پاٹ انھوں نے سُنا تھا کہ بتیس فرلانگ ہے اور گہرائی سوگز، اور جس کے دوسرے کنارے پر دشمنوں کے بے تعداد لشکر موجود ہیں، تو نہ معلوم کیا انجام ہو پس انھوں نے بالاتفاق آگے بڑھنے کی مخالفت کی، یہ بھی معلوم ہوا تھا کہ گندارتاں اور پریسیاں کے راجہ مہاراجہ اسی اسی ہزار جنگی رتھ اور سوار اور چھ ہزار ہاتھی اور دو لاکھ پیادوں کی مسلح فوج لئے لڑائی پر تُلے ہوئے ہیں کہ یونانیوں کو گنگا سے عبور نہ کرنے دیں اور بے شبہ یہ خبریں کچھ بے اصل اور انھیں ڈرانے کے واسطے نہ تھیں۔ کیونکہ دیکھو جب تھوڑے دن بعد چندرگپت اسی مملکت پر حکمراں ہوا تو پانچ ہزار ہاتھی اس نے ایک ہی مرتبہ کے تحفے میں سلوکس (یونانی) کے پاس بھجوائے تھے اور پھر چھ لاکھ کے زبردست لشکر سے سارے ہندوستان کو فتح کیا تھا الغرض سپاہیوں نے بڑھنے میں حجت کی تو سکندر نہایت مغموم ہوا اور اپنے خیمے کا دروازہ

بند کر کے پڑ رہا کہ اگر دریائے گنگا کو سپاہیوں نے عبور نہ کیا تو ان کے تمام پچھلے کارنامے میری نظر میں بے کار اور بے وقعت ہو جائیں گے کیونکہ ان کا اس وقت انکار گویا اپنی شکست کا خود اعتراف کرنا ہے۔ لیکن آخر اس کے دوستوں نے بہ مشکل اُسے سمجھایا اور سپاہیوں کی الحاح وزاری سُن کے جو خیمے کے گرد فریادیوں کی وضع بنائے اس کی منّت سماجت کر رہے تھے، وہ طوعاً وکرہاً مراجعت پر آمادہ ہوا۔ پھر بھی اس کے جی نے یہ نہ مانا کہ اپنی یادگاریں بڑھا چڑھا کے چھوڑے بغیر ہندوستان سے جائے۔ چنانچہ وہ جگہ جگہ اسلحہ اور گھوڑوں کے ساز و یراق بطور اپنی نشانی کے چھوڑ گیا۔ اور انھیں ان کے اصلی طول و عرض سے کہیں زیادہ بڑا بنوایا تاکہ آیندہ نسلوں پر بھی اس کی عظمت و سطوت نقش قایم ہو۔ نیز اس نے دیوتاؤں کے نام کی قربان گاہیں بھی نصب کیں جن کی آج تک پرلیسیاں کے راجہ حرمت و تقدیس کرتے ہیں اور دریا عبور کرتے وقت برابر یونانی رسوم کے مطابق قربانیاں چڑھاتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ چندرگپت جو اس زمانے میں کم عمر تھا اور وہاں سکندر سے ملا تھا، بعد میں اکثر کہا کرتا تھا کہ اس کے ملک پر قابض ہو جانے میں ذرا سی کسر رہ گئی ورنہ وہاں کا بادشاہ وقت اس قدر کم نسب اور شریر ظالم تھا کہ تمام اہلِ ملک اس سے دلی نفرت کرتے تھے۔

اب سکندر کو سمندر دیکھنے کی عجلت تھی۔ اس غرض کے لئے اُس نے بہت سی ناویں اور ڈونگے تیار کرائے اور ان میں بیٹھ کر آرام و اطمینان کے ساتھ دریا دریا روانہ ہوا۔ مگر یہ دریائی سفر بھی خالی از منفعت نہ تھا اور نہ اس میں وہ بیکار رہا۔ بلکہ برابر دریا کے دونوں جانب اُتر اُتر کے حملے کرتا اور مضبوط قلعوں کو تسخیر کر کے سارے علاقے کو مفتوح کرتا چلا جاتا تھا۔ لیکن انھیں لڑائیوں میں ایک مرتبہ ملّیوں کے کسی شہر کے محاصرے میں وہ مرنے سے بال بال بچا۔ یہ ملّی ہندوستان کی سب سے بہادر قوم مانے جاتے ہیں۔ انھیں کے ایک قلعے پر یونانیوں نے حملہ کیا اور جب تیر مار مار کے محصورین کو پسپا کر چکے تو کمندیں

ڈال ڈال کے اور فوجی سیڑھیاں لگا کے فصیلوں پر چڑھنے لگے۔ ان میں سب سے پہلا شخص جو اوپر چڑھا سکندر تھا۔ مگر اس کے پہنچتے ہی سیڑھی ٹوٹ گئی اور وہ قریب قریب تن واحد اوپر رہ گیا اور ہر طرف سے غنیم کے تیروں کا نشانہ بن گیا۔ اس مخدوش حال میں وہ جس طرح بن پڑا تیروں سے بچ کے لوٹا اور عین دشمنوں کے درمیان کود پڑا۔ اور خوش قسمتی سے آیا بھی پیروں کے بل سیدھا۔ دشمن اس کے اسلحہ کی جھنکار اور چمک دیکھ کے پہلے تو ذرا بدحواس ہوئے بلکہ ان کی آنکھیں ایسی چوندھیائیں کہ اس کے جسم کے گرد انھیں شعلے یا کوئی دہکتی شے (جسے وہ آسیب سمجھے) نظر آئی اور وہ خوف زدہ ہو کے اِدھر اُدھر بھاگ گئے۔ مگر اتنے میں سکندر کی فوج خاصہ کے دو سپاہی آپہنچے اور انھیں دیکھ کر دشمن پھر جھپٹے کہ نیزہ و تلوار سے اس کے ٹکڑے اُڑا دیں۔ اسی ہنگامے میں جب وہ جان پر کھیل کر اپنی مدافعت کر رہا تھا ایک ہندی نے اپنی کمان لی اور اس طاقت سے کھینچ تیر مارا کہ اس کی آہنی زرہ کو توڑ کر پسلی پر لگا۔ یہ ایسی ضرب تھی کہ سکندر لڑکھڑا گیا اور اس کا ایک گھٹنا زمین پر ٹک گیا۔ اسی وقت اس کا حملہ آور تلوار گھسیٹ کے جھپٹا کہ ایک ہی وار میں کام تمام کر دے کہ اُس کے دونوں ساتھی حائل ہو گئے جن میں ایک (لِم نس) نے تو زخم کاری کھایا مگر دوسرا اسی طرح اڑا رہا یہاں تک کہ سکندر نے اپنے حملہ آوروں کا قصہ پاک کر دیا۔ لیکن اس سے اس کی نجات کسی طرح نہ ہو سکتی تھی دو مارے تو ان کی جگہ دس اور آگئے۔ اور ان سب پر طرّہ یہ ہوا کہ اور بیسوں زخموں کے علاوہ ایک لٹھ (یا گُرز) اس کی گردن پر ایسا لگا کہ یہ مجبوری دیوار کا سہارا لینا پڑا۔ پھر بھی اس کا منہ دشمنوں کی طرف تھا۔ یہ لمحے گویا انتہائی بیم و رجا کا وقت تھا۔ بارے عین اسی وقت مقدونوی آپہنچے اور اس کے اِردگرد حلقہ بند ہو گئے۔ جب اُسے اُٹھایا تو آنکھیں تکلیف سے بند ہوئی جاتی تھیں اور خیمے تک آتے آتے بالکل بے حس و حرکت ہو چکا تھا۔ اسی پر فوج میں افواہ اُڑ گئی کہ وہ مر گیا۔ لیکن جب لوگوں نے بہ ہزار دشواری زرہ اُتارنے

کے لئے اس مضبوط چوبی تیر کو آری سی کاٹا اور زرہ بکتر ہٹا کر کے پیکاں نکالا تو وہ تین انگل چوڑا اور چار انگل لمبا اور ہڈی میں پیوست پایا گیا۔ اُس کے کھینچتے وقت سکندر پر موت کی سی غشی طاری ہوگئی تھی لیکن عمل جراحی کے بعد وہ پھر ہوش میں آگیا۔ تاہم جان کا خطرہ دور ہو جانے کے باوجود عرصہ تک وہ نہایت ناتواں رہا اور پرہیزی غذائیں اور دوا کرتا رہا۔ حتیٰ کہ ایک دن جب اہل مقدونیہ اُس کے دیکھنے کے شوق میں بہت بے قرار تھے، وہ اُن کی آوازیں سُن کر پہلی مرتبہ چُغہ پہنکے باہر نکلا اور پھر مراسم نذر و نیاز ادا کرنے کے بعد بلا تاخیر کشتی میں سوار ہو کے سفر شروع کر دیا۔ راستے میں پہلے کی طرح دونوں جانب کا علاقہ فتح کرتا جاتا تھا اور اسی میں بعض بڑی بڑی بستیاں بھی اس کے تصرّف میں آگئیں۔ اسی دریائی سفر میں اس نے دس ہندوستانی حکما بھی گرفتار کئے جو سبّاس قوم کو اس کی مخالفت پر آمادہ کرنے میں بہت پیش پیش تھے اور اہل مقدونیہ کو نہایت حیران و پریشان کر رہے تھے۔ یونانی ان کو جمنو سافسٹ (حکما، عریاں) یا رشی کے نام سے یاد کرتے تھے۔ اور مشہور تھا کہ وہ ہر بات کا جواب فوراً اور مختصر سے مختصر الفاظ میں دینے میں کمال رکھتے ہیں۔ سکندر نے اس کی آزمایش کی اور اور ان میں سب سے سن رسیدہ شخص کو حکم بنا کے مشکل مشکل سوال پوچھنے شروع کئے مگر جتا دیا کہ اگر جواب مُعلق اور بے محل ہوئے تو گردن مار دی جائے گی۔ اس نے پہلے سے پوچھا کہ تمہاری دانست میں مُردوں کا شمار زیادہ ہے یا زندوں کا؟"

جواب ملا:- "زندوں کا۔ کیونکہ جو مر چکے ان کا وجود نہیں ہے!"

دوسرے سے پوچھا "بتاؤ سمندر میں جانور زیادہ پیدا ہوتے ہیں یا زمین (خشکی) پر؟"

جواب:- "خشکی پر! کیونکہ سمندر تو خود زمین کا ایک جزو ہی!"

تیسرے سے اس کا سوال تھا کہ "جانوروں میں سب سے چالاک جانور کون سا ہی؟"

جواب:- "وہ جو ابھی تک آدمی کو نہ دستیاب ہو سکا!"

چوتھے سے اس نے دریافت کیا کہ "بھلا وہ کونسی دلیل تھی جو سبّاس قوم کو میری خلاف ابھارنے میں تم نے استعمال کی"

جواب:- "کچھ بھی نہیں سوائے اس کے کہ یا انھیں شرافت کے ساتھ زندہ رہنا چاہیئے یا شرافت کے ساتھ مرجانا چاہیئے۔"

پانچویں سے سوال کیا کہ رات اور دن میں پہلے کون خلق ہوا (کس کی عمر بڑی ہی)؟
جواب :۔ "دن! جو رات سے کم از کم ایک دن ضرور بڑا ہے!" مگر یہ دیکھکر کہ سکندر اس جواب سے کچھ خوش نہیں ہوا، اس نے یہ اور اضافہ کیا کہ ایسے انوکھے سوالوں کے جواب بھی انوکھے ہوں تو اس میں تعجب کی کونسی بات ہی؟ تب سکندر آگے بڑھ گیا اور اور اگلے سے پوچھنے لگا کہ کون سا فعل آدمی کو نہایت محبوب و ہر دلعزیز بنا سکتا ہی؟ کہا "قوت، بشرطیکہ لوگوں کو مرعوب و مخوّف نہ کرے!"
ساتویں سے پوچھا وہ کیا طریقہ ہے کہ آدمی اُسے اختیار کرنے سے خدا بن جائے؟ جواب دیا :۔ "ایسے کام کرنا، جو لوگوں کی نظر میں ناممکن العمل ہوں!"
آٹھویں نے اپنے سوال کے جواب میں کہا: "مرگ و زیست میں زیادہ طاقتور زیست ہی جو دنیا کی اتنی مصیبتوں کو سہارنے کا حوصلہ رکھتی ہے۔"
آخری شخص سے استفسار کیا گیا کہ آدمی کے لئے کس وقت تک جینا مناسب اور پسندیدہ ہی؟ کہا "جب تک زندگی سے زیادہ موت کی خواہش ہو!"
اب سکندر اس کی طرف پلٹا جسے حکم بنایا تھا اور حکم دیا کہ ان جوابوں پر محاکمہ کر کے اپنا فیصلہ سنائے۔
وہ کہنے لگا "میں تو جو کچھ فیصلہ کر سکا وہ یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک کا جواب دوسرے سے بدتر تھا!" سکندر نے کہا "خوب! اس بے معنی فیصلے کی سزا میں سب سے پہلے تو تمھیں پھانسی ملنی چاہیئے۔" رشی نے جواب دیا "ہرگز نہیں۔ کیونکہ تمہارا قول تو یہ تھا کہ جو سب سے برا جواب دے گا وہ سب سے پہلے مارا جائے گا؟"
آخر میں اُس نے ان سب کو تحائف دے کر رخصت کر دیا۔ لیکن ان لوگوں میں جو مہارشی نہایت ممتاز و محترم مشہور تھے اور راہبانہ زندگی بسر کرتے تھے، انھیں اس نے حکیم یوجانس کلبی کے شاگرد اونی سک ری ٹس کی وساطت سے اپنے پاس بلوایا۔ کالے نوس (ہندی)

نے تو کہتے ہیں کمال تبختر و غرور سے یہ کہا کہ "جب تک وہ بالکل برہنہ ہو کر نہ سُنے کوئی بات اس سے نہیں کی جائے گی۔ چاہے وہ خاص جوپیٹر دیوتا ہی کے پاس سے کیوں نہ آیا ہو" لیکن ڈنڈامیس رشی نے اخلاص و تواضع کے ساتھ ملاقات کی اور سقراط، فیثا غورث اور دیوجانس کے حکیمانہ اقوال سُن کے فرمایا کہ "میرے خیال میں یہ سب بڑی قابلیتوں کے لوگ تھے۔ اور وہ اگر کسی بات میں چوکے تو وہ یہ تھی کہ انھیں اپنے ملک کے رواج و قوانین کا حد سے زیادہ لحاظ رہا۔"

دوسری روایت یہ ہے کہ اُس نے سوائے اس کے کوئی بات نہ پوچھی کہ سکندر کے اتنی دُور چل کر یہاں آنے کی علت غائی کیا ہے؟

کالے نوس رشی کو بھی آخر اہل ٹکسلا نے سکندر کے پاس آنے پر آمادہ کر لیا۔ اس بزرگ کا اصلی نام سفی نس تھا۔ لیکن اس کا تکیہ کلام کالے ہونے کی وجہ سے یونانی لوگ اسے "کالے نوس" کہنے لگے تھے۔ کالے ہندی زبان میں ایک طرح کی صاحب سلامت ہے اور حکیم مذکور جب کبھی کسی سے ملتا ہمیشہ یہی لفظ کہتا۔

روایت ہے کہ اُس نے سکندر کو ملک داری کے متعلق ایک دلچسپ سبق اشارات میں دیا تھا جس کی تفصیل یہ ہے کہ ایک سوکھی اور سلوٹیں پڑی کھال زمین پر بچھا کے وہ اس کے گرد کنارے کنارے چلنے لگا۔ جب وہ ایک طرف سے دبتی تھی دوسری طرف سے اُبھر جاتی تھی، یہاں تک کہ اس نے بیچ میں پانوں رکھا جس سے وہ پھیل کر سیدھی اور ٹھیک ہو گئی۔ کنایہ اس میں یہ تھا کہ (سکندر) بادشاہ کو سلطنت کے مرکز پر زیادہ وقت گزارنا چاہیئے نہ کہ سرحدی مقامات پر!

سکندر کا دریائی سفر سات مہینے میں پورا ہوا۔ اس کے بعد سمندر میں اُترتے ہی وہ ایک جزیرے پر لنگر انداز ہوا۔ اور خود ہی اس کا نام سِکل لس ٹِس تجویز کیا، پھر رسوم نذر و نیاز بجا لانے کے بعد سمندر اور ساحل بحر کے متعلق جو کچھ مشاہدات اُسے کرنے تھے کئے اور

دیوتاؤں سے دُعا مانگی کہ یہ نہو کہ کوئی اور متنفس میری مہم کی وسیع حدود سے آگے بڑھ جائے۔

اس مقام سے سکندر نے اپنا بیڑا آگے روانہ کر دیا۔ اور خود بری راستے سے علاقہ اوری ٹس میں سے منازل کرتا چلا۔ بیڑے کا امیر البحر اس نے نیارخس کو اور سردار اونی سک ری ٹس کو بنایا تھا انھیں حکم تھا کہ ساحل ہندوستان کو اپنے سیدھے ہاتھ پر چھوڑتے ہوئے کنارے سے قریب قریب چلے آئیں۔ ادھر اس کے بری سفر میں سخت مصائب پیش آئے۔ کیونکہ وہ ملک بنجر اور وہاں کے باشندے نہایت مفلس و شکستہ حال تھے جن کی ساری مال متاع بھیڑیں تھیں سو وہ بھی ایسی کہ جن کا گوشت حد درجے بدبودار اور خراب تھا۔ غرض سکندری افواج کو یا تو رسد بالکل ہی میسّر نہ آتی تھی اور یا ایسی کہ جسے کھانے سے طرح طرح کے امراض پیدا ہو جاتے نتیجہ یہ ہوا کہ جب وہ لشکر گراں جس میں ایک لاکھ بیس ہزار جوان اور پندرہ ہزار سوار تھے ہندوستان سے واپس پھرا تو چوتھائی بھی باقی نہ رہا تھا۔ اور ایک جماعت کثیر بُری غذا، وبائی امراض اور گرمی کی شدت سے ہلاک ہو گئی تھی۔ خاص کر خوردنی اجناس کے قحط نے ان کو بے حد نقصان پہنچایا تھا۔

ساٹھ روز کے پر مشقت کوچ کے بعد یونانی گڈروسیہ (یعنی موجودہ مکران) کے علاقے میں داخل ہوئے جہاں فراوانی کے ساتھ سامان رسد میسّر آیا جو اطراف کے بادشاہوں اور صوبجات کے والیوں نے اس کی آمد سن کر پہلے سے باحتیاط فراہم کر رکھا تھا۔ جب یہاں سکندر اپنی فوج کو آرام دے چکا تو کرمان کے راستے آگے بڑھا۔ اور سارے رستے برابر سات دن تک جشن مناتا رہا۔ وہ بنفس نفیس اپنے یاران بے تکلف کے ساتھ ایک بلند و وسیع تخت پر سوار تھا جس میں آٹھ گھوڑے جُتے تھے۔ اسی پرشہانہ روز محفل عیش و طرب جمتی اور سفر آہستہ آہستہ شاہانہ چال سے طے کیا جا رہا تھا۔ اس کے پیچھے رتھوں کی قطار تھی۔ جن پر قیمتی کپڑا منڈھا ہوا تھا اور بعض کی چھتریاں ہری ڈالیوں

سے تیار کی گئی تھیں جو ہمیشہ تازہ بہ تازہ تیار کی جاتیں۔ ان میں اس کے باقی ماندہ دوست احباب اور فوج کے بڑے بڑے سردار، پھلوں کے گہنے پہنے، مصروف میگساری تھے اور انھیں کی طرح ادنیٰ اعلیٰ سوار پیادہ شاہد عشرت سے ہمکنار بے غل وغش شرابیں پی رہے تھے۔ تلوار کے قبضے اور نیزوں کی ڈانڈ کی جگہ گردن مینا پر ہاتھ تھا، یا جام تھر کالی پر ہر طرف صدائے نوشا نوش بلند تھی۔ اور سپاہی راستے بھر ایک دوسرے کی یاد میں[1] ساغر پہ ساغر چڑھا رہے تھے۔ بانسلی کے دل گداز نغمے اور عود و رباب کی پُرکیف نوائے شیریں ہوا میں گونج رہی تھی، جگہ جگہ گانا بجانا ہو رہا تھا اور رنڈیاں اسی جوش مستی کے ساتھ رقص کر رہی تھیں جو باکوس (یونانیوں کا کنہیا) دیوتا کے تہواروں میں نظر آیا کرتا ہے۔ بلکہ یہ ہنگامۂ ہاو ہو یہ قدح نوشی اور اسی کے ساتھ ہر قسم کی عیش کاری دیکھ کے یقین ہوتا تھا کہ خود باکوس زمین پر اُتر آیا ہے اور ان بیفکروں کے آگے آگے اُچھلتا کودتا ناچتا گاتا چلا جاتا ہے۔

المختصر جب یہ بے قاعدہ سفر عشرت ختم ہوا اور گدروسیہ کے محل شاہی پر سکندر نے منزل کی تو پھر وہی راگ رنگ تفریح و نشاط کے جلسے جما دیئے اور کئی روز تک سپاہیوں کو آرام دیا۔ اسی قیام کے زمانے میں ایک دن سکندر کا گزر کسی محفل رقص میں ہوا جہاں رقاصوں میں کہ بڑی دھوم کا انعامی مقابلہ ہونے والا تھا حسن اتفاق سے اس مقابلے میں باگوش نام ایک مطرب جیت گیا جو کہ سکندر کا نہایت محبوب کتھک تھا اور اسی سرور کامیابی میں ٹہلتا ہوا رقص گاہ سے اُترا اور وہی لباس پہنے پہنے سکندر کے قریب آ بیٹھا۔ اس کے اس فعل سے لوگ اس قدر شادماں اور خوش ہوئے کہ تالیاں بجا بجا کے آسمان سر پر اُٹھا لیا اور غل مچانے لگے کہ بادشاہ اس موقع پر باگوش کو بوسہ دیکر

[1] ہم نے قدیم ایران کا محاورہ برتا۔ ورنہ آج کل انگریزی سے لوگ یوں ترجمہ کرتے ہیں کہ "ایک دوسرے کا جام صحت پی رہے تھے"۔ ۱۲

قدر افزائی کا حق ادا کرے۔ اور جب تک کہ سکندر نے باگوش کے گلے میں باہیں ڈال اس کا منہ نہ چوم لیا یہ ہنگامہ فرو نہ ہوا۔

اسی مقام پر امیر البحر نیارچس بھی بڑی فوج سے آملا۔ اور سمندر کے سفر کا ایسا دلکش نقشہ لفظوں میں کھینچا کہ سکندر بہت خوش ہوا۔ اور آمادہ ہو گیا کہ دریائے فرات کے دہانے سے سمندر سمندر جزیرہ نمائے عرب اور برّ اعظم افریقہ کے گرد ہوتا ہوا سدّ ہرقلی[1] کے راستے بحر روم میں داخل ہو۔ اس غرض سے اُس نے احکام جاری کر دیئے کہ ہمہ قسم کے جہاز اور کشتیاں بہ تعداد کثیر مقام تھپساکوس[2] پر تیار کئے جائیں اور اس بیڑے کے واسطے مشاق و تجربہ کار ملاح اور جہازی جہاں کہیں ملیں تلاش کر کے جمع کئے جائیں۔ لیکن یہ اس کا ارادہ حیزِ عمل میں نہ آسکا۔ سلطنت کی حالت اس کی مقتضی نہ ہوئی اور ہر طرف سے شورش و فساد کی خبروں نے اُسے مجبور کر دیا کہ سفر بحری کے مزے لینے سے پہلے گھر کی خبر لے۔ بات یہ ہے کہ جب سے ہندوستان میں اس کی مشکلات کا چرچا پھیلا تھا اور ملّیوں کے ہاتھ سے اس کی جان جانے کی افواہ اُڑی تھی ساتھ ہی لوگوں کو معلوم ہوا تھا کہ یونانی ہندوستان سے واپس آتے ہیں اس وقت سے سکندر کی کچھ بے رُعبی ہو گئی تھی۔ دوسرے اس کے بعض بعض صوبے داروں نے رعایا پر ایسی شرمناک سختیاں کرنی شروع کی تھیں کہ ان کے ظلم اور طمّاعی کے ہاتھوں بہت سے لوگ عاجز آگئے تھے۔ اور مفتوحہ ممالک میں ہل چل سی نظر آتی تھی جس سے ایک انقلاب عظیم

[1] سدّ ہرقلی ہرکیولیز پلرز کا ترجمہ ہے مُراد اس سے جبل الطارق اور اس کے مقابل کی وہ افریقی پہاڑیاں ہیں جہاں سمندر بہت تنگ ہو جاتا ہے قدیم یونانی اسے دنیا کا کنارا تصوّر کرتے تھے اور معتقد تھے کہ ہرقل سورما نے یہ دو طرفہ پہاڑ ستونوں کے طور قائم کر دیئے ہیں اور گویا اہل ارض کے لئے ایک سدّ بنا دی ہے کہ آگے جانے کا ارادہ نہ کریں۔ مترجم

[2] بقول ابن معتمد یہ وہی جگہ ہے جس کا انجیل مقدس میں طفسہ کے نام سے بار بار ذکر آتا ہے۔ دریائے فرات کے کنارے صوبہ موصل میں واقع تھا۔ اور اب اس کے کھنڈروں کا شہر رقّہ کے مقابلے میں سراغ لگایا جاتا ہے۔ (دیکھو ممسن کی تاریخ اور انسائیکلوپیڈیا موصل کے بیان میں) م

واقع ہو جانے کا خدشہ تھا۔ خود مقدونیہ میں کلیوپٹرا اور اولم پیاس نے جھگڑے کھڑے کر رکھے تھے اور نائب السلطنت انٹی پاٹر کے خلاف ایک جتھا بنا کے علاقے کی حکومت کو آپس میں تقسیم کر لیا تھا۔ چنانچہ اپیروس پر تو اولم پیاس متصرف ہو بیٹھی تھی اور مقدونیہ خاص پر کلیوپٹرا کا قبضہ تھا۔ اسی تقسیم سلطنت کو سُن کر سکندر نے کہا تھا کہ میری ماں (اولم پیاس) نے حقیقت میں بڑی ہشیاری کی کہ اپیروس کو منتخب کیا کیونکہ مقدونیہ والے اس ہتک کو کبھی گوارا نہیں کر سکتے کہ ان پر ایک عورت حکمرانی کرے۔"

الغرض اس فتنہ و فساد سے پریشان ہو کر سکندر نے نیارجس کو تو حکم دیا کہ اسی طرح بیڑہ لے چلے اور ساحلی علاقوں کے مفسدوں کو بزور مغلوب کرے اور خود آگے روانہ ہو گیا۔ راستے میں تمام اُن سرداروں کو جن کی بدسلوکی کی فریادیں اس تک پہنچی تھیں نہایت سخت سزائیں دیں، خاص کر ابولیٹس کے بیٹے اکسیارٹس کو خود اپنے ہاتھ سے قتل کیا، یعنی نیزہ سے چھید کر مار ڈالا۔ اور جب اس کا باپ اجناسِ رسد کے بجائے جن کی فراہمی اُس کا فرض تھا اشرفیاں لے کر دربار میں حاضر ہوا تو سکندر نے حکم دیا کہ وہ گھوڑوں کے آگے ڈالی جائیں۔ اور جب گھوڑوں نے اُن پر منہ نہ ڈالا تو وہ کہنے لگا کہ اب بتاؤ تمہارے اس سونے کا ہم کیا بنائیں؟ پھر حکم دیا کہ سردار مذکور کو قید خانے میں ڈال دیا جائے۔

ایران خاص میں پہنچکر سکندر نے وہاں کی عورتوں میں روپیہ تقسیم کرایا۔ یہ شاہان عجم کی ایک قدیم رسم تھی اور وہ جب کبھی باہر سے آتے اس بہانے اپنی رعایا کے ساتھ سلوک کرتے تھے۔ اسی پابندی کی وجہ سے کہتے ہیں کہ بعض بعض بخیلوں نے آنا جانا کم کر دیا تھا چنانچہ سُنا ہے دارا اُس تو کنجوسی کے مارے مدت العمد اپنے وطن میں نہ آیا۔ آنے کے بعد خبر ملی کہ پولی ماگس نے شہنشاہ سیروس (کورس) کا مقبرہ توڑ کے تاراج و خراب کر دیا ہے۔ سکندر نے اس کی تحقیقات کی اور سچ نکلنے پر مرتکب کو موت کی سزا دی۔ حالانکہ پولی ماگس ادنیٰ درجے کا آدمی نہ تھا بلکہ خاص مقدونیہ کے قصبہ پیلا میں پیدا ہوا اور صاحب عزت و امتیاز شخص تھا۔ اور

جب مقبرے کا کتبہ سکندر نے دیکھا تو حکم دیا کہ اس قدیم لوح کے نیچے وہی عبارت یونانی حروف میں کندہ کی جائے جس کا مفہوم یہ ہے کہ

"اے آنے والے، تو جو کوئی بھی ہو، اور جہاں کہیں سے بھی آیا ہو سُن کہ میں دولت عجم کا بانی سیرؔس ہوں۔ تو اس دو گز زمین کا جس نے میرے جسم کو ڈھانک رکھا ہے رشک نہ کر!" اسے پڑھکر سکندر سناٹے میں آگیا اور دیر تک انسانی کاموں کی ناپائیداری اور زندگی کی فناپذیری پر غور کرتا رہا۔ اس زمانے میں کالے نوس ہندی نے چتا میں بیٹھکر جل مرنے کی خواہش کی۔ اس کی انتڑیوں میں بھی کچھ خرابی پیدا ہو گئی تھی مگر مرگ طبعی سے پہلے اُس نے اپنا خاتمہ کر لینا پسند کیا اور چتا تیار کر کے تمام اہل مقدونیہ کو جمع کیا۔ پھر گھوڑے پر سوار اس مقام پر پہنچا اور کچھ منتر پڑھنے کے بعد اپنے سر کے تھوڑے سے بال کاٹ کے آگ میں ڈالے اور تیل بدن پر چھڑکا۔ پھر یونانیوں سے جو گھیرا باندھے گرد گھڑے تھے گلے مِل مِل کے رخصت ہوا اور کہنے لگا کہ آج کے دن خوب جشن مناؤ اور اپنے بادشاہ کو خوش کرو۔ مجھے یقین واثق ہے کہ میں بھی اُس سے چند روز بعد بابل میں ملاقات کرونگا! یہ باتیں کر کے مُنہ ڈھانپ چتا میں جا لیٹا اور بے حس و حرکت لیٹا رہا یہاں تک کہ شعلوں نے جسم کو گھیر لیا اور تھوڑی دیر میں جلا کے خاک کر دیا مگر وہ آخر تک ان ممالک کی مذہبی رسم اور رشیوں کے طریق خودکشی کے مطابق خاموش پڑا ہوا جل جل کے فنا ہو گیا یہی حیرت ناک تماشہ ایک اور ہندوستانی نے بھی سیزر کے وقت میں دکھایا تھا۔ اس کا مجمل حال یہ ہے کہ (عہد سکندری کے سالہا سال بعد) سیزر کے ہمراہ ایتھنز آیا اور یہاں چتا میں بیٹھکر جل گیا اور اب تک وہاں کے لوگ وہ مقام جو "ہندوستانی کا ڈھیر" کہلاتا ہے دکھلاتے ہیں۔

کالے نوس کی چتا سے واپس آئے تو سکندر نے اپنے احباب اور سرداران فوج کو ایک پر تکلف دعوت دی اور کھانے کے بعد شراب خواری کا شرطیہ مقابلہ شروع ہوا

شرط یہ تھی کہ جو شخص سب سے زیادہ پئے اُسے تمام حاضرین ایک ٹیلنٹ ادا کریں۔ چنانچہ یہ میدان پروماگس کے ہاتھ رہا جس نے کئی پنسیری شراب پیٹ میں اُتار لی۔ اگرچہ تیسری ہی دن اسی آفت میں جان سے بھی جاتا رہا۔ بلکہ چارس نے لکھا ہے کہ اس کے ساتھ اکتالیس آدمی اور تلف ہوئے جنہوں نے اس معرکے میں اظہار کمال کیا تھا اور بعد میں اسی کثرت شراب خواری اور شدت سرما سے مر کے رہ گئے۔

دار الحکومت سوسں میں سکندر نے اپنی شادی دارا کی بیٹی استاترا سے کی اور اسی کے ساتھ اپنے بہت سے سرداروں کو بھی علی قدر مراتب ایرانی امیرزادیوں سے بیاہا۔ جن یونانیوں نے اب سے پیشتر ایرانی خواتین سے شادیاں کر لی تھیں، انھیں بھی تازہ بیاہوں میں شریک کیا اور بڑے دھوم دھام سے جشن کتخدائی منایا۔ بیان کرتے ہیں کہ اس تقریب میں کم سے کم نو ہزار مہمان شریک تھے جن میں سے ہر ایک کو ایک ایک سونے کا پیالہ رسمیں ادا کرنے کی خاطر دے دیا گیا۔ اور بہت سی دیگر فیاضیوں کے علاوہ اہل فوج کے تمام قرضے چکانے میں شاہی خزانے سے جو رقم خطیر منظور ہوئی تھی اس کی مقدار نو ہزار آٹھ سو ستر ٹیلنٹ[1] تھی۔ اس تقسیم کے وقت انتاجن نے یہ چالاکی کی کہ مصنوعی قرضہ بنا کے ایک قرضی قرضخواہ کو لے آیا اور سرکاری خزانے سے معتدبہ رقم نکلوالی۔ مگر یہ جعلسازی بہت جلد کھل گئی اور سکندر اس پر اتنا ناراض ہوا کہ فوج کی سرداری چھین کر دربار سے نکلوا دیا۔ حالانکہ یہ انتاجن کوئی معمولی سپاہی نہ تھا بلکہ ایک شجاع سردار مشہور تھا اور اپنی ایک آنکھ بھی اسی اظہار شجاعت میں دشمن کی نظر کر چکا تھا۔ جس کا قصہ یوں ہے کہ جوانی میں وہ فیلقوس کے ہمراہ پرنتھس کے محاصرہ میں شریک تھا۔ جس وقت حملہ ہوا ایک تیر کسی ستابے[2] سے چھوٹ کے اس کی آنکھ میں آلگا۔ پھر ہر چند لوگوں نے اس کو میدان جنگ سے ہٹانا چاہا، نہ مانا

[1] ایک ٹیلنٹ مساوی ہے ساڑھے تین ہزار روپئے کے ۱۲

[2] ایک قسم کی قدیم کل جس سے پتھر اور تیر برسائے جاتے تھے ۱۲

اور نہ تیر ہی کو آنکھ سے جدا کرنے کی اجازت دی۔ بلکہ کمال دلیری سے شیرانہ جنگ کرتا رہا حتیٰ کہ دشمن کو ڈھکیل کر شہر میں محصور ہونے پر مجبور کر دیا۔

اب جو سکندر نے اس کو اس طرح ذلیل کیا تو ظاہر ہو گیا کہ وہ اس بے آبروئی کو برداشت نہ کرے گا بلکہ رنج و مایوسی میں بہت ممکن تھا کہ اپنی جان دے دے۔ اسی اندیشے سے آخر بادشاہ نے اس کا قصور معاف کر دیا اور وہ رقم بھی جو جعلسازی سے اس نے حاصل کی تھی بخش دی۔ وہ تیس ہزار لڑکے جنھیں اُس نے اپنے پیچھے قواعد آموزی کے لئے ماہران فن جنگ کے حوالے کر دیا تھا اس اثنا میں سدھ کے خوب تیار ہو گئے تھے۔ اور ایسے خوبصورت جوان نکلے تھے کہ دیکھنے سے جی خوش ہوتا تھا۔ سکندر نے ان کی قواعد ملاحظہ کی اور ان کی چستی چالاکی اور ہنرمندی دیکھکر نہایت مسرور ہوا۔ مگر اہل مقدونیہ کو اُس کی خوشی نے اُلٹا اندیشہ مند اور رنجیدہ کیا کہ کہیں خود وہ اُس کی نگاہوں سے نہ گر جائیں۔ چنانچہ جب ضعیف و خستہ اور زخمی سپاہیوں کو سکندر نے رخصت کرنا چاہا تو وہ سب کے سب بگڑ بیٹھے اور کہنے لگے کہ جب ساری عمر خدمت گزاری کی اور مصیبتیں ہم نے بھگتیں تو اب یہ کیسی منصفی ہے کہ ضعیفی میں ہمیں نکالا جاتا ہے کہ زندگی کے باقی دن اپنے گھروں پر ذلّت و افلاس میں گزاریں، حالانکہ جب ہم وہاں سے آئے تھے تو کیسے محنتی جوان اور خوش حال تھے؟ لہذا اُن سب نے مل کے اس سے کہنا شروع کیا کہ "اگر نکالنا ہے تو ہم سب کو ایک ہی وقت میں آزاد کرو۔ تمہارا جی چاہے تو مقدونیہ والوں کو نکما سمجھو یا کاہل اور جبتی چاہو ان ایرانی بچنیوں کے سامنے ان کی ناقدری کرو۔ بلکہ انھیں چھوکروں کو لے کر ساری دنیا پر فوج کشی کرو۔ لیکن بہرحال ہم سب کو اب ایک ہی مرتبہ رخصت کر دو کہ قصہ پاک ہو۔"

سکندر نے یہ باتیں سنیں تو نہایت برانگیختہ ہوا اور غصّے میں سخت سُست کہنے کے بعد سب کو سامنے سے نکال دیا۔ اور پاسبانی کی خدمت بھی ایرانیوں کو تفویض کی اور انھیں میں سے اپنی ذات کے لئے نوکر چاکر اور پہرہ دار بھی منتخب کر لئے۔ جس وقت وہ جلو میں اپنے

ایرانی سپاہیوں کو لے کر نکلا تو مقدونیہ والوں کی آنکھیں کھلیں اور اپنی ذلت و کس مپرسی کا احساس ہوا۔ وہ سب بلند پروازیاں بھول گئے، اور انھوں نے باہمی مشورہ کیا کہ اب کیا کرنا چاہیئے۔ کیونکہ طبیعتوں کے یکسو ہونے کے بعد وہ اپنے اس حاسدانہ اور متمردانہ حرکت پر نہایت پشیمان تھے۔ آخر جب ہوش حواس درست ہوئے تو اس کے سوا کچھ نہ سوجھا کہ سب ہتیار کھول کھول کے نہتّے بادشاہی خیمے کے پاس فقط کرتے پہنے ہوئے پہنچے اور باہر سے چلاّ چلاّ کے اپنی خطا کا اقرار کرنے لگے اور کہنے لگے کہ ہماری فرومائگی اور ناشکری پن کی جو سزا بادشاہ تجویز کرے ہم گنا ہگار اس کے برداشت کرنے کے واسطے حاضر ہیں۔ لیکن سکندر نے اگرچہ غصہ اس کا بھی دھیما ہو گیا تھا، ان کی آہ وزاری پر کوئی توجہ نہ کی اور اپنے سامنے آنے کی اجازت نہ دی۔ یہاں تک کہ ان فریادیوں کو دو دن وہیں پڑے پڑے گزر گئے اور ان کی عاجزانہ فریاد اور اپنے ولی نعمت سے رحم وکرم کی التجائیں برابر جاری رہیں۔ بالآخر تیسرے دن سکندر اپنے خیمے سے باہر نکلا اور ان کا حال سقیم دیکھکے خود بھی بڑی دیر تک روتا رہا۔ پھر ملائمت سے انھیں تنبیہ کی اور معاف کر دیا۔ اس کے علاوہ معذور سپاہیوں کو رخصت کرنے کے وقت اُس نے ان کی جیبیں زر و جواہر سے بھر دیں اور نائب السلطنت انٹی پاٹر کو تحریر کیا کہ جب یہ لوگ وطن پہنچیں تو ہر میلے ٹھیلے اور تماشے کے وقت انھیں سب سے اگلی اور بہتر سے بہتر نشستوں پر بٹھایا جایا کرے اور پھولوں کے تاج پہنا کے عزت افزائی کی جائے۔ نیز لڑائی میں جو سپاہی کام آئیں ان کی اولاد کی اسی وقت سے وہی تنخواہ جاری کر دیں جو خود ان کو ملتی تھی۔

ہمدان پہنچکر سکندر نے کارہائے ضروری سے فراغت پاتے ہی پھر وہی رنگ رلیاں اور کھیل تماشوں میں وقت گزارنا شروع کیا۔ تین ہزار تازہ دم نقال اور شاعر اور مطرب یونان سے آپہنچے تھے پھر عیش و سامان نشاط کی کیا کمی تھی۔ لیکن ہفستیاں کی علالت نے یہ سلسلہ بہت جلد منقطع کر دیا۔ اس سردار کو اگرچہ صرف بخار ہوا تھا مگر بد پرہیزی کی بدولت

اس نے اپنی جان کھو دی۔ نوجوان اور پھر سپاہی آدمی سے پوری احتیاط ہونی دشوار ہے۔ چنانچہ اس کا طبیب جلاکوس تماشہ دیکھنے گیا تھا ہفس شیاں نے مرغ کا گوشت کھا لیا اور اتنی شراب پی کہ حالت اور ردی ہوگئی اور وہ مر گیا۔ اس افسوس ناک سانحے نے سکندر کو بالکل از خود رفتہ کر دیا۔ اظہار غم میں اسی وقت حکم دیا کہ تمام گھوڑے اور خچروں کی دُمیں اور عیالیں کاٹ دی جائیں اور ہمسائے میں جتنی بستیاں تھیں سب کے برج اور فصیلیں منہدم کرا دیں۔ غریب طبیب کو سولی پر لٹکوا دیا اور منادی کر دی کہ لشکر میں کوئی گانا بجانا عرصے تک نہ ہو۔ یہ سوگ اس وقت تک کہ امن دیوتا کے مندر سے الہامی پیام آئے قایم رہا۔ آخر دیوتا کے ہاں سے یہ ہدایت آئی کہ سورما بنا کے اس کے نام پر بھینٹ چڑھائی جائے۔ تب سکندر لڑائی سے اپنا غم غلط کرنے یا دوسرے لفظوں میں انسان کا شکار کھیلنے روانہ ہوا۔ اور قوم کوزیاں پر حملہ کر کے اسے بالکل فنا کر دیا۔ یعنی اُن کے ایک ایک متنفس کو چن چن کے قتل کیا۔ اور اس کو ہفس شیاں کی روح پر نیاز کے نام سے تعبیر کیا گیا۔

سکندر کی آرزو تھی کہ ہفس شیاں کی یادگار میں ایسا عالی شان مقبرہ تعمیر کیا جائے جس کی نظیر دُور دُور نہ ہو۔ اس کام کے لئے دس ہزار ٹیلنٹ صرف کرنے کا ارادہ کیا اور استاسقراطیس سنگ تراش سے اپنا مدعا بیان کیا۔ یہ شخص حقیقت میں نہایت باکمال اور طبّاع تھا۔ اور اُس کی بڑی خصوصیت بلند نظری تھی کہ اس کی بدولت خرق عادت کاموں پر ہاتھ ڈالنے کا خواہاں رہتا تھا۔ چنانچہ ایک دفعہ سکندر سے مل کے اس نے عرض کیا تھا کہ تمام پہاڑوں میں تھریس کا جبل آطوس نہایت موزوں ہے کہ انسانی خد و خال کاٹ کر آدمی کی شکل میں متشکل کر دیا جائے! اس کا دعویٰ تھا کہ سکندر حکم دے تو اس پہاڑ کے پہاڑ کو وہ ایک ایسے مجسّمہ کی صورت میں بدل سکتا ہے جو دنیا کا سب سے زیادہ عالی شان اور پائیدار بُت ہوگا۔ اور جس کے بائیں ہاتھ پر تو دس ہزار آدمیوں کی

پوری بستی ہوگی اور دہنے سے سمندر میں وہ ایک بہتا دریا گراتا ہوا نظر آئے گا! اُس وقت تو سکندر نے اُس کی اس تجویز کو رد کر دیا تھا۔ لیکن اب اہل کمال اور کاریگروں کو بلا بلا کے مشورے کرتا اور مذکورۂ بالا منصوبہ سے بھی زیادہ محال خیالی تجویزیں سوچتا اور اختراع کرتا تھا۔

سکندر بابل کا عازم تھا کہ نیارجس سمندر سے دریائے فرات کے راستے ہوتا ہوا آیا اور باریاب ملازمت ہوا۔ اُس نے آنے کی بڑی غرض یہ بیان کی کہ چند خالدیہ کے رمّالوں نے سکندر کا بابل جانا منحوس بتایا ہے۔ لیکن سکندر نے اس کا کچھ زیادہ خیال نہیں کیا اور کوچ جاری رکھا۔ بابل کے شہر پناہ کے پاس جب وہ پہنچا تو اُس نے بہت سے کوّوں کو آپس میں لڑتے دیکھا جن میں سے بعضے مر مر کے خود اس کے پاس گرے۔ پھر بصیغۂ راز یہ خبر بھی پائی کہ اپالودرس حاکم بابل نے اس کے متعلق فال دکھوائی ہے۔ فیثاغورث رمّال کو جس نے فال دیکھی تھی، سکندر نے طلب کیا اور جب اس نے پہلی خبر کی تصدیق کی تو پوچھا کہ جس جانور کی قربانی کی اس کو کس حال میں پایا۔ اس نے صاف صاف عرض کر دیا کہ بے شک اس کے پھیپھڑے کی لَو میں نقص تھا۔ سکندر نے کہا واقعی یہ تو بڑی بدفالی کی بات ہے[1]! لیکن اس نے فیثاغورث کو کسی قسم کی سزا یا تکلیف نہ دی۔ البتہ امیرالبحر نیارجس کی نصیحت نہ ماننے پر بہت پچھتایا اور شہر میں رہنا ترک کر دیا۔ بلکہ بابل کی شہر پناہ کے باہر اِدھر اُدھر خیمے نصب کراتا اور زیادہ وقت دریائے فرات میں جہاز رانی کر کے گزارتا تھا۔ بدشگونیوں کا سلسلہ اب بھی قائم اور سکندر کو پریشان کرتا رہا۔ مثلاً ایک پالتو گدھے نے دُولتیاں مار کے ایک شیرِ ببر کو ہلاک کر دیا۔ حالانکہ وہ نہایت قوی اور عظیم الجثہ تھا۔ اور سکندر نے جتنے شیر شوقیہ رکھے تھے اُن سب میں خوبصورت تھا۔ یا ایک دن جب سکندر حمام کی تیاری میں کپڑے اتار چکا تھا اور گیند کھیل رہا تھا، بعض لوگ اس کا لباس

[1] یاد رکھنا چاہیئے کہ قربانی کے جانور میں اگر کوئی اندرونی عیب نکلتا تھا تو رومی اور یونانی لوگ اس کو بڑی بدفالی سمجھتے تھے۔

لانے گئے اس وقت چند نوجوان مصاحبوں نے ایک نئی صورت کو ملبوس شاہی اور تاج پہنے اُس کے تخت پر بیٹھے ہوئے دیکھا۔ انھوں نے پوچھا کہ تو کون ہے؟ تو پہلے تو وہ شخص گم صُم بالکل ساکت رہا پھر بڑی دیر کے بعد حواس درست ہوئے تو بولا میں دیونی سیاس باشندہ رمتیہ ہوں۔ گرفتار ہو کر یہاں آیا تھا اور قید خانے میں تھا کہ آج سراپیس دیوتا نے آکے میری زنجیریں کاٹ دیں اور اس مقام پر شاہی لباس و تاج پہنکے خاموش بیٹھ جانے کا حکم دیا۔"

سکندر نے یہ واقعہ سن کے اپنے رمالوں کی صلاح سے دیونی سیاس کو مروا ڈالا مگر خود اس کی طبیعت اس وقت سے اور زیادہ پریشان رہنے لگی۔ دیوتاؤں سے تو یہ بدگمانی ہوئی کہ اب وہ میری حمایت و حفاظت میں پس و پیش کرنے لگے ہیں اور اپنے احباب کی جانب سے یہ شک پڑ گیا کہ میرے سچے خیر خواہ نہیں۔ انٹی پاٹر اور اس کے بیٹوں سے وہ بالخصوص نہایت بدظن ہو گیا۔ ان میں یولوس تو اس کا صدر جام بردار تھا۔ باقی رہا دوسرا کسنڈر سو وہ اسی زمانے میں یونان سے آیا تھا اور اس سے بھی سکندر ناراض ہو گیا تھا۔ بات یہ ہوئی کہ یہ نوجوان جو آزادی کی ہوائیں کھاتا ہوا آیا تھا ایک مرتبہ غیر یونانیوں کو بادشاہ کی پرستش کرتے دیکھ کر بے اختیار با آواز بلند ہنس پڑا۔ اس خلاف ادب حرکت نے بادشاہ کو اس درجے برافروختہ کیا کہ اس نے بال پکڑ کے کسنڈر کا سر دیوار سے ٹکرا دیا۔ ایک اور موقع پر جب بعض لوگ انٹی پاٹر پر کچھ الزامات لگا رہے تھے کسنڈر نے ان کو ٹوکا۔ مگر سکندر نے اس کو دخل دینے سے روک دیا اور بولا کہ "کیا یہ لوگ جو اتنی دور سے قطع مسافت کر کے آئے ہیں، جھوٹ بولیں گے؟ وہ محض تمہارے باپ پر اتہام لگانے کے لئے اتنی صعوبتیں کیوں برداشت کرتے؟" کسنڈر نے عرض کیا کہ "ان لوگوں کا موقع پر سے اتنی دور آنا جہاں نہ شہادت مل سکتی ہے نہ تحقیقات ہو سکتی ہے، خود اس بات کی علامت ہے کہ ان کے اتہامات سراسر بے بنیاد ہیں!"

یہ سُن کے سکندر مُسکرایا اور کہنے لگا "یہ ارسطو کے منطقی پیچ ہیں جنھیں مدعی اور مدعا علیہ دونوں اپنی بات کی تائید میں پیش کرسکتے ہیں۔ مگر اُس نے آخر میں جتا دیا کہ یاد رکھنا کہ اگر تم یا تمہارے والد پر جرم کا ثبوت مل گیا تو میں سخت سے سخت سزا دیئے بغیر نہ چھوڑوں گا۔"

یہی وہ باتیں تھیں جن سے کسّنڈر کے دل پر سکندر کا خوف اس درجے طاری ہوگیا تھا کہ اُس کے مرنے کے بعد جب وہ مقدونیہ کا بادشاہ ہوا اور ان واقعات کو بھی سالہا سال گزر گئے تو ڈیلفی کے مندر میں بتوں کو دیکھتے دیکھتے وہ سکندر کی مورت کی طرف آنکلا، اور نہ معلوم اُس تصویر میں کس طرح کی زہریلی یاد بھری تھی کہ شاہ کسّنڈر کا نظر پڑتے ہی منہ فق ہوگیا اور دیر تک حواس دُرست نہ ہوئے؟

جب ایک دفعہ سکندر ان توہمات اور خیالی بدفالیوں سے مغلوب و متاثر ہوگیا، تو پھر ذرا ذرا سے اتفاقات بھی اس کے لئے غیر معمولی خوف کے اسباب بن گئے اور قلب کی کمزوری اور ہیبت پذیری اتنی بڑھی کہ بات بات پر رمّالوں اور کاہنوں کو طلب کیا جانے لگا چنانچہ اس گروہ کی اس کے دربار میں وہ کثرت ہوئی کہ پہلے کبھی نہ ہوئی تھی۔ نیز اس نسبت سے پیشین گوئی اور نذر نیاز کا سلسلہ بڑھ گیا۔ واقعی یہ اوہام پرستی بھی کیا بلا ہے کہ بہتے پانی کی طرح جہاں نشیب پاتی ہے وہاں اس قدر زور پکڑتی ہے کہ پھر اس کا انسداد کرنا دشوار ہوجائے اور خدا سے بے اعتبار کردینے کے علاوہ یہی عیب کیا اس میں کم ہے کہ آدمی حد سے زیادہ شکّی بزدل اور بےچین ہوجاتا ہے، جیسا کہ سکندر کے حال سے ثابت ہے۔ آخر تھوڑے دن کے بعد جب ہفس شیاں کے متعلق بعض احکام اور الہامی پیام آئے تو اُس کی طبیعت درست ہوگئی اور رنج وغم دُور کرکے پھر عیش و نشاط کی مجلسیں گرمانے لگا۔ انھیں دنوں میں اُس نے نیارخس کو ایک پرتکلف ضیافت کی، اور اس جلسے سے فرصت پائی اور نہا کے وہ حسب عادت خواب گاہ جاتا تھا جو میدئیس نے روک لیا اور اپنے ساتھ کھانا کھانے کی درخواست کی۔ سکندر اس کے ہمراہ چلا آیا اور پھر دوسرے دن صبح سے شام تک برابر شراب پیتا رہا۔ یہیں اُس کی

طبیعت بگڑی اور بخار چڑھا بعض لوگوں کا بیان ہے کہ ساغرِ ہرقل پیتے ہی اس کی حالت غیر ہو گئی تھی اور بعضوں کا قول یہ ہے کہ بیٹھے بیٹھے اس کی کمر میں ایسی ٹیس اُٹھی جیسے کسی نے برچھا مارا ہو، لیکن یہ سب افسانے مصنوعی اور صرف ان لوگوں کی اختراعات ہیں جو اتنے بڑے واقعے کے خاتمے کو بھی رنگین سے رنگین بنانا اپنا فرض تصوّر کرتے ہیں۔ ارسطا بلس کی روایت ہے کہ بخار کی تیزی اور پیاس کی شدت میں اس نے شراب کا ایک گھونٹ پیا جس کے بعد ہی اس پر ہذیان کی کیفیت طاری ہو گئی اور وہ ڈیسیس مہینے کی تیرھویں تاریخ کو انتقال کر گیا۔ لیکن شاہی اخبار نویسوں نے جو لکھا ہے وہ حسبِ ذیل ہے:۔

مہینے کی اٹھارھویں تاریخ کو بخار کی شدت کی وجہ سے بادشاہ حمّام میں سویا دوسری صبح کو غسل کر کے وہ اپنے نشست گاہ میں آیا اور میدوش کے ساتھ چوسر کھیلتا رہا۔ شام کو نہا کے قربانیاں کرنے کے بعد اس نے سیر ہو کے کھانا نوش جان کیا اور رات بھر بخار میں تپتا رہا۔ بیسویں کو حسبِ عادت حمّام اور قربانیاں کرنے کے بعد وہ وہیں حمّام میں لیٹا ہوا امیر البحر نیارخس سے مشاہدات سفر اور سمندر کے حالات سنتا رہا۔ اکیسویں تاریخ بھی اسی طرح گزری بخار تیز تھا اور رات زیادہ بے چینی سے کٹی۔ دوسرے دن مرض میں اور زیادتی ہو گئی تاہم اس نے حمّام کے آگے پلنگ بچھوا کے اپنے سرداران فوج کو باریاب کیا اور خالی اسامیاں لایق اُمیدواروں سے پُر کرنے کے متعلق گفتگو کرتا رہا۔ چوبیسویں کو اس کی حالت اور بھی ردی ہو گئی۔ ذبیحے کے وقت وہ بہ مشکل لوگوں کے سہارے قربانگاہ تک پہنچا اور اسی دن ہدایت کی کہ بڑے بڑے سردار محل شاہی کے اندر رہیں باقی ماتحت افسر باہر دروازوں پر نگہبانی کریں پچیس تاریخ کو اسے دریا کے اُس پار اپنے محل میں لائے، یہاں وہ تھوڑی دیر سویا لیکن بخار میں کوئی تخفیف نہ ہوئی اور جب اس کے سپہ سالار کمرے میں آئے تو اس میں بات کرنے کی بھی طاقت نہ تھی۔ یہی حالت دوسرے دن بھی رہی۔ اس وقت لوگوں میں مشہور ہو گیا کہ وہ مر گیا۔ چنانچہ اہل مقدونیہ اس کے دوستوں کو سخت سُست کہہ کے کمرے کے

اندر گھس آئے اور ہتیار اُتار اُتار کے قطار در قطار اُس کے بستر ے کے پاس سے گذرے اُسی دن پیتھن اور سلوکس سراپیس دیوتا کے مندر میں حاضر ہوئے کہ اجازت ہو تو بادشاہ کو وہیں لوا لائیں۔ مگر دیوتا کی طرف سے جواب ملا کہ وہ جہاں ہے وہیں رہے۔ اس کے بعد اٹھائیس تاریخ کی شام کو اس نے اپنی جان جاں آفریں کو سونپ دی۔ یہ قریب قریب بلفظہٖ وہ بیان ہے جو شاہی روزنامچے میں لکھا ہے سکندر کی وفات کے وقت تو زہر خوردنی کا کسی کو بھی گمان نہ پیدا ہوا مگر کہتے ہیں چھ برس بعد اولم پیاس نے متعدد اشخاص کو اس شبہ پر مروا ڈالا اور یولوس کی راکھ نکلوا کے پھکوا دی گویا اُسی مرحوم نے بادشاہ کو زہر دے کر مارا تھا۔

جو لوگ بیان کرتے ہیں کہ یہ کام ارسطو کے مشورے سے انٹی پاٹر نے کیا اور حکیم موصوف ہی نے زہر بھی لا کے دیا تھا، اُن کا راوی ہیک نا تھیس ہے جس نے یہ قصہ شاہ انٹی گونس سے سُنا تھا۔ ان کی روایت ہے کہ وہ زہر برف جیسا سرد پانی تھا۔ اور ضلع نوناکری میں کسی چٹان سے مقطر کر کے لایا گیا تھا۔ وہ اس بلا کا سرد تھا کہ ہاتھ لگاتا تو در کنار سُم خر کے سوائے کسی ظرف میں نہ رہ سکتا تھا، لیکن قلبیہ رائے اسی طرف ہے کہ یہ تمام باتیں سراسر لغو ہیں۔ اور زہر خوردنی کے خلاف سب سے بڑی شہادت تو یہی ہے کہ سکندر کی نعش کئی روز تک بے کفن دفن ایک حجرہ میں پڑی رہی۔ اس کے سپہ سالاروں میں نزاع و فساد بپا تھا اور اُس کو کوئی دیکھنے والا بھی نہ تھا۔ تو چاہیئے تھا کہ زہر اپنا اثر دکھاتا اور نعش میں گلنے سڑنے کے آثار پیدا ہو جاتے، لیکن ایسا نہیں ہوا بلکہ وہ پاک صاف اور تازہ رہی۔

سکندر کی بیوی روشنک (رکسانا) کے اس وقت بچہ پیدا ہو چکا تھا اور اسی وجہ سے مقدونیہ والے اس کی بڑی عزت و تکریم کرتے تھے۔ شوہر کی وفات کے بعد اُس نے ایک جعلی خط سکندر کی طرف سے لکھ لکھا کر اپنی سوکن کو بھی فریب سے بلوا لیا اور سوتیا ڈاہ میں نہ صرف اسے بلکہ اس کی بہن کو بھی مروا کے کنوئیں میں پھنکوا دیا اور اوپر سے منہ پاٹ دیا۔ اس ظالمانہ حرکت میں پردکاس بھی ضرور اس کا راز دار اور شریک کار تھا۔ یہ وہی شخص ہے جس نے سکندر کے مرتے ہی آری دوش کے پردہ میں عرصہ تک خود حکومت کی۔ حالانکہ وہ غریب اس کی دربانی کیا کرتا تھا۔ یہ آری ڈوش ایک مجہول الاحوال عورت فلینہ کے بطن سے شاہ فیلقوس کا بیٹا تھا۔ اور اُس کی صحت اور دماغی حالت نہایت خراب تھی۔ بچپن میں وہ بڑا ہونہار اور تندرست تھا لیکن اولم پیاس نے بعض دوائیں کھلا کھلا کے اُس کی ایسی صحت بگاڑی تھی کہ اُس کی تندرستی بھی خراب ہو گئی اور عقل بھی درست نہ رہی تھی۔

جولیس سیزر [1]

جب حکومت و اقتدار نے سِلّا سے قول ہارا اور اُن حریفوں کو مغلوب و منہدم کرنے کے بعد رومہ میں اُس کی برابری کرنے والا کوئی نہ رہا تو اُس نے سیزر کا اُس کی بیوی کورنلیہ سے قطع تعلق کرا دینا چاہا۔ کورنلیہ، سِنّا کی بیٹی تھی۔ اور وہ سِلّا کا حریف بلکہ اس سے پہلے سلطنت کے جزو کل پر حاوی تھا۔ مگر سیزر نے اس کی ایک نہ مانی اور جب سِلّا کی یہ خواہش کسی وعدے اور دھمکی سے پوری نہ ہوئی تو اُس نے کورنلیہ کے جہیز پر قبضہ کر لیا اور مالی نقصان پہنچا کے اپنا دل ٹھنڈا کیا۔ اس دشمنی کی وجہ سوائے اس کے کچھ نہ تھی کہ سِنّا میریویس کا رشتہ دار ہوتا تھا۔ کیونکہ میریویس اوّل نے سیزر کی حقیقی پھپھی سے شادی کی تھی اور اسی کے بطن سے وہ میریویس پیدا ہوا تھا جس کا نام جمہوریۂ رومہ کی تاریخ سے کبھی محو نہ ہوگا۔ اس طرح وہ سیزر کی پھپھی کا بیٹا بھائی تھا۔ اور اگرچہ میریویس اور اس کے حامیوں کی طاقت ٹوٹی تو اُس کے طرفدار چن چن کے مارے گئے تاہم سِلّا نے سیزر کو چھیڑنا پسند نہ کیا تھا اور وہ اس پرفتن زمانے میں صحیح سلامت بچ رہا تھا۔ مگر اُس نے خاموش بیٹھنا نہ چاہا اور بالکل کمسن ہونے کے باوجود اپنے تئیں ایک مذہبی عہدے کے امیدوار کی حیثیت سے پیش کیا اور میدان میں آ کے لوگوں کو اپنے انتخاب پر آمادہ کرنے لگا۔ اُس وقت سِلّا نے علی الاعلان تو اُس کی مخالفت کی نہیں لیکن اندر ہی اندر اُسکی ناکام کر دینے کی تدبیروں سے غافل نہ رہا۔ بلکہ اپنے مشورہ کاروں سے صلاح لینے لگا کہ اُسے قتل کرا دیا جائے یا نہیں۔ بعض لوگوں نے کہا آپ کی شان سے یہ بات بعید ہے کہ ایک چھوکرے کی جان لینے میں کوشش کریں۔ اُس وقت سِلّا نے انہیں یہ جواب دیا کہ جنھیں اس ایک چھوکرے میں کئی کئی میریویس نظر نہ آئیں سمجھو کہ وہ اندھے ہیں!

[1] اس مضمون کو پڑھتے وقت مقدمہ کتاب کا وہ حصہ جس میں تاریخ رومہ کے اس پُر انقلاب عہد سے بحث کی گئی ہے، زیر نظر رکھنا چاہئے۔ مترجم

اس قول کی اطلاع سیزر کو بھی ہو گئی اور اس کو چارہ کار اسی میں نظر آیا کہ رومہ سے بھاگ کے سابائنی علاقوں میں روپوش ہو رہے مگر وہاں بھی آرام سے بیٹھنا مخدوش تھا اور وہ جان بچانے کے لئے قریہ بہ قریہ پڑا پھرتا تھا کہ ایک مرتبہ سلا کے سپاہیوں کے ہاتھ پڑ گیا۔ واضح رہے کہ یہ سپاہی انھیں مفرورین کی تلاش میں جو اتفاقاً بچ نکلے ہوں، اس ملک کا کونہ کونہ دیکھنے پر مامور تھے۔ مگر سیزر نے کسی نہ کسی ترکیب سے ان کے افسر کو نیلیس کو ملا لیا اور دو ٹیلنٹ رشوت دے کے ان سے جان بچائی اور سیدھا جہاز میں بیٹھ کے بیتھینیہ چل دیا۔ کچھ دن وہاں کے بادشاہ نکومیدش کے پاس گزارے پھر واپس آتا تھا کہ بحری قزاقوں نے جزیرۂ فرما کوسہ کے قریب آ گھیرا اور گرفتار کر کے لے گئے۔ یہ قزاق اس زمانے میں سارے سمندروں پر چھائے ہوئے تھے اور جہازوں کے بڑے بڑے بیڑے بنا کے مسافروں کو لوٹتے پھرتے تھے۔ ان بیڑوں کے علاوہ چھوٹی موٹی کشتیاں بے تعداد تھیں، جن سے بچ کے نکل جانا نہایت دشوار تھا۔ الغرض اُسے گرفتار کرنے کے بعد قزاقوں نے بیس ٹیلنٹ فدیہ طلب کیا کہ جب تک یہ رقم وصول نہ ہو جائے رہائی ملنی غیر ممکن ہے۔ سیزر ان کی ناواقفیت پر ہنسا کہ اگر وہ اپنے قیدی کی قدر و قیمت سے آگاہ ہوتے تو اس مختصر رقم پر اکتفا نہ کرتے۔ پھر بطور خود بیس کے بجائے پچاس ٹیلنٹ دینے منظور کئے اور اُسی وقت اپنے آدمیوں کو کئی جگہ روپے وصول کرلانے کے واسطے روانہ کر دیا۔ اب اس کے پاس دو نوکروں اور ایک دوست کے سوائے کوئی رفیق نہ تھا اور رہتا وہ اُن لوگوں میں جو دنیا بھر میں سب سے خونخوار ہوتے ہیں، یعنی اہل سلیسیہ۔ لیکن سیزر کے دل میں اُن کی مطلق وقعت یا دہشت نہ تھی یہاں تک کہ سونے کے وقت وہ حکماً اپنے پاس سے اُٹھیں اُٹھوا دیتا تھا اور تاکید کر دیتا تھا کہ خبردار غل نہ کرنا۔ اسی طرح اڑتیس دن تک بڑے عیش و آرام کے ساتھ گزرے جنہیں دین و دنیا کے افکار سے الگ، وہ نہایت آزادی سے اُن کی ورزشوں اور کھیل کود میں وقت کاٹتا رہا۔ گویا وہ لوگ اُس کے نگہبان نہ تھے بلکہ دربان یا مصاحب تھے، انہی دنوں میں سیزر نے بہت سی نظمیں اور تقریریں لکھیں، وہ قزاقوں کو بلا کے

سامنے بٹھا لیتا اور اپنے اشعار یا خطبات سنا کے اُن سے داد چاہتا۔ بلکہ سامعین میں جو لوگ داد نہ دیتے انھیں منہ پر جنگلی اور جاہل کہہ کے ذلیل کرتا اور ہنسی ہنسی میں اکثر دھمکیاں دیتا کہ تم کو سولی پر لٹکا کے ماروں گا۔ ان باتوں سے قزاق بہت خوش ہوتے اور اس کی بے تکلفی کو لڑکپن اور سادگی پر محمول کرتے تھے۔ القصہ شہر ملطہ سے فدیے کا روپیہ وصول ہوتے ہی وہ اُن سے رخصت ہوا اور اسی شہر کی بندرگاہ سے چند جہازوں کو لے کر بحری فوج کا مختصر سا دستہ بھرتی کیا اور دفعتہً قزاقوں پر ٹوٹ کے گرا۔ وہ ابھی جزیرہ فرماکوسہ ہی میں لنگر انداز تھے۔ اس ناگہانی حملے کی تاب نہ لا سکے اور جہازوں سمیت بہ تعداد کثیر سیزر کے ہاتھ میں گرفتار ہو گئے۔

سیزر نے اُن کی ساری مال و متاع نصیب غازی کہہ کے اپنے قبضہ میں کی، لیکن خود انھیں پرگاموس میں قید کر دیا اور صوبہ ایشیا کے حاکم جونیس سے باضابطہ درخواست کی کہ ان کی سزا کے متعلق حکم احکام دے۔ کیونکہ وہ مقام اُس کی حدودِ قانونی میں تھا۔ لیکن جونیس کی نیت اُس روپے پر تھی جو قزاقوں کے پاس سے معقول مقدار میں نکلا تھا۔ اُس نے کچھ لیت و لعل کی تو سیزر نے رخصت چاہی، پرگاموس آ کے ایک ایک قیدی کو سامنے طلب کیا اور اپنے حکم سے سولی دلوا کے سب کو مروا ڈالا۔ یہ گویا ایفا تھا اُن وعدوں کا جو قید کے زمانے میں سیزر نے ان قزاقوں میں بیٹھ کے کیے تھے اور جو اُن کے وہم میں بھی نہ تھا کہ فی الواقع وہ پورا کر کے چھوڑے گا!

اس عرصے میں سلا کی قوت کمزور ہو چلی تھی اور سیزر کے ہوا خواہ اسے روما بلا رہے تھے مگر وہ جزیرہ روڈس گیا اور اَفالونیس ابن مولن کے درس میں شامل ہو گیا، جو اپنے عہد کا نہایت مشہور و معروف خطیب گزرا ہے اور جس کی قابلیتوں نے سسرو جیسے معجز بیان شاگرد کی بدولت شہرت ابدی کا خلعت پہنا ہے۔ سب کو اعتراف ہے کہ سیزر کو فن تقریر و ملک داری سے بالطبع مناسبت تھی اور اس نے محنت سے اپنی اعلیٰ قابلیتوں کو ایسی ترقی دی تھی کہ خطابت میں سسرو کے سوا اس کا کوئی مثیل نہ تھا۔ بے شبہ وہ چاہتا تو اسی فن میں اور زیادہ نیک نامیاں حاصل کرتا مگر اپنے معاصرین میں دوسرا درجہ پانے پر اسے نہ بن کیا اور اُسے زبان کی

بجائے تلوار کے جوہر دکھانے زیادہ پسند آتے۔ چنانچہ فن تقریر کو چھوڑ کر وہ سپاہ گری کی طرف متوجہ ہو گیا اور اپنے دل میں اُن مہمات و کارناموں کے مسودے بنانے لگا جنھوں نے آخر کار رومۃ الکبریٰ کی کلیدِ حکومت اُسے دلوائی۔ اور کیٹو کی جو مدحت طرازیاں سسرو نے کی ہیں سیزر نے ان کے جواب میں خود لکھا ہے کہ میری کتاب کے ناظرین ایک سپاہی کی سیدھی سادی باتوں کا مقابلہ کسی فصیح گفتار کی پرزور تقریروں سے نہ کریں کیونکہ اور قابلیتوں کے ماسوا اُس کی عمر ہی اس فن کی تحصیل و تکمیل میں گزری ہے۔

رومہ لوٹنے کے بعد سیزر نے ڈلاپلا (حاکم یونان) کی خراب حکومت اور زیادتیوں پر اعتراضات کی بوچھار شروع کی اور یونان کے متعدد شہروں نے ان الزامات کی شہادت بھی دی۔ مگر حکومت نے اُس کو صاف بری کر دیا، پھر سیزر پبلیس انٹونی کے درپے ہوا۔ اور اُن یونانیوں کے ساتھ ہو کر جنھوں نے پہلے مقدمہ میں اُسے نہایت مفید مدد دی تھی اس ذی مقدرتیہ کی عدالت میں انٹونی کے خلاف چارہ جوئی میں حصہ لیا۔ اس شخص پر رشوتیں لینے کا الزام تھا اور سیزر نے ایسی خوبی سے وکالت کی انٹونی نے گھبرا کے رومہ میں مقدمہ منتقل کئے جانے کی درخواست کی اور لکھا کہ اس ملک میں اہلِ ملک (یعنی یونانیوں) کے مقابل میرا انصاف ہونا دشوار ہے۔

عدالت ہائے رومہ میں بھی سیزر نے اپنی خوش گفتاری کے وہ جوہر دکھائے کہ ہر طرف اُس کی شہرت ہو گئی۔ اِس میں سب سے بڑی بات جو لوگوں کی گرویدگی کا باعث ہوئی وہ یہ بھی کہ بالکل نوعمر ہونے کے باوجود نہایت متواضع اور خلیق تھا اور اپنی گفتار و کردار میں ایسی دلکشی بُردباری اور سلامت روی رکھتا تھا کہ جو بڑے بڑے پختہ کاروں کو بھی نصیب نہیں ہوتی علاوہ ازیں اُس کی شاہانہ طرز زندگی، پُرتکلف دعوتیں اور مہمان داریاں ایسی نہ تھیں کہ اُس کے رسوخ کو ترقی نہ دیتیں۔ مگر ادھر تو سیزر کا اثر لوگوں میں بڑھ رہا تھا اُدھر اس کے سیاسی دشمن بھی اس کی فکر میں تھے۔ اوّل اوّل تو بے شک اُنھوں بے پروائی کی اور حقارت سے

ہمیشہ یہ سمجھتے رہے کہ یہ ساری طمطراق دو چار دن کی بات ہے اور بہت جلد اُس کا دِوالا نکلنے والا ہے لیکن یہ قیاس غلط نکلا اور رفتہ رفتہ سیزر ایسی قوت پکڑ گیا کہ اب اُس کا توڑنا محال نظر آنے لگا اور جب سیزر علانیہ بعض اساسی انقلابات کے لئے کوشاں نظر آیا تب اُن کی آنکھیں کھلیں اور وہ سمجھے کہ

سرِ چشمہ شاید گرفتن بہ میل

سب سے پہلے سسرو نے سیزر کے منصوبوں کو سمجھا اور جس طرح کسی جہاز کا کارآزمودہ ناخدا آنے والے طوفان سے اُس وقت ہشیار ہو جاتا ہے جب کہ بظاہر احوال سمندر بالکل غیر متلاطم اور شگفتہ نظر آتا ہے۔ سسرو نے بھی سیزر کی خوش بیانی اور فیاضیوں کی تہ میں ہوسِ جاہ دیکھ لی اور فرمایا کہ ہر کام میں جسپہ سیزر ہاتھ ڈالتا ہے پورا کرلیتا ہے۔ مجھے اس میں شخصی حکومت حاصل کرلینے کی آرزو جھلکتی نظر آتی ہے۔ مگر جب میں اس کے بالوں کو بڑی احتیاط سے کنگھی کیا دیکھتا ہوں یا انگلی سے مانگ درست کرتا پاتا ہوں تو سمجھ میں نہیں آتا کہ ایسے شخص کے دل میں جمہوریہ رومہ کو درہم برہم کردینے کا خیال کیوں کر گزر سکتا ہے؟

مگر اس کا مفصل ذکر، ہم آگے چل کے کریں گے۔

سیزر کی کمال ہر دلعزیزی کا پہلا ثبوت جنگی ٹریبون کے عہدے پر اس کا انتخاب تھا جس میں کے ایس پوپلیس سے بھی زیادہ رائیں اس کے موافق آئیں۔ مگر اس سے بھی بڑھکر لوگوں میں اُس کا قوی اثر اُس وقت ثابت ہوا جب اپنی پھپّی جولیا کے مرنے پر اُس نے مرنے والی کی خوبیاں حسب دستور ایک مجمع میں بیان کیں۔ جولیا میریوس کی بیوی تھی اور جس دن سے سلّا برسر اقتدار آیا تھا کسی کی یہ مجال نہ تھی کہ میریوس کی مورت بھی لوگوں میں لاسکے کیونکہ وہ اور اُس کی جماعت، اعلان کردیا گیا تھا کہ، سلطنت کی دشمن تھی۔ لیکن سیزر نے جو ماتمی تقریر چوک میں کھڑے ہوکے کی۔ اس میں نہایت دلیری کے ساتھ میریوس کی کئی تصویریں لوگوں میں لے آیا اور جب بعض نے باآواز بلند اُسے ٹوکا تو جماعت کثیر اُس کی

طرفدار ہو گئی اور اس طرح غیر متوقع طور پر میریوس کی عظمتیں اور بھولی ہوئی خوبیاں تازہ کرنے پر بجوش و خروش اظہار مسرت کیا۔ ایک نئی بات سیزر نے یہ کی کہ اپنی جوان بیوی کے مرنے پر بھی ماتمی خطبہ کہا، حالانکہ روم میں دستور یہ تھا کہ صرف سن رسیدہ عورتیں بعد وفات اس یادگار کی مستحق سمجھی جاتی تھیں اور آج تک کسی نوجوان مرنے والی کی یادگار میں یہ رسم نہ منائی گئی تھی۔ لیکن اس اظہار محبت نے سیزر کی شہرت اور بڑھا دی اور عوام الناس اُسے نہایت نرم دل اور با مہر سمجھنے لگے۔ بیوی کی تجہیز و تکفین کے بعد سیزر اندلس کے قاضی یا میر عدل (پریٹر) ویٹس کے ساتھ بخشی (کوایسٹر) بن کے گیا اور اس شخص کا ایسا گرویدہ ہوا کہ ہمیشہ اسے عزت سے یاد کرتا رہا اور جب خود قضا کے عہدے پر ممتاز ہوا تو اسی ویٹس کے بیٹے کو اپنا بخشی (کوایسٹر) بنایا۔ اس ملازمت کی میعاد ختم کرنے کے بعد سیزر نے اپنی تیسری شادی پومپیہ کے ساتھ کی۔ اس وقت پہلی بیوی کورنیلیہ سے اس کی ایک بیٹی موجود تھی جسے بعد میں اس نے پمپی کے ساتھ بیاہا۔ سیزر کے مصارف ملازمت سے بھی پہلے اس قدر بڑھے ہوئے تھے کہ وہ تیرہ سو ٹیلنٹ (یعنی کئی لاکھ روپے) کا مقروض تھا اور بہت لوگ سمجھتے تھے کہ عوام الناس کی عارضی ہر دلعزیزی کی خاطر وہ اپنے کو برباد کرے گا۔ مگر یہ خیال صحیح نہ نکلا اور بعد میں ثابت ہو گیا کہ سیزر نے دنیا کی بڑی سے بڑی اور معزز سے معزز شے کو ایسی قیمت پر مول لیا جو درحقیقت بہت ارزاں تھی۔

جب وہ آپین کی سڑک کا افسر نگراں مقرر ہوا تو اُس کے بنوانے میں سرکاری روپے کے علاوہ اُس نے ذاتی روپیہ بھی بہ مقدار کثیر لگا دیا۔ اسی طرح میر عمارت (ایڈایل) ہونے پر جو اہتمام لوگوں کی سیر و تفریح کا اُس نے کیا پہلے کبھی اس کا عشر عشیر بھی دیکھنے میں نہ آیا تھا چنانچہ اُس نے اتنے کشتی گیر (گلے ڈی ایٹر) جمع کئے تھے کہ ایک دنگل میں تین سو بیس کُشتیاں ہوئیں اور تہوار یا میلے تماشوں میں اس سیر چشمی سے امیرانہ شان سے انتظام کیا کہ ہر شخص اس کا مدّاح اور اس بات پر آمادہ ہو گیا کہ ان فیاضانہ کارگزاریوں کے صلے

میں جہاں تک ممکن ہو اُسے نئے عہدے اور اعزاز دلانے کی کوشش کرے۔
شہر میں ان دنوں دو فریق تھے ایک تو سلّا کا جو برسر اقتدار تھا دوسرا میریوس کے طرفداروں کا جس کی قوت اب قریب قریب بالکل ٹوٹ چکی تھی سیزر نے اسی دوسرے گروہ کو پھر اُبھار کے اپنانا چاہا۔ اس کوشش کی اُس نے ابتدا اس طرح کی کہ جن دنوں اُس کی خوش نظمی کا ہر طرف چرچا تھا اور لوگ اپنے نئے میر عمارت (ایڈریل) کی عالی ہمتی کے نہایت مدّاح نظر آتے تھے، سیزر نے میریوس کی تصویریں اور مورتیں راتوں رات قلعہ (کیپی ٹال) کے اندر بھجوا دیں اور بنا سنوار کے اُن کے ہاتھوں میں اس کی فتوحات کبیرہ کے نشان دے دیے جنھیں علی الصباح لوگوں نے کندن کی طرح چمکتے دیکھا اور ساتھ ہی وہ کتبے دیکھے جن میں اس کی عظیم الشان مہمات اور قوم سانبری سے مقابلوں کا ذکر تھا یہ ایسا واقعہ تھا کہ لوگ کرنے والے کی جسارت پر متحیر ہو گئے اور اس کا نام فوراً سمجھ لینا بھی مشکل نہ تھا۔
اس خبر کا شہر میں پھیلنا تھا کہ اک جم غفیر وہاں آ لگا۔ بعض تو چلا چلا کے کہتے تھے کہ بے شک یہ حرکت سلطنت وقت کی صریح مخالفت ہے کیونکہ جب مجلس ملکی نے ان کارناموں کا تذکرہ بھی اپنے فیصلے اور فرمان سے ناجائز قرار دیا تو اب اس طرح علی الاعلان انھیں سامنے لانا بغاوت نہیں تو اور کیا ہے؟ سیزر کی چالاکی دیکھو کہ لوگوں کو خوش کر کے اب آزمانا چاہتا ہے کہ آیا وہ اس کی انقلاب انگیز کارروائیوں کی حمایت کریں گے یا ان بدعتوں پر اظہار ناراضی، تاکہ لوگوں کی صلح پسند طبایع کا اندازہ ہو جائے۔
ان کے برعکس میریوس کے مدّاح سیزر کے اس فعل سے نہایت خوش ہوئے اُن کی ہمتیں بڑھ گئیں اور حقیقت یہ ہے کہ جب اُنہوں نے ایک ہجوم کثیر کی صورت میں وہاں آ کے احسنت و آفریں کے نعرے بلند کیے تو دوست دشمن سب اُن کی کثرت پر حیران رہ گئے۔ کیونکہ اس مغلوب گروہ کی نسبت کسی کو اس غلبۂ تعداد کا گمان نہ تھا۔ غرض اُنہوں نے

میریوس کی مورتیں دیکھیں تو بہت سے خوشی کا رونا روئے اور سب نے ایک زبان ہو کے سیزر کی تعریفیں کیں کہ واقعی یہ ایک شخص اس لایق ہے کہ میریوس مرحوم کی قربت کا دعویٰ کرے۔ اس ہنگامے کی وجہ سے مجلس کا فوراً انعقاد ہوا اور کتاتوس نے، جو اس عہد میں نہایت نامور شہری تھا، کھڑے ہو کے سیزر پر سخت نکتہ چینی کی اور آخر میں وہ یادگار فقرہ اُس کی نسبت کہا کہ سیزر کانیں نہیں کھود رہا بلکہ اب سلطنت منہدم کر دینے کے واسطے مورچے اور دمدمے قایم کر رہا ہے۔" مگر جب سیزر نے معذرت کی تو اُس کے طرفدار بہت جوش میں آئے اور کہنے لگے کہ ان قابو یافتہ لوگوں کی ذرا پروا اور اپنے خیال سے سرمو تفاوت نہ کرو، جمہور تمہاری پشتی پر ہیں تو بہت جلد یہ سب ذلیل ہوں گے اور حکومت ملّی میں سب سے اونچی جگہہ تمہیں پاؤ گے۔

اسی زمانہ میں اسقف اعلیٰ مقلوس نے وفات پائی کتاتوس اور اسوری کوس اس عہدے کے امیدوار ہوے۔ یہ دونوں بڑے نامور اور مجلس ملکی کے نہایت ذی اثر ارکان تھے۔ مگر سیزر نے کچھہ پروا نہ کی بلکہ ایسے قومی حریفوں کے مقابل انتخاب کے واسطے ایستادہ ہو گیا۔ اور اپنے تئیں عہدۂ مذکور کی امیدواری میں پیش کیا۔ مقابلہ شروع ہوا۔ تینوں پلڑے برابر معلوم ہوتے تھے۔ لیکن کتاتوس کو خصوصیت کے ساتھ اپنی ہوا خیزی کا اندیشہ تھا کہ ناکامی ہوئی تو سخت ندامت کا سامنا ہو گا۔ نظر بریں اس نے سیزر کو لالچ دے کے توڑ لینا چاہا اور بہت سا روپیہ دست برداری کے معاوضے میں دینے کا اقرار کیا۔ سیزر نے جواب میں کہلا بھیجا کہ اس سے بہت زیادہ رقم میں قرض لے کر اپنے انتخاب کے واسطے خرچ کرنے پر آمادہ ہوں۔

انتخاب کے روز وہ گھر سے نکلا تو ماں دروازے تک پہنچانے آئی اور آب دیدہ ہو کے رخصت کرنے لگی۔ سیزر نے کہا "اماں یا تو تم مجھے آج اسقف کے عہدے پر سربلند دیکھو گی یا تارک وطن!" چنانچہ ایک سخت کشمکش کے بعد غلبۂ آرا سے سیزر ہی کامیاب ہوا۔ اس

واقعے سے اعضائے مجلس اور طبقہ امرا میں بڑی کھلبلی مچی کہ مبادا وہ عوام الناس کو مزید تمرد و سرکشی پر آمادہ نہ کر دے۔ لتاتوس اور پیٹرو نے سب الزام سسرو کے سر دھرا کہ اگر کاتلین (کٹلن) کی سازش آشکارا ہونے کے موقعے پر وہ سیزر کو بچ جانے نہ دیتا، تو آج اُس کی طاقت اس قدر کیوں مخدوش ہوتی؟ حالانکہ اس سازش میں حکومت کو سیزر کے پھانس لینے کا بہت اچھا موقع حاصل تھا۔ کیونکہ کاتلین نہ صرف سلطنت کے آئین و قوانین میں انقلاب کا خواہاں تھا بلکہ ساری سلطنت کو بالکل درہم برہم کرنے کے منصوبے باندھ رہا تھا اور اگرچہ سازش کی تحقیقات ہوتے وقت خود وہ فرار ہو گیا۔۔ تاہم اپنے مخلص رفیقوں کو شہر میں چھوڑ گیا تھا کہ برابر سازباز میں مصروف رہے اور انھی کی نسبت شبہ ہے کہ سیزر سے بھی مدد لیتے تھے۔ بہرحال گو پوری طرح یہ ثابت نہیں ہے کہ اس سازش میں سیزر بھی شریک تھا پھر بھی جب ان دونوں کا معاملہ مجلس میں پیش ہوا تو سیزر نے ان کی حمایت کی جس کی تفصیل یہ ہے کہ اُن پر جرم ثابت ہو گیا تو سسرو نے جو اس وقت قنصل تھا اعضائے مجلس سے رائے طلب کی کہ ان کے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہیے۔ سیزر سے پہلے جتنے تقریر کرنے کھڑے ہوئے سب نے انہیں سزائے موت کا مستوجب ٹھیرایا مگر سیزر نے اُٹھ کر مخالفت کی اور کہا کہ اس عزت اور وجاہت کے اشخاص کو عدالتی کارروائی اور مدافعت کا موقعہ دیے بغیر قتل کرا دینا، انصاف کا خون کرنا ہے اور ہماری جمہوری حکومت کی تاریخ میں اس بے ضرورت سختی کی پہلی نظیر ہے اسی لئے اگر انہیں کاتلین کی شکست کھانے تک کہیں نظر بند کر دیا جائے تو سازش کے اصلی سرغنہ کا فیصلہ ہو جانے کے بعد مجلس پورے اطمینان و فرصت سے اُن دونوں کے ساتھ مناسب کارروائی کر سکے گی۔

سیزر کی اس رائے سے ایسی رحمدلی اور انسانیت ٹپکتی تھی اور اُس کی جادو بیانی نے ایسی تاثیر پیدا کر دی تھی کہ اس کے بعد جتنی تقریریں ہوئیں وہ نہ صرف موافقت میں تھیں بلکہ خود وہ لوگ جو پہلے اس رائے کے خلاف تھے سیزر کے ہمخیال ہو گئے، یہاں تک

کرناتوس اور کیتو کے تقریر کرنے کی باری آئی۔ ان دونوں نے بڑی شد و مد کے ساتھ سیزر کی مخالفت کی۔ اور کیتو نے خود سیزر پر شبہ ظاہر کیا کہ عجب نہیں جو وہ بھی اس سازش میں شریک ہو غرض نتیجہ یہ ہوا کہ کیتو اور لنتاتوس کی پرزور وکالت نے اثر دکھایا اور وہ دونوں مجرم قتل کر دیے جانے کے واسطے جلاد کے حوالے ہو گئے۔

اس کے بعد مجلس برخاست ہوئی اور سیزر باہر نکلا تو بہت سے نوجوان جو اس وقت سسرو کے ساتھ بطور رجوانان خاصہ متعین تھے تلواریں سونت سونت کر اس پر جھپٹے اور اگر کیورید سیزر پر چغہ ڈالکر الگ نہ ہٹا لیجائے تو شاید اس کا وہیں خاتمہ تھا استنے میں سسرو بھی وہاں آپہنچا اور جب اُس کے سپاہیوں نے اُس کی طرف دیکھا کہ کیا حکم ہے تو اُس نے اشارے سے انہیں روک دیا جس کی وجہ یا تو عوام الناس کا خوف تھا یا یہ کہ وہ حقیقت میں اس فعل کو خلاف قانون ناجائز سمجھتا تھا لیکن اگر یہ دوسری وجہ تھی تو مجھے حیرت ہے کہ اُس نے اپنی کتاب میں جہاں اپنے عہد (قنصلی) کی سرگزشت لکھی ہے وہاں یہ ذکر کیوں چھوڑ دیا؟ بہر حال یہی واقعہ تھا جس پر بعد میں لوگوں نے اُسے مورد اعتراض بنایا کہ عوام الناس کے ڈر سے اُسنے سیزر کو زندہ چھوڑ دیا کیونکہ اس میں تو شک نہیں کہ سیزر کا عوام پر بہت کچھ اثر تھا۔ چنانچہ اسی زمانے میں جب مجلس ملکی میں اس پر الزامات کی بوچھار ہوئی اور وہ اپنی مدافعت اور صفائی کرنے کھڑا ہوا تو جلسے نے اس قدر طول کھینچا کہ لوگوں میں بدگمانیاں پیدا ہو گئیں اور ایک گروہ کثیر نے ایوان مجلس کے دروازے پر جمع ہو کے شور کیا کہ سیزر کو اتنی دیر تک روک رکھنے کی کیا وجہ ہے۔ اسے فوراً چھوڑ دیا جائے، یہ بلوہ دیکھکر سب سے زیادہ پریشانی کیتو کو ہوئی کہ یہ غریب اور ادنٰے درجہ کے لوگ جو فساد مچانے میں ہمیشہ پیش پیش ہوتے ہیں، اور جو اس درجے سیزر کے گرویدہ ہو رہے ہیں، کہیں کوئی بڑا ہنگامہ بپا نہ کر دیں۔ اسی نظر سے اُس نے سفارش کی اور مجلس کو رضامند کر لیا کہ انہیں ہر مہینے "روز گرانی" کے نام سے کچھ روپیہ یا غلہ تقسیم کرایا جایا کرے، اس حکمت عملی نے سلطنت پر پچھتر لاکھ درہم سالانہ کا بار تو بے شبہ بڑھا دیا لیکن ساتھ

ہی جتنے وقتی خدشے تھے اُن کا بھی ازالہ ہوگیا اور سیزر کی قوت بھی کمزور ہوگئی جو اس زمانے میں پریٹر (میر عدل) مقرر ہونے والا تھا اور جس کا اثر و اقتدار بصورت دیگر یقیناً غیر معمولی طور پر بڑھ جاتا

مگر اس کے عہد قضا میں کوئی شورش یا نیا فساد نہ ہوا البتہ خانگی معاملات میں خود سیزر کو بہت کچھ تشویش اور کوفت اٹھانی پڑی، اصل یہ ہے کہ پبلیس کلوڈیس جو رومہ کا ایک نامور امیرزادہ اور اپنے تمول اور خوش گفتاری کے سبب شہرہ آفاق تھا، سیزر کی بیوی پمپیہ پر عاشق ہوگیا تھا، کیونکہ ساری خوبیوں کے باوجود کلوڈی نہایت شہوت پرست اور بد کردار شخص تھا۔ ادھر خود پمپیہ بھی اس کی طرف مایل تھی۔ لیکن چونکہ اس پر سخت نگرانی رہتی تھی اور سیزر کی ذی ہوش اور عفت شعار ماں اوریلیہ کبھی اپنی بہو کا ساتھ نہ چھوڑتی تھی اسلئے ان عاشق و معشوق کو ملنے کا موقعہ نہ ملتا تھا اور ان کی ملاقات نہایت مخدوش و دشوار تھی، حتیٰ کہ سیزر کے پریٹر مقرر ہونے پر پمپیہ نے بونا دیوی کا تہوار منایا۔ اس دیوی کو اہل فرغیہ ایک اور ہی نام سے موسوم کرتے ہیں اور میدش دیوتا کی ماں بتاتے ہیں۔ رومی کہتے ہیں کہ وہ دیوتاؤں کے دریادی خاندان سے ہے اور فونوس دیوتا کی بیوی ہے۔ مگر یونانیوں کے ہاں اس دیوی کا نام گنیسیہ ہے اور وہ کہتے ہیں کہ وہ باکوس کی ماں ہے اور زبان سے اس کا نام لینا ممنوع ہے۔ اسی غرض سے جو عورتیں اس کا تہوار مناتی ہیں وہ انگور کے پتوں سے اس کی درگاہ، ڈھانپ دیتی ہیں اور ایک مقدس سانپ دیوی کے پہلو میں بٹھا دیا جاتا ہے، اس تقریب میں کسی مرد کی شرکت بالکل ناجائز ہے، تمام ریت رسوم عورتیں ہی کرتی ہیں اور مرد اس گھر میں بھی نہیں ٹھیر سکتے بلکہ تہوار شروع ہونے سے پہلے شوہر، جو یا قنصل ہوتا ہے یا پریٹر، اپنے تمام نرینہ اہل خاندان سمیت مکان چھوڑ دیتا ہے اور اُس کی بیوی تمام اہتمام کرتی ہے یہ رسم رات کو ادا کی جاتی ہے اور ساری رات عورتیں ہی نغمہ و سرود، بجاتی اور ناچتی گاتی رہتی ہیں

القصہ پمپیہ نے جب یہ تقریب منائی تو کلوڈی نے، جس کے ابھی تک ڈاڑھی مونچھیں نہ نکلی تھیں، عورت بن کے اس کے گھر جانا چاہا۔ اور ایک نوخیز ڈومنی کا بھیس بدل کے زنانہ

لباس اور زیور پہنے دڑانہ سیزر کے ہاں گھس آیا۔ پمپیہ کی ماما کو اس نے پہلے سے ملا رکھا تھا لہذا اندر آجانے میں تو اُسے کوئی دقت نہیں ہوئی لیکن جب ماما اپنی بیوی کو اس کے آنے کی خبر کرنے گئی اور دیر تک واپس نہ آئی تو وہ کھڑے کھڑے گھبرایا اور اپنی جگہ چھوڑ کے مکان کے دوسرے حصوں میں گشت لگانے لگا۔ مگر روشنی سے بچے بچے۔ حتیٰ کہ اوریلیہ کی خادمہ نے اُسے دیکھ لیا اور حسب دستور کہنے لگی کہ آؤ ہم تم مل کے گائیں۔ کلوڈی نے انکار کیا اور کسی طرح پنڈ چھڑانا چاہتا تھا کہ اُس نے آنچل پکڑ کے گھسیٹ لیا اور کہنے لگی تم کون ہو اور کہاں سے آئیں؟ کلوڈی نے جواب دیا کہ میں پمپیہ کی خادمہ آبرا کے انتظار میں ہوں؟ جو اتفاق سے خود پمپیہ کا ہی نام تھا۔ بہرکیف اُس کی آواز اس عورت نے فوراً پہچان لی اور چیخ مار کے اُدھر بھاگی جہاں روشنی ہو رہی تھی۔ اور چلائی کہ میں نے مرد کو دیکھا ہے! اس خبر نے تمام عورتوں کو پریشان کر دیا۔ اوریلیہ نے جلدی جلدی چیزیں سمیٹیں اور مرد کی نگاہ بچانے کی غرض سے ادھر اُدھر چھپا دیں پھر مکان کے دروازے بند کرا دیے اور روشنیاں لے کے کلوڈی کی تلاش میں چلی جو پمپیہ کی اسی خادمہ کے کمرے میں جس کے ساتھ آیا تھا، چھپ رہا تھا اور وہیں پکڑا گیا۔

سب عورتیں اُسے فوراً پہچان گئیں اور بڑی بے آبروئی سے مکان کے باہر نکال دیا اسی رات اُن عورتوں کی معرفت جنھوں نے فوراً گھر جا کے اپنے شوہروں کو یہ قصہ سنایا، یہ خبر سارے شہر میں پھیل گئی اور ہر جگہ چرچا ہونے لگا کلوڈی نے مذہبی احکام کی خلاف ورزی کی اور اس نالائق حرکت پر اُسے شدید سزا ملنی چاہیے کیونکہ گھر والوں کی جو بے آبروئی ہوئی سو ہوئی خود دیوتا اور تمام رومیوں کی توہین میں اس نے باک نہ کیا اسی پر ایک ٹربیون نے اس پر مقدمہ چلایا اور بعض ممتاز ارکان مجلس نے خلاف میں شہادتیں دیں کہ منجملہ اور افعال قبیح کے کلوڈی نے خود اپنی بہن کی عصمت دری کی تھی لیکن اس مقدمہ کی سماعت میں دقت یہ پیدا ہو گئی کہ عوام الناس ارکان مجلس کے امیر گروہ کی دشمنی میں ملزم کی پشتی پر اٹھ کھڑے ہوئے۔ ارکان عدالت کو اندیشہ ہو گیا کہ کلوڈی کو سزا دی جائے تو مبادا کوئی بلوہ ہو جائے اسی اثنا میں سیزر بھی جس نے پمپیہ کو فوراً چھوڑ دیا تھا، عدالت میں آکے کہہ گیا کہ کلوڈی سے مجھے کوئی شکایت نہیں ہے۔ اور جب

جرح کی گئی کہ "پھر بیوی کو طلاق کیوں دی؟" تو اُس نے جواب دیا کہ "میں نہیں چاہتا تھا کہ میری بیوی ہو کے اس پر بے بنیاد بھی کوئی شبہ کیا جائے!"، کہتے ہیں یہ بات اُس نے لوگوں کو خوش کرنے کے لئے کہہ دی تھی جو کلوڈی کی برائت کے لئے بے چین ہو رہے تھے مگر ایک قول یہ بھی ہے کہ درحقیقت اس نے جو کچھ بیان دیا وہ سچائی سے دیا۔ غرض وجہ جو کچھ بھی ہو انجام کار کلوڈی کو عدالت نے بری کر دیا۔ اور اکثر ارکان عدالت نے اپنا فیصلہ ایسے پر معنی الفاظ میں لکھا کہ لوگ بھی اُن سے نہ بگڑیں اور امرا میں بھی بات بنی رہے۔

اپنے عہدے کی میعاد پوری کر کے تھوڑے دن میں سیزر اندلس کا سرصوبہ یا صوبیدار بن کے اس طرف کا عازم ہوا۔ مگر اس پر بہت قرض تھا اور پہلے ہی قرضخواہ ستا رہے تھے۔ اب جو اس کا جانا سُنا تو سخت تقاضے کرنے لگے کہ شہر چھوڑنے سے پہلے حساب بیباق کرتے جاؤ۔ یہی مجبوری اُسے کراسوس کے پاس لے گئی۔ وہ رومۃ الکبریٰ میں سب سے دولت مند شخص تھا اور نوجوان سیزر کی زور مند طبیعت سے اپنے حریف سیاسی، پمپی کے خلاف کام بھی لینا چاہتا تھا، کراسوس نے سیزر کے آٹھ سو تیس ٹیلنیٹ قرض کی ضمانت دیدی اور بہ ہزار خرابی اُسے رستگاری ملی۔ ورنہ وہ بے صبر قرضخواہ اُس کو کسی طرح اندلس نہ جانے دیتے تھے۔

اثنائے سفر میں سیزر اور اُس کے ساتھیوں کا گزر کوہ آل فس (الپس) کے دامن میں ایک کھیڑے کے پاس سے ہوا جس کے وحشی باشندے نہایت مفلوک الاحوال نظر آتے تھے ان کی غریبی دیکھ کے سیزر کے ساتھی آپس میں ہنسی سے کہنے لگے "کیوں صاحب بھلا ان میں بھی عہدہ داریوں کے لئے جھگڑے ہوتے ہوں گے۔ اور اُن کے بڑے بڑے آدمی بھی اپنی اوّلیت اور سبقت کی خاطر فرقہ بندیاں کر کے لڑتے ہوں گے؟" یہ سن کے سیزر نے مزاح کی بجائے سچے دل سے کہا کہ "واللہ مجھے تو ان لوگوں میں افضل و اول بننا اس سے زیادہ محبوب ہے کہ روما میں کسی ایک شخص سے بھی کمتر رہوں!" ایک اور موقعہ پر اندلس میں بھی، کہتے ہیں اسکندر کا ذکر تاریخ میں پڑھ کر وہ پہلے چپ ہو گیا، پھر دفعۃً زار زار رونے لگا اور جب دوست احباب

حیران ہو کے پوچھنے لگے کہ اس گریۂ بے محل کی کیا وجہ ہے؟ تو اس نے جواب دیا "کیا تمہارے خیال میں یہ رونے کی بات نہیں ہے کہ میری عمر میں سکندر بیسیوں قوموں کو مفتوح و مغلوب کر چکا تھا حالانکہ مجھ سے آج تک کوئی کام ایسا نہ بن پڑا جو دنیا میں یادگار رہتا!"

سیزر نے اندلس میں آتے ہی غیر معمولی مستعدی دکھائی اور فوج کی بیس کوہرٹوں کو بڑھا کر تیس کر دیا۔ اس کے بعد کلیسی اور لستانی نام دو قوموں پر یورش کی اور ساحل سمندر تک سارا علاقہ فتح کر کے ان قوموں کو کلمہ رومہ کا پڑھوایا جو آج تک اُس کے زیر نگیں نہ آئے تھے۔ ان جنگی مہمات کے علاوہ اُسے دیوانی معاملات میں بھی خاطر خواہ کامیابی ہوئی۔ پہلے تو اُس نے بڑی جاں کاہی سے اُن چھوٹی چھوٹی ریاستوں کے تعلقات درست کئے جو رومہ کے ماتحت ہمیشہ باہمی مناقشات میں مصروف رہتی تھیں پھر قرضے کے متعلق یہ انتظام کیا کہ مقروضین کی سالانہ آمدنی میں سے دو تہائی قرضخواہوں کو دلا دیا جائے جس سے طرفین بھی خوش ہو گئے اور صوبے کی عام حالت بھی نمایاں طور پر بہتر ہو گئی۔ چنانچہ جب وہ اندلس سے چلا ہے تو سارا ملک سرسبز اور اس سے خوش تھا سپاہی بھی مالا مال تھے اور دولتمندی کے ساتھ وہ نیکنام بھی اتنا تھا کہ اُس کے ماتحت (سپاہی) اُسے "امپراطور" (یعنی امیر لشکر) کے معزز لقب سے یاد کرتے تھے۔

رومہ میں ایک قاعدہ یہ ہے کہ جو شخص جلوس فتح کی عزت کا خواہشمند ہو اسے شہر کے باہر منظوری آنے تک قیام کرنا پڑتا ہے۔ ایک اور قانون یہ ہے کہ جو کوئی قنصلی کا امیدوار ہو وہ اصالتاً مجلس میں حاضر ہو۔ اتفاق سے سیزر عین اُس وقت رومہ پہنچا جب کہ قنصلی کے عہدے کا انتخاب سر پر تھا۔ اور اب اُسے کہ دونوں چیزوں کی خواہش تھی بڑی مشکل پیش آئی کہ شہر پناہ کے باہر رہے تو قنصلی ہاتھ سے جاتی تھی اور جب قانون خود حاضر ہو تو جلوس فتح

ل رومی عہد میں فوج کی تقسیم کوہرٹ اور ریجین سے ہوتی تھی۔ ریجین چھ ہزار کے قریب سپاہیوں کا جیش یا حصہ فوج ہوتا تھا اور کوہرٹ اس سے بہت کم ہزار بارہ سو کا۔ مترجم

کی شرط منظوری کے خلاف تھا۔ نظر بریں اُس نے مجلس میں درخواست کی کہ اُس کی مجبوری کی وجہ سے میری اصالتاً حاضری معاف کر دی جائے اور میرے آنے تک میرے احباب کو نیابت کرنے کی اجازت ہو۔ اس درخواست کی کیتو نے قانون کے زور پر مخالفت کی لیکن جب دیکھا کہ اکثر ارکان مجلس کو سیزر نے رضامند کر لیا ہے اور غلبہ آرا کے سامنے اُس کی مخالفت چلنی مشکل ہے تو اُسے ناکام کرنے کی تدبیر سوچی کہ وقت ضایع کرنے کے نرالے نرالے بہانے نکال کے دن دن بھر تقریریں کرنی شروع کیں تاکہ منظوری اور فیصلے کا موقعہ ہی نہ آئے یہ سُن کے سیزر نے جلوس فتح سے ہاتھ اُٹھایا اور اپنی قنصلی کی کوشش مقدّم سمجھ کے شہر میں چلا آیا اور ایسا مدبرانہ پیچ کیا کہ سوائے کیتو کے سب دھوکے میں آ گئے یعنی رُومہ کے دو قوی ترین حریفوں میں، جن سے پمپی اور کراسوس مراد ہیں، مصالحت کرا دی، ان دونوں میں عرصہ سے اختلاف تھا۔ سیزر نے کمال ہوشمندی سے اسکو رفع کر دیا اور اس ترکیب سے دونوں کی متفقہ حمایت میں اپنا کام نکال لیا۔ بظاہر تو یہ فعل ملک کی عین خیر خواہی اور اوس کی نیکدلی کی دلیل تھا۔ لیکن درحقیقت اس کے پردے میں سیزر انقلاب سلطنت کی بنیادیں ڈال رہا تھا کیونکہ لوگوں کا یہ سمجھنا کہ سیزر اور پمپی کا اختلاف خانہ جنگیوں کا آغاز تھا صحیح نہیں ہے بلکہ اصل یہ ہے کہ ان دونوں کا مل جانا ہی غضب تھا جس نے طبقہ امرا کے قوت کے ٹکڑے اڑا دیے اور انہی دونوں سازشیوں کو مالک کل بنا دیا کہ بعد میں بے فکر ہو کے تلوار سے تصفیہ کریں کہ اب ان دونوں میں کس کو رہنا ہے؟ ان تمام باتوں کو کیتو نے ابتدا ہی میں سمجھ لیا تھا اور ان کا اتحاد ہوتے ہی پیشین گوئی کر دی تھی کہ اس کا نتیجہ یہ ہوگا، لیکن اس وقت سب اُسے بدمزاج اور خواہ مخواہ جھگڑے کرنے والا شخص سمجھتے تھے۔ البتہ آخر میں قایل ہوئے کہ کامیاب نہ سہی وہ نہایت دانشمند صلاحِ کار ضرور تھا۔

المختصر سیزر کی آرزو بر آئی اور وہ کل پرنیس بِبولَس کی شرکت میں بڑے تزک و احتشام سے قنصلی کے عہدے پر سرفراز ہوا، کاروبار حکومت کو اپنے ہاتھ میں لیتے ہی چند ایسی تجویزیں

مجلس کے روبرو پیش کیں جو دلیر سے دلیر ٹربیون ہی سامنے لانے کی جسارت کر سکتا تھا۔ معافیات کی تقسیم یا نوآبادیاں بسانے کی سفارش، سب ایسی تحریکیں تھیں جن کا مدعا لوگوں کو خوش کرنے کے سوائے کچھ نہ تھا۔ اور اس بنا پر مجلس کے سب سے معزز عمایدنے اُن کی مخالفت کی سیزر اس کی تاک میں تھا۔ چنانچہ جونہیں مخالفت شروع ہوئی اُس نے بآواز بلند یہ کہنا شروع کیا کہ میرا ہر گز جی نہ چاہتا تھا عوام الناس سے امداد طلب کی جائے۔ لیکن مجلس کا یہ ناگوار اور اہانت آمیز سلوک دیکھ کے مجھے بجز اس کے کوئی چارہ کار نظر نہیں آتا کہ آیندہ سے اپنے تئیں صرف جمہور الناس کی فلاح و بہبود کے لئے وقف کر دیا جائے" پھر جلدی جلدی ایوان مجلس سے نکل کے عوام کے سامنے آکھڑا ہوا۔ اور ایک طرف تو پمپی کو کھڑا کیا دوسری طرف کراسوس کو اور لوگوں سے دریافت کیا کہ میری تجاویز کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ اونہوں نے کہا ہمارے نزدیک وہ سب اچھی اور منظوری کے قابل ہیں۔ سیزر نے کہا "یہ بات ہے تو مجھے اُن کے مقابلے میں مدد دو جو اپنی تلواریں دکھا دکھا کے دھمکاتے ہیں"۔ لوگوں نے اعانت کا اقرار کیا اور پمپی نے اس میں یہ اور اضافہ کر دیا کہ اُن کی تلوار کو بھی تلوار ہی سے روکا جائے گا۔ ان الفاظ نے امرا کو سخت ناراض کیا کہ وہ نہ صرف اہل مجلس کے واسطے باعث توہین تھے بلکہ خود پمپی کی شان سے نہایت بعید تھے اور کسی مجنون یا کم عقل چھوکرے کی زبان سے نکلتے تو حیرت کی بات نہوتی نہ کہ ایسا پختہ کار شخص اسقدر بے قابو ہو جائے لیکن امرا جن لفظوں سے ناخوش تھے عوام نے اُسی کو پسند کیا اور پمپی کو حسب دلخواہ داد ملگئی ادھر سیزر نے پمپی کو اور زیادہ اپنے قبضے میں لانے کی غرض سے اپنی بیٹی جولیہ کو اُس سے منسوب کر دیا حالانکہ وہ پہلے سروی لیس سیپیو سے منسوب تھی لیکن سیزر نے پہلی نسبت کو فسخ کر دیا اور سیپیو کو پمپی کی بیٹی سے منسوب کرنے کا وعدہ کیا جو خود پہلے سے سلاکے بیٹے فاسٹس کی منگیتر تھی۔ اپنے آپ سیزر نے کل فرینہ سے شادی کی جو پیسو کی لڑکی تھی۔ پھر اسی پیسو کو اگلے سال کے واسطے قنصل مقرر کرا دیا، اسی واقعے پر کیٹو نے بہ آہنگ بلند اعتراض کئے اور

حرارت میں آکے یہ کہا کہ معاملات سلطنت میں یہ بات ہرگز قابل برداشت نہیں ہوسکتی کہ لوگوں نے ایک دوسرے کے ہاں شادیاں کرکے تمام عہدے آپس میں تقسیم کرنے شروع کردیے اور اپنی عورتوں کو اس دادوستد کا وسیلہ بنالیا۔ مگران سب باتوں کے باوجود سیزر اور اس کی جماعت روز بروز قوی ہوتی گئی۔ یہاں تک کہ اس کے شریک حکومت بوکس کو عافیت نظر آئی کہ اپنی قنصلی کی باقی میعاد خانہ نشین ہوکے گزار دے کیونکہ اُس نے دیکھ لیا کہ سیزر کی تجویزوں سے اختلاف نہ صرف بے سود ہے، بلکہ کیتو کی مانند اپنی جان کو معرض خطرہ میں ڈالنا ہے۔ اُدھر شادی ہوتے ہی پمپی نے سارے چوک کو اپنے سپاہیوں سے بھر دیا اور نئی تجاویز کو قانون بنوانے میں پوری امداد دی۔ علاوہ ازیں سیزر کو غالیہ دگال یعنی موجودہ فرانس) کی حکومت اور چار لشکروں کی سپہ سالاری پانچ سال کے لئے دلوادی۔ غالیہ میں کوہ اَلفس کے دونوں جانب کا علاقہ اور الِّی ریکم کا ضلع بھی شریک تھا۔ کیتو نے اس کارروائی کے خلاف کچھ کوشش کرنی چاہی تھی مگر سیزر نے اس کو پکڑ لیا اور قید خانے کی طرف لے چلا۔ اس کا خیال تھا کہ کیتو ٹربیونوں سے اس زیادتی کی فریاد کرے گا۔ لیکن اُس نے ایک حرف زبان سے نہ نکالا اور خاموشی سے ساتھ ہولیا۔ اس وقت سیزر کو یہ بھی نظر آگیا کہ اُمرا کی ناراضی ایک طرف خود عوام الناس اس حرکت سے کبیدہ ہیں وہ سب کیتو کا ادب کرتے تھے اور اس وقت بھی نہایت پر ملال خموشی کے ساتھ اس کے پیچھے پیچھے آرہے تھے۔ تب سیزر نے ایک ٹربیون سے خود استدعا کی کہ کیتو کو چھڑوادے۔ لیکن کیتو پر منحصر نہیں سبھی ارکان مجلس کا حال ابتر تھا۔ سوائے چند آدمیوں کے سب ان کارروائیوں سے بیزار تھے اور اجلاسوں میں آنے سے پرہیز کرتے تھے۔ چنانچہ ایک دن کنوڈیس نے جو بہت معمر آدمی تھا، سیزر کے منہ پر کہہ دیا کہ ارکان مجلس کے نہ آنے کی وجہ تمہارے سپاہیوں کا خوف ہے۔" سیزر نے کہا "پھر تم کیوں آتے ہو اور تم کیوں اسی اندیشے سے خانہ نشین نہیں ہوجاتے؟" کنسی ڈیس نے جواب دیا "بڑھاپے کی وجہ سے، جو اس قسم کے خطروں میں میرا محافظ ہے۔ علاوہ اس کے مجھے جینا کے دن ہے جو ایسی احتیاطیں کروں۔"

لیکن سب سے نالایق اور مایہ عار کارروائی جو سیزر نے زمانہ قنصلی میں کی، یہ تھی کہ اُسی کلوڈی کو ٹربیون بننے میں مدد دی جس نے اُس کی بیوی کی عصمت لینی چاہی تھی اور احکام مذہبی کے خلاف گھر میں گھس آیا تھا، دراصل اس فعل کی تہ میں ایک غرض مضمر تھی۔ اور وہ یہ کہ کسی طرح سسرو کا زور کم کیا جاے۔ چنانچہ یہی ہوا کہ جب تک اس جماعت نے سسرو کو بالکل بے قابو کر کے انجام کار اطالیہ چھوڑ دینے پر مجبور نہ کر دیا، سیزر رومہ سے اپنے علاقے کو نہ گیا۔

یہاں تک ہم نے سیزر کے محاربات غالیہ سے پہلے کی سرگزشت لکھی ہے اس کے بعد وہ ازسرنو میدان عمل میں داخل ہوتا ہے اور گویا اپنی زندگی کا بالکل نیا اور دوسرا دور شروع کرتا ہے یہی وہ زمانہ ہے جس میں سیزر نے بڑی بڑی لڑائیاں جیتیں اور ممالک غالیہ کو تسخیر کیا اور ثابت کر دیا کہ دنیا کے کسی نامی سے نامی سپہ سالار سے وہ جنگی لیاقت اور دلیری میں کمتر نہیں ہے۔ کیونکہ اگر ہم اس کا مقابلہ فیبی، مٹلی اور سپیو نام کے دونوں نامور بھائیوں سے کریں یا اسی عہد کے سپہ سالاروں سے جن میں سلا، میریوس اور دونوں لوسلی شامل ہیں۔ یا خود اس جلیل القدر سپہ سالار پمپی سے جس کا طنطنہ شجاعت کہا جا سکتا ہے کہ آسمانوں تک پہنچا، تو معلوم ہوگا کہ سیزر کے کارنامے ان سب سے بلند و بالاتر ہیں۔ کسی سے تو وہ اس بات میں فایق نکلے گا کہ جس ملک میں وہ لڑا، نہایت دشوار گزار تھا، کسی سے اس امر میں کہ جو علاقہ اُس نے فتح کیا وہ وسعت میں زیادہ تھا۔ کسی سے اس بات میں کہ جن دشمنوں کو اس نے ہزیمت دی وہ تعداد میں اس سے بہت زیادہ تھے۔ یا جنھیں اس نے زیر نگیں کیا وہ بالکل وحشی اور غدار تھے۔ اسی طرح کسی پر تو اس کی وجہ ترجیح وہ شریفانہ سلوک اور انسانیت اور رحمدلی ہوگی جو مفتوحین کے ساتھ سیزر نے بارہا دکھائی ہے اور کسی پر یہ، کہ اپنے سپاہیوں کو جس لطف و مدارات کے ساتھ اس نے رکھا اور جس طرح اس نے انہیں مالامال کیا، دوسرے نے نہ کیا تھا۔ لیکن وہ امر خاص، جس میں ہر سپہ سالار اس سے مقابلے میں ہار جائیگا یہ ہے کہ سیزر نے جتنی لڑائیاں لڑیں اور جتنے دشمن مغلوب کیے کوئی اس تعداد میں اس کی برابری کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ کیونکہ ان ممالک میں دس سال کے اندر آٹھ سو

سے زیادہ شہر اس نے ہلّہ کرکے تسخیر کئے، تین سو ریاستوں کو مغلوب و مطیع کیا اور کل تیس لاکھ آدمیوں میں جو وقتاً فوقتاً اس کے مقابلے میں آئے، دس لاکھ مقتول ہوئے اور لاکھ کی ایک ہی دہائی اسیر۔ جو اس کے محاربات کی عظمت کی نہایت روشن دلیل ہے۔

سپاہیوں کو وہ اس قدر خوش رکھتا تھا کہ وہ سب اُس کی خاطر جان فدا کرنے کے لئے تیار رہتے تھے۔ اور اس کی ماتحتی میں ایک اک پیادہ شجاعت و جنگجوئی کا نمونہ بن جاتا تھا۔ چنانچہ بارہا سیزر کے نام پر اُن لوگوں نے غیر معمولی بہادری کے جوہر دکھائے ہیں جنھیں پہلے کوئی جانتا بھی نہ تھا انھیں میں کی ایک مثال اسی لیس ہے کہ جب مارسیلز کی بحری جنگ میں دہنا ہاتھ کٹ گیا تب بھی ڈھال ہاتھ سے نہ رکھی بلکہ دشمنوں کے چہروں پر اتنی ڈھالیں ماریں کہ وہ سامنے سے ہٹ گئے۔ اور اس دست بریدہ جواں مرد نے کشتی پر قبضہ کرلیا۔ دوسری مثال کیسی اس سکیوا کی ہے ڈیراجیم کی جنگ میں تیر سے اُس کی ایک آنکھ پھوٹ گئی اور دو برچھیاں ایسی لگیں کہ رانیں اور شانہ بیکار ہوگیا۔ اور اس کی ڈھال پر ایک سو تیس تیر آکے ٹکرائے۔ اس وقت بھی دشمن کو آواز دے کے بلایا۔ وہ یہ سمجھے کہ سکیوا ہتیار پھینکتا ہے لیکن ان میں سے دو آدمی قریب پہنچے تو ایک کا اُس نے تلوار مار کے شانہ اُڑا دیا اور دوسرے کے منہ پر ایسی ضرب ماری کہ وہ جھجک کے پیچھے ہٹا اور اپنے ساتھیوں کی مدد سے جو اب کثیر التعداد میں آگئے تھے، جان بچائی۔ اسی طرح برطانیہ میں فوج کے بعض اعلیٰ اور دلیر سردار ایک دلدل میں بے خبری سے پھنس گئے اور دشمن نے وہیں اُن پر حملہ کیا۔ اس وقت سیزر بھی پریشان تذبذب کے عالم میں کھڑا یہ واقعہ دیکھ رہا تھا کہ اتنے میں ایک معمولی پیادہ جان پر کھیل کے دلدل میں گھس گیا اور بہادری کے حیرت انگیز کرشمہ دکھا کر دشمنوں کو مار کے ہٹا دیا۔ اور اپنے سرداروں کو بلائے ناگہانی سے نجات دلانے کے بعد اخیر میں خود، کچھ تیر کر، کچھ کیچڑ میں پاؤں پاؤں چلکر بمشکل باہر نکلا، مگر ڈھال وہیں رہ گئی۔ سیزر اور اس کے سردار یہ جاں نثاری دیکھ کر نہایت خوش ہوئے اور جب وہ دلدل سے نکلا تو صدائے احسنت و مرحبا کے ساتھ اُس کے استقبال کو بڑھے۔ لیکن سپاہی جو بہت مغموم و آبدیدہ معلوم ہوتا تھا سیزر کے

کے قدموں میں گر پڑا اور ڈھال رہ جانے کی معافی مانگی، اسی طرح کا واقعہ پیٹرو کا ہے۔ یہ شخص سیزر کا آرڈر وہ تھا اور دکوالسٹر بخشی کے عہدے پر مقرر ہو کے افریقہ کی سمت جہاز میں جا رہا تھا جو (سیزر کے حریف) پیپیو نے آگھیرا۔ جہاز پر جتنے اور مسافر سوار تھے۔ انھیں تو اس نے اپنے سپاہیوں میں بانٹ دیا لیکن پٹرو کا لحاظ کیا اور آزاد کرنا چاہا پیٹرو نے کہا سیزر کے سپاہی احسان کیا کرتے ہیں لیا نہیں کرتے، اور یہ کہہ کے اپنی تلوار پہ پیٹ کے بل گرا اور اپنا کام تمام کر دیا۔

نام آوری کی یہ تشنگی اور حوصلہ مندی کے کاموں کا ایسا جوش خود سیزر نے اُن کے دلوں میں پیدا کیا تھا۔ اور وہی اس کو ترقی اور تقویت دیتا تھا جس غیر معمولی فیاضی اور قدر شناسی کے ساتھ وہ اپنے مستحق سپاہیوں کو انعام دیتا تھا وہ اس بات کا بیّن ثبوت تھا کہ درحقیقت لڑائیوں میں جتنا مال غنیمت اس نے حاصل کیا وہ سب ایک قسم کا بیت المال ہے جو بہادروں کا حصّہ اور جوانمردی دکھانے والوں کے لئے وقف ہو۔ کیونکہ اس دولت وافر سے خود سیزر کبھی تمتع نہ حاصل کرتا تھا نہ اسے ذاتی عیش و آرام میں صرف کرتا۔ بلکہ اپنی سب سے بڑی عشرت اور تجارت اس کو سمجھتا تھا کہ یہ روپیہ بے دریغ اُن کو دیا جائے جو اپنے تئیں اس کا اہل ثابت کریں، اس فیض رساں ایثار میں اس کی ذاتی بہادری کو اور اضافہ کر دو۔ کہ دنیا کا کوئی خطرہ ایسا نہ تھا جس میں وہ بخوشی نہ پھاند پڑے اور کوئی مشقت ایسی نہ تھی کہ وہ اُس سے جان چرائے یا اپنے لئے استثنیٰ چاہے، خطرات میں جس بے پرواہی کے ساتھ وہ گھس پڑتا تھا سپاہی اس کی وجہ جانتے تھے کہ شوقِ ناموری ہے جسکی سیزر کو بڑی طمع تھی لیکن اُسکی اپنی قوت و بساط سی زیادہ جفا کشی، اور سخت سے سخت کاموں میں گھس جانا واقعی تعجب انگیز تھا، کیونکہ وہ بالکل دُبلا پتلا نازک اندام آدمی تھا۔ نرم و سفید جلد تھی۔ گرانی سر کی ہمیشہ شکایت رہا کرتی تھی اور صرع کا بھی، جو سُنا ہے شہر (کرُدبہ) قرطبہ میں شروع ہوا، دورہ پڑ جاتا تھا، لیکن اپنے جسم کی کمزوری کو اُس نے آرام طلبی کا بہانہ نہ بنایا بلکہ بیماریوں کا علاج ہی جنگ و جدال کو تجویز کیا، ادنیٰ درجے کی غذائیں

کھاتا تھا، بارہا میدانوں میں پڑا رہتا اور نہایت پرمشقت ریاضتیں کرتا تھا اور مسلسل یلغاروں سے اپنے جسم کو عادی بناتا تھا کہ وہ امراض کا مقابلہ کرسکے اور اس قدر مضبوط ہوجائے کہ اُن کے حملے کارگر نہ ہوں۔ وہ بالعموم رتھوں یا پالکیوں میں سوتا تھا تاکہ یہ آرام کا وقت بھی بیکار نہ جائے بلکہ طے مسافت میں صرف ہو۔ اس طرح راتوں کو چلکر دن میں جہاں کہیں قلعے یا لشکر یا بیڑا وُپر اُسے جانا ہوتا پہنچ جاتا۔ ہمراہی میں ایک منشی ہمیشہ موجود رہتا تھا کہ سیزر جو کچھ بتائے وہ لکھتا جائے اور پیچھے پیچھے ایک سپاہی ننگی تلوار کندھے پر رکھے ساتھ چلتا تھا۔ اس کی تیز رفتاری کا اس سے اندازہ ہوگا کہ روما سے روانہ ہوا تو آٹھ دن کے اندر دریائے رہوں کے کنارے آپہنچا، اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ بچپن سے سیزر شہسواری میں مہارت رکھتا تھا اور پیٹھ کے پیچھے ہاتھ باندھ کر سرپٹ گھوڑا دوڑانے کی مشق کیا کرتا تھا، اب اس میدان میں اس نے یہ جدّت کی کہ گھوڑا دوڑاتے ہیں دو دو آدمیوں کو ایک ہی وقت یادداشتیں یا نوٹ لکھوانے کی عادت ڈالی اور اوپیس کا تو یہ بیان ہے کہ دو سے زیادہ آدمیوں کو املا کرادیا کرتا تھا لوگوں کا خیال ہے کہ نقطوں کی رسم کتابت بھی اُسی نے ایجاد کی تاکہ ضروری معاملات میں زبانی گفتگو کا موقع نہ ملے یا کام زیادہ ہو یا شہر کی وسعت کے سبب ملاقات دشوار ہو تو اُس کے ذریعے فوراً اپنے احباب پر اظہار مدعا کرسکے اور کام میں تاخیر یا التوا نہ واقع ہو۔

کھانے کے معاملے میں سیزر مطلق کسی تکلّف یا اہتمام کا پابند نہ تھا۔ ایک بار شہر میلاں میں ویلریس لیو نے اُس کی دعوت کی۔ اور کنول کے اُبلے ہوئے ڈنٹھلوں پر اپنے گنوارپنے سے میٹھا تیل ڈال دیا۔ سیزر نے بے تکلّف اُسے کھالیا اور اپنے نکتہ چین دوستوں کو تنبیہ کی کہ جس چیز کو پسند نہیں کرتے اُسے نہ کھانے میں تو کچھ مضایقہ نہیں ہے مگر وہ شخص جو دوسرے کی بے تمیزی پر زبان کھولتا ہے درصل خود اپنی بدتہذیبی کا ثبوت دیتا ہے۔" اس کی سادہ مزاجی کی یہ مثال اور لکھنے کے لایق ہے کہ ایک مرتبہ طوفان کی شدّت سے بچنے کے لئے وہ کسی غریب آدمی کے جھونپڑے میں ساتھیوں سمیت پناہ گزیں ہوا۔ وہاں صرف ایک کوٹھری تھی۔

اور اس میں بھی ایک شخص بدقت لیٹ سکتا تھا۔ لہذا سیزر اپنے احباب کی طرف مخاطب ہوا اور کہنے لگا کہ عزت کی جگہ بڑے آدمیوں کو دی جاتی ہے لیکن ضروری آسایش کی جگہ پر پہلا حق بیماروں یا ضعیفوں کا ہے۔ اس واسطے اوپیس (جس کی صحت خراب تھی) اندر سوئیگا اور ہم تم باہر!" چنانچہ یہی ہوا اور وہ اور اس کے دوسرے ساتھ والے جھونپڑے کے دروازے پر سائبان کے نیچے سوے۔

غالیہ میں اس کی پہلی لڑائیاں ہلویشی اور ٹیگوری نی قبائل سے ہوئیں۔ یہ وہ قومیں ہیں جنھوں نے اپنے بارہ قصبے اور چار سو گانوں خود جلا دیے تھے اور رومی علاقے میں نقل مکان کا اسی طرح ارادہ کر لیا تھا جس طرح کہ پہلے سنبری اور ٹیوٹن لوگ ہجرت کر آئے تھے یہ واضح رہے کہ پہلے دونوں فرقے بھی جنگجوی اور تعداد میں آخر الذکر قوموں سے کم نہ تھے اور ان کی تین لاکھ کی کل جماعت میں ایک لاکھ نوے ہزار قابل جنگ مرد تھے۔ ٹیگوری نی کے مقابلے میں سیزر بذات خود نہیں گیا بلکہ لابے نوش کو بھیجا تھا جس نے اس کی ہدایتوں کے مطابق لڑکے دشمن کو دریاے آرار پر شکست دی۔ لیکن ہلویشیوں نے خود پیش قدمی کی۔ سیزر کسی حلیف شہر کی جانب کوچ کر رہا تھا کہ وہ اچانک اس کے لشکر پر آپڑے۔ موقعے کی نازکی ظاہر ہے۔ تاہم سیزر اپنی فوج ایک محفوظ مقام پر ہٹا لایا اور سب کو جمع کر کے باقاعدہ صف بندی کرائی۔ اور جب اس کا گھوڑا سامنے لایا گیا تو کہنے لگا "فتح حاصل کرنے کے بعد ہم اس سے دشمن کے تعاقب میں کام لیں گے بالفعل تو حملہ کرنا منظور ہے،" اور پیادہ پا حملہ آور ہوا۔ عرصے تک شدید خونریزی ہوتی رہی اور اگرچہ سیزر نے قلب فوج توڑ کر دشمن کو ہٹنے پر مجبور کر دیا، تاہم اصل لڑائی پڑاو کے مورچوں اور گاڑیوں پر ہوئی۔ جہاں مردوں نے تھم کر مقابلہ کیا اور عورتوں اور بچوں تک نے مدافعت میں جانبازی کے کرشمے دکھاے اور آدھی رات تک مقابلہ کرتے رہے۔ اس فتح کے بعد سیزر نے دوسرا کارنمایاں وہ کیا جو سونے پر سہاگہ ہو گیا یعنی ان سب کو جو تعداد میں ایک لاکھ سے اوپر تھے اور میدان جنگ سے بچ نکلے تھے گھیر کر انھیں یکجا کر دیا اور جبراً انھیں علاقوں اور

بستیوں میں (جنہیں چھوڑ کر وہ جلا آئے تھے) آباد کرادیا، اگر وہ یہ نہ کرتا تو خوف تھا کہ مبادا
جرمن اقوام آکر ان خالی زمینوں پر متصرف ہو جائیں۔

سیزر کا دوسرا معرکہ، غالیہ کی مدافعت میں، جرمنوں سے ہوا، اُن کے بادشاہ ایریووس ٹس
کو تھوڑے دن پہلے اُس نے رومہ میں اپنی سلطنت کا حلیفت تسلیم کرادیا تھا۔ مگر اس کے لئے یہ
ہمسایے گرگ بغل سے کم نہ تھے اور ہر وقت اُن سے اندیشہ تھا کہ موقع پاتے ہی دوستی اور
مصالحت کو بالاے طاق رکھ دینگے اور غالیہ پر یورش کرینگے، لیکن کوچ سے پہلے اس کے
اکثر سرداران فوج خوف زدہ نظر آے بالخصوص وہ امیر زادے جو اس کے ہمراہ لڑنے کی بجای
زیادہ تر طلب جاہ دولت کے لالچ میں آئے تھے بہت بے حواس ہوے سیزر نے انھیں بلایا
اور صلاح دی کہ یہی بزدل اور کم ہمتی تو اپنے رجحان طبع کے خلاف لڑائی میں نہ چلو بلکہ یہیں سے
رخصت ہو جاؤ۔ کیونکہ میں صرف دسویں لیجین سے دشمن پر حملہ کرنے کے واسطے آمادہ ہوں۔
اور یقین رکھتا ہوں کہ نہ تو غنیم سنبری سے زیادہ مضبوط اور جنگجو ہوگا، اور نہ مجھکو وہ میریوس
سے کمتر درجے کا سپہ سالار پائیگا“ اس گفتگو پر دسویں لیجین نے چند آدمی اپنی طرف سے بھیجکر
اس کی قدر دانی کا بہت بہت شکریہ ادا کیا اور دوسری فوجوں کے سپاہی اپنے سرداروں
سے ناراض ہوے اور سب کے سب کمال جوش اور سرگرمی کے ساتھ اس کے ہمراہ روانہ ہوگئے
حتیٰ کہ چند روز میں دشمن سے دو سو فرلانگ کی مسافت پر آکے قیام کیا۔

اے ریووس ٹس کا حوصلہ تو اُن کی آمد سنتے ہی کسی قدر سرد ہوگیا۔ کیونکہ اُسے توقع تھی
کہ خود چڑھائی کرنا درکنار رومیوں کو جرمن جنگ آزماؤں کے مقابلے میں مدافعت کرنی بھی محال
ہوگی۔ لیکن یہ قیاس بالکل غلط نکلا اور سیزر کی یلغار سنکر وہ ششدر رہ گیا اور اس کی فوج
میں بھی سراسیمگی پھیل گئی جسکو ان کی دیندار عورتوں نے پیشینگوئیوں سے اور تقویت دی۔ کیونکہ
اس قوم میں یہی عورتیں دریاؤں کے بھنور، آندھی کے بگولے اور پانی کی آوازوں سے تفاول
کیا کرتی تھیں اور اب اپنے لوگوں کو ڈرا رہی تھیں کہ خبردار رومیوں سے جنگ نہ کرنا، سیزر کو

بھی یہ تمام خبریں پہنچیں۔ اور یہ دیکھکر کہ جرمن اپنی جاے سے حرکت نہیں کرتے بلکہ خوف زدہ ہو رہے ہیں، اس نے مناسب سمجھا کہ ان کی پیش قدمی کا انتظار کرنے کی بجاے خود حملہ کرے اور اُن کی سراسیگی سے فائدہ اُٹھاے۔ چنانچہ اُس نے بڑھ کر ان کی آبادیوں اور قلعوں پر تاخت شروع کردی۔ اور اسقدر دق کیا کہ آخر کار وہ جھلا اُٹھے اور بکمال طیش و غضب کے ساتھ مقابلہ کرنے نیچے اتر آے۔ مگر اس مقابلے میں سیزر کو فتح عظیم حاصل ہوئی اور وہ انھیں چار سو فرلانگ یعنی دریاے رہاین تک مارتا اور بھگاتا ہوا لایا۔ اور سارے رستے کو دشمن کی لاشوں سے پاٹ دیا۔ چنانچہ جب آیریووس ٹس نے رہاین کو پار کیا ہے تو اُس کی فوج میں صرف چند شکستہ حال سپاہی رہ گئے تھے۔ کیونکہ بیان کرتے ہیں کہ اُس کے اسّی ہزار آدمی اس لڑائی میں کام آئے!

اس معرکے کے بعد سیزر نے فوج کو اپنے سرمائی مقام، قوم سیقانی کے ملک میں چھوڑا اور خود اپنے صوبے کے اُس علاقے میں چلا آیا جو دامن الفس میں دریاے پو کے اس طرف واقع ہی مطلب یہ تھا کہ رومہ کے قریب سے قریب رہ کر وہاں کے معاملات سے بھی اپنے تئیں بے تعلق نہ رکھے۔ کیونکہ یہ جگہہ عین وہاں واقع ہے جہاں دریاے ربی کن، غالیہ اور اطالیہ خاص میں حدّ فاصل بناتا ہے، یہیں بیٹھ کر اس نے لوگوں کو اپنی طرف مایل کرنے کی تدابیر کیں اور اپنی فیاضانہ طرز مدارات سے دلوں میں گھر کرنا شروع کیا۔ لوگ بھی بہ تعداد کثیر اس کے پاس پہنچتے اور کبھی اپنے مقاصد میں ناکام نہ پھرتے تھے۔ اس لئے کہ سیزر ہر قسم کی درخواست پورا کرنے کا وعدہ تو فوراً کرلیتا اور آیندہ کی امیدیں علیحدہ دلاتا اور اُس کے تمام غالوی محاربات میں پمپی کی آنکھیں کچھہ ایسی بند تھیں کہ اُسے مطلق نظر نہ آیا کہ کس طرح سیزر ایک طرف تو خود رومیوں کی تلواروں کے صدقے میں فتوحات پہ فتوحات حاصل کررہا ہے اور دوسری طرف ان فتوحات میں جو کچھہ دولت فراہم کرتا ہے اسی سے اپنا ذاتی نفوذ بڑہانے کا کام لیتا ہے۔

اتنے میں خبر آئی کہ بلجی قوم نے بغاوت کردی۔ اور اپنے فاتحین کو نکال باہر کرنے پر آمادہ

ہیں، واضح رہے کہ یہ لوگ مملکت خالیہ کی نہایت طاقتور قوم تھے اور ایک تہائی حصہ ملک میں بسے ہوئے تھے۔ اس موقعے پر بھی بہت بڑی تعداد میں لڑنے آئے تھے۔ بایں وجوہ سیزر فوراً ادھر روانہ ہوا اور ان کی سب سے بڑی جماعت پر جو رومی طرفداروں کا ملک تاراج کر رہی تھی۔ حملہ کیا۔ اس لڑائی نے کچھ زیادہ طول نہ کھینچا اور سیزر نے جلد دشمن کو شکست دیکے منفرق کر دیا۔ کیونکہ اگرچہ تعداد میں یہ لوگ بہت زیادہ تھے تاہم اپنی بخوبی مدافعت نہ کر سکے اور ان کی لاشوں نے ندیوں اور دلدلوں کو پاٹ کر رومیوں کا راستہ آسان کر دیا، اس کے بعد ساحل سمندر پر بسنے والوں نے بغیر لڑے بھڑے ہتیار ڈالدیے اور اب سیزر قوم نروائی کی گوشمالی کے لئے چلا جو اُس حصہ ملک میں سب سے خونخوار جنگجو اور متمرّد قوم تھی، گھنے اور تاریک جنگلوں میں ان کا گھر تھا سیزر کی آمد سن کر انھوں نے اپنے بال بچوں اور مال متاع کو نہایت دشوار گزار اور دور دست محفوظ مقامات میں بھجوا دیا اور خود ساٹھ ہزار آدمیوں سے سیزر پر اچانک آپڑے، رومی سواروں نے تو بہت جلد حوصلہ ہار دیا اور سامنے سے بھاگ نکلے لیکن ساتویں اور بارہویں لیجین کی حالت اس سے بھی بدتر ہوئی۔ دشمن نے ان کے افسروں کو چن چن کے مار ڈالا اور انھیں اس طرح دبایا کہ اگر سیزر ایک ڈھال چھین کر اپنے سپاہیوں کی صفیں چیرتا پھاڑتا آگے نہ نکل آئے اور اگر دسویں لیجین کے سپاہی اُسے خطرے میں دیکھکر اپنے پہاڑی مقام سے نہ دوڑ پڑیں تو غالباً رومی فوج کا ایک متنفس بھی زندہ نہ بچتا۔ لیکن سیزر کا جان پر کھیل کے اس وقت دشمنوں میں پھاند پڑنا ہزار تحریکوں کی ایک تحریک تھی جس نے سپاہیوں میں جن کی آگ بھڑکا دی اور وہ جو استعارةً کہا کرتے ہیں، حقیقت میں یہ لوگ "فوق العادت دلیری سے لڑے" پھر بھی انکی انتہائی کوششیں دشمن کو میدان جنگ سے ہٹا دینے میں کامیاب نہ ہوئیں اور حملہ آور بھی اس طرح قدم جما کے لڑے کہ مر کے ہٹے۔ چنانچہ بیان کیا جاتا ہے کہ ساٹھ ہزار میں سے فقط پانسو زندہ بچے اور ان کی مجلس حکومت کے جو چار سو ارکان بزرگ آئے تھے اُن میں سے بھی صرف تین جیتے پھرے باقی سب کے سب اپنی قومی آزادی پر سے نثار ہو گئے!

روم‌ۃالکبریٰ کی مجلس میں جس وقت یہ خبریں پہنچیں تو بالاجماع قرار پایا کہ شکرانہ فتح میں کامل پندرہ شبانہ روز نذر و نیاز اور قربانیاں چڑھائی جائیں اور مذہبی تہوار منائے جائیں۔ یہ وہ مدت ہی جو آجتک کسی فتح کے لئے منظور نہ کی گئی تھی۔ کیوں کہ واقعی اتنی قوموں کا مل کے بغاوت کر دینا، اہل رومہ کے خیال میں خطرہ عظیم تھا، اور اس کے علاوہ یہ کامیابیاں اس لئے اور بھی چمک اٹھی تھیں کہ ان کا حاصل آنیوالا، لوگوں کا محبوب سیزر تھا، جو گالیہ کی مہمات سے فراغت پاتے ہی پھر دریائے پو کے کنارے آکر مقیم ہوگیا تھا کہ خاص رومہ میں جو اغراض ہیں، اُنکے پورا ہونے میں خلل نہ پڑنے پائیں تمام امیدواران مناصب اس کے پاس دوڑ دوڑ کے آتے تھے اور رشوتیں دے کے لوگوں کی رائیں خریدنے کے واسطے روپے لے جاتے تھے اور اوس کی ادائیگی یوں ہوتی تھی کہ اپنے مقاصد میں کامیابی حاصل کرنے کے بعد وہ سیزر کی قوت واثر بڑھانے کی کوششیں کرتے تھے، ان سب باتوں پر طرّہ یہ ہوا کہ اس کے مقام لوقہ پر رومہ کے سب سے بڑے اور ممتاز افراد بھی ملاقاتیں کرنے آنے لگے ساردینہ کا حاکم آئے ہیں، اندلس کا والی (پرو کونسل) نپیس، اور خود پمپی اور کراسوس جیسے عالی مرتبت لوگ اس کے مہمان ہوئے چنانچہ ایک وقت میں اوس کی قیام گاہ پر دو سو سے زیادہ ارکان مجلس اور ایک سو بیس فوجداران عدالت کا مجمع تھا، اسی موقعے پر جو مشورے ہوئے اُن میں یہ فیصلہ ہوا کہ سال آیندہ پمپی اور کراسوس قنصل بنائے جائیں سیزر کے لئے مزید رقم خزانے سے دلوائی جائے اور اس کی سپہ سالاری کی پانچ سال کے واسطے اور توسیع کرادی جائے۔ اگرچہ اہل الرّائے یہ دیکھ کے نہایت حیران ہوئے ہیں گئے کہ وہی لوگ جنھوں نے خود سیزر سے لاکھوں روپے لے لے کے اپنے کام نکالے تھے اب اُس کو رقم دلوانے پر آمادہ ہیں گویا وہ روپے کا محتاج تھا لیکن درحقیقت اپنے دل میں یہ احسانمندان سیزر بھی اس کو روپیہ دینے سے ناخوش تھے۔ مگر خود کردہ را علاجے نیست۔ اُنھوں نے احسان لے کے اپنے تئیں سیزر کے قابو میں دے دیا تھا۔ اور اب مجبور تھے کہ اس کے اشارے پر چلیں۔ چنانچہ بہت رنج اور پشیمانیوں کے ساتھ بکمال بے دلی اُنھوں نے مذکورۂ بالا تجویز منظور کی، کیتو اس وقت موجود نہ تھا

بلکہ فریب سے جزیرہ قبرس بھیجدیا گیا تھا البتہ نے بونیس مخالفت کے لئے آمادہ ہوا۔ یہ شخص کیتو کا نہایت پرجوش مرید اور نقال تھا۔ لیکن جب ایوان مجلس کے اندر اس کی مطلق شنوائی نہ ہوئی تو وہ عوام الناس میں آکھڑا ہوا اور ان کارروائیوں کی چیخ چیخ کے مخالفت کرنے لگا، یہاں بھی کسی نے توجہ نہ کی اور بعض نے کراسوس اور پمپی کی پاسداری میں اُس کا مضحکہ کیا۔ لیکن عام طور پر لوگوں نے اس کی تضحیک اس لئے کی کہ سیزر خوش ہو جس کی ذات سے ان کی اُمیدیں وابستہ تھیں۔

اس کے بعد سیزر اپنے لشکر میں غالیہ لوٹ آیا اُسوقت ملک میں پھر لڑائیوں کا ایک خطرناک سلسلہ شروع ہو گیا تھا یعنی دو زبردست جرمن قومیں رہاین اُترکے ملک پر قبضہ کر لینے کی فکر میں تھیں ان میں سے ایک کا نام تو یوسپیس تھا اور دوسری تن تری تی کہلاتی تھی، اس لڑائی کے آغاز کے متعلق دو بیان ہیں۔ خود سیزر اپنے "کومن ٹریز" (یا تبصرات) میں لکھتا ہے کہ پہلے تو ان وحشیوں نے مصالحت کے واسطے ایلچی بھیجے لیکن اثنائے سفر میں انہی نے اپنے ساتھیوں سمیت رومی فوج پر چھاپہ مارا اور اسی فریب کے سبب صرف آٹھ سو کی جماعت سے پانچہزار غافل رومی سواروں کو بھگا دیا اور بعد ازاں پھر نئے ایلچی بھیجے، یہی دغا بازیاں کرنی چاہتے تھے مگر میں نے ان کو آتے ہی قید کر دیا اور ایسے غدار وحشیوں پر اعتبار کرنا محض سادہ لوحی سمجھ کے، اپنی یلغار جاری رکھی"۔ لیکن دوسری روایت تانوسیوس سے یہ ہے کہ جب اس فتح کی خوشی میں اہل مجلس نے نذر و نیاز کے تہوار منانی کے احکام جاری کیے تو کیتو اُٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا کہ انصافاً ہمارا فرض ہے کہ سیزر کو ان وحشیوں کی حوالے کر دیا جاوے (جن کے سفیروں کو اس نے کمال دغا بازی کے ساتھ پکڑ لیا تھا) تاکہ اس جرم کا عذاب اہل رومہ کی گردنوں پر رہنے کے بجائے خود مجرم بھگتے!"۔

القصہ سیزر نے اقوام مذکورہ کو بہت بری طرح سزا دی۔ ان کے چار لاکھ آدمی مارے گئے اور باقی ماندہ نے قبیلہ سگامبری میں پناہ لی۔ یہ قبیلہ بھی جرمن نسل سے تھا۔ اور انہی کے بہانے سیزر کو جرمانیہ پر حملہ کرنے کا موقعہ ملا۔ در اصل اس کی بڑی تمنا تھی کہ دریائے رہاین کو فوج لے کے عبور کرنیکا فخر اولیت اُسے حاصل ہو۔ چنانچہ پل باندھنے کی عملی کارروائی فوراً شروع کر دی گئی۔ اگرچہ خاص

اس مقام پر دریا کا پاٹ بہت چوڑا تھا اور بہاؤ اس قدر پُرزور کہ بڑے بڑے درختوں کے تنے آن آن کے اُن بنیادوں کو ہلا دیتے تھے جو رومیوں نے پل کے لئے ڈالی تھی، تاہم سیزر نے اس کی بھی روک کی اور لکڑی کے بڑے بڑے بوٹے دریا میں ڈلوا کے آخر اپنا پل تیار کرا لیا جسے دیکھ کے کوئی شخص یقین نہ لا سکتا تھا کہ وہ صرف دس دن کا کام ہے۔

پل اُترنے کے بعد سیزر بلا روک ٹوک آگے بڑھتا چلا گیا اور سیوبی جیسی قوم بھی جسے ملک جرمنی کی سب سے خونخوار و دلیر جماعت سمجھنا چاہیئے، رومی فوج کے سامنے پڑنے سے ہچکچائی اور جان بچا کے مال املاک سمیت تاریک ترین جنگلوں میں اور دشوار گزار گھاٹیوں میں بھاگ گئے۔ سیزر نے اٹھارہ دن دشمن کا علاقہ تاراج و خاکستر کرتا رہا اور جن قوموں نے رومیوں کی حمایت و دوستداری قبول کر لی تھی انھیں نوازنے کے بعد غالیہ لوٹ آیا،

لیکن سیزر کی شجاعت و بہادری کو جس نے سب سے زیادہ روشن کیا وہ اس کی مہم برطانیہ ہے، وہی پہلا شخص ہے جس نے مغربی سمندروں میں رومی بیڑا ڈالا یا بحر اوقیانوس (اٹلانٹک) میں جنگ کرنے کے واسطے جہاز دوڑائے، بڑی بات یہ ہے کہ برطانیہ اس وقت تک رومیوں کے لئے ایسا گم نشان جزیرہ تھا کہ بہت سے لوگ اُس کے وجود ہی کے منکر تھے۔ لہذا اس پر چڑھائی کرنے سے درحقیقت سیزر ایک نامعلوم یا نئی دنیا کو رومہ کے زیر قدم لا رہا تھا، اُس نے سمندر کو دو مرتبہ پار کیا اور غالیہ کے اُس حصے سے جو برطانیہ کے عین مقابل ہے اس جزیرے پر حملہ آور ہوا لیکن ان لڑائیوں میں سچی بات یہ ہے کہ اُسے اتنا فائدہ نہ پہنچا جتنا کہ دشمن کو نقصان، کیونکہ اہل جزیرہ اس درجہ مفلوک الحال اور مفلس تھے کہ ان کی جانیں لینے کے سوائے کوئی مال غنیمت رومیوں کے ہاتھ نہ آیا، تب سیزر نے ان محاربات سے اپنا پیچھا اس طرح چھڑایا کہ کچھ یرغمال بادشاہ سے لے لئے اور خراج مقرر کر کے رخصت ہو گیا۔ غالیہ آنے پر اُسے رومہ کے چند خطوط ملے جو تیار رکھے تھے کہ اُس کے پاس برطانیہ بھیجدیے جائیں۔ ان میں اس کی بیٹی یعنی پمپی کی بیوی کی وفات کا حال کہ وضع حمل کے وقت ہوئی درج تھا، اس واقعہ سے سیزر اور پمپی دونوں کو سخت صدمہ پہنچا

اور ان کے دوست بھی کچھ کم پریشان نہ ہوئے اور جب نومولود بھی ماں کے تین چار دن بعد مر گیا تو وہ سمجھے کہ اب وہ رشتہ اتحاد، جس نے ثلث رومہ کی ڈگمگاتی کشتی کو گرداب میں پڑنے سے روک رکھا تھا، منقطع ہو گیا۔ جولیہ کا جنازہ عوام الناس، ٹریبونوں کے علی الرغم، مریخ دیوتا کے میدان میں لائے اور یہیں رسوم مذہبی ادا کی گئیں اور اُسکی سمادھ موجود ہے۔

سیزر کی فوجیں اب اس قدر بڑھ گئی تھیں کہ جب وہ حسب عادت اطالیہ کی سرحد پر سرما گزارنے روانہ ہوا تو فوج کے کئی حصے کر دیے اور مختلف مقامات پر انھیں متعین کیا، لیکن اُسکے جاتے ہی ملک میں ادھر سے ادھر تک شورش و فساد کی آگ بھڑک اٹھی۔ اور باغیوں کے بڑے بڑے جتھے ہر طرف گشت لگانے لگے کہ رومی لشکر کی اقامت گاہوں پر حملے کر کرکے قلعے چھین لیں، اور خود قابض ہو جائیں، ان سب میں بڑا اور مضبوط گروہ ابری اورکس کا تھا جس نے دو رومی سرداروں (کوٹا اور ٹی ٹوریس) کو ساری فوج سمیت کاٹ کے پھینک دیا۔ اور ساٹھ ہزار جوانوں سے اُس فوج کو گھیر لیا جو سسرو کے زیر علم تھی محصور رومیوں کی حالت اس وقت بہت ابتر ہو گئی تھی۔ ان میں کا ہر سپاہی مجروح ہو چکا تھا اور ایک فوق العادت جدّ و جہد کرتے کرتے اب اپنی مدافعت سے سب مایوس تھے کہ سیزر یہ خبر پاتے ہی لپکا اور سات ہزار فوج سمیٹ کے اندھی کی طرح سسرو کو چھڑانے چلا دشمن کو بھی اس کی اطلاع تھی اور فوج کی کمی سے کر اطمینان کلی تھا کہ اُسے ایک ہی لڑائی میں تباہ کر دیں گے سیزر نے اُنکے اس خیال کو اور بھی تقویت دی۔ اور جب وہ اسکے استقبال کو بڑھے تو کترا کے دوسری طرف ہٹ گیا اور انھیں ایسے مقام پر لگا لایا جہاں تھوڑی سی جماعت، بڑی تعداد کا بآسانی مقابلہ کر سکتی تھی یہاں اسنے قیام کیا اور اپنے سپاہیوں کو پیش قدمی کرنے سے روک دیا پھر لشکر کے گرد ضرورت سے زیادہ اونچی باڑیں لگوا دیں اور حکم دیا کہ دروازے بھی بند رکھے جائیں تاکہ دشمنوں کو رومیوں کے خوفزدہ ہونیکا پورا یقین آجائے اس تدبیر کا نتیجہ یہ ہوا کہ اہل غالیہ بڑے اطمینان سے بلا لحاظ ترتیب سامنے آئے اور اسوقت سیزر نے ایک حملہ سخت ایسا کیا کہ اُنکے پاؤں اکھڑ گئے اور بہت سے مقتول چھوڑ کے بھاگ کھڑے ہوئے۔

اس ایک ہی معرکے نے اس حصہ ملک میں شورش کو بہت کچھ فرو کر دیا اور سیزر نے اسی جاڑے تمام

اطراف میں دورہ بھی کیا تاکہ آیندہ خدشات بغاوت رفع کرنے کی تمام احتیاطی تدبیریں عمل میں لائے اسوقت تین نئے جیش اٹلی ماہین آ پہنچ گئے تھے جنہیں دو تو پمپی نے اپنی فوج سے علیحدہ کرکے اُسے بھجوا دیے تھے اور ایک دریائے پو کے کنارے تازہ بھرتی ہوا تھا لیکن یہ ساری تدبیریں بیکار ثابت ہوئیں اور جو شورش کا بیج وہاں کے بڑے بڑے آدمیوں نے بویا تھا وہ پھل لائے بغیر نہ رہا یعنی ایسی عظیم الشان بغاوت ہوئی جس کی نظیر تاریخ غالیہ میں ملنی دشوار ہے۔ اس لئے کہ اس موقعے پر جس کثرت سے قوی ہیکل نوجوان لڑنے آئے اور جتنا خطیر روپیہ باغیوں نے فراہم کیا، جتنے مستحکم شہروں اور نہایت دشوار گزار علاقوں میں رومی فوجوں کو لڑنا پڑا، یہ دقتیں کبھی پیش نہ آئی تھیں، جاڑوں کا موسم تھا۔ دریا جمے ہوئے تھے جنگل برف سے مستور تھے اور یہ مسطح تختہ زمین اس طرح طغیانیوں کے نیچے آگئی تھی کہ یا تو راستے بالکل چھپ رہے تھے یا دلدلوں اور سیلابوں نے ان پر گزرنا حد درجے مخدوش بنا دیا تھا، ان مشکلات نے سیزر کے واسطے بغاوت رفع کرنا بظاہر غیر ممکن العمل کر دیا تھا جس قبائل نے سرکشی اور طغیان پر کمر باندھی وہ مستعد تھے مگر ان میں سب سے ممتاز آرورنی اور کارن ٹینی تھے۔ ان سب کا سپہ سالار ورجن ٹورکس تھا جس کے باپ کو غالویوں نے اس شبہ پر کہ وہ شخصی سلطنت قایم کرنے کی فکر میں ہے، قتل کر ڈالا تھا۔

ورجن ٹورکس نے اپنی فوج کے کئی حصے کئے اور ان پر سردار مقرر کرکے خود یہ کوشش کی کہ سارے ملک غالیہ کو رومیوں کے خلاف متحد کر دے کیونکہ یہ اطلاع اُسے پہنچ گئی تھی کہ روما میں سیزر کی مخالفت آج کل ترقی پر ہے اور در حقیقت اگر یہ شخص تھوڑی دیر اور ٹھیرا رہتا اور اس وقت آمادہ فساد ہوتا جبکہ سیزر خانہ جنگی میں مصروف تھا، تو اوس میں ذرا شبہ نہیں کہ اطالیہ پر وہی ہیبت اور خطرہ چھا جاتا جو سنبری کی یورش سے چھا گیا تھا، لیکن اب سیزر بغاوت کی خبر ملتے ہی پلٹ پڑا۔ اُسے لڑائی میں ہر چیز سے ٹھیک کام لینے میں فطرتاً کمال حاصل تھا اور کام کرنے کے وقت پر وہ کبھی کام کرنے سے نہ چوکتا تھا چنانچہ اس وقت بھی دشمن پر اُس نے اپنی غیر معمولی مستعدی کا نقش بٹھا دیا اور راستے سخت موسم میں اس سرعت کے ساتھ یلغار کرتا ہوا بڑھا کہ اہل غالیہ اس کی فوج کو بلائے مبرم سمجھنے لگے۔ کیونکہ اتنے عرصہ میں کہ کسی تیز رفتار ہرکارے کا بھی آ جانا محال نظر آتا تھا سیزر اپنے عظیم الشان لشکر سمیت نمودار ہو گیا اور علاقوں کو لوٹ لیا، اُن کی فوجی چوکیوں کو چھین لیا، شہروں کو ہلے کرکے تسخیر اور امان مانگنے والوں کو اپنی حمایت میں داخل کرنا شروع کیا، حتےٰ کہ اُدُوی قوم نے بھی پرچم بغاوت بلند کیا اور دشمنوں سے جا ملے۔ اس واقعے نے رومی فوج کے حوصلے پست کر دیے کیونکہ اُدوی اُن کے بڑے دوستدار تھے اور اپنے تئیں اہل روما کا

بھائی کہتے تھے۔ غرض سیزر کو اب وہاں سے کوچ کرنا پڑا اور لگونی علاقے میں سے ہوتا ہوا وہ سیقانی علاقے کا عازم ہوا جو اس کے دوست تھے اور اطالیہ اور غالیہ کے درمیان شہر پناہ کی مانند پھیلے ہوئے تھے۔ اسی جگہ دشمن نے بھی تعقب کیا اور لاکھوں کی تعداد میں آ کے اُسے گھیر لیا۔ سیزر خود اس جم غفیر سے مقابلہ کرنے کا مشتاق تھا۔ چنانچہ سخت خونریزی کے بعد اُس نے فتح کامل حاصل کی اور وحشیوں نے بھاگ بھاگ کے اپنی جانیں بچائیں۔ مگر معلوم ہوتا ہے اوّل اوّل سیزر کو بھی کچھ نقصان اور شکستیں اُٹھانی پڑیں چنانچہ اب تک اہل اردن ایک چھوٹی سی تلوار مندر میں ٹنگی ہوئی دکھاتے ہیں اور بیان کرتے ہیں کہ یہ سیزر سے چھینی تھی۔ ان لڑائیوں کے کچھ عرصہ بعد خود سیزر نے بھی اس کو دیکھا اور دیکھ کے مُسکرایا۔ لیکن جب لوگوں نے اُسے اُتروانے کی صلاح دی تو اُس نے انکار کر دیا، کیونکہ مندر پر چڑھا دیے جانے کے بعد وہ اس کا ہٹوانا مذہباً قابل اعتراض سمجھتا تھا۔

شکست کھا کے، دشمن الیشیہ میں جمع ہوا۔ یہیں ان کا رئیس یا بادشاہ تھا اور یہیں اکثر پناہ گزیں تھے۔ سیزر نے اس کا محاصرہ کر لیا۔ لیکن ایک طرف تو قلعے کی فصیلیں اس قدر بلند تھیں کہ اس کی تسخیر محال نظر آتی تھی دوسرے کثیر التعداد مدافعین کے علاوہ خود باہر کی جانب سے ایک ایسے خطرے کا سامنا تھا جس کا اندازہ کرنا دشوار ہے یعنی غالیہ کے ہر حصے اور قبیلے سے منتخب ہو کے تین لاکھ مسلح شجاعان قوم جمع ہوئے تھے کہ الیشیہ کو رومیوں کے پنجے سے چھڑا دیں۔ ادھر شہر کے اندر بھی ان ملجیوں کی تعداد ایک لاکھ ستر ہزار جوان سے کم نہ تھی۔ اس طور پر سیزر دونوں جانب سے دشمنان قوی میں گھر گیا تھا۔ اور اپنی حفاظت کے واسطے دو دیواریں کھینچنے پر مجبور تھا۔ جس میں ایک تو قلعے کی طرف تھی دوسری کمکی فوج کے آگے، تاکہ ان دونوں میں سلسلہ رسل و رسائل قائم نہ ہو سکے۔ کیونکہ ان کا ملجانا درحقیقت اس کی کامل تباہی کا مرادف تھا۔ یہی وہ موقعہ ہے جہاں سیزر عظیم ترین خطرے میں گھر کے صحیح سلامت اور سرخرو نکلا اور اپنی حیرت انگیز شجاعت کے وہ جوہر

دکھلائے جن کا ظہور اس وقت تک کبھی نہ ہوا تھا۔ فی الواقع ہر شخص یہ سُنکر حیران ہو جائیگا کہ سیزر نے کمکی فوج کو لڑکے شکست بھی دیدی مگر نہ تو محصورین ہی باخبر ہوے نہ خود اس کی فوج کا وہ حصّہ جو شہر کے رُخ و دیوار کی نگہبانی کر رہا تھا اس واقعے سے مطلع ہو سکا۔ گویا ایک جادو تھا کہ آناً فاناً تین لاکھ آدمی غائب ہوگئے اور میدان صاف رہ گیا! سیزر کے اس حصّہ فوج کو تو اس وقت لڑائی کا علم ہوا جب اُنھوں نے شہر کے اندر مردوں کی چیخیں اور عورتوں کی آہ بکا سُنی اور دور سے رومی سپاہی نظر آئے کہ بہت سی مرصع ڈھالیں، خوں آلود زرہ بکتر اور غالوی وضع کے ڈیرے خیمے اور ظروف لیے آرہے ہیں۔ یہی جوانمرد اس ہیبت انگیز دَل بادَل کو پراگندہ کرکے آئے تھے جو تین لاکھ شمشیر زنوں کی شکل میں انہیں حلقہ ہلاکت میں گھیرے کھڑا تھا اور اب خواب پریشاں کی طرح جھٹ کے نظر سے غائب ہو گیا؛

الیشیہ کے محصورین بھی بہت سی تکلیفیں دے کے اور خود مصیبتیں اُٹھا کے بالآخر ہار گئے۔ ورجن تورکس نے جو تمام جنگ و جدل کا سرچشمہ تھا اچھے سے اچھے اسلحہ باندھے گھوڑے کو سجایا اور دروازہ کھول کے باہر نکل آیا۔ سیزر اپنے اردو میں بیٹھا ہوا تھا، جو غالیہ کا یہ ممتاز سرگروہ اس کی طرف کاوہ دے کے گھوڑا پھیر لایا۔ پھر نیچے اُترکے ہتیار اُتار دیئے اور اس وقت تک کہ جلوس فتح کے واسطے اُسے بہ حفاظت حراست میں لے گئے وہ خاموش سیزر کے قدموں میں بیٹھا رہا۔

یہ وہ زمانہ ہے کہ سیزر پمپی کے استیصال کے درپے ہے اور اسی طرح وہ بھی اپنی مدافعت میں اس کا سر توڑنا چاہتا ہے۔ کیونکہ کراسوس کے پارتھیہ (یعنی توران) میں مارے جانے کے بعد وہ خدشہ بھی جو ان دونوں کو متحد کیے ہوئے تھا، رفع ہوگیا تھا اور اب دونوں طلبگار عظمت

---

۱ رومی آئین تھا کہ جب فتحمند سپہ سالار کا رومہ میں جلوس فتح نکلتا تو اس کے رتھ کے پہیے سے مغلوب دشمن کے اعلےٰ سردار بندھے ہوئے ساتھ ساتھ نکلتے اور دیگر مال غنیمت کے ساتھ ان کی بھی تشہیر و نمایش کی جاتی۔ م

واقتدار میں تلوار ہی یہ فیصلہ کر سکتی تھی کہ بڑائی کا مستحق کون ہے؟ پمپی کو بہت دن تک اس قسم کا کوئی فکر لاحق نہ تھا کیونکہ وہ سیزر کو بے حقیقت سمجھتا تھا اور بالکل مطمئن تھا کہ جس کو خود اُس نے بڑھایا ہے اس کا گرا دینا کونسی مشکل بات ہے۔ اس کے برعکس سیزر نے ابتدا ہی سے اپنے رقیبوں کو تاک لیا تھا۔ اور کسی مشاق پہلوان کی مانند ایک طرف ہٹ آیا تھا کہ پہلے علحدہ ورزشیں کر کے اپنے تئیں مقابلے کے واسطے خوب تیار کرلے۔ چنانچہ غالوی لڑائیوں کو اس کی کسرت سمجھنا چاہیئے کہ اسی اکھاڑے میں، ایک طرف تو اپنی فوج کی قوت بڑھائی ادھر اپنے کارناموں سے وہ ناموری حاصل کی کہ لوگ اُسے پمپی کا ہم پلہ سمجھنے لگے۔ اس کے علاوہ اُس نے ان موقعوں سے بھی فائدہ اُٹھایا جو خود پمپی نے اور رومہ کی حکومتِ وقت نے اُسے دیئے تھے۔ کیونکہ دراصل وہاں کی حالت ایسی خراب ہوگئی تھی کہ عہدوں کے امیدوار علانیہ روپیہ بانٹتے اور رشوت دینے میں ذرا عار نہ کرتے تھے۔ ادھر لوگ بھی روپئے لے لے کر اپنی رائے بیچ دینے پر بس نہ کرتے تھے بلکہ شمشیر و فلاخن اور تیر و کمان سے اپنے سرپرستوں کی طرفداری کرتے اور اکثر مقام انتخاب طرفین کے لہو سے رنگین ہوتا۔ اسی قسم کے فتنہ وفسادنے حکومت وقانون کو بالکل اُٹھا دیا تھا اور شہر اس بے سرے جہاز کی شکل رہ گیا تھا، جو بغیر کسی جہازی یا ناخدا کے سمندر میں ٹکراتا پھرتا ہو۔ اسی وجہ سے امید تھی کہ اگر اس طوفان بے تمیزی کا خاتمہ بادشاہت کے قیام پر ہو تب بھی تمام عاقبت اندیش لوگ غنیمت سمجھیں گے۔ (یعنی اگرچہ شخصی سلطنت فی نفسہٖ عذاب الیم سے کم نہیں تاہم اس طوائف الملوکی سے بہرحال قابل ترجیح نظر آتی تھی) چنانچہ بعض تو اتنے دلیر تھے کہ اس بات کے اظہار میں بھی باک نہ کرتے تھے اور علی الاعلان کہتے تھے کہ اس مرض کا علاج صرف بادشاہی ہو سکتا ہے، پس ہمیں چاہیے کہ نرم سے نرم مزاج طبیب کو اپنا معالج بنالیں، جس سے ان کا مطلب پمپی سے تھا جو کہ ظاہراً تو برابر انکار کرتا رہتا تھا لیکن درحقیقت درپردہ انتہائی کوششیں کر رہا تھا کہ کسی طرح اس کو مختار سلطنت (ڈکٹیٹر) بنا دیا جائے۔

یہ فراموش نہ ہو کہ لوگوں کو بھی اس کی آتنی خاطر منظور تھی کہ ہر سال اس کی صوبہ داری کی تجدید کرتے رہتے تھے (اور صوبے داری بھی دو سب سے وسیع علاقوں کی، تمام رومی افریقہ اور اندلس کی) حالانکہ پمپی وہاں جاکے پھٹکتا بھی نہ تھا اور اپنے نائبوں کی معرفت حکومت کرتا تھا۔ اسی طرح اس کی فوجوں کے واسطے بھی سرکاری خزانے سے ایک ہزار ٹیلنٹ سالانہ کی رقم ملا کرتی تھی۔

اپنی رعایتوں کو نظیر بنا کے سیزر نے بھی اپنے صوبوں کی قنصلی یا میعاد حکومت کی تجدید و توسیع چاہی۔ پمپی نے تو اس معاملے میں کچھ دخل نہ دیا لیکن مرسی لس اور لینٹولس نے مخالفت کی یہ دونوں اس کے ہمیشہ سے دشمن تھے اور اب بھی زیبا اور نازیبا ہر طور سے کوشاں تھے کہ سیزر کو رنج اور ذلت پہنچائیں۔ اُنھوں نے نو کوم کے لوگوں کو رومی وطنیت کے حقوق سے محروم کرادیا تھا۔ یہ وہ نو آبادی تھی جو سیزر نے غالیہ میں بسائی تھی۔ اور اسی بستی کے ایک رُکن مجلس کو مرسی لس نے جو اُن دنوں قنصل تھا کوڑوں سے پٹوایا تھا۔ اور کہا تھا یہ نشان تیری پیٹھ پر اس لیے ڈلوائے ہیں کہ معلوم ہو جائے کہ تو رومۃ الکبریٰ کا شہری نہیں ہے، پھر تاکید کی تھی کہ یہ داغ اپنے سرپرست، سیزر کو ضرور دکھانا۔ القصہ جب مرسی لس کی میعاد قنصلی پوری ہوگئی تو سیزر نے رومہ کے ذی اثر لوگوں پر تحف و ہدایا کی بارش کرنی شروع کی۔ اور غالیہ سے جو روپیہ لوٹ کے لایا تھا پانی کی طرح بہانے لگا۔ چنانچہ کیوریو ٹریبیون کا سارا قرض اپنے پاس سے ادا کر دیا پولوس کو جو اس زمانے میں قنصل تھا پندرہ سو ٹیلنٹ نذر دیئے، اور اسی رقم سے اُس نے وہ حسین ایوان تعمیر کیا، جہاں قصر فلوین کی بجائے عدالت ہونے لگی اور جو چوک کے عین متصل تھا۔ ان باتوں سے پمپی بھی ہوشیار ہوگیا اور ایک طرف تو سیزر کا جانشین تلاش کرنے کی فکر کی اور اُدھر آدمی بھیجکر اپنے سپاہی جنھیں سیزر کی اعانت کے لیے مستعار دیا تھا، غالیہ سے طلب کر لیئے۔ سیزر نے فوراً تعمیل کی اور چلتے وقت ہر سپاہی

کو دو سو پچاس درہم بطور انعام عطا کیے۔ لیکن ان کے سردار نے رومہ میں سیزر کی بڑی مذمتیں کیں اور پمپی کو ازرہ خوشامد باور کرا دیا کہ خود سیزر کے سپاہی تمھارا دم بھرتے ہیں۔ اور اُس کی غیر منقطع مہمات سے اس قدر تھک گئے ہیں اور اس کے بادشاہی کے منصوبوں سے اتنے بدگماں ہیں کہ اگر آج وہ اطالیہ میں آئیں تو بے تامل تمھاری (یعنی پمپی کی) طرفداری کا اعلان کر دیں۔ اور اگرچہ خاص رومہ میں تمھارے مددگار کم ہوں یا نفسی نفسی کی وجہ سے معاملات کی حالت ابتر ہو، تاہم ساری فوج دل سے تمھاری مطیع اور فرمانبردار ہے۔ ان ستائشوں نے پمپی کو اور آسمان پر چڑھا دیا۔ اس کے تمام خطرے رفع ہو گئے اور احتیاطاً جتنی جنگی تیاریاں کر رہا تھا ان کی طرف سے بھی غفلت کرنے لگا۔ اور زبانی مخالفت یا لوگوں کو اس سے بدظن کرنے کے سوا ساری تدبیریں چھوڑ دیں۔ اور ظاہر ہے ان باتوں کی سیزر کو کیا پروا تھی؟ بلکہ سُنا ہے اُس کے ایک سردار نے جو کسی کام کو رومہ آیا تھا اور جس سے لوگ بار بار کہتے تھے کہ اب تمھارے سپہ سالار سیزر کو توسیع میعاد کی مجلس منظوری نہ دیگی، ایوان مجلس کے سامنے کھڑے ہو کے اپنا ہاتھ قبضۂ شمشیر پر مارا اور کہا کہ مجلس اُس کی میعاد کی توسیع نہ کریگی تو کیا ہے؟ "یہ تو کریگی!" (یعنی تلوار)

مگر اس زور کے باوجود سیزر نے جو مطالبات پیش کیے وہ ہر لحاظ سے معتدل اور معقول تھے:۔ اس نے کہلا بھیجا کہ میں بخوشی اپنے ہتھیار رکھے دیتا ہوں لیکن شرط یہ ہے کہ پمپی بھی ایسا ہی کرے اور ہم دونوں معمولی شہری کی حیثیت سے اپنی خدمات کا معاوضہ صرف جمہور کی مرضی پر چھوڑ دیں۔ کیونکہ جو لوگ میرے خلاف ہیں لیکن اسی کے ساتھ پمپی کے موجودہ اختیارات قائم رکھنے کی طرفداری کرتے ہیں وہ دراصل اُسی غاصبانہ مطلق العنانی کا راستہ تیار کر رہے ہیں جس کا مجھ پر الزام ہے"

جب سیزر کی یہ حجت اس کی طرف سے کیوریو نے پیش کی تو لوگوں نے احسنت و مرحبا کے نعرے بلند کیے، اور جیسے کوئی ظفرمند پہلوان کو ہار پہنائے جاتے ہیں، اسی طرح

کیوریو پر بھی لوگوں نے پھول ڈالے اور سہرا باندھا۔ انتونی اس وقت ٹربیون تھا۔ اس نے بھی سیزر کا ایک خط اس موقع پر پڑھا اور قنصلوں کے علی الرغم اس کی تعریفیں کرائیں۔ لیکن سپیو نے جو پمپی کا خسر تھا، مجلس میں تجویز کی کہ اگر اس مدت میں سیزر اپنے عہدے سے دست بردار ہو جائے تو اعلان کر دیا جائے کہ وہ ملک کا دشمن ہے۔ اور جب قنصلوں نے ارکانِ مجلس سے رائے طلب کی کہ آیا پمپی کو بھی اپنی فوج علیحدہ کر دینی چاہیے تو بہت کم ارکان نے رائے دی البتہ سیزر کے متعلق یہی سوال پیش ہوا تو باستثنائے چند سب نے یہی کہا کہ بے شک اُسے اپنی فوج منتشر اور سپہ سالاری چھوڑ دینی چاہیے۔" انتونی نے مکرر تحریک کی کہ دونوں کو اپنی سپہ سالاری سے دستکش کرا دیا جائے۔ مگر بہت کم لوگوں نے تائید کی اور سپیو بہت برافروختہ ہوا اور لینٹولس قنصل چلایا کہ "قزاق کے مقابلے میں رایوں سے کام نہیں نکلے گا، تلوار کی ضرورت ہے"، غرض وہ ہنگامہ بپا ہوا کہ مجلس اس وقت برخاست کر دی گئی اور ان مناقشات پر اظہار ملال میں ارکان مجلس ماتمی لباس پہن پہن کر نکلے۔

اس کے بعد سیزر کے اور خطوط آئے جو اور بھی زیادہ معتدل معلوم ہوتے تھے کیونکہ ان میں اُس نے تجویز کی تھی کہ مجھے صرف دو جیش اور ماوراء الفس غالوی علاقہ، الی ریکم سمیت، رکھنے کی اس وقت تک اجازت دی جائے کہ میں قنصلی کے لیے دوبارہ ایستادہ ہو سکوں۔ وہ نامور مقرر، یعنی سسرو بھی اس زمانے میں سیلیشیہ سے واپس آ گیا تھا، اس نے مصالحت کی بہت کچھ سعی کی، پمپی کو سمجھایا اور وہ بھی تمام شرطیں ماننے پر رضامند ہو گیا لیکن سیزر کی فوج رکھنے پر کسی طرح مطمئن نہ ہوا۔ آخر سسرو نے سیزر کے احباب کی وساطت سے اُس کو اس بات پر آمادہ کرنا چاہا کہ وہ اپنے صوبوں کے علاوہ صرف چھ ہزار سپاہی رہنے دے اور پمپی سے صلح کر لے۔ اور اس پر پمپی بھی نیم راضی ہو گیا تھا۔ لیکن لینٹولس قنصل نے ایک نہ سنی اور کیوریو اور انتونی کو ایوانِ مجلس

سے بکمال ذلت و رسوائی نکلوا دیا۔ سیزر کے ہاتھ اس سے بہتر بہانا نہ آسکتا تھا اور ان دو معزز آدمیوں کی یہ توہین اور پھر ان کا بہ مجبوری نوکروں کے بھیس میں جان بچا کے بھاگنا ایسی باتیں تھیں کہ جن پر سپاہیوں کا جوش میں آجانا بالکل آسان تھا۔ کیونکہ جب یہ لوگ رومہ سے بھاگے تو واقعی غلاموں کا بھیس بدل کے بھاگے تھے جو اُن کے عین موافق مطلب بات تھی۔

اس وقت سیزر کے پاس تین سو سوار اور پانچ ہزار پیادہ فوج سے زیادہ آدمی نہ تھے۔ باقی فوج الفس کے پرے خیمہ زن تھی اور اس کے سرداروں کو سیزر نے اب حکم بھیجدیا تھا کہ آہستہ آہستہ عقب میں آئیں۔ اُس نے سوچ لیا تھا کہ اس وقت کسی بڑی فوج کی ضرورت نہیں بلکہ فوری کارروائی کی ضرورت ہے کہ اس کے دشمن ایک دفعہ سُنکر ششدر و سراسیمہ رہ جائیں۔ کیونکہ انھیں اچانک جالینا اور کھلبلی ڈال کے دبا لینا آسان تھا بہ نسبت اس کے کہ وہ انھیں اپنی تیاریوں سے ہشیار کر دے اور پھر باقاعدہ جنگ کے بعد فتح پائے۔ لہذا اس نے اپنے سرداروں کو حکم دیا کہ فقط تلواریں ہاتھ میں لئے اری مینم میں گھس جائیں جو غالیہ (جنوبی) کا ایک وسیع شہر تھا، اور جہانتک ممکن ہو اس طرح اس کو اپنے قبضے میں کرلیں کہ نہ خوں ریزی کی نوبت آئے نہ زیادہ شور و فساد کی۔ اُس نے اس دستہ فوج کا سردار ہرٹن سیس کو بنایا کے بھیجا اور خود اس دن کھڑا پہلوانوں کی کشتیوں کا تماشا دیکھتا رہا جو مجمع عام میں اس کے سامنے کیا جا رہا تھا۔ سر مغرب ضروریات سے فارغ ہو کر وہ کھانے کے کمرے میں آیا اور اپنے مہمانوں سے باتیں کرتا رہا۔ اور جب اندھیرا ہو گیا تو اٹھا اور دسترخوان پر اپنے ساتھیوں سے معذرت کی کہ اس وقت مجھے کام ہے آپ لوگ میری واپسی تک ٹھہریں، اور کرایہ کی گاڑیوں میں اپنے بعض خاص دوستوں سمیت روانہ ہو گیا۔ اور بھی چند آدمیوں کو اس نے مختلف راستوں سے آملنے کے لیے کہہ رکھا تھا۔ اور خود بھی چکر دے کے پہلے اور

طرف گیا پھر اری مینم کی سمت پلٹ پڑا۔ دریائے روبی کن کے پاس جب وہ پہنچا تو غوط میں گیا۔ کیونکہ یہی دریا اطالیہ اور غالیہ کی حدِ فاصل بناتا ہے اور اسی کا عبور کرنا گویا جنگ کا اعلان دینا اور لڑائی کے پرخطر راستے میں داخل ہونا تھا۔ اور جب سیزر نے اس سنگین عظیم الشان ذمہ داری پر نظر کی جس میں وہ اپنے تئیں ڈال رہا تھا تو اس کا دل سہم گیا۔ اس نے گاڑی رکوا دی اور بڑی دیر خاموش بیٹھا ہوا سوچتا رہا کبھی یہ رائے قائم کرتا کبھی وہ، اور اپنی عادت کے مطابق اس تذبذب میں بالکل گم صُم بیٹھا تھا۔ آخر کچھ دیر کے بعد سر اُٹھایا اور اپنے ساتھیوں سے (جن میں ایک اسی نیس پالیو تھا) مشورہ لیا پھر ان خطرات اور مصائب کا بڑی دیر تک توازن اور اندازہ کرتا رہا جو اس دریا کے پار ہوتے ہی بنی نوع انسان پر آنی شروع ہو جائے گی اور جن کی یاد آنے والی نسلوں کے دل سے کبھی فراموش نہ ہو گی اور وہ کس کس طرح اُس کو اور اس واقعے کو یاد کیا کریں گے؟

آخر ایک دفعہ ہی اسے جلال آ گیا۔ سارے افکار اور قیل و قال چھوڑ دی اور توکلت علی اللہ کہہ کے دریا میں گھوڑا ڈال دیا اور دریا اُترتے ہی پوری سرعت و تعجیل کے ساتھ راتوں رات چلا تو دن نکلنے سے پہلے اری مینم میں تھا۔ کہتے ہیں روبی کن پار کرنے سے ایک شب پہلے اُس نے یہ ناپاک و مکروہ خواب دیکھا تھا کہ وہ اپنی ماں کے ساتھ ہم بستر ہوا۔ اری مم کے لیتے ہی، کہنا چاہیے کہ جنگ و خونریزی کے عظیم الشان پھاٹک کھل پڑے اور بحر و بر میں جدال و قتال کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ صوبہ غالیہ کی حد سے عبور کرنا گویا آئین و قوانین کی حد سے باہر نکل آنا تھا، ملک بھر میں ایک تلاطم پیدا ہو گیا۔ عورت و مرد جوان اور بوڑھے کمال بے حواسی کے ساتھ گھر چھوڑ چھوڑ کے بھاگنے لگے۔ آبادیاں ویران ہو گئیں اور اب ایسا معلوم ہونے لگا کہ گویا شہروں کا موضع اور موقع ہی بدل گیا ہے۔ آس پاس کے اتنے مفرور رومۃ الکبریٰ میں آگھسے کہ شہر میں تل دھرنے کی جگہ نہ رہی اور اس دہشت زدہ مخلوق کی کثرت سے ایسا طوفان مچ گیا کہ قانون

وحکومت بے معنی چیزیں رہ گئیں۔ یعنی ماتحتوں نے بالادستوں کی اور لوگوں نے حکام کی اطاعت چھوڑ دی۔ جادو بیان مقرروں کے خطبے بیکار ہو گئے۔ انتشار و خوف کے عالم میں کوئی کسی کی نہ سنتا تھا اور شکستہ جہاز کے مسافروں کی طرح خود اپنے اضطرار و پریشانی سے تکلیف و مصیبت میں گرفتار تھا۔ ہر جگہ بالکل متباین اور متضاد جذبات کا ظہور ہو رہا تھا۔ بلکہ اسی اختلاف خیال کی بدولت بارہا جھگڑے اور فساد کی نوبت پہنچ جاتی تھی۔ کیونکہ جب کبھی انقلاب پسند اس تلاطم پر خوشی کا اظہار کرتے یا مستقبل کے بہتر ہونے پر حجتیں پیش کرتے۔ جیسا کہ اتنے بڑے شہر میں ہونا لازمی تھا، تو دوسرا گروہ جو نہایت پریشان اور خوف زدہ ہو رہا تھا، بہت بگڑتا۔ اور اس بے دردانہ اطمینان پر اکثر لڑ پڑتا تھا۔ اسوقت پمپی جو بجائے خود پریشان تھا، لوگوں کے اعتراضات سے اور دق ہو رہا تھا۔ بعض تو آکے کہتے کہ اچھا ہوا یہ تمھاری سزا ہے کہ تم نے اپنے آپ سیزر کو جو فوجیں اور حکومت دلوائی تھی وہ تمھارے ہی خلاف آمادۂ جنگ ہے۔ اور بعض یہ الزام دیتے تھے کہ جب سیزر نے ایسی معقول شرطیں اور مصالحانہ تجاویز پیش کی تھیں تو تم نے ان کو رد کیا اور تمھیں نے لینٹولس سے سیزر اور اس کے دوستوں کی توہین کرائی۔ یا کم سے کم خاموش دیکھتے رہے۔ لہٰذا یہ خانہ جنگی صرف تمھاری غلطیوں کی وجہ سے ہوئی ہے۔ اور فیونیس نے اصرار کیا کہ حضرت یہی وقت زمین پر پاؤں مارنے کا ہے! جس سے پمپی کو جلانا مقصود تھا کیونکہ مجلس میں تقریر کرتے وقت ایک دفعہ اس نے شیخی میں آکے کہا تھا کہ آپ لوگ لڑائی کا مطلق فکر و تردد نہ کریں، جس دن ضرورت ہوئی میں ٹھوکر مار کے ساری اطالیہ کو سپاہیوں سے بھر دونگا۔

مگر اصل یہ ہے کہ اس حال میں بھی پمپی کے پاس سیزر سے زیادہ فوج تھی۔ لیکن وہ اپنی حسب منشا کام کرنے نہ پایا بلکہ غلط افواہوں سے اور لوگوں کے مسلسل دق کرنے سے اس درجے ہراساں ہو گیا کہ گویا دشمن سر پر کھڑا ہے اور اب اس کو روکنا محال ہے۔ پھر اس نے

چارہ کار اسی میں دیکھا کہ شہر چھوڑ دے اور ارکان مجلس کو بھی اپنے ہمراہ رومہ سے نکل جانیکی ہدایت کی۔ جانے سے پہلے اُس نے یہ اعلان شائع کیا کہ شہر بے انتظامی کی حالت میں قابو سے باہر ہو چکا ہے۔ اب اس شخص کا جو اپنے ملک درآزادی کو شخصی حکومت کے ہاتھوں میں گرفتار دیکھنا گوارا نہیں کر سکتا، یہاں ٹھہرنا بیکار ہے۔

سب سے پہلے قنصل بھاگے۔ اور انھیں کی تقلید اکثر ارکان مجلس نے کی، اور ایسی گھبراہٹ میں اپنا مال جلد جلد سمیٹ کے رخصت ہوئے گویا ہمسایوں پر ڈاکہ مار کے بھاگے ہیں بعض وہ لوگ بھی جو سیزر کے طرفدار تھے اس عام ہل چل کی وجہ سے اس قدر مضطرب ہوئے کہ بے سوچے سمجھے اور بغیر کسی فائدے کی امید کے، گھروں سے نکل پڑے اور مفرورین کے سیلاب میں بہ گئے۔ یہ حالت بھی کتنی افسوسناک تھی کہ شہر اس طوفان زدہ جہاز کی طرح ہلاکت کی جانب جا رہا تھا، جس کے تمام ناخدا اور ملاح اُسے چھوڑ چھوڑ کے چل دیئے ہوں اور موجوں کے غضبناک طوفان میں وہ اِدھر سے اُدھر اُچھلتا پھرتا ہو کہ کسی چٹان سے ٹکراتے ہی پاش پاش ہو جائے۔ مگر لوگ اس حال میں بھی پمپی کی رقابت پر تیار تھے اور اپنے عزیز وطن کو اس بیزاری سے چھوڑ رہے تھے جیسے کہ وہ دشمن کی لشکر گاہ ہو۔ بالفاظ دیگر انھیں سیزر کے ساتھ وطن میں رہنا اتنا مرغوب نہ تھا جتنا پمپی کے ساتھ جلاوطنی میں یہانتک کہ لابے نوس نے بھی، جو سیزر کا گہرا دوست تھا اور اس کی ماتحتی میں بکمال جوش و دلیری غالوی محاربات میں لڑ چکا تھا، اُس کا ساتھ چھوڑ دیا، اور پمپی سے جا ملا۔ بعد میں سیزر نے اس کا مال اسباب اُسے وہیں بھجوا دیا اور خود بڑھ کے کرفنیم کے گرد خیمے ڈال دیئے۔ یہاں کا قلعدار ڈومی ٹیس تیس دستہ فوج کا سردار تھا لیکن مدافعت سے اتنا ناامید ہوا کہ اپنے ملازمین میں ایک طبیب سے درخواست کی کہ مجھے زہر دیدے اور جب وہ زہر کا پیالہ لایا تو بارادہ خودکشی اُسے پی گیا۔ لیکن اُسی وقت خبر آئی کہ سیزر اسیران جنگ کے ساتھ کمال رحمدلی اور انسانیت کا سلوک کرتا ہے جسے سُن کے وہ اپنی زہر نوشی پر بہت پچھتایا اور ہاتھ مل کے

اپنی جلد بازی اور بدنصیبی پر آنسو بہانے لگا۔ تب اُس کے طبیب نے تشفی دی کہ پریشان ہو جو شے تم نے کھائی ہے وہ زہر نہ تھا بلکہ ایک خواب آور دوا تھی۔ جسے سُن کے ڈومی ٹِس بدرجہ غایت مسرور ہوا اور فوراً پلنگ پر سے اُٹھ بیٹھا اور کپڑے بدل کے سیدھا سیزر کے پاس پہنچا اور اس کی اطاعت قبول کر لی، لیکن کچھ دنوں کے بعد پھر منحرف ہو گیا اور پمپی سے جا ملا۔ بہر حال یہ خبریں جب رومہ میں پہنچیں تو وہ اضطرار و شورش بہت کچھ فرو ہو گئی اور بعض وہ لوگ بھی جو بھاگ گئے تھے واپس آنے لگے۔

سیزر نے ڈومی ٹِس کے سپاہیوں کو اپنی فوج میں داخل کر لیا اور اسی طرح جس کسی کو اور جہاں کہیں اس نے پمپی کے ملازمین یا امیدواران ملازمت کو پایا، نوکر رکھ لیا پھر پوری طرح مضبوط اور تیار ہو کے پمپی کی طرف بڑھا، لیکن وہ سامنے نہ ٹھہرا بلکہ قنصلوں کو کچھ فوج کے ساتھ ڈیرا کیم بھیجکر خود برنڈزی بھاگ آیا۔ اور وہاں سے سیزر کی آمد آمد سنتے ہی جہاز میں بیٹھ کے چلدیا، جس کی تفصیل خود اُس کی سوانح عمری میں بیان ہوگی۔ اس موقعے پر سیزر اس کا تعقب ضرور کرتا لیکن جہازوں کا انتظام نہ ہونے کی وجہ سے خاموش ہو رہا اور واپس رومہ لوٹ آیا۔ اب گویا ساری سرزمین اطالیہ کا مالکِ کل وہی تھا۔ اور وہ بھی صرف ساٹھ دن کے عرصے میں بغیر خونریزی کیے۔ شہر کو اس نے غیر متوقع طور پر مطمئن پایا۔ بہت سے اعضائے مجلس بھی موجود تھے جن کے سامنے سیزر نے ایک معقول اور مودبانہ تقریر کی۔ اور کہنے لگا کہ آپ لوگ جن شرائط پر مناسب سمجھیں پمپی سے صلح کی تحریک کریں۔ مگر اس تجویز پر کسی نے عمل درآمد نہ کیا۔ جس کا سبب یا تو پمپی کا خوف تھا کہ اُسے یہ لوگ چھوڑ چھوڑ کے بھاگ آئے تھے اور یا یہ خیال کہ سیزر نے جو مصالحانہ روش اختیار کی ہے یہ صرف اس کی مصلحت اور حکمت عملی ہے ورنہ درحقیقت وہ کسی صلح صفائی پر آمادہ نہیں ہے۔ بعد ازاں جب مٹلّس ٹربیوں نے سیزر کو سرکاری خزانہ لینے سے منع کیا اور ضوابط و قوانین ملکی کے حوالے دیئے تو سیزر نے کہا کہ اسلحہ اور قوانین کے استعمال کا

بھی ایک وقت ہوتا ہے۔ پھر کہنے لگا "اگر میری کوئی بات تم ناپسند کرتے ہو تو شہر چھوڑ دو۔ لڑائی میں اس قسم کی بے تکلف گفتگو جائز نہیں سمجھی جاتی۔ البتہ جب میں ہتیار ڈال دوں اور صلح ہو جائے تو تم واپس آکے جتنی چاہو تقریریں کر سکتے ہو اور یہ بھی میری رعایت سمجھو۔ ورنہ تم جو میری مخالفت کرتے رہے اور اب میرے قابو میں ہو، تمھارے ساتھ مجھے پورا حق ہے کہ جو چاہوں سلوک کروں!" پھر وہ خزانے کی طرف بڑھا اور جب قفلوں کی کنجیاں نہ ملیں تو حکم دیا کہ لوہار بلوا کے سب کو توڑوا دیا جاے۔ اس وقت مٹلس پھر آگے بڑھا اور اس فعل سے مانع ہوا۔ چند اور اشخاص نے بھی اس کو ہمت دلائی۔ اور وہ دوبارہ اَڑنے لگا تو سیزر نے سخت آواز میں اس کو خطاب کیا کہ "خبردار اگر زیادہ حجّت کی تو ابھی قتل کرا دیے جاؤ گے اور شاید یہ بات تم خود سمجھتے ہو گے کہ میں اس بات کو کہتے ہوئے تامل کروں تو کروں عمل میں لاتے وقت اس کی بھی مجھے ضرورت نہیں۔" ان الفاظ سے ادھر تو مٹلس خوفزدہ ہو کے ہٹ گیا دوسری طرف سیزر کی جنگی تیاریوں کے متعلق احکام کی آیندہ فوری تعمیل ہونے لگی۔

اب وہ اندلس کی طرف اس ارادے سے بڑھ رہا تھا کہ پہلے پمپی کے نائبین، وارو اور افرانی کا قلع قمع کر دے۔ اور ان کی فوجوں اور حکومتوں کو مفتوح کرنے کے بعد پمپی کا تعاقب کرے۔ اس مہم میں اسے بڑی دقتیں پیش آئیں۔ دشمن کا کمین گاہوں میں سے نکل کے اچانک چھاپے مارنا اس کی ذات کے لیے کچھ کم پرخطر نہ تھا کہ رسد کی قلت نے خود فوج کی حالت مخدوش کر دی۔ مگر اس کے استقلال میں ذرا فرق نہ آیا۔ وہ برابر ان کا تعقب اور گھیر گھیر کے لڑائی پر مجبور کرتا رہا تا آنکہ بتدریج انھیں اپنے قابو میں لے آیا اور بزور ان کے سارے استحکامات چھین لیے اور فوجیں بھی چھین لیں۔ حتّیٰ کہ آخر میں صرف اعلیٰ سردار فرار ہو کے پمپی سے جا ملے باقی سارے آدمی اور تمام علاقہ سیزر کے ہات میں آگیا۔

جب سیزر فتح پا کے روما لوٹا تو اُس کے سسر پیزو نے اُسے صلاح دی کہ ایلچی بھیج کے پمپی سے مصالحت کی سلسلہ جنبانی کرنی چاہیے۔ لیکن ایسوری کس نے سیزر کی نگاہ میں اپنی خیر خواہی اور جان نثاری دکھانے کے لیے، اس صلاح نیک کی مخالفت کی۔ پھر مجلس نے اس کو مختار سلطنت (ڈک ٹیٹر) منتخب کیا تو اس نے تمام جلا وطنوں کو واپس بلوایا اور اُن لوگوں کے وارثوں کو پُرانے حقوق اور معافیاں واگزاشت کیں جنھیں سلا نے محروم کر دیا تھا؛ اور ایک قانون بنایا جس کی رو سے مقروضین کے قرضوں میں سے سود کا کچھ حصّہ کم کرا دیا گیا۔ نیز اسی قسم کے بعض دیگر آئین جاری کیے مگر یہ معدودے چند تھے کیونکہ گیارہ دن کے اندر ہی اندر وہ اپنے عہدے سے دستکش ہو گیا اور ایسوری کس کی شرکت میں اپنے تئیں قنصل بنا کے بہ عجلت لڑائی کے لئے روانہ ہو گیا۔ اس کی سرعت کا اندازہ اس امر سے ہو سکتا ہے کہ بندرگاہ تک آتے آتے چھ سو منتخب سوار اور پانچ پیادہ جیوشس کے سوا ساری فوج پیچھے رہ گئی تھی۔ مگر سیزر انھیں چیدہ سپاہیوں کو لے کر جہاز میں سوار ہو گیا، اور شدید سردی کے زمانے میں یعنی اوائل جنوری میں بحیرۂ ایونیاں سے گزرا۔ پھر اوری کم اور اپالونیہ کو تسخیر کرتے ہی جہازوں کو باقی ماندہ فوج لے آنے کے واسطے واپس برنڈزی بھیجدیا۔ ادھر اطالیان فوج، جس کے بدن کو قوت شباب جواب دے چکے تھے اور جو ان مسلسل محاربات سے بالکل مضمحل ہو چکے تھے، اثنائے سفر میں کمال بے دل ہو رہے تھے۔ اور سیزر کے احکام سے تنگ آ کے کہتے تھے کہ الٰہی یہ شخص آخر کب اور کہاں ہمیں چین سے بیٹھنے دیگا؟ ہمیں اس طرح جگہ جگہ لیے پھرتا اور کام میں لاتا ہے کہ گویا ہم میں نہ تو جان ہے نہ مشقت کی حس۔ ہماری اسلحہ کا لوہا تک ضربیں پڑتے پڑتے آدھا رہ گیا اور ہمیں اپنی ڈھالوں اور زرہ بکتر پر بھی اب ترس آنے لگا۔ کاش یہ شخص اور کسی چیز کو نہیں تو ہمارے زخموں ہی کو دیکھکر یقین لاتا کہ ہم بھی انسان ہیں اور دوسرے بندگان خدا کی مثل کرب و اذیت سے متاثر ہو سکتے ہیں۔ اس جاڑے میں جس کی شدت کو دیوتا بھی

کم نہیں کر سکتے اور جس کے طوفان کی کوئی قوت مانع نہیں آسکتی، یہ سخت گیر سپہ سالار باز نہیں آتا اور اس طرح مارا مار جا رہا ہے گویا تعقب میں ہونے کی بجائے دشمن سے جان بچا کے بھاگا ہے!''

یہی چرچا کرتے ہوئے یہ لوگ آہستہ آہستہ برنڈزی آرہے تھے۔ لیکن جب اس بندرگاہ پر پہنچ کے اُنھوں نے سُنا کہ سیزر ان سے بہت پہلے روانہ ہو چکا تو سب کے خیالات بدل گئے اور وہ اپنے تئیں بہت بے وفا، نمک حرام اور اپنے سالار فوج سے منحرف سمجھنے لگے۔ اور سُست روی پر اپنے سرداروں کو سب و شتم کرنے لگے اور پھر بلندیوں پر چڑھ چڑھ کر بیٹھ گئے اور بحیرۂ ایپرس کی جانب شوق و بیتابی کی نگاہیں دوڑانے لگے کہ شاید سیزر کے پاس سے جانے والے جہاز آتے ہوئے نظر آجائیں۔

سیزر اس وقت اپنی فوجوں کا منتظر ایالونیہ میں خیمہ زن تھا۔ اور اپنی مختصر جماعت سے دشمن کا مقابلہ نہ کر سکتا تھا لہذا جتنی دیر اطالیہ سے فوجوں کے آنے میں ہو رہی تھی اتنا ہی اس کا تردّد اور تذبذب بڑھتا جاتا تھا۔ آخر اُس نے ایک نہایت مخدوش منصوبہ باندھا اور بغیر کسی کو خبر کیے ایک بارہ چپّو کی کشتی میں بیٹھکر چاہا کہ سمندر پار کر کے خود برنڈزی تک جائے، حالانکہ سمندر میں دشمن کا زبردست بیڑا ہر طرف پھیلا ہوا تھا۔ لیکن وہ ایک غلام کے لباس میں رات کے وقت جہاز پر سوار ہوا اور سب سے نیچے کے طبقے میں جا کے لیٹ رہا۔ سمندر آنے سے پہلے انھیں دریائے انیوس کے رستے جانا پڑتا تھا اور ہر صبح کو جو بحری ہوا اس کے بہاؤ کے خلاف چلتی تھی وہ اس کی موجوں کے زور کو کم کر کے رفتار کشتی رانی کے لیے مناسب بنا دیتی تھی۔ لیکن اس رات طوفانی ہوا سے سمندر میں سخت تلاطم بپا تھا۔ موجیں غرّاتے مار مار کے ساحل سے ٹکراتی تھیں اور خود دریا کو اس طرح اُلٹ پلٹ کیے دیتی تھیں کہ کشتی کھینا محال ہو گیا تھا۔ یہ رنگ دیکھ کے جہاز کے ناخدا نے بہ مجبوری واپس ہونے کا حکم دیا۔ اور سفر ملتوی کرنا چاہا اس وقت سیزر سامنے نکل آیا اور ناخدا کا کھوا

پکڑ کے، جو اُسے پہچان کے ششدر رہ گیا تھا، کہنے لگا "بڑھے چلو اور کچھ پروا نہ کرو دوست! تم سیزر اور اس کی قسمت کو اپنی زورق میں لیے جا رہے ہو"۔ ملاحوں نے جو یہ سُنا، سارے طوفان اور تلاطم کو بھول گئے۔ اور پوری طاقت سے چپو چلانے لگے کہ جس طرح ممکن ہو دریا اُتر کے سمندر میں گھُس پڑیں۔ لیکن جب یہ تمام کوششیں بے سود نظر آئیں اور پانی بلند ہو کے کشتی میں آنے لگا، اور سیزر نے وہاں نے ہی پر سفر کو اتنا پرخطر دیکھا تو بالکل خلاف منشا واپسی کی اجازت دی۔ جس وقت کشتی کنارے سے آ لگی تو سپاہی گروہ در گروہ اس کے گرد آئے اور شکایتیں کرنے لگے کہ ہمیں کسی قابل ہی نہ سمجھا جو یہ زحمت اُٹھائی اور سپاہیوں کو لینے کے لیے برنڈزی گیا گویا جو جاں نثار موجود تھے اُن پر بھروسہ نہ تھا کہ فتح حاصل کر سکیں گے؟

بعد ازاں انتونی بھی باقی ماندہ فوج لے کے آ پہنچا، اور اب سیزر پمپی کو دعوت مصاف دینے پر کمربستہ ہو گیا۔ اگرچہ اس میں شبہ نہیں کہ دشمن بڑے اچھے موقعے سے پڑا تھا اور تری و خشکی دونوں جانب سے اُسے رسد بہ افراط پہنچ رہی تھی۔ حالانکہ سیزر کے پاس سامان خوراک کی ابتدا ہی میں بہت کمی تھی اور آخر میں تو یہ نوبت آ گئی تھی کہ اس کے سپاہی بہ درجہ لاچاری ایک قسم کی جڑیں کھود کھود کے اور انھیں دودھ میں ڈبو کے کھاتے تھے۔ یا کبھی اس کے روٹ بنا لیتے تھے اور دشمن کی ہراولی چوکیوں کے پاس جا جا کے انھیں پھینکتے اور کہتے تھے کہ "جب تک زمین میں ایسی جڑیں اُگے جائینگی، ہم پمپی کا محاصرہ نہ چھوڑینگے"۔ لیکن پمپی حتی الامکان ان الفاظ اور روٹیوں کو اپنے آدمیوں تک نہ پہنچنے دیتا تھا۔ اور بڑی احتیاط کرتا تھا، کیونکہ اپنے حریفوں کی خونخواری اور مشقت کشی دیکھ دیکھ کے اُن کی ہمت پست ہوئی جاتی تھی اور وہ انھیں وحشی درندے سمجھ کے بڑے خوف زدہ اور ہراساں ہو رہے تھے۔ پمپی کے ان بیرونی چوکیوں پر برابر لڑائیاں ہوتی رہتی تھیں اور تقریباً سب میں سیزر ہی چیرہ دست رہتا تھا۔ البتہ ایک مرتبہ اس کی

فوج کے اس بری طرح قدم اُکھڑے کہ خود خیمہ گاہ کے ہاتھ سے نکل جانے میں ذرا ہی کسر رہ گئی سبب اس کا یہ تھا کہ پمپی نے نکل کے اس قیامت کا حملہ کیا کہ ایک شخص بھی اپنی جگہ پر قائم نہ رہ سکا۔ اور اس طرح گھیر گھیر کر مارا کہ خندقیں مقتولوں سے پٹ گئیں اور بہت سے مفرور خود اپنی بنائی ہوئی دیواروں اور مورچوں پر سے گر گر کے مر گئے۔ اس رستخیز میں سیزر نے بھی آ کے ہر چند چاہا مگر بھاگنے والی فوج کے پانوں نہ تھمے۔ اور جب سیزر علم برداروں کے پاس گیا کہ انھیں روکے تو وہ اپنے علم پھینک پھینک کے بھاگے چنانچہ ان میں سے تینتیس ۳۲ علم دشمن کے ہاتھ پڑے۔ خود سیزر کی جان یہاں بال بال بچی کیونکہ اپنے ایک سپاہی کو جو نہایت تنومند اور قوی ہیکل تھا اور پیٹھ دکھا کے بھاگا جاتا تھا، اُس نے پکڑ لیا اور تھم کے کلہ بہ کلہ لڑنے کا حکم دیا۔ مگر اس سپاہی نے خوف اور بدحواسی کے عالم میں خود سیزر پر تلوار کھینچی اور شاید وار کرنے ہی کو تھا کہ سیزر کے اسلحہ بردار خواصی نے یکبار چابک دستی اُس کا ہاتھ اڑا دیا۔

الغرض اُس دن سیزر کی حالت ایسی پر از یاس تھی کہ جب پمپی نے اپنے وہم یا اپنی بدنصیبی سے لڑائی کو تھوڑی دیر اور جاری نہ رکھا اور بڑاؤ تک دشمن کا تعقب کرنے کے بعد اپنے اردو کو پھر گیا تو سیزر نے اپنے احباب سے کہا کہ اگر کوئی سپہ سالار انھیں ایسا ملتا جو جانتا کہ فتح کس طرح حاصل ہوتی ہے تو بے شبہ آج دشمن کی فتح تھی۔

اپنے خیمے میں واپس آنے کے بعد سیزر بچھونے پر پڑ گیا لیکن تمام رات نیند نہ آئی اور اپنے متعلق اس تشویش و کرب میں گزری کہ پہلے کبھی نہ گزری تھی۔ فکر کرتے کرتے وہ آخر اس نتیجہ پر پہنچا کہ میں نے یہاں لڑائی لڑنے میں سخت خطا کھائی۔ کیونکہ اس کے سامنے مقدونیہ اور تھسالیہ کے زرخیز میدان تھے جنھیں چھوڑ کر اس نے ساحل پر میدان مصاف منتخب کیا تھا۔ حالانکہ بڑی فوج کی زیادتی کے علاوہ دشمن کے پاس بحری بیڑا بھی اتنا زبردست تھا کہ رسد کی نا میسری کے لحاظ سے سیزر کی حالت بجائے محاصر کے محصور

کی سی تھی۔ اسی پیچ و تاب میں آخراس نے وہاں سے کوچ کرنے کا فیصلہ کیا اور اپنی دقتوں اور مصیبتوں ہی کے خیال سے مقدونیہ میں سپیو کی طرف فوج کے بڑھنے کا حکم دیا۔ جس سے ایک تو پمپی کو اپنے ساتھ وہاں لگا کے لانا مقصود تھا کہ اُسے عمدہ موقع اور رسد کی بہم رسانی کا جو فائدہ حاصل ہے زائل ہو جائے دوسرے یہ کہ اگر سپیو کو جو اپنا پڑاؤ مقدونیہ میں ڈالے پڑا تھا (اور پمپی کا خسر تھا) کوئی اعانت نہ مل سکے تو پہلے اسی کو مغلوب کیا جائے۔

سیزر کے اپنی جگہ سے حرکت کرنے کی خبر سنتے ہی پمپی کے لشکر میں غل مچ گیا کہ دشمن نے گریز کیا، اور تمام سردار اور سپاہی شوق تعقب سے بے قرار ہو گئے۔ لیکن پمپی ایک فیصلہ کن لڑائی لڑتے ہوئے جھجکتا تھا کہ اس کے مستقبل کا سارا دارمدار اسی پر تھا اس کے علاوہ سامان مایحتاج وافر موجود تھا اور اس کا خیال یہ تھا کہ جب تک دشمن کی پھر پھرا کے قوت ضائع ہو جائے، تب تک آرام سے ایک جگہ بیٹھا ہے۔ کیونکہ اس میں ذرا شبہ نہیں کہ گو سیزر کی فوج نہایت آزمودہ کار اور بدرجہ غایت جانباز و شجاع تھی تاہم اب وہ مضمحل اور شکستہ خاطر ہوتی جاتی تھی۔ اور مسلسل یلغاروں نے، تسخیر استحکامات نے، اور ایک غیر منقطع جدوجہد، راتوں کی جاگ اور پاسبانی نے انہیں اور بھی ضعیف کر دیا تھا۔ جوانیاں بھی ڈھل چکی تھیں اور جسمانی طاقت کے ساتھ بہادری بھی جواب دینے لگی تھی۔ سوا اس کے یہ بھی ہو گیا تھا کہ غذا کی خرابی اور فاسد ہونے کے سبب سیزر کی فوج میں وبائی امراض کا زور بڑھ رہا ہے۔ اور ان سب باتوں پر طرہ یہ ہوا ہے کہ نہ اس کے پاس اب سامان رسد باقی ہے اور نہ روپیہ اور انہیں وجوہ سے نظر آتا تھا کہ وہ از خود ہمت ہار جائے گا۔ القصہ پمپی پر تو یہ ساری باتیں عیاں تھیں اور وہ لڑنے کا کوئی ارادہ نہ رکھتا تھا لیکن اہل فوج سرتاسر خلاف تھے۔ اور اس کے تمام ساتھ والوں میں فقط کیٹو ہی ایسا شخص تھا جو لڑائی سے بچنے پر اُس کا شکر گزار ہوا اور اپنے عزیز ہموطنوں کی خونریزی نہ ہوتی دیکھ کر خوشی سے پھولا نہ سمایا۔ اور جب آخری معرکے میں

سیزر کی طرف کے ایک ہزار آدمی مقتول ہوئے اور کیٹو نے ان کو دیکھا تو اس وقت بھی یہ نیک نفس شخص اپنا منہ دونوں ہاتھوں سے ڈھانپ کر زار و قطار روتا تھا۔ لیکن اُس کے سوا اور جتنے لشکری، سردار اور اہل الرائے تھے، وہ سب پمپی کو بُرا بھلا اور از رہ طنز آگامنن یا شاہ شاہاں کہنے لگے۔ جس میں اس کی خود پرستی پر چوٹ تھی کہ گویا اس کا لڑائی نہ لڑنا محض اس وجہ سے ہے کہ وہ آپ خانہ جنگی کا جلدی فیصلہ کرنا نہیں چاہتا تاکہ زیادہ عرصے تک سپہ سالاری کا لطف اُٹھائے اور اتنے سرداروں پر خوب حکومتیں کرے۔ چنانچہ فیونس نے، جو صاف گوئی میں کیٹو کی ریس کیا کرتا تھا، کہا کہ فقط پمپی کی حکومت پسندی کے طفیل اس سال بھی ہمیں ٹسکلم (اطالیہ) میں کھجوریں کھانی نصیب نہ ہونگی۔ اور افرانی، جو اندلس سے شکست کھا کے آیا تھا اور اسی ناکامی کی وجہ سے جس کی دیانت داری مشتبہ ہو گئی تھی، لوگوں سے پوچھنے لگا کہ خود اس صوبوں کے سوداگر (یعنی پمپی) سے کیوں نہ لڑا جائے؟ غرض پمپی نے اس قسم کی باتیں سنی تو اپنی مرضی کے خلاف لڑائی پر مجبور ہوا اور سیزر کے تعقب میں مقدونیہ چلا۔ ادھر سیزر کا یہ حال تھا کہ ایک ایک منزل اسے دشوار ہو رہی تھی۔ پچھلی شکست نے اُس کو اتنا نظروں سے گرا دیا تھا کہ اول اول کوئی رسد دینے کا اقرار نہ کرتا تھا۔ لیکن تھسلی کے شہر گمفی پہنچنے کے بعد یہ حالت بدل گئی اور اس کی فوج کو نہ صرف پیٹ بھر کے کھانا ہی ملا۔ بلکہ قوت جسمانی بھی۔ کیونکہ یہاں اُن کے ہاتھ اس کثرت سے شراب آئی کہ راستے بھر اُسے خوب پیتے گئے۔ اور اُس نے ان میں تازہ جان ڈال دی۔ نیز اپنی عیش کاری اور سیر و تفریح سے اُنھوں نے تمام تھکن اور علالت دور کر دی اور یہ معلوم ہونے لگا کہ گویا پُرانا لباس اُتار کے ان کے جسموں نے نیا جامہ پہن لیا ہے۔

جب دونوں فوجیں فرسیلیہ کے میدان میں خیمہ زن ہوئیں تو پھر پمپی کو وہی لڑائی سے بچنے کا خیال ہوا۔ اس لئے اور بھی کہ بعض بدشگونیوں کے علاوہ اس نے

ایک بہت پریشان خواب دیکھا تھا۔ لیکن جو لوگ اس کے ساتھ تھے وہ اپنی کامیابی پر یقین کامل کیے ہوئے تھے یہانتک کہ ڈومیٹس اور سپیو اور سفنٹر میں تو یہ حجت اور لڑائی ہونے لگی کہ سیزر کی بجائے اسقف اعظم کون ہوگا؟ گویا وہ درحقیقت لڑائی جیت چکے اور اب مال غنیمت کی تقسیم کر رہے ہیں! انہیں کی طرح اور بھی بہت سے اشخاص نے اسی امید پر اپنے آدمی روم کو روانہ کر دیئے کہ جاکر قنصلوں اور پریٹروں کے لائق مکان تلاش کریں! اس درجے انہیں اپنی فتح پر اور پھر ان عہدوں کا مالک بننے پر وثوق تھا۔ مگر سب سے زیادہ رسالے کے لوگ آپے سے باہر ہو رہے تھے۔ انہیں اپنے نفیس اسلحہ اور اصیل گھوڑوں پر بڑا گھمنڈ تھا۔ خود اپنی آن بان اور خوبصورتی پر بھی نازاں تھے اور کامیابی کے کامل یقین پر لڑائی کے لیے بیتاب تھے۔ خاصکر اس واسطے کہ دشمن کے ایک ہزار سواروں کے مقابلے میں ان کی تعداد پنچ گُنی یعنی پانچ ہزار تھی۔ اور پیادہ فوج کے تناسب میں بھی کچھ فرق نہ تھا۔ چنانچہ پمپی کے پینتالیس ہزار کے مقابلے میں سیزر کے پاس صرف بائیس ہزار جوان تھے۔

اسی دن سیزر نے اپنے سپاہیوں کو بلا کے کہا کہ دیکھو کرنی نس فوج کے لیجین کے لیے ہماری کمک کو آ رہا ہے اور پندرہ دستے کالے نوس کی ماتحتی میں اتھنز اور مگارا میں متعین ہیں۔ اب تم بتاؤ کہ ان کے آنے تک ٹھہرے رہوگے یا انکی شرکت بغیر ہی قسمت آزمائی کے لیے آمادہ ہو؟ اس سوال کے جواب میں سب سپاہی چلائے کہ "اب دیر نہ لگایئے بلکہ جس طرح ہو دشمن سے جنگ شروع کر دیجیے"! تب سیزر نے اپنی فوج کی برکت و نجات کے واسطے قربانیاں چڑھائیں۔ اور پہلی راس کٹنے پر کاہن نے کہا کہ تین دن کے اندر ایک فیصلہ کن لڑائی ہو جائیگی، تو سیزر نے پوچھا کہ "کیا تم نے انتڑیوں میں کوئی ایسی علامت پائی جس سے آیندہ ہمیں خوشی حاصل ہونے کی اُمید ہو؟" کاہن نے جواب دیا کہ "اس سوال کا جواب تم خود ہی اچھی طرح

دے سکتے ہو۔ دیوتاؤں کا تو اشارہ یہ ہے کہ حالات موجودہ میں کوئی تغیر عظیم واقع ہوگا۔
لہذا اس وقت تم اپنے تئیں اچھی حالت میں پاتے ہو تو سمجھو کہ آیندہ نقصان اُٹھاؤ گے۔ اور
اگر اس وقت قسمت کو اپنے سے برگشتہ سمجھتے ہو تو خوشی کی امید رکھو۔"

اسی رات کو آدھی بجے سیزر طلایے کی دیکھ بھال میں مصروف تھا، کہ ایکا ایکی
آسمان پر ایک روشنی بہت چمکدار اور آگ کی طرح بھڑکتی ہوئی سیزر کے لشکر سے
گزرتی اور پمپی کے خیمہ گاہ پر گرتی ہوئی نظر آئی۔ اور جب صبح کو نیا دستہ پہرہ بدلوانے
آیا تو دشمن کی فوج میں اُسے کھلبلی سی پڑی ہوئی دکھائی دی۔

بایںہمہ خود سیزر کو اس دن جنگ ہونے کی توقع نہ تھی لہذا اسکو توسا کے ارادہ
سے اُس نے کوچ کا حکم دیا۔ مگر خیمے اُکھڑ ہی رہے تھے جو اس کے مخبر گھوڑے دوڑاتے ہوئے
آئے اور خبر دی کہ آج ہی حریف لڑائی مانگے گا۔ یہ سُنکر وہ نہایت خوش ہوا اور
دیوتاؤں کی جناب میں رسوم عبودیت بجالانے کے بعد فوج کو تین حصوں میں صف بندی
کا حکم دیا۔ قلب لشکر میں دومیٹس کال دی نس متعین ہوا اور میسرہ پر انٹونی۔ خود
سیزر نے خاص دسویں لیجین کو لڑانے کے واسطے میمنہ کی سرداری اپنے ہاتھ میں لی۔ لیکن
جب دشمن کے سوار اس کے مقابل صف آرا ہوئے تو ان کی شان اور حسن اور تعداد
دیکھ کے وہ بھی متامل ہوا۔ اور بصیغہ راز احکام بھیجے کہ ساقہ (یعنی پشت) کے چھ دستے
اور اس سے آملیں۔ جنھیں اس نے اپنے حصہ فوج کے پیچھے ٹھہرایا اور سمجھا دیا کہ فریق مخالف
کے سوار حملہ آور ہوں تو اس اس طریقے سے تمھیں لڑنا چاہیے۔ اُدھر میمنہ پر پمپی سپہدار
تھا۔ قلب سپیو کے زیر کماں اور میسرے کے آگے دومیٹس سردار رسالہ بنا ٹھہرا تھا۔
اور اسی بازو پر سواروں کی پوری جمعیت لاکے لڑائی کا سارا زور ڈالا گیا تھا کہ دشمن کے
میمنے پر چھا جائیں اور جس طرح بنے اس حصّہ فوج کو جہاں خود سپہ سالار لشکر (سیزر) موجود
ہے، شکست دے کے بھگا دیں۔ کیونکہ انھیں پورا یقین تھا کہ اپنے کثیر التعداد سواروں کا

حملہ کوئی پیادہ فوج نہیں روک سکتی۔ اور ناممکن ہے کہ اس کا پر قوت دھچکا پڑے اور وہ ٹکڑے ٹکڑے ہو کے منتشر نہ ہو جائے۔

جب دونوں لشکر اشارے کے منتظر لڑائی کے لیے تیار کھڑے ہو گئے تو پمپی نے اپنی اگلی پیادہ صف کو یہ حکم دیا کہ وہ اس وقت تک کہ دشمن بڑھ کے آملے خاموش اور اپنی جگہ پر مستقل رہیں اور بغیر اپنی ترتیب توڑے اس وقت وار کریں جبکہ دشمن برچھی کے حملے پر آجائے۔ (اس بات پر بھی سیزر پمپی کی سپہ سالاری کو نام دھرتا ہے کہ اسے یہ خبر نہ تھی کہ حملہ کرنے والوں کے وار دُہری طاقت کے ساتھ پڑتے ہیں اور دوڑ کر مل پڑنا ان کے جوش کو بڑھا دیتا ہے اور جب ایک جماعت کی جماعت مل کر بڑھتی ہے تو جوش اور بھی زیادہ بڑھ جاتا ہے)

خود سیزر اپنی فوج کو لڑائی کے لیے بڑھا رہا تھا کہ ایک جنگ آزمودہ اور معتبر سردار کو اس نے دیکھا کہ اپنے سپاہیوں کو انتہائی کوشش کرنے پر ابھار رہا ہے۔ سیزر نے اُسے نام لے کر بآواز پکارا کہ کایس کراسی نئیس، یہ بلند پروازیاں کس بھروسے پر، اور کس امید پر یہ بڑھاوے دے رہے ہو!،،

کایس ہات بڑھا کے بڑے زور سے چلایا:- "فتح، فتح۔ خدا کی قسم سیزر، آج ہم بڑی شجاعت سے فتح پائینگے۔ اور میں مر گیا تو اور زندہ رہا تو، تم سے آج داد لیے بغیر نہ رہونگا!،، اور یہ کہہ کے اس زور سے جھپٹا کہ سب سے پہلا شخص جس نے دشمن پر وار کیا وہی تھا۔ ساتھ ہی ساتھ اس کے ایکسو بیس سپاہی تھے جو جاتے ہی دشمن سے مل گئے اور وہ خود پہلی صف توڑ کر اس جوش سے مارتا کاٹتا آگے بڑھا کہ لاشوں کے ڈھیر لگ گئے حتی کہ ایک وار کھا کے پیچھے لڑکھڑایا اور کسی نے اس قوت کے ساتھ منہ پر تلوار ماری کہ گردن میں ڈوب کے گُدّی سے پار نکل گئی۔ ادھر تو فوج کا حصہ کثیر پیادے جوش و خروش کے ساتھ کلہ بہ کلہ مصروف جنگ تھے اُدھر پمپی کے سوارون

نے اپنی صفیں خوب پھیلا دیں اور اس یقین کے ساتھ کہ جاتے ہی دشمن کے میمنہ کو گھیر لیں گے، آگے بڑھے۔ لیکن اُن کے پہنچنے سے پیشتر ہی سیزر کے سپاہی نہایت تیزی سے اُن پر جھپٹے۔ اور اپنی سبک سبک برچھیاں اُن کے چہروں پر تول کے پل پڑے۔ حالانکہ دستور یہ تھا کہ یہ برچھیاں حملے کے وقت کچھ فاصلہ سے ٹانگ یا کولے پر ماری جاتی تھیں۔ مگر سیزر کا مطلب ہی کچھ اور تھا اس نے اپنے سپاہیوں کو سکھا دیا تھا کہ برچھیاں دور سے پھینک کے نہ ماریں بلکہ حریف کے منہ کو نشانہ بنائیں۔ کیونکہ وہ جانتا تھا کہ یہ ناتجربہ کار بانکے جو اپنی جوانی اور خوبصورتی کے جوش میں گیسو سنوار سنوار کے لڑنے نکلے ہیں، ابھی کیا جانیں کہ لڑائی کسے کہتے ہیں اور زخم کھانا کیا ہوتا ہے۔ لہٰذا اس قسم کے حملے سے وہ ضرور ڈر جائیں گے کہ جان بھی جائے تو کہیں چہرہ نہ کنونڈا ہو جائے! چنانچہ حقیقت میں یہی ہوا۔ اور برچھیوں کے وار روکنا تو درکنار وہ اپنے پر انھیں چھپتا ہوا دیکھکر ہی سہم گئے اور اپنے منہ چھپا چھپا کے اُلٹے پھرنے لگے۔ ان کا پھرنا تھا کہ صفوں کی ترتیب ٹوٹ گئی اور ترتیب ٹوٹتے ہی اُن کے قدم اُکھڑ گئے۔ اور ان بے شرموں نے آپ بھاگے تو بھاگے ساری فوج کو بھی شکست دلوا کے چھوڑا۔ کیونکہ جب سیزر کی فوج انہیں دور تک بھگا لائی تو اُس رُخ پر انہیں روکنے والا کوئی نہ رہا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ آگے بڑھکے باقی فوج کی پشت پر آ گئے اور پلٹ پلٹ کے اُس کے ٹکڑے اُڑانے لگے۔ پمپی فوج کے دوسرے کنارے پر کھڑا اپنے سواروں کا بھاگنا دیکھ رہا تھا۔ جب اس نے دشمن کو اس آسانی کے ساتھ غالب آتے دیکھا تو معلوم ہوتا ہے وہ بالکل بے حواس ہو گیا اور خود کو بھی بھول گیا کہ وہ پمپی اعظم ہے۔ اور اس شخص کی طرح جس کے عقل و حواس دیوتاؤں نے سلب کر لیے ہوں، وہ چپ چاپ اپنے خیمے میں آ بیٹھا اور لڑائی کے اخیر فیصلہ کا انتظار کرنے لگا۔ یہانتک کہ ساری فوج کو بھگا کر حریف اُن مورچوں تک آ گیا جو لشکرگاہ کی حفاظت کے لیے قائم کیے گئے تھے اور یہاں اس کے محافظوں سے جم کر مقابلہ ہونے لگے

شاید یہ وقت تھا جب اس کے گئے ہوئے حواس واپس آئے اور کہتے ہیں اس کے منہ سے یہ الفاظ نکلے "ہائیں، خاص خیمہ گاہ پر بھی؟" اس کے بعد اُس نے اُٹھکر اپنا سپہ سالاری لباس اُتار دیا اور ایسے کپڑے پہنکر جو اس کی فراری کے موزوں و مناسب ہوں، چپکے سے نکل گیا۔ اس کی زندگی کی باقیماندہ سرگزشت کہ وہ کس طرح مصر میں پناہ گزیں ہونے گیا اور قتل ہوا، ہم اُس کی سوانح عمری میں سُنائیں گے۔

اب فتحمند سیزر دشمن کے اردو میں داخل ہوا۔ بہت سے سپاہی چاروں طرف مرے پڑے تھے اور بہت سے دم توڑ رہے تھے۔ انہیں دیکھکر سیزر بہایت متاسف ہوا اور ٹھنڈا سانس بھر کے بولا "ان لوگوں کی مرضی یہی تھی انہیں نے مجھے لڑنے پر مجبور کیا اور یہ نوبت آئی۔ اگر میں، جولیس سیزر اپنی فوج کو علحدہ کر دیتا تو اپنی ساری فوجی خدمات اور فتوحات کے باوجود، میری تباہی یقینی تھی۔

پولیو کا بیان ہے کہ اُس نے یہ فقرہ لاطینی زبان میں کہا اور یونانی زبان میں خود ہی تحریر بھی کیا ہے۔ وہ یہ بھی روایت کرتا ہے کہ خیمہ گاہ پر جو لوگ لڑکے مرے وہ بالعموم نوکر چاکر تھے اور کل مقتول سپاہیوں کا شمار چھ ہزار سے زیادہ نہ تھا۔ پیادہ فوج کے جو سپاہی گرفتار ہوئے تھے ان میں سے اکثر کو سیزر نے اپنی فوج میں بھرتی کر لیا اور بہت سے ذی عزت اشخاص کو کامل معافی عطا کر دی۔ انہیں میں بروٹس بھی تھا جس نے بعد میں سیزر کی جان لی۔ وہ لڑائی ختم ہونے کے بعد دیر تک گم نشاں رہا جس کی وجہ سے سُناہے سیزر کو اس کے متعلق بڑی تشویش تھی اور جب وہ بعد میں بچ رہنے والوں کے ساتھ حاضر ہوا تو سیزر بہت خوش ہوا۔

اس فتح سے پہلے بہت سی خرق عادت علامتیں لوگوں کو نظر آئیں مگر ان سب میں عجیب وہ واقعہ ہے جو لوگ بیان کرتے ہیں کہ ٹرالس میں پیش آیا۔ وہاں نصرت کی دیوی کے مندر میں سیزر کا مجسمہ رکھا تھا۔ اس کے نیچے کی زمین تو سخت ہونی ہی چاہیے،

مگر پتھر کا فرش بھی وہاں بہت سخت تھا اور مضبوط بنایا گیا تھا بایں ہمہ کہتے ہیں کہ اس سنگیں فرش میں سے ایک تاڑ کا درخت عین مجسمے کے آگے پھوٹ آیا۔

اسی طرح کا واقعہ کے اس کورنیلیس کی نسبت مشہور ہے۔ یہ شخص مشہور مورخ لوی کا شناسا اور ہموطن یعنی پڈووا کا باشندہ تھا اور فن کہانت میں بڑی واقفیت رکھتا تھا۔ خاص اُس دن کہ فرسیلیہ میں میدان جنگ گرم تھا اس نے زائچہ کھینچا اور پھر (لوی کے قول کے موافق) پہلے لڑائی کا وقت بتا کر اُن لوگوں سے جو اُس کے قریب بیٹھے ہوئے تھے کہنے لگا کہ دیکھو خاص اس وقت فریقین مل گئے ہیں اور لڑائی شروع ہو گئی ہے۔ بعد ازاں دوسری مرتبہ سر جھکایا، زائچہ پر نظر دوڑائی اور ایک دفعہ اچھل کر ملہمانہ شان سے چلایا "سیزر تیری فتح ہے!" لوگوں کو اس بات پر نہایت تعجب ہوا۔ لیکن کورنیلیس نے وہ حلقہ جو سر پر پہنے تھا اتار کر پھینک دیا اور قسم کھائی کہ جب تک میرے قول کی تصدیق نہ ہو جائیگی اسے سر پر نہ رکھونگا۔ لوی نے اس واقعے کو بہ وثوق بیان کیا ہے۔

فتح کی یادگار میں سیزر نے تھسلی کو آزاد کر دیا اور خود پمپی کے تعاقب میں روانہ ہوا۔ ایشیا میں پہنچکر اُس نے تھیوپمپس کی بڑی قدردانی کی۔ یہ وہ مشہور مصنف ہے جس نے قدیم کہانیوں کو جمع کیا تھا۔ اسی کی خاطر سیزر نے اہل نڈیہ کو حقوق عطا کیے اور صوبہ ایشیا کا ایک ثلث محاصل وہیں کے لوگوں میں بانٹ دیا۔

سیزر شہر سکندریہ میں آیا ہے تو پمپی قتل کیا جا چکا تھا۔ اور اس کا سر تھیوڈوٹس نے کھانے کے لیے اپنے پاس رکھ چھوڑا تھا۔ مگر سیزر نے اس کو سامنے لانے کی اجازت نہ دی بلکہ مقتول کی صرف انگشتری دیکھکر زار و قطار رویا۔ اور اُن لوگوں کو جنھیں شاہ مصر نے پمپی کی دوستداری کے جرم میں گرفتار کر لیا تھا، آزاد کر دیا اور خود اپنے حلقہ احباب میں شامل ہو جانے کی خواہش کی۔ اُس خط میں جو اس نے اپنے دوستوں کو روما بھیجا ہے وہ اسی طرف اشارہ کرتا ہے کہ سب سے زیادہ فتح کی مجھے خوشی

جس چیز سے ہوئی وہ یہ تھی کہ بار بار اُن ہموطنوں کی جان بخشنے کا موقعہ ملا جو میرے خلاف لڑے تھے۔

سیزر کے محاربۂ مصر کے بارے میں بہت سے لوگ تو یہ کہتے ہیں کہ وہ نہ صرف بیکار اور مخدوش تھا بلکہ باعث ننگ کہ محض کلیوپٹرا کے عشق میں اس نے یہ خونریزی کی۔ لیکن دوسرا قول یہ ہے کہ یہ ساری نالائقی بادشاہ کے منہ چڑھے خواجہ سرا پوتھی نس اور دوسرے وزرا کی تھی۔ اس کمبخت خواجہ سرا نے ملکہ کلیوپٹرا کو جلا وطن کرایا تھا، اسی نے پمپی کو مروا دیا اور وہی اب سیزر کی جان لینے کی اندر ہی اندر سازش کر رہا تھا (چنانچہ اسی خوف سے سیزر شراب خواری کے بہانے ساری ساری رات جاگ کر کاٹتا کہ کبھی سوتے میں اس پر حملہ نہ ہو جائے) اس کے علاوہ اپنے قول و فعل سے علانیہ بھی اس نے کوئی کسر سیزر کی تذلیل میں نہ اُٹھا رکھی تھی۔ مثلاً جب اس کے سپاہیوں کو پُرانا اور بہت بد ذائقہ غلّہ تقسیم ہونے لگا تو پوتھی نس نے اُن سے کہا کہ دوسرے کا کھاتے ہو تو اسی پر قناعت کرنی پڑیگی" یا اُس نے حکم دیا کہ میرے دسترخوان پر آیندہ سے فقط مٹی اور کاٹھ کی رکابیاں لگائی جایا کریں، کیونکہ پچھلی بقایا کے حیلے سے سارا سونا چاندی اور ظروف تو سیزر نے لیے ہیں اب ہمارے پاس رہا ہی کیا ہے جو یہ تکلیف جائز رکھیں"۔ اصل یہ ہے کہ بادشاہ کے باپ پر سیزر کے نذرانے کا ساڑھے سترہ کروڑ روپیہ چڑھا ہوا تھا۔ باقی وہ اُس کی اولاد پر معاف کر چکا تھا لیکن دس کروڑ روپیہ اس نے چاہا کہ اس وقت فوجی ضرورتوں کی خاطر طلب کرے۔ پوتھی نس نے یہ مطالبہ سُنکے کہلا بھیجا کہ بہتر یہ ہے کہ اب تو وہ اپنے زیادہ ضروری مہمات کے لیے یہاں سے تشریف لیجائیں۔ کسی اور وقت ان کا روپیہ مع شکریوں کے پہنچا دیا جائیگا۔ سیزر نے جواب دیا کہ میں مصریوں کو اپنا مشیر بنانا نہیں چاہتا ——— پھر بالا ہی بالا کلیوپٹرا کو جو گوشۂ گمنامی میں پڑی تھی، بلوایا۔ کلیوپٹرا کے آنے کی کیفیت یہ ہے کہ صرف ایک شخص

اپالوڈورس کو جو صقالیہ کا باشندہ اور اُس کا خاص معتمد علیہ تھا۔ ہمراہ لے کر وہ چھوٹی سی کشتی میں بیٹھ گئی اور شام کی تاریکی میں محل کے قریب (جہاں سیزر مقیم تھا) اُتری۔ اب یہاں فکر یہ تھی کہ بے کسی کو خبر ہوئے اندر سیزر تک کیونکر پہنچے۔ آخر بڑے غور کے بعد اس نے یہ تدبیر نکالی کہ ایک چادر پر لیٹ گئی۔ اپالوڈورس نے لپیٹ کر اسی میں اُسے باندھا اور پیٹھ پر ڈال کے دروازے میں سے گزر اچلا گیا پھر جس وقت سیزر کے کمرے میں پہنچ کے اُسے کھولا تو وہ بھی اس عورت کا چرتر دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ اس کے بعد جب اُس کی باتیں سنیں تو بالکل ہی مسحور ہو گیا اور کوشش کر کے اس کے بھائی سے اس شرط پر صلح کرا دی کہ کلیوپٹرا اس کی شریک حکومت رہے۔ اسی مصالحت کی یادگار میں وہ جشن منعقد کیا گیا تھا جس میں سیزر کے حجام نے اکی لس کی سازش کی خبر پائی تھی۔ یہ نائی یوں تو بہت بھیگی بلی بنا رہتا تھا لیکن اسے ہر بات کی کرید رہتی اور ہر جگہ اس کے کان لگے رہتے تھے۔ اسی شخص نے اکی لس سپہ سالار اور پوتھی نس کا راز فاش کیا اور یہ خبر لایا کہ وہ دونوں سیزر کی جان لینے کی فکر میں ہیں۔ یہ اطلاع پہنچتے ہی سیزر نے ایوان جلسہ پر اپنے سپاہی متعین کر دیئے اور پوتھی نس کو مروا دیا لیکن اکی لس بچ کے نکل گیا اور اپنی فوج لے کر مقابلے کو آیا۔ اس وقت سیزر کو بڑی دقت پڑی اور ایک غیر ملک میں اپنے سے کہیں زیادہ لشکر کا مقابلہ کرنا سخت مشکل نظر آیا۔ اس لیے اور بھی کہ وہ شہر غدار بھی اکی لس کی پشتی پر تھا۔ سب سے پہلے تو پانی کی قلت اور آب رسانی کی دشواری پیش آئی کیونکہ دشمن نے نہریں توڑ کے سب پانی روک لیا۔ دوسری آفت یہ پڑی کہ جب دشمن نے اس کے بحری ذرائع رسل و رسائل قطع کر دینے چاہے تو سیزر کو سوا اس کے کچھ نہ بن پڑا کہ اپنے ہات سے اپنے جہازوں میں آگ لگا دی جن کے شعلوں نے پہلے تو بندرگاہ کو جلایا اور پھر بڑھ کے بڑے کتب خانے تک پہنچ گئے اور اُس کو بھی برباد کر دیا۔ ایک اور خطرناک حادثہ اس پر یہ گزرا کہ جب جزیرہ فاروس کے پاس

اپنے سپاہیوں کو بچانے کے لیے وہ ایک چھوٹی سی کشتی میں کودا تو مصریوں نے خود اُسے بھی آگھیرا اور ہر طرف سے ایسا دبایا کہ اُس نے ناچار ہو کے سمندر میں اپنے تئیں گرا دیا اور تیر کے بمشکل کنارے تک پہنچایا۔ یہی وہ موقع ہے جس کے متعلق سُنا ہے کہ اس وقت سیزر کے ہات میں کچھ قلمی مسودے تھے جنھیں اس نے جان پہ کھیل کے بچایا۔ یعنی اگرچہ تیرتے وقت تیروں کی اس پر بوچھار ہو رہی تھی اور وہ بار بار اپنا سر پانی میں چھپا لیتا تھا، بایں ہمہ جس ہات میں وہ قلمی نسخہ تھا اس کو وہ پانی میں اوپر ہی کیے رہتا تھا اور اسی طرح ایک ہات سے تیر تیر کر اس نے ساحل لیا۔ کیونکہ اس اثنا میں اُس کی کشتی بھی دشمنوں نے ڈبو دی تھی۔

ان آفتوں سے اس وقت نجات ملی جب کہ بادشاہ بھی اکی لس کے جتھے میں علانیہ طور پر جا ملا اور سیزر نے ان سب سے جم کر ایک مقابلہ کیا اور سخت شکست دی۔ بہت سے مصری لڑائی میں مارے گئے اور خود بادشاہ کا اس کے بعد پتہ نہ چلا کہ کہاں گیا۔ تب کلیوپیٹرا کو ملکہ مصر بنا کے وہ شام کی طرف لوٹ گیا۔ اس سے کلیوپیٹرا کے ایک بیٹا بھی ہوا جسے اہل اسکندریہ، سیزریان کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔

اب وہ صوبہ ایشیا کی طرف روانہ ہوا جہاں سُنا تھا کہ متھریڈیٹس کے بیٹے فرناکس نے ڈومی ٹس کو سخت شکست دے کے تھوڑے سے آدمیوں کے ساتھ بھگا دیا ہے اور فتحمندی کی ہوس میں آرمینیہ خورد تک بڑھا آتا ہے۔ حالانکہ بتھنیہ اور کپادوسیہ پر اس کا قبضہ جم چکا تھا تاہم وہ اس پر بھی بس کرنا نہ چاہتا تھا اور آس پاس کے حاکموں اور والیوں کے نام خط بھیج بھیج کر سرکشی کی شہ دے رہا تھا۔ اسی میں سیزر تین جیش کے یلغار کرتا ہوا آ پہنچا اور ذیلا کے مقام پر ایسی سخت ہزیمت دی کہ فرناکس کی قوت بالکل ٹوٹ گئی اور وہ دھکے کھاتا ہوا اس حصہ ملک (پونٹس) سے باہر نکل گیا۔ اسی لڑائی کا حال سیزر نے اپنے دوست امانٹیس کو روما لکھ کے بھیجا تھا

اور اپنی سرعت و مستعدی کے اظہار میں وہ یادگار فقرہ لکھا تھا کہ "میں آیا۔ میں نے دیکھا اور میں جیت گیا!"، جو زبان لاطینی میں مختصر اور متناسب الالفاظ ہونے کی وجہ سے بہت ہی بلیغ فقرہ ہے۔

اس جگہ سے سیزر نے اطالیہ کو مراجعت کی اور سال کے ختم پر روما پہنچ گیا اور دوبارہ ڈکٹیٹر (یعنی مختار سلطنت) منتخب ہوا حالانکہ پہلے کبھی یہ عہدہ مسلسل ایک سال تک قائم نہ رہا تھا۔ دوسرے سال سیزر کا پھر قنصلی پر انتخاب ہوا۔ ان دنوں میں وہ ذرا بدنام ہو گیا تھا جس کی کئی وجوہ تھیں۔ اوّل تو جب اس کے سپاہیوں نے فساد کیا اور کش کائنس اور گیلبا جیسے نامور عہدے داروں کو قتل کر دیا تو سیزر نے انہیں کوئی معقول سزا نہیں دی صرف یہ حکم دیا کہ انہیں "سپاہی" کی بجائے "شہری" کے نام سے خطاب کیا جایا کرے۔ اور تھوڑے دن کے بعد انہیں کو ہزار ہزار درہم عنایت کیے اور اطالیہ میں کچھ معافیاں دیدیں۔ دوسری بدنامی کی وجہ سیزر کے بعض دوستوں کی نالائقی تھی۔ دولہ بیلا کی زیادہ ستانیاں اماٹیس کی طماعی، انٹونی کی اوباشی اور کورفینس کی شاہانہ فضول خرچیاں (کہ پمپی کا محل محض اس بنا پر کھدوا دیا کہ وہ جیسا چاہیئے ویسا شاندار نہیں!) ایسی باتیں تھیں جن سے اہل روما بہت ناخوش تھے۔ مگر سیزر بھی مجبور تھا۔ ان کی بری عادتوں کو وہ سمجھتا اور ناپسند کرتا تھا، لیکن ان کی خدمات سے استغنا ممکن نہ تھا۔ اور انہیں جو اس کے وفادار ساتھی تھے وہ کسی طرح اپنے سے الگ نہ کر سکتا تھا۔

جنگ فرسیلیہ کے بعد کیٹو اور سیپو بچ کر افریقہ چلے آئے تھے۔ اور یہاں شاہِ جوبہ کی مدد سے فوج کی معقول تعداد فراہم کر رہے تھے۔ سیزر نے ارادہ کیا کہ انہیں زیادہ مہلت نہ دی جائے اور جلد سے جلد اس گروہ کا بھی فیصلہ کر دیا جائے۔ اترتے جاڑے وہ لشکر

سلہ لاطینی الفاظ یہ تھے: (وینی، ویڈی، ویسی) ۔م۔

تیار کر کے جزیرہ صقالیہ پہنچ گیا اور خاص ساحل پر ڈیرے ڈالے کہ سپاہی وقت پر بحری سفر کے لیے تیار رہیں۔ چنانچہ ہوا کا رُخ موافق دیکھتے ہی تین ہزار پیادہ اور کچھ سوار لے کے جہازوں میں بیٹھ گیا اور انہیں اُتار کے باقیماندہ فوج کو خفیہ طور سے خود لینے صقالیت گیا۔ اُسے سپاہیوں کی نسبت بعض اندیشے بھی تھے لیکن وہ ابھی جزیرہ مذکور تک نہ پہنچا تھا کہ فوج سمندر کے راستے میں آتی ہوئی مل گئی اور اب سارا لشکر ایک قیام پر مجتمع ہو گیا۔ یہاں آ کے اس نے سُنا کہ دشمن کو ایک قدیم پیشین گوئی پر بڑا بھروسہ ہے کہ سپیو کا خاندان سرزمین افریقہ پر ہمیشہ فتحمند ہو گا۔ اس کا سیزر نے توڑ یوں کیا کہ اس کے سپاہیوں میں سپیو سلوشو نام ایک معمولی درجے کا ذلیل سا آدمی تھا مگر تھا انہیں بھائیوں کے خاندان سے جن کے افریقی فتوحات نے ان کے ناموں پر افریقانی کا شاندار خطاب اضافہ کیا ہے۔ اس شخص کو سیزر نے ہر لڑائی میں فوج کے آگے آگے اس طرح رکھنا شروع کیا کہ جیسے کوئی سپہ سالار ہو۔ اس حرکت کی وجہ یا تو یہی پیشین گوئی تھی اور یا سپیو کی تضحیک منظور رہتی جو لشکر مخالف کا سپہ سالار تھا۔ لیکن یاد رکھنا چاہیے کہ یہاں سیزر کو کچھ کم تکلیف اُٹھانی نہ پڑی۔ رسد کی قلت اور خاص کر دانے چارے کی کمی کا یہ حال تھا کہ سمندری سرکنڈے تک گھوڑوں کو کاٹ کاٹ کے کھلوا دیئے۔ انہیں پہلے خوب دھو لیا جاتا تھا کہ سمندر کا شور کم ہو پھر گھانس مل ملا کے دیتے تھے تاکہ ان میں کچھ مزا پیدا ہو جائے۔ ادھر نومیڈیہ کے باشندے بڑی بڑی جماعتوں میں برق رفتار گھوڑوں پر سوار چکر لگاتے پھرتے تھے اور جس مقام کو سیزر چھوڑ دیتا تھا اس پر خود قبضہ کر لیتے تھے۔

ایک دن سیزر کے رسالے والے خالی پھر رہے تھے کہ ایک افریقی مطرب ان کے سامنے آ کے تماشہ دکھانے لگا اور رقص کرنے کے علاوہ اس نے بانسری ایسی اچھی بجائی کہ سب کے سب گھوڑوں پر سے اُتر پڑے اور باگ ڈوریں نوکروں کو سونپ کے خود مطرب کا ہنر دیکھنے لگے۔ اسی انہماک میں یکایک دشمن نے انہیں آگھیرا۔ اکثر کو قتل کر دیا

اور باقیوں کے تعاقب میں مارتا کاٹتا خاص خیمہ گاہ تک آپہنچا۔ اس وقت اگر سیزر بنفس نفیس اور اسی نیس ایاپلیو مدد کو نہ پہنچ جائیں اور لڑائی کو نہ سنبھال لیں تو غالباً اس مہم کا ہی خاتمہ تھا۔ اسی طرح ایک اور مقابلے میں بھی حریف کو غلبہ رہا۔ اور اس میں کہتے ہیں سیزر نے اپنے ایک علم بردار کی جو بھاگا جاتا تھا گردن پکڑ لی اور زبردستی اس کا منہ پھر اکے کہنے لگا "ادھر دیکھ، دشمن کا رُخ ادھر ہی!"

اس کامیابی نے سپیو کا حوصلہ اتنا بڑھا دیا کہ وہ ایک فیصلہ کُن جنگ پر آمادہ ہوگیا۔ اور اس غرض کے لیے اس نے افرانی اور جوبہ کو دو دستے دے کے علٰحدہ تھوڑے تھوڑے فاصلے سے متعین کیا اور خود تھاپ سوس کی سمت کوچ کرکے ایک جھیل کے اوپر مورچے قائم کیے اور اس مقام کو باقاعدہ مستحکم کرنے کا حکم دیا تاکہ آیندہ حملوں کا مرکز بھی وہی ہو اور ضرورت کے وقت جائے پناہ کا بھی اس سے کام لیا جاسکے۔ مگر سپیو ان تیاریوں میں ہی مصروف تھا کہ سیزر نے ناقابل یقین سرعت کے ساتھ اسے یکایک آلیا۔ اور ان جنگلوں میں سے گزر کر جنہیں پار کرنا غیر ممکن سمجھا جاتا تھا، دشمن پر عقب سے حملہ کیا اور ایک حصہ فوج کو بالکل تہ تیغ کرنے کے بعد دوسرے حصہ پر سامنے سے حملہ کیا۔ ان کو بھگا کے وہ امدادی فوج کی طرف پلٹا اور اپنی قسمت کی اسی مسعود ساعت میں افرانی اور جوبہ دونوں کو شکست فاش دی۔ اور اس طرح ان کو پریشان اور منتشر کردیا اور خیمہ و خرگاہ کو لوٹا کہ نومیڈیہ والوں میں پھر مقابلے کی قوت نہ رہی اور ان کا بادشاہ جان سلامت لے کے بہ مشکل بھاگا۔ اس طرح سیزر نے دن کے چند گھنٹوں میں تین خیمہ گاہ چھینے اور تین لشکروں کو شکست دے کے دشمن کے پچاس ہزار آدمی کاٹ دیئے حالانکہ خود اس کی صرف پچاس سپاہی تلف ہوئے۔

اوپر کے بیان میں جو لڑائی کا حال بعض مورخوں نے تحریر کیا ہے اس میں یہ امر مختلف فیہ ہے کہ آیا خود سیزر بھی ان مقابلوں میں موجود تھا یا نہیں؟ کیونکہ بعض کی روایت یہ ہے

کہ عین جس وقت صفوں کی ترتیب جم رہی تھی اس کے مرض قدیم نے اس پر حملہ کیا اور دورے کی علامتیں شروع ہوتے ہی، جب اس کے بدن میں لرزہ ہونے لگا، تو وہ میدان جنگ سے ہٹ گیا اور کسی قریب کے قلعے میں جا لیٹا کہ دورے کی تکلیف میں تخفیف ہو جائے۔

بہر حال اس فتح کے بعد جب مفرورین جنگ گرفتار ہو کے آئے تو ان میں جو لوگ قنصلی یا پریٹری کے معزز عہدوں پر سر بلند رہ چکے تھے، ان میں سے بعض کو تو سیزر نے مروا ڈالا اور باقی نے پیش از پیش خودکشی کر کے اُسے یہ زحمت بھی نہ ہونے دی۔

کیٹو نے اپنے ذمے یوٹیکا کی مدافعت لی تھی لہٰذا اس جنگ میں وہ موجود نہ تھا۔ اور سیزر کی بڑی تمنا اُسے زندہ گرفتار کرنے کی تھی۔ اس لیے وہ بہ کمال سرعت اس کی طرف روانہ ہوا لیکن جب رستے میں خبر ملی کہ اُس نے بھی اپنا کام تمام کر لیا تو وہ بہت بے چین ہوا۔ یہ معلوم نہیں کہ اس بے چینی کی اصل وجہ کیا تھی۔ یہ تو بے شک اس نے کہا کہ "کیٹو، جس طرح تجھے اُس عزت کا رشک ہوا جو مجھے تیری جان بخشی کرنے سے حاصل ہوتی، اسی طرح مجھے بھی تیری موت پر رشک آتا ہے!" لیکن اس کی وفات کے بعد جو کچھ سیزر نے کیٹو کی مذمت میں لکھا ہے اس سے تو مطلق ثابت نہیں ہوتا کہ وہ مرنے والے سے مصالحت یا مہربانی کرنے پر مائل تھا۔ کیونکہ جب متوفی کو وہ اس بُری طرح یاد کرتا ہے تو زندگی میں نہ معلوم اُس کے ساتھ کیا سلوک کرتا؟ پھر بھی قراین سے مترشح ہوتا ہے کہ اگر وہ سسرو، بروٹس اور اپنے دیگر مخالفین کے ساتھ اس قدر رحم و کرم سے پیش آیا کہ عجب نہیں کہ کیٹو کی بھی جان بخش دیتا اور ممکن ہے اُس نے جو کچھ بعد مرگ اس کے خلاف لکھا اُس سے کیٹو کی دشمنی مقصود نہ ہو بلکہ اپنی مدافعت منظور ہو؟ یہ واضح رہے کہ پہلے سسرو نے کیٹو پر ایک کتاب لکھی تھی اور متوفی ہی کے نام سے اسے موسوم کیا تھا۔ اتنے بڑے آدمی کی تحریر اور ایسے ہر دلعزیز شخص کی یادگار میں لازمی تھا کہ گھر گھر میں شائع ہو جائے۔ یہی وہ خیال تھا جس نے سیزر کو متاثر کیا اور وہ سمجھا کہ میرے دشمنوں کی مدح بالواسطہ خود میری مذمت ہے۔ اسی بنا پر

اُس نے کیٹو کی زندگی کا تاریک پہلو لیا اور اس کی مخالفت میں جو کچھ وہ فراہم کر سکتا تھا جمع کر کے اپنی کتاب کیٹو کی مخالفت میں شائع کی۔ دونوں کتابیں اپنے اپنے مقام پر اچھی ہیں اور جس طرح خود کیٹو اور سیزر کے مداحوں کے دو گروہ ہو گئے ہیں اسی طرح یہ کتابیں بھی اپنے اپنے علیحدہ حلقوں میں مقبول و ممدوح ہیں۔

رومہ کو مراجعت کرنے کے بعد سیزر نے اس فتح کی خوبیاں اور فائدے دکھانے کا موقعہ ہات سے نہ دیا اور لوگوں کے آگے بیان کیا میں نے جو ملک تسخیر کیا ہے وہ ہر سال غلہ کے دو لاکھ بشل خراج میں ہمیں دیا کریگا اور تیس لاکھ پونڈ تیل۔" پھر اُس نے تین جلوس فتح نکالے۔ ایک فتح مصر کی یادگار میں دوسرا پونٹس کی اور تیسرا افریقی مہم کی کامیابی پر جس میں ظاہر کیا گیا تھا کہ سپیو کی شکست پر خوشی منانی منظور نہیں بلکہ جوبہ شاہ نومیدیہ کی ہزیمت۔ چنانچہ اس کا چھوٹا بیٹا بھی جلوس میں اسیر جنگ کی حیثیت سے تھا، یہی وہ خوش نصیب قیدی ہے جسے قسمت نے اسی جیلے وحشی نومیڈیوں میں سے نکال کے رومہ پہنچایا اور آخر میں زبان یونانی کا شہرہ آفاق فاضل بنایا۔

جب یہ جلوس کی رسم بھی ادا ہو چکی تو سیزر نے اپنے سپاہیوں کو انعامات تقسیم کیے اور لوگوں کیلئے نئے نئے کھیل تماشے دکھانے کا انتظام کرایا۔ اور ایک ایسی جلیل الشان دعوت دی جس میں رومہ کا ہر فرد بشر مدعو تھا۔ اور بائیس ہزار کوچیں مہمانوں کے واسطے بچھائی گئی تھیں۔ اسی میں اس نے کشتی گیروں کا دنگل بند ھوایا اور بحری لڑائی کا تماشہ بھی مہمانوں کو دکھایا۔ اور مشہور کیا کہ یہ سب کچھ اپنی بیٹی جولیہ کی یادگار میں کیا ہے، حالانکہ اُسے مرے ہوئے مدت گزر چکی تھی۔ انہیں نمائشوں کے خاتمے پر آبادی کا شمار کیا گیا تھا جس کی تعداد پہلے تین لاکھ بیس ہزار تھی مگر اب گھٹ کر صرف ڈیڑھ لاکھ رہ گئی تھی۔ بالفاظ دیگر، اگر اس نقصان جان و مال کو جو صوبجات یا اطالیہ میں ہوا چھوڑ کے فقط رومہ کی حالت دیکھی جائے تو معلوم ہو گا کہ خانہ جنگیوں کی وجہ سے یہ شہر کیسا تباہ اور ویران ہو گیا تھا۔

سیزر اب چوتھی مرتبہ قنصل مقرر ہوا اور پمپی کے بیٹوں سے لڑنے اندلس روانہ ہوا۔ جو اگرچہ کم عمر اور تجربہ کار لڑکے تھے تاہم اُن کے زیر علم بہت بڑی فوج جمع ہوگئی تھی اور یہ بھی اُنھوں نے دکھا دیا تھا کہ دلیری اور سپہ سالاری میں وہ کسی سے کم نہ نکلینگے۔ چنانچہ سیزر کو ان محاربات میں بڑی آفتوں کا سامنا ہوا۔ آخر سب سے بڑی لڑائی منڈا کے میدانوں میں ہوئی جس میں سیزر کی صفیں اول اول دب گئیں اور اس کے سپاہیوں کے حوصلے پست ہونے لگے۔ یہ رنگ دیکھ کر سیزر چاروں طرف خود دوڑنے اور یہ کہہ کہہ کے غیرت دلانے لگا کہ "تمھیں شرم نہیں آتی کہ مجھے ان لڑکوں کے حوالے کیے دیتے ہو؟" آخر بہ مشکل اور اپنے سر و سینہ تک کا زور لگا کے اُس نے دشمن کو دھکیل دیا اور غلبہ کامل پایا۔ اس معرکے میں دشمن کے تیس ہزار اور سیزر کے ایک ہزار منتخب سپاہی کام آئے۔ میدان سے لوٹنے کے بعد اُس نے اپنے احباب سے یہ بھی کہا کہ "فتح کی خاطر میں بہت لڑائی لڑا لیکن آج پہلی مرتبہ ہے کہ مجھے خود اپنی جان کے لالے پڑ گئے تھے"۔

یہ فتح باکوس دیوتا کے تہواروں کے دن سیزر نے حاصل کی اور چار سال پہلے عین اسی روز پمپی خانہ جنگی کے لیے لشکر آراستہ کرکے چلا تھا۔ اس کا چھوٹا بیٹا اب بھی میدان سے بچ کے نکل گیا لیکن بڑے بیٹے کا سر کاٹ کے ڈیڈیس چند روز بعد سیزر کے پاس لایا (اور اس طرح اس مہم کا خاتمہ ہوگیا) اس کے بعد سیزر کو اور کوئی جنگ پیش نہ آئی۔ لیکن اسی معرکے کی یادگار میں جو جلوس فتح اس نے رومہ میں نکالا اسے لوگوں نے نہایت ناپسندگی کی نظر سے دیکھا۔ کیونکہ اس میں کسی غیر ملکی بادشاہ یا سپہ سالار سے مقابلہ نہ تھا بلکہ اُسی نامور شخص کے بیٹے تباہ و برباد کیے گئے تھے جو اپنی ساری بدنصیبیوں کے باوجود رومہ کے سب سے بڑے آدمیوں میں تھا۔ لہٰذا اس کے خاندان کی تباہی اور اولاد کے استیصال اور اپنے ہی ہم وطنوں کی بربادی پر خوشیاں منانا دینی یا دنیوی لحاظ سے کسی طرح مستحسن نہ تھا اور خود سیزر نے اس سے

پہلے جتنی فتوحات اپنے ہم وطنوں پر پائی تھیں ان کا کوئی اعلان یا اشتہار بھی نہ کیا تھا۔ اور اُن پر کسی تعریف و توصیف کا استحقاق جتانے کی بجائے وہ اُلٹا اظہار ندامت کیا کرتا تھا لہذا اس موقع پر اس کا جلوس نکالنا اور زیادہ لوگوں کی ناراضی کا سبب ہوا

بایں ہمہ اہل اطالیہ اپنی قسمت پر شاکر تھے اور اس امید میں کہ ملک کو ان خانہ جنگیوں اور مصیبتوں سے کچھ تو نجات مل جائیگی اُنھوں نے سیزر کو تازیست ڈک ٹیٹر بنا دیا۔ اس کے معنی درحقیقت شخصی سلطنت کے تھے۔ کیونکہ اب مطلق العنان ہونے کے علاوہ اس کا اقتدار کسی میعاد میں بھی محدود نہ رہا تھا۔ چنانچہ سسرو نے مجلس ملکی میں اس کے لیے جو مناصب و اعزاز تجویز کیے تھے وہ حدود اعتدال کے اندر تھے۔ مگر اس کی یہ بات پیش نہ گئی۔ اور دوسرے لوگوں نے جو سیزر کی ہوا خواہی میں مسابقت کرتے تھے اسے خطابات و اختیارات دلوانے میں وہ غلو کیا کہ جس کی وجہ سے سب اُس سے بیزار ہو گئے۔ اور کہتے ہیں کہ اس میں اس کے خوشامدیوں کے علاوہ بہت سے وہ دشمن بھی ہاں میں ہاں ملاتے تھے جن کا مقصد سیزر کو بدنام کرنا تھا، تاکہ اس کی بدنامی سے فائدہ اُٹھائیں اور لوگوں کو اپنا طرفدار بنا کے اُسے نقصان پہنچا دیں۔ کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ خانہ جنگیاں ختم ہونے کے بعد سیزر نے اپنے اطوار و افعال سے اپنے خلاف شکایت کا کوئی موقع پیدا ہونے نہ دیا تھا۔ اور بے شبہ فتح اور قابو پا کر سیزر نے ایسی نرمی اور اعتدال سے کام لیا تھا کہ لوگوں نے بجا طور پر اس کے شکریہ میں اُس کے ترحم کی یادگار میں ایک مندر تعمیر کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ واقعی اپنے مخالفین کی نہ صرف اس نے جان بخشی کی بلکہ انہیں اعزازات و مناصب سے سرفراز کیا، جن میں بروٹس اور کیسی اس خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں کہ اس کے زمانے میں پریٹری کے عہدے سے معزز ہوئے۔ اسی طرح اُس نے حکم دیا کہ پمپی کی مورتیں جو پھنکوا دی گئی تھیں دوبارہ قائم کر دی جائیں۔ اسی پر سسرو نے کہا تھا کہ پمپی کی مورتیں کھڑی کرا کے اس نے

خود اپنی مورتیں نصب کرا دیں۔ سیزر کو بعض دوستوں نے یہ بھی مشورہ دیا تھا کہ وہ اپنی حفاظت کے لیے فوجی دستہ ساتھ رکھا کرے مگر اس نے نہ سُنا اور کہا تو یہ کہا کہ ایک دفعہ مر جانا اس سے بہت بہتر ہے کہ آدمی ہمیشہ موت کے خطرے میں گرفتار رہے مراد اس سے یہ ہے کہ اس کی دانست میں بہترین اور محفوظ ترین حفاظت خود جمہور الناس کی محبت تھی جنھیں وہ طرح طرح سے خوش رکھنے کی کوشش کرتا تھا۔ چنانچہ تقسیم غلہ کے علاوہ اس نے ایک اور ضیافت بھی عوام الناس کی تکلف کے ساتھ کی۔ اور اپنے لشکریوں کی قدر دانی میں کئی نو آبادیاں خاص ان کے واسطے بنائیں جن میں قرطاجنہ اور کورنتھ کی بہت مشہور ہیں کیونکہ یہ تاریخی مقامات جو پہلے تاراج و برباد ہو گئے تھے اب دوبارہ آباد اور سرسبز ہو گئے۔ بڑے ذی وجاہت اشخاص، تو انہیں اُس نے پریٹری اور قنصلی کے عہدوں کی امیدیں دلائیں اور بعض کو دیگر مناصب و خطابات کی، اور سب کو اپنی خوش نظمی اور عادلانہ فرماں روائی کی۔ یہاں تک کہ جب مکسی مس اپنی میعاد قنصلی سے ایک دن پہلے فوت ہو گیا تو سیزر نے اس وقفے کے واسطے بھی ریبلیس کا عارضی تقرر کر دیا۔ اسی موقعے پر جب لوگ اپنے نئے قنصل کو حسب رواج مبارکباد دینے جا رہے تھے سسرو نے کہا کہ "چلو چلو ذرا عجلت کرو کہیں ہمارے پہنچنے تک اس شخص کی بدلی نہ ہو جائے!"

اس میں ذرا شبہ نہیں کہ سیزر بڑے بڑے کاموں کے واسطے خلق ہوا تھا۔ اور شہرت و نام آوری کا اتنا پیاسا تھا کہ اتنے کارہائے نمایاں کرنے کے بعد بھی اس نے اطمینان سے بیٹھنا اور اپنی پچھلی مشقتوں کے ثمر سے متمتع ہونا گوارا نہ کیا۔ بلکہ یہی کامیابیاں اس کی حوصلہ افزائی کا باعث ہوئیں اور وہ بڑے بڑے کاموں کے اس کاوش کے ساتھ منصوبے بنانے لگا کہ گویا جو کچھ اب تک اس نے کیا وہ سب بے حقیقت یا نسیاً منسیاً ہو چکا ہے۔ واقعی ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے خود اپنے سے رقابت اور رشک ہو گیا

ہی اور وہ ہر وقت اس کوشش میں ہے کہ اپنے پچھلے کاموں سے اپنے آیندہ کاموں کو بڑھادے ۔ اسی قسم کی بلند خیالیوں کو عملی جامہ پہنانے کی غرض سے اس نے پارتھیہ (توران) کو مہم لیجانے کا ارادہ کیا کہ جب وہاں کی قوموں پر تسلط ہو جائے تو ماوراءالنہر کے راستے بحیرۂ خزر کے کنارے کنارے کوہِ قاف تک آجائے ۔ پھر پونٹس سے ہوتا ہوا سیتھیہ (یعنی وسطی اور شمالی روس) میں نکلے اور یہاں سے جرمانیہ کے سرحدی ممالک اور خود جرمانیہ پر یلغار کرتا غالیہ سے اطالیہ میں داخل ہو اور اپنے ذہنی منصوبہ کو اس طرح پورا کرے کہ اسکی وسیع اور خیالی سلطنت کی حدود ہر طرف سمندر سے سمندر تک پھیل جائیں ۔

اسی زمانے میں کہ اس عظیم الشان مہم کی تیاریاں ہو رہی تھیں سیزر نے خاکنائے کورنتھ کو ایک ساحل سے دوسرے ساحل تک کھود دینے کا بھی ارادہ کیا اور انانی نس کو اس کام کی نگرانی کے لیے مقرر کیا ۔ ایک اور تجویز اُس کے ذہن میں یہ تھی کہ دریائے ٹائبر کا رخ بدل کے اُسے از رومہ تا سرسی ایک نہر کے ذریعے سمندر تک اس طرح لایا جائے کہ اس کا دہانہ ترا کینا کے قریب بن جائے تاکہ سوداگروں کو سامان تجارت کے رومہ لانے میں سہولت ہو ۔ اس کے علاوہ پومنٹیم اور سیتیا کی نواحی دلدلیں بھی خشک کرا دینی چاہتا تھا جس کا مقصود یہ تھا کہ جو زمین سیل سے محفوظ ہو جائے ، اس میں کئی ہزار کاشتکار بفراغت زراعت کر سکیں ۔ ایک اور تجویز اس کی یہ بھی لائق ذکر ہے کہ رومہ کے سب سے قریبی ساحل کو چٹانوں اور مخفی پہاڑیوں سے صاف کرا کے بڑے بڑے پشتے اور گودیاں اور لنگر گاہیں بنوانا چاہتا تھا تاکہ ایک طرف تو زمین سمندر کے حملوں اور دریائے بردی سے بچ رہے دوسری طرف جہاز رانی کی سہولتیں تجارت اور کشتیوں کی آمد و رفت کو بڑھا دیں ۔

مگر یہ ساری تدبیریں خیال ہی خیال میں رہیں ، البتہ جنتری کی اصلاح اور بے قاعدگیاں دور کرنے کا جو ارادہ اس نے کیا تھا ، اُس کو بہ کمال قابلیت عملی جامہ پہنا دیا اور رومی جنتری کو

ایسی صحت کے ساتھ تیار کرایا کہ وہ نہایت مفید ثابت ہوئی۔ دراصل یہ نقص کچھ قدیم زمانے ہی کی خصوصیت نہ تھا کہ رومیوں کے مہینے دور شمسی کے خلاف پڑتے تھے اور ان کے مذہبی تیر تہوار کے ایام میں اتنا اختلاف ہو جایا کرتا تھا کہ وہ بالکل غیر اور دوسرے موسم میں واقع ہونے لگتے تھے۔ بلکہ ابتک بھی لوگوں کو کسی صحیح حساب کا علم نہ تھا۔ پجاریوں یا مذہبی علماء پر اس کا دارومدار تھا اور یہ لوگ جب جی چاہتا تھا لوندہ کا مہینہ بیچ میں لگا دیا کرتے تھے جس کا نام ان کی زبان میں مرسی ڈونیس ہے۔ اس کی ایجاد کا سہرا نیوما کے سر ہے مگر جیسا کہ ہم اسکی سوانح عمری میں لکھ چکے ہیں یہ تدبیر تمام غلطیوں اور ان تغیرات کی اصلاح نہ کر سکتی تھی جو سال ہائے شمسی میں پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ نظر برایں سیزر نے اپنے عہد کے چیدہ حکما اور اہل ریاضی کو بلوایا اور اس کے متعلق مشورہ طلب کیا۔ پھر جتنی تجویزیں اور حسابات اسکے روبرو پیش ہوئے ان میں سے بہترین اور سب سے صحیح طریقہ اختیار کر لیا جسے ابتک رومی استعمال کرتے ہیں اور بہ احوال ظاہر دنیا کی کوئی قوم اُن غلطیوں سے جو دور شمسی کے ردّ و بدل سے پیدا ہوتی ہیں، رومیوں کے برابر محفوظ نہیں۔ لیکن اس اصلاح کو بھی مخالفوں نے نگاہ پسندیدگی نہ دیکھا اور اسے بھی سیزر کی مطلق العنانی اور تحکّم کی مثال سمجھا۔ چنانچہ حکیم سسرو سے کسی دوست نے دریافت کیا کہ "میرا دیوی توکل صبح اُٹھیگی نا؟" اس نے جواب دیا "ہاں اسے فرمان کے بموجب کل ہی اٹھنا چاہیے!" گویا یہ بھی ایک جبر اور زبردستی تھی۔

مگر سیزر کے خلاف علانیہ اور سب سے مہلک نفرت جس چیز نے پیدا کی وہ اس کی بادشاہ ہونے کی خواہش تھی۔ اس نے عوام الناس کو اس سے ناراض کیا اور اسی کو ان دشمنوں نے کینہ نکالنے کا سب سے اچھا حیلہ بنایا جو کہ اول سے اسکی بیخکنی کی فکر میں تھے اُدھر اس کے ہوا خواہوں نے سبیل (کاہنہ) کی کتابوں کا حوالہ دے کے ایک پیشنگوئی نکالی جس کی رو سے ملک توران کی فتح رومیوں کے نصیب میں تھی مگر اسی وقت جبکہ وہ

کسی بادشاہ کے زیرِ فرماں چڑھائی کریں غرض انہیں دنوں جب ایک مرتبہ سیزر البہ سے رومہ واپس آرہا تھا بعض اتنے بڑھے کہ اُسے بادشاہ کے نام سے خطاب کر کے آداب بجالائے۔ مگر سیزر نے یہ دیکھ کے کہ لوگ اس نام کو ناپسند کرتے ہیں خود بھی اسے روا رکھنا نہ چاہا اور کہنے لگا کہ "میرا نام تو بادشاہ نہیں سیزر ہے!" اس قول پر ہر طرف خاموشی چھا گئی اور وہ لوگوں کو دیکھتا ہوا چپ چپ بلکہ ناخوش گزرا چلا گیا۔

دوبارہ پھر ایک واقعہ یہ ہوا کہ مجلس سنے اُسے بعض نئے اور مبالغہ آمیز القاب دیئے تھے اور اس وقت سیزر کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ جبکہ حسب قاعدہ یہ القاب اُسے سُنائے گئے۔ تو حالانکہ تمام پریٹر، قنصل اور اہل مجلس اس کے گرد کھڑے تھے تاہم وہ اپنی جگہ پر بیٹھا رہا اور کہنے لگا میرے خطابات اس قدر بڑھ گئے ہیں کہ اب ان میں کمی کرنے کی ضرورت ہے نہ کہ اضافے کی! لیکن اس کی یہ حرکت نہ صرف ارکان مجلس کو بلکہ جمہور کو بھی سخت گراں گزری اور وہ مجلس کی توہین کو اپنی ساری حکومت جمہوری کی اہانت سمجھے اور جو لوگ کسی معقول عذر سے جاسکتے تھے وہ اسی وقت غم و غصہ کھاتے ہوئے وہاں سے چلے گئے ادھر سیزر بھی اپنی لغزش کو تاڑ گیا اور سیدھا اُٹھکر گھر چلا آیا اور اپنا گلا کھول کے ساتھ والوں سے کہنے لگا "یہ گلا حاضر ہے جس دوست کا جی چاہے ایک ہی وار میں اس کو تن سے جدا کر دے!" لیکن کچھ عرصے کے بعد اس نے اپنی بیماری کو کھڑے نہ ہونے کا عذر بنایا اور لوگوں سے بیان کیا کہ اس مرض کے مریض کھڑے کھڑے دیر تک باتیں کرتے رہیں تو ان کو ایسا اختلاج ہونے لگتا ہے کہ چکرا کے گر پڑتے ہیں، تشنج شروع ہو جاتا ہے اور ان کے ہوش و حواس سلامت نہیں رہتے۔ لیکن یہ جو کچھ اس نے کہا اصلیت کے خلاف ہے اس لیے کہ وہ بخوشی ارکان مجلس کی تعظیم کو اُٹھتا تھا کہ اس کے ایک دوست بلکہ خوشامدی کورنیلیس بال بس نے اسے یہ کہہ کے روک دیا کہ "کیا تم اس بات کو بھولے جاتے ہو کہ تم سیزر ہو اور جو کچھ عزت و تکریم کی جائے اس کے مستحق ہو؟"

لوگوں کی ناراضی کو سیزر کی ایک حرکت نے اور بھی بڑھا دیا جس سے ٹریبونوں کی اہانت نکلتی تھی۔ واقعہ یہ ہے کہ لُپر کالیہ نام تہوار کا زمانہ تھا۔ جسے بعض مصنف گڈریوں کا تہوار بتاتے ہیں۔ اس میں رسم ہے کہ نوجوان امیرزادے اور عمال شہر نیم برہنہ ہو کے بازاروں میں بھاگتے ہیں اور ہنسی سے چمڑے کی پٹیوں (دُرّوں) سے جو کوئی رستے میں ملے اُسے مارتے جاتے ہیں۔ اور بہت سی عورتیں بڑے سے بڑے مرتبے والیاں تک، ان کے راستے میں آ کے کھڑی ہو جاتی ہیں اور دُرّہ کھانے کے لیے اپنا ہات اس طرح بڑھا دیتی ہیں جس طرح مدرسے میں بچے پٹتے وقت۔ سبب اس کا یہ اعتقاد ہے کہ جو کوئی حاملہ دُرّے کی چوٹ کھائے گی، اس پر وضع حمل آساں ہو جائیگا اور اگر بانجھ ہوگی اس کا مرض جاتا رہے گا۔ اسی موقع پر سیزر فاتحانہ ملبوس پہن کے آیا۔ چبوترے پر سونے کی کرسی رکھی گئی اور اس پہ بیٹھکر وہ اس رسم کو دیکھنے لگا۔ انٹونی اس سال قنصل تھا اور وہ جب اس مذہبی دوڑمیں دوڑنے کے لئے آیا تو پہلے لوگوں کو ہٹاتا ہوا سیزر کے پاس پہنچا۔ اور ایک مرصع تاج اس کو نذر دیا۔ اس پر لوگوں میں نعرۂ آفریں اُٹھا لیکن یہ جماعت محدود تھی اور اسی غرض سے اُس کے گرد کھڑی کرادی گئی تھی۔ برخلاف اس کے جب سیزر نے تاج کو قبول نہ کیا تو عوام و خواص نے مل کے نعرۂ احسنت و مرحبا بلند کیا۔ اور دوسری مرتبہ جب یہی پیشکش کیا گیا تو اور بھی کم آدمیوں نے داد دی حالانکہ اس کے پھر انکار کر دینے پر آواز زیادہ جوش و خروش کے ساتھ گونجی۔ یہ رنگ دیکھکر سیزر سمجھ گیا کہ معاملہ روبرو آ۔۔ نہ ہوگا۔ لہٰذا جانے کے واسطے اُٹھ کھڑا ہوا اور حکم دیا کہ تاج کو قلعہ معلیٰ میں محفوظ کر دیا جائے۔ بعد ازاں سیزر کی مورتیں اس حال میں پائی گئیں کہ اُن پر اسی قسم کے تاج رکھے ہوئے تھے۔ اُن کو فلیویس اور میرولس نے بلا تاخیر خود جا کے پھنکوا دیا۔ اور اُن لوگوں کو قید میں ڈالوا دیا جنھوں نے سیزر کو بادشاہ کے لقب سے سلام کیا تھا۔ ان کی اس جسارت پر عوام الناس نے بڑی خوشی کا اظہار

کیا اور ان کے ساتھ ساتھ تعریفیں کرتے پھرے۔ اور ان کو بروٹس، بروٹس کہہ کے پکارنے لگے۔ کیونکہ دورِ قدیم میں بروٹس ہی پہلا شخص گزرا ہے جس نے موروثی سلطنت کا سلسلہ توڑا اور حکومت کو شخصِ واحد سے چھین کر اہلِ مجلس اور لوگوں کے ہات میں دیا اس واقعے نے سیزر کو ایسا برانگیختہ کیا کہ اس نے فلیوس اور میرولس دونوں کو معزول کر دیا اور ان کا مقدمہ سماعت کرتے وقت لوگوں کی تضحیک کی یعنی دونوں ٹریبونوں کو بروٹی اور کومی کہہ کہہ کے ذلیل کرتا رہا۔ ان سب باتوں نے عوام الناس کے گروہ کو بروٹس کی طرف مائل کر دیا جو اپنے باپ کی طرف سے پہلے بروٹس کی اولاد میں سمجھا جاتا تھا اور ماں کی طرف سے بھی ایک اور عالی نسب خاندان سرویلی کی آل میں تھا۔ علاوہ ازیں کیٹو کا بھی داماد اور بھتیجا ہوتا تھا۔ مگر اس عہد میں جو عزت اس کی ہوئی تھی اور جس جس طرح اُس کو نوازا گیا تھا اُس کے لحاظ سے یہ امید نہ تھی کہ وہ بطورِ خود نئی حکومت کے استیصال پر کمربستہ ہو جائے اس لیے اور بھی کہ جنگ فرسیلیہ میں جان بخشی کے علاوہ سیزر اس پر خاص عنایت اور بھروسہ رکھتا تھا۔ چنانچہ اس وقت بھی وہ پریٹر کے عہدے پر سربلند تھا۔ اور توقع تھی کہ چار سال بعد اپنے ہمچشم کے سیس سے پہلے قنصل ہو جائے گا۔ یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ جب اُن دونوں میں کسی ایک کو منتخب کرنے کا سوال پیدا ہوا تو سیزر نے کہا کہ حقوق تو کے سیس کے زیادہ ہیں لیکن ہم اسے بروٹس سے آگے نہیں بڑھا سکتے۔ لوگوں نے اُس سے بروٹس کی شکائتیں بھی کیں (اور اُس وقت حقیقت میں اس کی جان لینے کی سازش شروع ہو گئی تھی) مگر سیزر نے کچھ سماعت نہ کی بلکہ اپنے جسم پر ہات رکھ کے کہنے لگا کہ "بروٹس میری کھال کے سلامت رہنے تک انتظار کریگا!" جس سے مراد یہ تھی کہ اگرچہ بروٹس حکومت کرنے کی قابلیت رکھتا ہے لیکن وہ اتنا فرومایہ اور محسن کش نہیں ہے کہ میرے جیتے جی اس کی کوشش کرے۔ اور واقعی سیزر کے دشمن اور وہ انقلاب کے حامی بھی جو اپنی ساری امیدوں کا انحصار بروٹس پر رکھتے تھے یہ جرأت نہ کر سکے کہ علانیہ یا

زبانی جا کے بروٹس کو سیزر کے خلاف اُبھاریں۔ پس وہ رات کے وقت اُسکی سرکاری کرسی میں جس پر بیٹھکر وہ عدالت کیا کرتا تھا، کاغذ کے پرچے لکھ لکھ کے ڈال دیتے تھے جن میں اس قسم کے فقرے لکھے ہوتے کہ "بروٹس تم سوتے ہو!" یا "بروٹس تم بدل گئے اور پہلے سے بروٹس نہیں رہے!" وغیرہ وغیرہ۔ ان پرچوں نے اور جو کچھ نہیں تو اتنا اثر ضرور کیا کہ بروٹس اپنے تئیں زیادہ بڑا آدمی سمجھنے لگا۔ کیسیس اسی موقع کی تاک میں تھا۔ اُسے سیزر سے ذاتی پرخاش تھی۔ اس کاوش کے اسباب بھی ہم نے بروٹس کی سوانح عمری میں مفصل لکھے ہیں۔ بہرحال ایسی شخص نے اس کو اور اُبھارنا شروع کیا۔ یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اُس سے سیزر بھی بے خوف اور مطمئن نہ تھا بلکہ شبہ رکھتا تھا اور ایک مرتبہ اپنے احباب سے کہہ چکا تھا کہ "بھلا تمھاری دانست میں کیسیس کس فکر میں رہتا ہے۔ آخر اس کا مطمح نظر کیا ہے؟ مجھے تو اس کی ترکیب اور زرد و زرد رہنا اچھا نہیں معلوم ہوتا!" علیٰ ہذا جب لوگوں نے اس کو خبر دی کہ انٹونی اور ڈولابیلہ اس کے خلاف منصوبے باندھ رہے ہیں تو سیزر نے جواب دیا مجھے عیش پسند اور موٹے تازے آدمیوں سے اتنا خوف و اندیشہ نہیں جتنا کہ زرد اور دُبلے پتلے آدمیوں سے ہے" اس سے بھی اس کا مطلب کیسیس اور بروٹس سے تھا۔

مگر یہ احوال ظاہر اجل اتنی اچانک نہیں جتنی کہ اٹل ہے۔ چنانچہ اس واقعے سے (یعنی سیزر کے قتل سے) تھوڑی ہی مدت پیشتر عجیب غریب حوادث اور خوارق ظہور میں آئے تھے۔ ان میں آسمان پر روشنیوں کا ہونا، رات کے وقت شور و غل کی آوازوں کا آنا، یا جنگلی پرندوں کا خاص چوک میں اُڈا بنانا، غالباً اس لائق نہیں کہ اتنے بڑے وقوعے میں ان کا کوئی لحاظ کیا جائے۔ لیکن سٹریبو فلسفی بیان کرتا ہے کہ ایک گروہ آدمیوں کا نظر آیا جو معلوم ہوتا تھا کہ ابھی آگ میں سے نکل کے آئے ہیں

اور آپس میں مصروف جنگ ہیں۔ نیز ایک سپاہی کے نوکر کو دیکھا کہ اس کے ہات میں سے آگ کے شعلے نکلے جس سے لوگ سمجھے کہ ہات جل گیا ہوگا لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ چرکا بھی نہ لگا تھا۔ جب سیزر قربانی کر رہا تھا تو دیکھنے پر معلوم ہوا کہ مذبوح کے سینے میں سے دل غائب ہی جو یقیناً نہایت بدشگونی کی بات ہی کہ بغیر قلب کے کوئی جانور زندہ نہیں رہ سکتا۔

بہت سے اشخاص یہ روایت بھی کرتے ہیں کہ ایک نجومی نے اس کو پہلے سے ہشیار کر دیا تھا کہ مارچ کی چودھویں تاریخ کو اس پر کوئی حادثہ پیش آئیگا۔ چنانچہ جب وہ تاریخ آئی اور سیزر ایوان مجلس کی طرف چلا تو راستے میں وہی نجومی ملا اور سیزر از رہ تمسخر اس سے کہنے لگا کہ "مارچ کی چودھویں تو آگئی ؟"، نجومی نے بکمال متانت جواب دیا "ہاں آ تو گئی مگر ابھی گئی نہیں ہی !"، اسی طرح قتل سے ایک دن پہلے کا یہ واقعہ ہی کہ وہ مارکس لیپدس کے ہاں مدعو تھا اور وہیں میز پر اپنی عادت کے موافق جھکا ہوا خطوط پر دستخط کر رہا تھا کہ اس کے احباب میں سے کسی نے سوال اٹھایا کہ "سب سے اچھی موت کونسی ہی ؟ اس پر قبل اس کے کہ کوئی اور بولے سیزر بول اُٹھا کہ سب سے اچھی موت وہ جو اچانک آئے !"

اسی رات وہ اور اس کی بیوی یکجا سو رہے تھے کہ دفعتاً گھر کے سارے دروازے اور کھڑکیاں کھل گئے۔ اس آواز سے اور دفعتہً اندر روشنی ہو جانے سے وہ چونک پڑا اور بچھونے پر اُٹھ کے بیٹھ گیا۔ کلفرنیہ کو اس نے چاندنی میں دیکھا کہ بے خبر سو رہی ہی مگر اس غافل نیند میں بھی کراہتی جاتی ہی اور بے معنی الفاظ بڑبڑا رہی ہی۔ دراصل وہ خواب میں سیزر پر رو رہی تھی اور اسی عالم میں اسے ایسا معلوم ہوا تھا کہ گویا وہ ذبح کیا ہوا اس کے ہاتوں پر پڑا ہی ! دوسری روایت یہ ہی کہ اس کے گریہ و بکا کی وجہ یہ تھی کہ اس نے خواب میں اُس منارے کو لڑکھڑا کے گرتے دیکھا تھا جو بقول لوی اہل مجلس نے سیزر کے گھر کے آگے تعمیر کرایا تھا کہ زیب و زینت کے علاوہ اس کے علو شان کی دلیل ہو۔ غرض جب دن ہوا تو وہ شوہر کے آگے گڑگڑانے لگی کہ جس طرح ممکن ہو آج مجلس کا جانا ملتوی کر دے اور

اپنے گھر سے باہر نہ جائے۔ اور کہنے لگی کہ خواب کا اعتبار نہیں کرتے تو اجازت دو کہ نجومیوں سے سلامتی کی فال نکلوائی جائے۔ کلفرنیہ کو اس وجہ سے دہشت زدہ دیکھ کے سیزر بھی متاثر ہوا۔ کیونکہ اس سے پہلے اس کی بیوی نے کبھی کسی قسم کی وہم پرستی ظاہر کی تھی۔ نیز وہ خود کسی قدر ڈرا ہوا تھا۔ اور اپنے پروہتوں کی اس اطلاع پر کہ کئی قربانیاں کرنے سے آج کا دن نامبارک ہی نظر آیا، اس کا شبہ اور قوی ہو گیا۔ اور اس نے انٹونی کو بھیج کر انعقاد مجلس ملتوی کر دینے کا فیصلہ کر لیا۔

اسی اثنا میں ڈیسی مس بروٹس معروف بہ البینس بھی وہاں آپہنچا۔ اس شخص پر سیزر کو اتنا بھروسہ تھا کہ اس کو اپنا بیٹا (یا اکٹیویس کے بعد اپنا دوسرا وارث) بنایا تھا لیکن پھر بھی یہ شخص کیسیس اور اپنے ہمنام بروٹس کی سازش میں شریک تھا۔ اس وقت سیزر کا رکنا دیکھ کے ڈرا کہ مبادا کل تک سازش کا حال کھل جائے اور سارے منصوبے خاک میں مل جائیں۔ پس بناوٹ کی راہ سے ہنسا اور کاہنوں کا تمسخر کرنے لگا۔ اور معترض ہوا کہ اس وقت نہ جانا ارکان مجلس کو اس شکایت کا موقع دیگا کہ سیزر ہماری سبکی کرتا ہے۔ خاص کر آج کے دن جلسے کی التوا اور بھی ناموزوں ہے کیونکہ سیزر ہی کے بلانے پر سب جمع ہوئے ہیں اور اس بات پر آمادہ ہیں کہ بیرون اطالیہ تمام سلطنت میں اُس کی بادشاہی کا اعلان منظور کیا جائے اور اسے یہ اجازت ہو کہ سوائے اطالیہ کے بحر و بر میں ہر جگہ تاج شاہی پہن سکے! اب اگر آدمی ان کے پاس بھیجا کہ بالفعل اپنے اپنے گھروں کو لوٹ جائیں اور جب کلفرنیہ کو کوئی اچھا خواب دکھائی دے تو پھر جمع ہوں —— تو دشمن کیا کہیں گے؟ اور اس کے دوستوں کو یہ ثابت کرنے میں کیسی مشکل پیش آئے گی کہ سیزر کی حکومت شخصی نہیں ہے؟ اور اگر حقیقت میں اسے یقین ہے کہ آج کا دن منحوس ہے تو زیادہ مناسب و شایاں یہ ہے کہ بہ نفس نفیس ایوان مجلس میں جا کے جلسے کو ملتوی کر دے۔"

اس تقریر کے بعد بروٹس (ال بنیس) نے خود ہی سیزر کا ہات پکڑا اور اپنے ساتھ باہر لے چلا۔ اس کی سواری ابھی زیادہ دور نہ گئی ہوگی کہ ایک اور شخص کا نوکر اس کے قریب جانے لگا مگر انبوہ کی وجہ سے اس تک نہ پہنچ سکا بلکہ اس کے مکان میں کلفرنیہ کے پاس آ گیا کہ مجھے سیزر کی واپسی تک اپنے پاس چھپائے رکھو۔ اُس سے بہت ضروری باتیں کہنی ہیں۔

روما میں ارٹمی دورس نام ایک شخص نڈیہ کا رہنے والا یونانی منطق کی تعلیم دیا کرتا تھا اور اسی معلمی کی وجہ سے بروٹس اور اس کے ساتھیوں سے اُسے اتنی واقفیت تھی کہ وہ ان کی سازش کو پا گیا اور ایک چھوٹی سی یادداشت سیزر کے لیے مرتب کر کے لایا جس میں نام بہ نام اس نے لکھا تھا کہ فلاں فلاں اشخاص کے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہیئے۔ سیزر کے مجلس آتے وقت اس نے یہ بھی دیکھا کہ جو کوئی کاغذ اُسے دیا جاتا ہے وہ اپنے نوکروں کے حوالے کر دیتا ہے۔ پس ارٹمی نے جس قدر ممکن ہوا قریب پہنچ کر اپنی یادداشت پیش کی اور کہا "سیزر، اس کو اسی وقت صرف تم پڑھ لو کیونکہ اس میں نہایت ضروری باتیں تحریر ہیں جن کا تمھاری ذات سے قوی تعلق ہے!" سیزر نے کاغذ لے لیا اور کئی بار پڑھنا چاہا لیکن عرضی گزاروں کا مجمع اتنا تھا اور آدمی پر آدمی اس سے کچھ کہنے سننے کو اس طرح ٹوٹے پڑتے تھے کہ وہ اس کو نہ پڑھ سکا۔ اور ہات ہی میں لیے لیے ایوان مجلس تک آ پہنچا۔ بعض لوگوں کا بیان ہے کہ یہ پرچہ کسی اور شخص نے سیزر کو دیا تھا کیونکہ ارٹمی ڈورس باوجود کوشش کے بھیڑ ہٹا کے اس تک نہ پہنچ سکا"

یہ سارے واقعات کہا جا سکتا ہے کہ محض اتفاقی تھے۔ لیکن وہ مقام جہاں اس کے مقدر میں مقتول ہونا لکھا تھا اور جہاں اس دن مجلس کا اجلاس منعقد ہوا، خاص وہ ایوان تھا جس میں پمپی کا بت نصب ہے اور جس کو پمپی نے تعمیر کر کے لوگوں کے لیے وقف کر دیا تھا۔ اب اس خاص جگہ سیزر کا قتل ہونا اس بات کا بیّن ثبوت ہے کہ کوئی

مافوق الفطرت قوت ہی مصروف کار تھی اور مقتول اور قاتلوں کو گویا گھیر گھیر کے یہاں لا رہی تھی۔ وقوعے سے تھوڑے ہی دیر پہلے کہتے ہیں کہ کے سیس نے پمپی کے بُت کی طرف دیکھ دیکھ کے دل ہی دل میں اُس سے مدد چاہی، حالانکہ کے سیس کا عقیدۂ فلسفۂ لذاتی کی طرف میلان تھا۔ مگر اس خطرناک موقع کے بالکل قریب آ جانے نے اس کی تمام دلیل و منطق بھلا دی اور کم سے کم ان چند لمحوں کے لیے اس میں ایک ضعیف الاعتقاد شخص کا سا اضطراب پیدا ہو گیا، اُدھر انٹونی کو جو سیزر کا سچا دوست اور یوں بھی نہایت مضبوط آدمی تھا، ال بنیس نے ایوان مجلس کے باہر روک لیا اور قصداً اس قسم کی باتیں چھیڑ دیں کہ دیر تک ختم نہ ہوں۔ سیزر کے داخل ہوتے ہی ارکان مجلس از رہ تعظیم سروقد کھڑے ہوگئے اور بروٹس کے ساتھیوں میں سے کچھ تو اس کی نشست پر آ کھڑے ہوئے اور کچھ ٹل لیس سمبر کی تائید کرنے کے بہانے اس کی طرف بڑھ آئے۔ سمبر کا بھائی جلا وطن کر دیا گیا تھا اور اس وقت وہ اسی کے (معافی کے) واسطے عرضی پیش کر رہا تھا۔ سازشیوں نے بھی اسی کے ساتھ اپنی اپنی درخواستیں پیش کیں اور اپنے بیچ میں سیزر کو لیے لیے اس کی نشست تک چلے آئے۔ اس نے اپنی جگہ پر بیٹھتے ہی ان کی درخواست قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا اور عرضی گزاروں نے زیادہ اصرار کیا تو سیزر نے اُن کی سخت تنبیہ کی۔ اس وقت ٹل لیس سمبر نے اس کا جبہ دونوں ہاتوں سے پکڑ کے اس زور سے کھینچا کہ گردن پر سے کھنچا جو حملہ شروع کرنے کا اشارہ تھا۔ سب سے پہلا وار کیس کا نے گُدّی پر کیا۔ مگر وہ نہ تو مہلک تھا نہ خطرناک کیونکہ وہ شخص جس نے اتنے بڑے کام میں پہل کی یقیناً دل میں کانپ رہا ہوگا۔ ضرب کھاتے ہی سیزر پلٹا اور اپنے ہات سے کیس کا کا خنجر مضبوط پکڑ لیا۔ اسی کے ساتھ دونوں چلّائے۔ مضروب زبان لاطینی میں کہ: "رذیل کیسکا، یہ کیا حرکت ہے؟؟" اور ضارب اپنے بھائی کو یونانی میں کہ "بھائی، مدد!" اس پہلے حملہ پر اور حاضرین جو سازش سے بے خبر تھے ششدر

رہ گئے۔ اور اس منظر نے اُن کو ایسا مبہوت اور ہیبت زدہ کردیا کہ سیزر کی مدد کرنا یا بھاگنا تو درکنار مُنہ سے بات تک نہ کر سکے۔ لیکن جو لوگ قتل کے لیے تیار ہو کر آئے تھے وہ ہر طرف سے برہنہ خنجر لیے بڑھے اور اپنے بیچ میں اس کو گھیر لیا جس رُخ وہ پلٹتا تھا، ضرب پڑتی تھی اور ان کی تلواریں آنکھوں اور مُنہ کی طرف چھپیاتی ہوئی نظر آتی تھیں اور وہ ہر سمت سے اس طرح محصور ہو گیا تھا جیسے کوئی وحشی حیوان جال میں۔ قاتل طے کر کے آئے تھے کہ ہر شخص اس پر ایک ایک وار ضرور لگائے اور ہر ایک کا ہتھیار اس کے خون سے رنگین ہو۔ چنانچہ بروٹس نے بھی اُس کی پسلی پر ایک ہات مارا۔ اور بعضوں کا قول ہے کہ اور سب سے تو وہ برابر لڑتا رہا۔ ان کے واروں سے بچتا بھی جاتا تھا اور مدد کے لیے لوگوں کو بھی بلا رہا تھا لیکن جب اس نے بروٹس کی تلوار کھنچی ہوئی دیکھی تو اپنا منہ چُغے کے دامن سے چھپا لیا اور تن بہ تقدیر وار کھاتا رہا یہاں تک کہ پمپی کے قریب گر کے مر گیا یہ معلوم نہیں کہ وہ خود ہی ہٹتا ہوا اس بت کے قدموں تک جو اس کے خون سے تر ہو گیا تھا، آیا، یا اس کے قاتلوں نے اُسے وہاں تک دھکیلا۔ بہر حال ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا اس ہیبت ناک منظر کا صدر نشیں یہی بُت ہے جو اپنے پرانے حریف کو اپنے قدموں میں دم توڑتا اور زخم پہ زخم کھاتا دیکھ رہا ہے۔ کیونکہ زخموں کی نسبت کہتے ہیں کہ دکم سے کم تیئیس لگے تھے۔ اُدھر اکثر اہل سازش بھی ایک دوسرے کی تلواروں سے زخمی ہوئے تھے، اس لیے کہ تنِ واحد پر جو اتنے سارے ہات ایک ساتھ پڑ رہے تھے تو اس ہل چل میں نشانہ کا خطا کر کے دوسرے کے لگ جانا بالکل قدرتی بات ہے۔

جب سیزر ہلاک ہو چکا تو جو کچھ اُنھوں نے کیا تھا اس کی وجوہ بروٹس بیان کرنے کھڑا ہوا۔ لیکن اہل مجلس نے اس کی ایک بات نہ سُنی بلکہ بے تحاشہ جدھر رستہ ملا نکل نکل کے بھاگے اور شہر میں وہ خوف و اضطراب پھیلایا کہ کھلبلی پڑ گئی۔ دکاندار دکانیں اور خوانچہ والے اپنا خوانچہ چھوڑ چھوڑ کے فرار ہونے لگے۔ لوگوں نے مکانوں کی کنڈیاں جڑ دیں

کچھ اِدھر اُدھر گھبرائے گھبرائے پھرنے لگے بعض یہ نظارہ دیکھنے ایوان مجلس کی طرف دوڑے بعض وہاں سے دیکھ دیکھ کے دہشت زدہ واپس پھرے۔ سیزر کے سب سے وفادار دوست انٹونی اور لے پی ڈس چپکے سے نکل گئے اور بعض دوستوں کے گھروں میں جا چھپے۔ اُدھر بروٹس اور اُس کے ساتھی، تازہ خون میں ہات آلودہ کیے ایوان مجلس سے باہر آئے اور سب ساتھ مل کے اپنی تلواریں برہنہ کیے قلعے تک اس طرح گئے جیسے اُنھوں نے جو کچھ کیا اُسے چھپانے اور خود روپوش ہونے کی بجائے عالم آشکارا کرنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ راستے میں بہ کمال اطمینان دوبارہ لطف آزادی اُٹھانے کی یہ آواز ہائے بلند صلا دیتے جاتے تھے اور کوئی ذی امتیاز شخص راہ میں ملتا تھا تو اُسے بھی اپنے میں شریک ہونے کے لیے بلاتے تھے۔ چنانچہ اُن کے جلوس میں ساتھ بھی ہوئے گویا وہ بھی سازش میں حصہ دار تھے اور جو کچھ اہل سازش نے کیا اس میں ان کو بھی شرکت کا فخر حاصل تھا۔ کائی اس اکٹیویس اور لنٹولس سپنہتر اسی قسم کے لوگوں میں ہیں جنھیں اپنی شیخی کی سزا بعد میں بھگتنی پڑی۔ کیونکہ نوجوان سیزر (اکسس اکٹیولیس) اور انٹونی کے برسر اقتدار آتے ہی ان کے عزت و مناصب چھن گئے۔ اور آخر جان بھی محض اسی شیخی کے جرم میں گئی۔ ورنہ سب کو یقین تھا کہ قتل میں ان کا کوئی حصہ نہیں۔ نہ ان کے سزا دینے والوں نے انھیں بطور انتقام کے مارا بلکہ صرف سیزر سے اپنی نفرت ظاہر کرنے کے الزام میں!

دوسرے روز بروٹس اپنے ساتھیوں سمیت قلعے سے نیچے اترا اور لوگوں کے سامنے ایک تقریر کی، جسے سن کے نہ تو اُنھوں نے کوئی غصہ ظاہر کیا اور نہ کوئی خوشی۔ بلکہ اپنی خموشی سے اس بات کا ثبوت دیا کہ سیزر کے قتل پر انھیں رنج بھی ہے اور بروٹس کا وہ لحاظ اور ادب بھی کرتے ہیں۔ مجلس ملکی میں بھی اس قسم کے نئے ضوابط منظور ہوئے کہ جن میں جو کچھ ہو چکا اس کو فراموش کر دینے کا اشارہ نکلتا تھا اور یہ کوشش بھی تھی کہ

اب ہر فریق میں مصالحت ہونی چاہیے۔ چنانچہ فرمان جاری ہوا کہ سیزر کی آیندہ سے اوتار بنا کے پرستش کی جائے نیزان کے عہد حکومت کے ادنیٰ سے ادنیٰ قانون یا قاعدہ میں بھی ردّ و بدل نہ ہو۔ اسی کے ساتھ اُنھوں نے بروٹس اور اس کی جماعت کو صوبوں کی حکومتیں دیں اور دیگر بڑے بڑے عہدوں پر بھی معزز کیا۔ اس طرح سب لوگ یہ سمجھنے لگے کہ اب گزشتہ واقعے کا اثر دلوں سے مٹ گیا۔ ہر شے کا قابل اطمینان طور پر تصفیہ ہوا۔ اور تمام جھگڑے نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ طے ہو گئے۔

لیکن جس وقت کہ سیزر کا وصیت نامہ کھولا گیا اور اس میں ہر رومی شہری کے نام معقول ترکہ لکھا ہوا ملا، اور جب اس کی زخموں سے فگار لاش بازار میں گاڑی پر نکلی تو اس وقت لوگ قابو میں نہ رہ سکے۔ ساری امن پسندی اور قانون کو اُنھوں نے بالائے طاق رکھا اور جوش از خود رفتگی میں کرسیاں میزیں شہتیر جو ملا جمع کر کے آگ لگا دی اور اُس کے اوپر سیزر کی ارتھی کو رکھ کے اُنھیں شعلوں سے مشعلیں روشن کیں اور سازشیوں کے گھروں کی طرف دوڑ پڑے کہ آگ لگا کے خاکستر کر دیں۔ بعض مشعل بدست بازاروں میں دوڑنے لگے کہ قاتلوں میں سے جو کوئی ہات لگ جائے اسے پکڑ کے تکے بوٹیاں کر دیں لیکن ان سب نے پہلے سے اپنا بندوبست کر رکھا تھا اس لیے ایک شخص بھی غضب ناک مخلوق کے ہات نہ آیا۔

اسی رات سیزر کے ایک دوست سنّا نامی نے ایک عجیب خواب میں سیزر کو دیکھا تھا کہ اُسے اپنے ہمراہ کھانے پر بلا رہا ہے پھر جب اُس نے انکار کیا تو مقتول نے زبردستی اس کا ہات پکڑ کے کھینچا اور گھسیٹتا ہوا لے چلا۔ اس کے بعد صبح کو اُس نے سُنا کہ سیزر کی لاش بازار میں جلائی جا رہی ہے تو اگرچہ رات کے خواب سے وہ ڈرا ہوا تھا اور اس وقت اُسے حرارت بھی تھی، تاہم محض سیزر کی محبت آمیز یاد اور پاس دوستداری اُسے لے گئی اُسے دیکھ کے کسی نے دوسرے سے پوچھا یہ کون شخص ہے؟ اور جب نام معلوم ہو گیا تو اپنے برابر والے

سے بھی کہہ دیا (کہ یہی سنا ہی) اور اُسی وقت یہ خبر سارے مجمع میں پھیل گئی کہ سیزر کے قاتلوں میں سے ایک شخص یہاں موجود ہی، کیونکہ سازش کرنے والوں میں بھی ایک شخص اسی نام کا تھا۔ غرض اسی کے شبہ میں بے گناہ سنّا کو لوگوں نے پکڑ لیا اور اسی وقت وہیں کے وہیں اس کے ٹکڑے کر ڈالے۔

بروٹس اور کےسیس جو یہ خبریں سنکر بدحواس ہوتے جاتے تھے چند ہی روز میں شہر سے نکل گئے۔ اور یہ کہ اُنھوں نے پھر کیا کیا اور کس طرح مرے، بروٹس کی سوانح میں تحریر ہی۔ سیزر چھپنّ سال کی عمر میں قتل ہوا۔ پمپی کے چار سال کے اندر ہی اندر تمام ہوا۔ بے شبہ وہ قوت و سلطنت جس کے حصول کے واسطے وہ اپنی زندگی بھر مصیبتیں اور تکلیفیں اُٹھاتا رہا اس کو ہزارہا جوکھوں کے بعد حاصل تو ہو گئی لیکن ان دونوں چیزوں سے اسے کیا ملا سوائے نام کے جو خالی تھا اور عزت کے جو دنیا بھر کی محسود تھی! مگر وہ حیرت انگیز اوصاف اور قوت جس نے جیتے جی اُسے سب سے ممتاز رکھا تھا مرنے کے بعد بھی محو نہ ہوئی بلکہ سیزر کے انتقام میں اسی طرح کام کرتی نظر آئی کہ قاتل تو قاتل کوئی شخص بھی جس کا اس سازش میں ذرا سا لگاؤ تھا غیر قدرتی موت سے نہ بچا اور بر و بحر کے ہر گوشے میں جہاں کہیں گیا یا چھپا ڈھونڈ ڈھونڈھ کے مارا گیا۔

اتفاقاتِ روزگار کی نہایت عجیب غریب مثال کےسیس کی موت میں ملتی ہی کہ اس نے فلپّی میں شکست کھانے کے بعد خاص اُس خنجر سے خودکشی کی جس سے کہ سیزر کو مارا تھا!

دیوتاؤں کا طیش و جلال بھی اس واقعے پر کئی طرح عرصۂ شہود میں آیا۔ ان میں سب سے نمایاں ایک بڑے دُمدار تارے کا نظر آنا ہی جو سیزر کے قتل کے بعد سات رات تک نہایت تیزی سے چمکتا رہا اور پھر غائب ہو گیا۔ اسی طرح سورج کی روشنی کا مدھم ہو جانا ہی کہ پورے ایک سال تک قرص آفتاب زرد زرد اور سُست نظر آتا رہا۔ اور اس ساری مدت میں ایک دن بھی نہ حسب معمول کامل روشنی ہوئی نہ گرمی۔ چنانچہ شعاعوں کے کافی تیز نہ ہونے ہی کی وجہ سے

ہوا نہایت مرطوب در بھاری ہوگئی اور اس مرتبہ فصلیں بھی خاطر خواہ نہ تیار ہوئیں۔ بلکہ پھلوں کو پوری حرارت نہ میسر آئی تو پکنے سے پہلے مرجھا مرجھا کے گرنے لگے۔ لیکن ان سب باتوں سے بھی بڑھکر دیوتاؤں کی ناراضگی کا ثبوت وہ شکل یا آسیب ہی جو بروٹس کو دو مرتبہ نظر آیا۔ اس کا قصہ یہ ہی:-

بروٹس اپنی فوجیں لیے ابی ڈوس میں پڑا تھا اور عنقریب بر اعظم یورپ میں داخل ہونے کی تیاریاں کر رہا تھا۔ لیکن سمندر کو عبور کرنے سے ایک شب پہلے وہ خیمے میں لیٹا ہوا اپنے معاملات اور مستقبل کے متعلق کچھ سوچ رہا تھا (کیونکہ سنا ہی جتنے فوجی سپہ سالار گزرے ہیں ان میں سب سے زیادہ جاگنے والا بروٹس تھا۔ اور آرام لیے بغیر بہت دیر تک کام کر سکتا تھا) اسی فکر کے عالم میں اسے اپنے خیمے کے دروازے پر کچھ کھٹکا سنائی دیا۔ اور چراغ کی مدھم روشنی میں جو اب گل ہونے کو تھا اُسے ایک خوفناک شکل نظر آئی کہ اگرچہ آدمی کی صورت تھی مگر قد و قامت میں بہت غیر معمولی اور اس کے چہرے سے غصہ ٹپکتا تھا۔ بروٹس پہلے تو ڈر گیا لیکن یہ دیکھکر کہ وہ شکل اس کے بچھونے پاس خاموش آ کھڑی ہوئی اور کچھ نہیں بولتی اُس نے پوچھا کہ تو کون ہی؟ پرچھائیں نے جواب دیا "میں تیرا بخت بد ہوں۔ بروٹس، تو مجھے فلپی میں پھر دیکھیگا!" بروٹس نے دلیری کے ساتھ جواب دیا "اچھی بات ہی۔ دیکھا جائیگا" اور اسی وقت وہ شکل بھی ناپید ہوگئی۔ جب وہ وقت آیا تو فلپی کے میدان میں بروٹس نے اپنی صفیں انٹونی اور سیزر (ثانی) کے مقابل جمائیں اور پہلی لڑائی میں غلبہ حاصل کیا۔ یہانتک کہ دشمن کو بھگا کے سیزر کی لشکرگاہ کو بھی لوٹ لیا۔ مگر رات کو (دوسری لڑائی سے پہلے) وہ اپنے خیمے میں تھا کہ وہی شکل پھر نظر آئی تھی۔ اور اس دفعہ بات چیت کیے بغیر غائب ہوگئی۔ بروٹس سمجھ گیا کہ اس کی قضا سر پر ہی پس دوسرے دن نہایت بے جگری سے لڑا اور جنگ کے مخدوش سے مخدوش مقاموں میں پہنچ جاتا تھا۔ بایں ہمہ وہ میدان میں نہ مارا گیا بلکہ اپنی فوج کو شکست کھاتا دیکھکے ایک اونچے مقام پر بیٹھ گیا اور وہیں چھاتی میں تلوار بھونک کے مر گیا جس کے پار اُتارنے میں کہتے ہیں کہ ایک اور ساتھی نے مدد دی +

ڈموس تھنیز

دیکھا سیوسس جب الگی بیاد یزا دلپی کھیلوں میں رتھوں کی دوڑ جیتا تو کسی شخص نے اس کی شان میں ایک مشہور و معروف نظم لکھی اور عام خیال یہ ہے کہ وہ اُستاد یوری پڈیز کا نتیجہ فکر ہو گی مگر اُس میں خواہ وہ یوری پڈیز کی ہو یا کسی اور کی شاعر نے ایک بات یہ بھی لکھی ہے کہ آدمی کی شادمانی کے لئے سب سے پہلی ضرورت یہ ہے کہ "وہ کسی مشہور شہر میں پیدا ہوا ہو"۔ لیکن میرے خیال میں سچی خوشی اور اس کے ذریعہ حصول کا تعلق زیادہ تر آدمی کی صفاتِ ذاتی اور دل و دماغ سے ہے نہ کہ جائے ولادت سے۔ یعنی یہ کوئی نقص نہیں کہ وہ گمنام یا کوردیہ میں پیدا ہوا ہو یا کسی پستہ قامت یا معمولی صورت کی عورت کا بیٹا ہو۔ مثال کے طور پر یولِس اور راجی ناکو لیجے۔ پہلا تو ایک چھوٹے جزیرہ سیوسس کا ذرا سا قطعہ ہے اور دوسرا بندرگاہ پیرُس کے قریب کچھ ایسے طور پر واقع ہے کہ ایک ایتھنزی نے اُسے اس طرح دُور کرا دینے کی صلاح دی تھی جس طرح آنکھ پر سے کوانی نکلوا دی جاتی ہے۔ اب ان مقامات کی نسبت یہ سمجھنا کہ وہاں اچھے اچھے شعرا اور ایکٹر تو پیدا ہو سکتے ہیں مگر کوئی عادل و متقی و دانشمند و ذی حوصلہ شخص نہیں ہو سکتا، لغو نہیں تو کیا ہے؟ یہ تو ضرور ممکن بلکہ قرین قیاس ہے کہ ایسے فن اور ہنر جن کی غایت روپیہ یا شہرت ہے، مفلس و گمنام قریوں میں فروغ نہ پا سکیں اور رُو بہ زوال ہو جائیں، لیکن شرافتِ نفس یا نیکی ایسی شے نہیں کہ اس کے لئے جگہ کی قید لگا ہی جائے۔ وہ تو جس قلب میں صفائی دیکھے گی پائیدار پودے کی مثل اپنی جڑ جمائے گی اور جو طبیعت اس کو راس آئے گی وہیں وہ سرسبزی و شادابی پائے گی اگر میری قوتِ فیصلہ یا عقل و دماغ میں کسی کو نقص نظر آئے تو میں یہ عرض کروں گا کہ میری ہی ذات تک محدود رکھے اور میرے وطن کی گمنامی پر اس کا الزام نہ دھرے۔ اس لئے کہ انصافاً اپنی کمزوری کا ذمہ دار میں خود ہوں نہ کہ میرا مولد۔

البتہ اگر کوئی شخص تاریخ کی کتاب لکھنے بیٹھے جس کے متعلق عینی اور کتابی مواد کا میسر آنا

دشوار ہو اور جو اکثر غیر زبانوں یا مختلف ہاتھوں میں بکھرا ہوا ہو تو بے شبہ اس کے لیے کسی مشہور شہر میں جا کے رہنا نہایت ضروری ہے جہاں آبادی زیادہ ہو اور علم کا لوگوں کو شوق ہو تاکہ وہاں اُسے ہر قسم کی کتابیں بافراط مل سکیں اور تفتیش و جستجو سے وہ ان باتوں کا کھوج لگا سکے جو صاحبان قلم سے تو چھوٹ گئی ہیں لیکن لوگوں کے حافظوں میں محفوظ ہیں ورنہ اندیشہ ہی کہ کہیں اس کی کتاب ناقص اور ضروری باتوں سے بھی خالی نہ رہ جائے جنھیں کسی طرح قلم انداز نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن میری حالت یہ ہی کہ ایک چھوٹے سے قصبے میں رہتا ہوں اور آیندہ بھی یہیں بسر کرنا چاہتا ہوں کہ مبادا (میرے چلے جانے سے) وہ اور بھی چھوٹا ہو جائے۔ ادھر رومی زبان میں بھی مجھے مہارت نہیں ہے۔ کیونکہ جب میں رومہ یا اطالیہ کے دیگر مقامات میں تھا تو وقت کا بڑا حصّہ سرکاری کاموں میں صرف ہو جاتا تھا یا اُن لوگوں میں جو فلسفہ پڑھنے میرے پاس آیا کرتے تھے۔ غرض اس زبان کی کتابیں میں نے بہت بعد میں اور کہیں اُس وقت جا کے شروع کیں جبکہ بوڑھا ہونے کو آیا۔ اور ممکن ہے یہ سُن کر لوگوں کو حیرت ہو، حالانکہ یہ امر واقعہ ہے کہ میں نے لفظوں کے علم سے اشیا کی حقیقت کو نہیں سمجھا بلکہ خود اشیا کا تجربہ ہونے کی وجہ سے مجھ میں لفظوں کے معانی سمجھنے کی قوّت پیدا ہوئی۔ لیکن گو رومی زبان کا لطیف و برجستہ لب و لہجہ، حسنِ بندش، لفظوں کی مناسب ترکیب، ادبی صنعتیں اور باریکیاں سمجھنے کی قابلیت پیدا کرنا جن میں لذتِ تقریر پنہاں ہی ایک قابلِ تعریف اور نہایت دلچسپ کام ہو۔ تاہم اس کے لئے پورے مطالعہ اور مشق کی ضرورت ہی، جو آسان کام نہیں ہے اور اس میں صرف انھیں کو ہاتھ ڈالنا چاہیے جنھیں کافی فرصت حاصل ہو اور جو اس کی کٹھن منزلیں طے کرنے پر اداۓ عزم سے آمادہ ہو جائیں۔

اور یہی وجہ ہی کہ میں اپنی سیرِ متوازی کی پانچویں فصل میں سسرو اور ڈموس تھینز کا موازنہ بحیثیت مُدبّرین کے کروں گا یعنی میں ان کے اخلاق و عادات اور سیاسی کارناموں کا

تو موازنہ کر سکتا ہوں۔ باقی یہ دعویٰ مجھے مطلق نہیں ہے کہ ان کی خطابت پر بھی تنقید کی قابلیت رکھتا ہوں یا ان کی تقریروں میں دکھا سکتا ہوں کہ اس کی تقریر زیادہ دلکش اور پر تاثیر تھی یا دوسرے کی۔ کیونکہ اس معاملے میں ایوں کے بقول: ع ہم مثال اس مچھلی کے ہیں کہ جو خشکی میں ہو!

شاید کیسی لیس اس مثل کو بھول گیا تھا جو اس کی جبلّی بلند پروازی اُسے اتنی اونچی لے اُڑی کہ ڈموس تھنیز اور سسرو کا موازنہ لکھنے بیٹھ گیا، واقعی اپنے کو پہچاننا بہت دشوار بات ہے۔ دشوار نہ ہوتی تو یہ فقرہ الہامی کاہے کو سمجھا جاتا؟

بہ احوال ظاہر مشیتِ الٰہی نے سسرو اور ڈموس تھنیز کو ایک ہی قالب میں ڈھالا تھا دونوں نام آوری کے جویا اور معاملات ملکی میں آزادیِ رائے کے حامی تھے، دونوں جنگ اور خطرات میں کم ہمت تھے اور علاوہ اتفاقی واقعات کے جو دونوں کے ساتھ یکساں پیش آئے، اُن میں بہت سی فطری مشابہتیں تھیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ ایسے دو خطیب ملنے دشوار ہیں اپنی ابتدائی حالت کس مپرسی اور گمنامی سے نکل کر اتنے بلند مرتبہ اور صاحب قوت ہو گئے ہوں دونوں بادشاہوں اور جابروں سے لڑے ہوں دونوں کی بیٹیاں مر گئی ہوں۔ دونوں کا پہلے وطن سے اخراج ہو گیا ہو لیکن دونوں کی مراجعت عزت و توقیر کے ساتھ ہوئی ہو۔ یا پھر دونوں اپنے وطن سے بھاگتے ہوئے پکڑے گئے ہوں اور دشمنوں نے ملک کی آزادی کے ساتھ ان کی جانوں کا بھی خاتمہ کر دیا ہو حقیقت میں اگر فرض کر لیا جائے کہ اُن کے معاملے میں تقدیر و فطرت کے ہنر کا مقابلہ تھا جیسا کہ کبھی کبھی دو مصوروں میں ہو جاتا ہے تو یہ فیصلہ کرنا دشوار ہو گا کہ آیا تقدیر ان کے سوانح کو ہُو بہو بنا دینے میں وَرری یا فطرت ان کی سرشت و مزاج کو یکساں کر دینے میں بہر حال ہم متقدم کا ذکر مقدم رکھتے ہیں:۔

ڈموس تھنیز کے باپ کا نام بھی ڈموس تھنیز تھا۔ اور تھیوپمپس کے بقول، وہ ایک

خوش اطوار و خوش حیثیت شہری تھا۔ شمشیر سازی کا کارخانہ رکھتا تھا، جس میں اچھے اچھے کاریگر نوکر تھے اور اسی بنا پر شمشیر ساز کے عرف سے معروف تھا۔ لیکن اُس کی ماں کے بارے میں جو روایت (اُس کے حریف) اس کائی نیس نے کی ہے کہ وہ ملیچھ قوم کی (یا غیر یونانی) تھی اور اس کے آبا میں گیلن نامی ایک شخص تھا کہ غداری کا ملزم ہو کر وطن سے بھاگ گیا تھا، اس کی صحت و عدم صحت کے متعلق میں کچھ نہیں کہہ سکتا، ہاں یہ معلوم ہے کہ ڈموس تھینز سات برس کی عمر میں یتیم اور ایک معقول ترکہ کا وارث ہو گیا تھا۔ یعنی اس کے باپ نے جو جائداد چھوڑی اُس کی کل قیمت ملا کے پندرہ ٹیلنٹ سے کچھ ہی کم ہو گی۔ لیکن اس کے ولی سرپرستوں نے خیانت کی اور کچھ روپیہ تو خود کھا گئے کچھ ان کی غفلت کا شکار ہوا، یہاں تک کہ ڈموس تھینز کے اُستادوں کی تنخواہیں بھی اسی خیانت یا غفلت کی نذر ہوئیں اور غالباً اسی وجہ سے وہ اعلیٰ درجے کی تعلیم نہ حاصل کر سکا۔ نیز کمزوری اور بُری صحت ہونے کے باعث اس کی ماں زیادہ محنت نہ کرنے دیتی تھی اور معلم بھی سبق یاد کرانے پر بہت اصرار نہ کرتے۔ اسی کمزور و لاغر اور کم رُو ہونے کی خرابی تھی کہ لڑکپن میں اس کے ہم عمر بٹالوس، بٹالوس کہہ کے اسے چھیڑتے اور چڑاتے تھے۔ کہتے ہیں بٹالوس ایک نامرد مسخرہ تھا جس کی اینٹی فانیس نے ہجو یہ نقل لکھ کے مٹی پلید کی تھی۔ دوسری روایت یہ ہے کہ بٹالوس کسی ہزل نویس شاعر کا نام تھا۔ اور یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ اس زمانہ میں اہل ایتھنز کسی ایسے حصہ جسم کو، جس کا نام لینا متانت کے خلاف ہے، بٹالوس کہا کرتے تھے۔ مگر ڈموس تھینز کی دوسری چڑ ارگس کی وجہ تسمیہ اس کے مزاج کی کینہ توزی اور سفاکی ہے کیونکہ ارگس شاعرانہ استعارے میں سانپ کو کہتے ہیں، یا ممکن ہے کہ یہ نام اس کے ناگوار طرز گفتار کی علت میں اُسے دیا گیا ہو اس لئے کہ ارگس ایک شاعر بھی گزرا ہے جو نہایت نامعقول اور بے لطف شعر کہا کرتا تھا۔ لیکن ایسے مباحث پر، بقول افلاطون کے، اتنا ہی بس ہے۔

لوگوں کا بیان ہے کہ ڈموس تھینز کو فن تقریر کا شوق پہلی دفعہ اس طرح ہوا کہ وہ ابھی لڑکا

ہی تھا کہ اوروپس کا معرکہ آرا مقدمہ شروع ہوا جس میں مشہور مقرر کالیس تراتوس وکیل تھا۔ چونکہ تحقیقات اور سماعت عام عدالت میں ہونے والی تھی، مقدمہ بڑا مہتم بالشان اور یونان کا نہایت نامور خطیب، جس کی شہرت ان دنوں اوج کمال پر پہنچی ہوئی تھی، ملزم کی طرف سے وکالت کرنے والا تھا لہذا سارے شہر میں اس کا چرچا اور اشتیاق تھا۔ ڈموس تھنیز کے اتالیق اور مدرسین نے اس میں جانے کا مشورہ کیا اور یہ سن کر وہ بھی مچل گیا کہ اُسے بھی ساتھ لے چلیں۔ آخر اس کے اتالیق نے کچہری کے دربانوں سے مل کر اس کے لئے جگہ کا انتظام کرا دیا جہاں وہ بغیر کسی کو نظر آئے مقدمہ کی روئداد سن سکے۔ اس میدان (حسب توقع) کالی تراتوس کے ہاتھ رہا اور اس کی وہ تعریفیں ہوئیں کہ ہمارے نوجوان دوست کو رشک آنے لگا۔ اور یہ دیکھ کر اسے ایک قسم کی رقابت پیدا ہو گئی کہ سارا مجمع اس خوش قسمت وکیل کی خاطر مدارات میں مسابقت کر رہا ہے اور جدھر وہ جاتا ہے ایک ہجوم گرد جمع ہو جاتا ہے۔ لیکن خصوصیت کے ساتھ جس شے نے اس کو متعجب اور متاثر کیا وہ خطیب موصوف کی قوتِ گویائی تھی کہ جس مسئلے پر تقریر کرتا تھا دلوں کو تسخیر کرتا چلا جاتا تھا۔ اس وقت سے وہ فنِ خطابت کا گرویدہ تھا، جتنے درسی مضامین اس کے مطالعہ میں تھے اس نے آج کے دن سے سب کو سلام کیا اور بولنے کی اس طرح مشق شروع کی گویا اپنی زندگی کا مشغلہ ہی اس فن کو بنانا چاہتا ہے۔ اس نے خطابت میں ایسیس کی شاگردی اختیار کی، حالانکہ ایسوکراتیس کا درس بھی ان دنوں کھلا ہوا تھا۔ اس ترجیح کی وجہ بعض تو یہ بیان کرتے ہیں کہ وہ ایسیس کے طریقِ تعلیم کو کاروبار اور معاملات روزمرہ کے واسطے زیادہ موزوں اور کارگر سمجھتا تھا، لیکن یہ بھی سننے میں آیا ہے کہ یتیم ہو جانے کی وجہ سے اسے اتنی مقدرت نہ تھی کہ ایسوکراتیس کا حق الخدمت یعنی دس مینی (ایک ہزار یونانی درہم) بہ آسانی ادا کر سکے۔

ہرمپس کہتا ہے کہ میں نے بعض مکتوبات میں جن کے مصنف کا نام کتاب پر نہ تھا،

یہ لکھا دیکھا ہے کہ ڈموس تھنیز، حکیم افلاطوں کا شاگرد تھا اور اُس نے اسی سے فن تقریر سیکھا۔ یہی راوی چند حوالے دے کر بیان کرتا ہے کہ ڈموس تھنیز نے چوری سے ایسوکراتیس اور الکی داماس کے طریق خطابت سے بھی واقفیت حاصل کر لی تھی اور ان میں پوری طرح ماہر تھا۔

سن بلوغ کو پہنچتے ہی اُس نے اپنے ولی سرپرستوں پر قانون دانی کی مشق شروع کی اور ان کے خلاف اپنی فصاحت کے جوہر دکھانے لگا۔ مگر انھوں نے کچھ اپنے تئیں بچانے کے لئے اور کچھ اُسے اُلجھانے کی غرض سے طرح طرح کے مقدمے کھڑے کر دیئے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اگرچہ وہ مقدمے جیت گیا، لیکن اور جھگڑوں کے باعث اس کی جائداد برباد ہو گئی اور تو سی ڈائی ڈیز کے بقول دنیا کی اونچ نیچ کا تجربہ حاصل ہو جانے کے سوا ئے اس کے پلّے کچھ نہ پڑا۔ البتہ اسے اپنی قوت گویائی کا امتحان اور اس پر کچھ بھروسہ ضرور ہو گیا۔ نیز اس شہرت و عزت کی بھی چاشنی چکھی جو وکالت کا ثمرہ تھی، اور اب اسے اتنی جسارت ہو گئی کہ قومی کاموں میں ہاتھ ڈالے۔

اُس کے حال پر لومیڈن کی نقل یاد آتی ہے۔ یہ شخص اورکومنوس کا رہنے والا تھا اور تلی کے مرض میں مبتلا رہا کرتا تھا۔ اسی بیماری کے دفعیئے کے واسطے اس کے معالج نے تجویز کیا کہ دُور دُور تک دوڑا کرو، لومیڈن نے اس پر عمل کیا اور اچھا تو ہوا یا نہ ہوا لیکن دوڑ میں اتنی مشق ضرور حاصل کر لی کہ سالانہ کھیلوں کے موقعے پر سب سے تیز اور دُور دم دوڑنے والوں میں گنا جانے لگا۔ ڈموس تھنیز پر بھی کچھ ایسا ہی معاملہ گزرا، یعنی اپنی جائداد کے متعلق اُسے عدالت جانے کی ضرورت پیش آئی اور عدالت میں تقریریں کرنی پڑیں جس کا فائدہ یہ ہوا کہ اسے مجمعوں میں بولنے کی مشق ہو گئی اور لومیڈن کی طرح وہ آخر کار سیاسی میدان میں سب حریفوں سے بازی لے گیا۔

مگر پہلے ہی پہل جب اُس نے لوگوں کو خطاب کیا تو اس کی مطلق قدر یا دل افزائی نہ ہوئی

بلکہ اس کے انوکھے اور ناشایستہ طرز گفتار کی بہت تضحیک ہوئی کہ تقریر میں اس کثرت سے لمبے لمبے جملے اور پیچیدہ قانونی دلائل بھر دی تھیں جن سے سخت الجھن پیدا ہوتی تھی۔ اس کے علاوہ اس کی آواز پست تھی، سانس بھی جلدی ٹوٹ جاتا تھا اور انھیں عیوب کی وجہ سے فقرے ایسے ٹوٹے لوٹے، اور بے جوڑ نکلتے تھے کہ سارا مطلب خبط تھا اور سننے والا پریشان ہو جاتا تھا۔ غرض پہلی دفعہ ڈموس تھنیز مجمع سے نکلا ہی تو بالکل دل شکستہ اور آزردہ تھا۔ اور بندرگاہ پیریئوس کے قریب بے کار ٹہلتا پھرتا تھا جو یونوس تھریسی سے ملاقات ہوئی وہ اس زمانے میں بہت ضعیف ہو گیا تھا۔ ڈموس تھنیز کو اس طرح وقت رائیگاں کرتے دیکھکر قریب آیا اور بڑی غیرت دلائی کہ اگرچہ تمہارا اسیاق تقریر پریکلیس کے مشابہ ہے لیکن اپنی بزدلی اور کم ہمتی سے تم نہ تو لوگوں کے طعن وتشنیع استقلال کے ساتھ برداشت کرتے ہو اور نہ محنت وسعی سے اپنے جسم کو کسی کام کے لایق بناتے ہو بلکہ محض غفلت وسستی کے ہاتھوں اپنے تئیں برباد کر رہے ہو۔

ایک اور مرتبہ جلسے میں اس کی تقریر سننے سے لوگوں نے صاف انکار کر دیا بیچارہ ڈموس تھنیز بہت ہی خفیف ہو کر منہ پر رومال لپیٹے گھر لوٹا۔ اس کی افسردگی دیکھکر سنا ہے ساتی روس نام ایکٹر کو رحم آیا وہ اس کا پرانا آشنا ساتھی تھا، اس کے ساتھ ہو لیا اور مکان پر پہنچ کر تسلی تشفی کی باتیں کرنے لگا۔ ڈموس تھنیز نے اس کے سامنے اپنا درد دل بیان کیا کہ "دیکھو میں نے اپنے جسم کی ساری قوت اسی فن کے نذر کر دی، میں سب ہم پیشوں سے زیادہ محنت اٹھاتا ہوں اور کوشش کرتا ہوں، بایں ہمہ میری طرف کوئی ذرا بھی توجہ نہیں کرتا حالانکہ جاہل اور شرابی اور کشتیبانوں تک کی قدر ہوتی ہے۔ تقریر گاہیں ان کے لئے وقف ہیں اور ایک میں ہوں کہ مجھے سب ذلیل سمجھتے ہیں"۔ ساتی روس نے جواب دیا "سچ ہے لیکن میں ابھی اس خرابی کا علاج کئے دیتا ہوں تم ذرا یوری پڈیز یا سفاکلیس کی نظموں میں سے کوئی ٹکڑا میرے سامنے تو پڑھو"۔ ڈموس تھنیز نے اس کی تعمیل کی اور جب وہ

سُنا چکا تو ساتی روس نے اسی حصے کو خود پڑھا کے دکھایا اور لہجے کے اُتار چڑھاؤ اور برمحل اشارات کی خوبی سے ایسی شان پیدا کر دی کہ ڈِموس تھینز کو وہ بالکل نئی چیز معلوم ہونے لگی، اور یہ بات اچھی طرح اس کے دلنشین ہو گئی کہ اصوات و حرکات سے بیان کا حُسن و زینت دوچند و سہ چند ہو جاتی ہے اور یہ ایسی ضروری شے ہے جس کے بغیر تقریر کرنا نہ کرنا برابر ہے۔ غرض اسی نظر سے اس نے اُس فن کی تعلیم کے لئے ایک تہ خانہ تیار کرایا (جو ہمارے زمانہ تک موجود تھا) اور اس میں روزمرّہ اپنی آواز اور اشارات درست کرنے کی سعی کرنے لگا۔ بعض اوقات دو دو تین تین مہینے مسلسل اسی جگہ پڑا رہتا تھا اور اپنا آدھا سر مونڈ رکھتا تھا کہ جی بھی چاہے تو شرم کی وجہ سے باہر نہ نکل سکے۔

اور اس نے اپنی محنت کو یہیں تک محدود نہ رکھا بلکہ روزمرّہ کی گفتگو اور لوگوں سے معمولی بات چیت میں بھی اُن طریقوں کا لحاظ کرتا اور باتوں ہی باتوں میں بحث و حجت کے پہلو ملتے انھیں اپنے مطالعے میں داخل کر لیتا تھا۔ یعنی لوگ ہٹے اور علیحدہ ہوتے ہی وہ اپنے کتب خانہ میں گھس گیا اور جو کچھ گزرا تھا اُسے بالترتیب جلدی جلدی دُہرانے لگا اور ساتھ ہی اُن دلیلوں کو، جو اس مسئلے کے موافق یا مخالف ہوں! اسی طرح اگر کہیں تقریریں سن آتا تو گھر میں انھیں آکر یاد کرتا اور آسانی کے لئے چھوٹے چھوٹے حصّوں میں ان کی تقسیم کر لیتا۔ نیز جو کچھ گفتگو اُس سے یا وہ کسی سے کرتا، اُسے بھی ازسرِ نو بیٹھکر ترتیب و اصلاح دیتا، اور اسی مضمون کو کبھی کئی طرح ادا کرتا۔ چنانچہ یہی وجہ تھی کہ لوگوں نے اُسے کبھی طبّاع اور ذہین نہ مانا بلکہ اس کے کمالِ خطابت کو غیر معمولی محنت و مشقت پر محمول کرتے رہے۔ تصدیق اس خیال کی یوں بھی ہو جاتی ہے کہ وہ شاذ و نادر ہی کوئی تقریر برجستہ کرتا تھا۔ یعنی لوگ آوازیں دیتے رہتے تھے مگر جب تک مسئلہ زیر بحث پر پہلے سے تیار ہو کر نہ آتا، وہ کبھی تقریر کرنے نہ کھڑا ہوتا۔ اسی بنا پر اکثر بازاری وکیل اُس کی ہنسی اُڑاتے تھے اور ایک دن پِتھیاس نے اُس پر یہ آوازہ کسا کہ "اُن کی دلایل و براہین سے تو چراغ کی بو آتی ہے!" (یعنی وہ اپنی تقریریں

راتوں کو جاگ جاگ کے تیار کیا کرتا ہے) ڈموس تھنیز نے اس کا یہ دنداں شکن جواب دیا کہ "ہاں ٹھیک ہے۔ مگر پیتھیاس تمہارے چراغ کو وہ باتیں نہیں آتیں جو میرے چراغ کو آتی ہیں!"

لیکن اور لوگوں سے وہ اس بات کا انکار نہ کرتا تھا اور صاف صاف کہدیا کرتا تھا کہ میں اپنی تقریر کو تمام و کمال تو نہیں لکھتا مگر بے تیاری کیے بھی نہیں بولتا۔ اور سچی بات تو یہ ہے کہ اس طرح فی البدیہ کھڑے ہو کے تقریر کر دینا میرے نزدیک درست بھی نہیں بلکہ لوگوں کی بے وقری کرنا ہے۔ کیونکہ جس شخص کو سامعین کا کچھ لحاظ ہوگا وہ ضرور ان کی خاطر اپنے مضمون پر عرق ریزی کرے گا، لیکن بے غور و فکر کیے لوگوں کو خطاب کرنے کے معنی یہ ہیں کہ مقرر اپنی بات کو سمجھا کر دل نشین کرنا نہیں چاہتا، بلکہ محض زور ڈال کے انھیں اپنا ہم خیال بنانا چاہتا ہے۔

اُس کی کم ہمتی اور فی البدیہ تقریر نہ کر سکنے کے ثبوت میں یہ دلیل بھی مخالف پیش کرتے ہیں کہ جب کبھی وہ تقریر کرتے کرتے اٹکتا یا گھبراہٹ میں بھولنے لگتا تو اکثر ڈماڈیز اس کی مدد کرنے اُٹھ کھڑا ہوتا، حالانکہ جب کبھی ڈماڈیز کو اس قسم کی دقت پیش آتی تو وہ اُسے سہارا دینے کی جسارت نہ کرتا تھا۔

لیکن سوال یہ ہے کہ اگر درحقیقت وہ فی البدیہ تقریر کرنے میں اس قدر بودا تھا تو اس کا ئینس نے کیوں لکھا ہے کہ ڈموس تھنیز کی تقریریں میں سب سے زیادہ حیرت انگیز شے اُس کی دلیری ہے؟ یا یہ بات ہے کہ جب پائی تھن باشندۂ بائی زنطہ نے اہل ایتھنز کے خلاف لعنت ملامت کی بوچھار کی اور بڑے دعوے کے ساتھ للکار للکار کے اُن پر الزام لگانے تو اس وقت ڈموس تھنیز کے سوا کوئی شخص اختلاف کرنے نہ اُٹھا؛ یا جب لمرکوس شاہ فیلقوس اور سکندر کی مدح میں ایک طویل مضمون لکھکر لایا اور اس میں اُن کے حریفوں (یعنی تھبز اور اولن تھس والوں) کی ہجو کی اور اولمپی کھیلوں میں سرِ جلسہ پڑھ کر سُنائی تو کیا وجہ کہ صرف ڈموس تھنیز اُٹھ کھڑا ہوا

اور تاریخی واقعات اور نظائر و دلائل سے وہ فوائد کثیرہ دکھا کر جو سارے یونان کو کالتی نیس اور تھیبز کی بدولت حاصل ہوئے تھے اس نے مقدونیہ کے خوشامدیوں کی خبر لی اور تمام سامعین کے دلوں پر اس گروہ کی نقصان رساں شرارت کا ایسا نقش بٹھا دیا کہ وہ سوفسطائی (یعنی لمرکوس) لوگوں کے خوف سے چھپ کر جلسے سے نکل گیا۔

ان واقعات سے معلوم ہوجاتا ہے کہ ڈموس تھینز کم سے کم اس امر میں پری کلیس کا مقلد تھا۔ یعنی اگرچہ وہ پری کلیس کی اور باتوں میں اتباع اپنے لئے ناموزوں سمجھتا تھا تاہم تقریر کے معاملے میں جس طرح پری کلیس کے ساتھ خاص خاص موقعوں پر سامنے آتا تھا اسی طرح ڈموس تھینز کی بھی کوشش یہ رہتی تھی کہ نہ تو اپنی قوتِ ناطقہ کی خوبی اتفاق کے بھروسے ہر جگہ آزمایش کرتا پھرے اور نہ فی البدیہ تقریر کرنے کے افتخار سے ہمیشہ کے لئے بے نیاز ہو جائے۔ کیونکہ اگر اراتوس تن، ڈمیٹریس فلیری اور شعرائے ہم عصر کی رائے قابل تسلیم ہے تو در اصل ڈموس تھینز نے جب کبھی برجستہ تقریر کی وہ اس کے تحریری خطبوں سے ہمیشہ زیادہ پُر قوت اور پرتاثیر تھی۔ اراتوس تن کہتا ہے کہ اکثر بولتے بولتے اُس پر وجد کی کیفیت طاری ہوجاتی تھی اور ڈمٹ ریس کا بیان ہے کہ جب اس نے لوگوں کو مشتعل کرنے کے لئے یہ شاعرانہ قسم کھائی کہ

"والارض والعین والشطوط والانہار"

تو وہ جوش میں از خود رفتہ اور ملہم من اللہ معلوم ہوتا تھا۔

اور شعرائے وقت میں ایک نے اُس کا نام رہوپوپرپرا تھراس[1] رکھا ہے۔ اور دوسرا اس کے لفظی صنائع کی ہنسی اُڑاتا ہے کہ:

ڈمُستن کے فقروں کا کیا پوچھنا

لیا اُس نے جو کچھ سو، واپس لیا

[1] جس سے مُراد ایسا شخص ہوگا جو اپنی بکواس سے کان کھا جائے ۱۲

اس شعر میں غالباً انٹی فانی نے اس تقریر کا مضحکہ اُڑایا ہے جو ڈموس تھنیز (ڈمستن) نے قصبۂ ہالونیس کے متعلق کی تھی، اور جس میں اس نے اہل ایتھنز کو ترغیب دی تھی کہ اس مقام کو فیلقوس کے ہاتھوں نہ لو بلکہ اُس کے ہاتھوں سے واپس لو! (یعنی وہ تمہاری چیز ہے جس پر فیلقوس غاصبانہ قابض ہو گیا تھا اور اب واپس دے کر احسان کرنا چاہتا ہے مگر تم اس طرح نہ لو بلکہ زبردستی اور حق سمجھ کر چھین لو)

بایں ہمہ قدرتی قابلیت کے لحاظ سے لوگ ڈماڈیز کو سب سے بڑا خطیب سمجھتے تھے اور کہتے تھے کہ وہ جس طرح فی البدیہہ تقریر کر دیتا ہے اس کے سامنے ڈموس تھنیز کی ساری محنت اور تیاری ہیچ رہ جاتی ہے۔ تھیوفراس توس نے بھی جو محاکمہ ان مقرروں میں کیا تھا وہ ارستن کی بدولت محفوظ ہے وہ راوی ہے کہ تھیوفراس توس سے ڈموس تھنیز کے بارہ میں کسی نے سوال کیا کہ اسے کس رتبے کا مقرر سمجھتے ہو؟ حکیم موصوف نے فرمایا "ایسا جو حقیقت میں شہر ایتھنز کے موزوں ہے!" پھر پوچھا ڈماڈیز کی نسبت کیا خیال ہے جواب دیا "وہ اُس سے (یعنی ایتھنز سے) ارفع ہے!"

ارستن بیان کرتا ہے کہ ایک اور قریب العصر ایتھنزی مُدبّر پولیوک توس، ڈموس تھنیز کو سب سے بڑا خطیب بتایا کرتا تھا لیکن فوکیون[1] کو سب سے قابل کیوں کہ وہ کم سے کم لفظوں میں زیادہ سے زیادہ مفہوم کو ادا کر سکتا تھا۔

کہتے ہیں جب فوکیون کسی معاملہ میں اختلاف کرنے اٹھتا تو خود ڈموس تھنیز اپنے دوستوں سے کہتا "لو وہ میری تقریر کی مقراض نکلی!" لیکن معلوم نہیں اس فقرے سے اُس کی مُراد فوکیون کی تقریر کی برتری تھی یا اُس کے اطوار و خصائل کی یعنی فقرۂ بالا سے ممکن ہے ڈموس تھنیز کا یہ مطلب ہوتا ہو کہ جس کی صداقت کا ساری دنیا یقین رکھتی ہے اُس نیک شخص کا لفظ کیا معنی ایک اشارہ اتنا گہرا جائے گا کہ دوسروں کے ہزار جملے بھی وہاں

[1] فوکیون نہ صرف خطابت میں ڈموس تھنیز کا حریف ہے بلکہ سیاسی آرا میں بھی اس کا مخالف تھا۔ وہ اپنی عقلمندی اور پاک نفسی کی وجہ سے اتنا مشہور تھا کہ لوگ اسے "نیک دل" کے لقب سے یاد کرتے تھے۔ مترجم

نہ پہنچ سکیں گے۔

ڈمٹ ریس، فلیری بیان کرتا ہے کہ ڈموس تھینز بوڑھا ہوچکا تھا جب میں اس سے ملا اور وہ طریقے جن کی بدولت اس نے اپنے فطری نقائص رفع کئے تھے دریافت کئے۔ ان میں آواز کی پستی اور ہکلاپن سب سے بڑے عیب تھے اور ان کا علاج اس نے یوں کیا کہ منہ میں سنگریزے رکھکر تقریر کی مشق کی۔ اور دیر تک بولتے رہنے اور آواز کو سدھانے کی یہ تدبیر کی کہ چڑھائیوں پر چڑھتے وقت یا دوڑتے میں جب سانس پھول جاتا تھا تو وہ زور زور سے شعر یا نثر پڑھتا۔ اور مشق کے لئے اپنے گھر میں ایک بڑا آئینہ رکھا تھا اس کے سامنے کھڑے ہوکے تقریر کو دُہراتا۔ بات کا یقین دلانے کے لئے مقرّر کا لب و لہجہ اور حرکات اس کے نزدیک لوازمات میں سے تھے۔ چنانچہ یہ لطیفہ مشہور ہے کہ ایک مرتبہ کسی شخص نے اس کو اپنا وکیل بنانا چاہا اور بیان کیا کہ فلاں شخص نے مجھ پر حملہ کیا اور مارا۔ ڈموس تھینز نے کہا

"بالکل غلط بات ہے۔ ایسا کوئی واقعہ تمہارے ساتھ نہیں ہوا!"

اس پر موکل بہت حیران ہوا اور آواز اونچی کرکے چلاّیا "تم کیا کہہ رہے ہو؟ میرے ساتھ ایسا کوئی واقعہ ہی نہیں ہوا؟"

تب ڈموس تھینز نے جواب دیا: "او ہو! ٹھیک ہے۔ بے شک اب تمہاری آواز ایک مظلوم اور ضرر رسیدہ کی آواز معلوم ہوتی ہے۔"

خود ڈموس تھینز جس قسم کی حرکات اور اشارے جائز رکھتا تھا وہ عوام النّاس کو بہت بھلے معلوم ہوتے تھے لیکن ایسے مہذب اور تعلیم یافتہ لوگ جیسے ڈمٹ ریس فلیری اس طریقے کو بہت ذلیل اور بیہودہ جانتے تھے۔ اور ہرمپس ناقل ہے کہ ایسب الیسیان سے دریافت کیا گیا کہ زمانۂ حال و گزشتہ کے مقرّروں میں کیا فرق ہے؟ تو اس نے جواب دیا کہ جس اطمینان و وقار کے ساتھ وہ لوگوں کو خطاب کرتے تھے وہ حقیقت میں نہایت قابل تعریف طرز تھا۔ البتہ اس میں شک نہیں کہ ڈموس تھینز کے تحریری خطبے جب پڑھے جاتے ہیں تو عبارت آرائی

اور پُر تاثیر ہونے کے اعتبار سے بہتر ہوتے ہیں "۔

واقعی اُس کی لکھی ہوئی تقریروں میں جو زور اور متانت پائی جاتی ہے وہ اُس کا حصّہ ہے۔ لیکن برجستہ جواب دیتے وقت وہ اکثر مزاح کو جائز رکھتا تھا۔ چنانچہ جب ایک شخص نے جو مشہور تھا کہ چوری کا عادی ہے اور جسے لوگ برنجی برنجی کہہ کے چڑایا کرتے تھے، اُس کی مذمت کی کہ "ڈموس تھنیز تو رات رات بھر شمع کے آگے آنکھیں پھوڑتا ہے اور تقریریں تیار کرتا رہتا ہے "۔ تو اس نے جواب دیا "ہاں میں جانتا ہوں تم تو سب گھروں میں اندھیرا ہی چاہتے ہو۔ اور اے باشندگانِ ایتھنز اُن ڈاکوں پر جو آج کل پڑ رہے ہیں تعجب نہ کرنا، کیونکہ ہمارے ہاں کے چور تو برنجی ہیں اور دیواریں معمولی مٹّی کی ہیں!"

لیکن ان باتوں کے متعلق اگرچہ بہت سا مصالحہ موجود ہے، ہم بالفعل اور کچھ نہیں کہنا چاہتے۔ ہم اب اس کے افعال سے اُس کی سیرت کا امتحان کریں گے اور اُس کی سوانح عمری پر بہ حیثیت اُس کے مدبر ہونے کے نظر ڈالیں گے۔

جمہور کے معاملات میں سب سے پہلے اس نے جنگ فوکیس یا اس کے قریبی زمانے میں دخل دینا شروع کیا۔ جیسا کہ خود اس کے بیان سے اور فیلقوسی تقریروں[1] سے معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ ان میں سے بعض لڑائی ختم ہونے کے بعد کی ہیں اور جو سب سے ابتدائی ہیں ان میں جنگ مذکور کے آخری واقعات کا بار بار ذکر آتا ہے۔ بہر حال یہ یقینی ہے کہ ابھی اس کی عمر تیس سال کی تھی اور کوئی شہرت سیاست دانی کی نہ ہوئی تھی جبکہ اس نے میڈیاس پر مقدمہ دائر کرنے کا بیڑا اُٹھایا۔ اور میری رائے میں محض اپنی گمنامی ہی کی وجہ سے بعد میں اس سے دستکش ہو گیا اور اس کے معاوضے میں ایک رقم لینی منظور کر لی۔ کیونکہ بذاتِ خود وہ (بقولِ شاعر) "ایسا

---

[1] ڈموس تھنیز کی معرکہ آرا تقریریں بیشتر وہ ہیں جو اس نے فیلقوس شاہ مقدونیہ کے خلاف کی ہیں۔ ان سب کا علیحدہ مجموعہ بہت مشہور اور سحر بیانی کا نمونہ سمجھا جاتا ہے اور اسی کو "فلپکس یا فلپک اُریشنز" یعنی فیلقوسی تقریریں کہتے ہیں۔ م

نیک نفس نہ تھا جو آسانی سے کسی بات کو مان لیتا۔ بلکہ ایسے مصمم مزاج کا شخص تھا کہ جب تک کامیابی نہ ہو جاتی برابر اڑا رہتا۔ لیکن اس زمانے میں اس کی اتنی قوت نہ تھی کہ می ڈیاس جیسے آدمی کا مقابلہ کر سکے جس کے پاس دولت کا دریا فصاحت کا زور اور ہوا خواہوں کی فوج تھی۔ اور جب ڈموس تھنیز کی منت سماجت کی گئی تو وہ انہی وجوہ سے مقدمے سے دست بردار ہو گیا۔ لیکن اگر اُسے ذرا بھی سہارا مل جاتا اور کامیابی کی اُمید ہوتی تو میں کبھی باور نہ کروں گا کہ پھر تین ہزار درہم سے اس کے جذبۂ غضب کو دھیما کرنا ممکن ہوتا۔ اپنی حکومتِ قومی میں جس کام کا بیڑا اس نے اُٹھایا تھا (یعنی فیلقوس کے پنجۂ غضب سے یونانیوں کا تحفظ) وہ بے شبہ انصاف و غیرت داری پر مبنی تھا۔ اور اس میں لیاقت کے ایسے جوہر اُس نے دکھائے کہ بہت جلد شہرۂ آفاق ہو گیا اور اس کی فصاحت اور دلیری کی ہر طرف دُھوم مچ گئی۔ یہاں تک کہ سارا یونان تو اس کا مدّاح تھا ہی، خسروِ ایران تک اُسے اپنا بنانے کی کوشش کرنے لگا اور خود فیلقوس کے دل میں سب مقرروں سے زیادہ اس کا احترام ہو گیا۔ اس کے دشمنوں کو بھی اعتراف تھا، کہ ہمارا مقابلہ "دشمنِ سخت" سے ہے۔ چنانچہ اتنی بات اس کا ئی نیس اور ہیپریڈیز تک نے مانی ہے جو اُس کی ہمیشہ ہجو کرتے رہتے تھے۔

نظر بریں میں نہیں سمجھ سکتا کہ تھیوپمپس کے پاس یہ کہنے کی کیا دلیل ہے کہ "ڈموس تھنیز مزاج کا متلوّن تھا، اور لوگوں کے ساتھ نباہ کر سکتا تھا نہ آخر تک کسی بات پر قایم رہتا تھا"۔ حالانکہ واقعات اس رائے کے بالکل خلاف ہیں، کیونکہ جس جماعت اور عقیدۂ سیاسی کے ابتدا میں ساتھ ہوا تھا، مدّت العمر وہ انھیں کے ساتھ رہا۔ حتیٰ کہ زندگی سے ہاتھ دھونے پڑے مگر اپنے مقصد کو چھوڑنا اسے گوارا نہ ہوا۔ وہ ڈماڈیز کی مثل نہ تھا کہ آج کچھ ہو کل کچھ اور پھر اپنے بدل جانے پر اس طرح معذرت کرے کہ صاحبو! اپنی منشا کے خلاف تو میں اکثر کہہ گزرتا ہوں لیکن وطن کے خلاف آپ مجھے کبھی کچھ کہتا نہ پائیں گے!" نہ وہ میلانوپس کی مانند تھا جو کالیس تراتوس کی ہمیشہ مخالفت کرتا لیکن جب کچھ رشوت مل جاتی تو لوگوں سے کہتا "بے شبہ کالیس تراتوس میرا

دشمن ہے۔ مگر جب وطن کے فوائد درمیان ہوں تو ہمیں لامحالا سرِ تسلیم خم کر دینا چاہیے"۔ اور نہ وہ نکوڈیمس باشندۂ مسینہ کی طرح دیدہ دلیر تھا جو پہلے کسندر کے ساتھ رہا پھر اس کے حریفِ غالب ڈمٹ رئیس سے جا ملا اور کہنے لگا، یہ دونوں باتیں آپس میں کوئی تخالف یا تضاد نہیں رکھتیں کیونکہ صلاح کی بات یہی ہے کہ ہمیشہ فریقِ غالب کے سامنے سر جھکایا جائے۔ غرض ڈموس تھینیز اس قسم کے تمام الزامات سے بری ہے اس کے قول و فعل میں کبھی ایسا تضاد یا بزدلی دیکھنے میں نہیں آئی۔ ملکی معاملات میں اس کی زندگی ایسی یکساں گزری جیسے کوئی ایکٹر تماشے بھر ایک ہی روپ میں رہے (اگرچہ راگ اُسے مختلف گانے پڑیں) پانی ٹیس فلسفی کا قول ہے کہ اس کے تمام خطبے معلوم ہوتا ہے کہ ایک ہی بات ثابت و دلنشین کرنے کے لئے لکھے گئے ہیں اور وہ یہ کہ آدمی کو ہمیشہ صداقت اور دیانت پر عمل کرنا چاہیئے اور یہ پابندی کسی اور لالچ سے نہیں بلکہ خود انھیں اوصافِ حسنہ کی خاطر ہونی چاہیئے۔ چنانچہ اس کے خطبات اریس کراتیس کے خلاف، تاج کے عنوان پر، بیباکیوں پر اور فیلقوس کے خلاف سب اس قول کے شاہد ہیں۔ ہر جگہ وہ اپنے ہموطنوں کو روکتا ہے کہ جو چیزیں تمھیں سہل الحصول یا فائدہ رساں یا پُرلطف نظر آئیں ان کی تلاش نہ کرو بلکہ یہ دیکھو کہ منصفانہ اور حقیقت میں شریفانہ طرزِ عمل کیا ہے کیونکہ یہی شے ہے جسے خود اپنی عافیت اور حفاظت پر مقدم رکھنا انسان کا مقدس فرض ہے"۔ یقیناً یہ ایسے اقوال ہیں کہ اگر ڈموس تھینیز کسی قدر لالچی اور بزدل نہ ہوتا اور لڑائیوں کے موقعے پر عملاً بھی وہی جوش دکھاتا جو اس کے بیان میں ہے تو آج کے دن اس کا نام صرف مقرروں کی فہرست میں نہ ہوتا بلکہ سائمن اور پری کلیس کے برگزیدہ ناموں کے ساتھ جگہ پاتا۔ اُس کے ہم عصروں میں ایک فوکیون ایسا شخص ہے کہ اگرچہ جو پہلو مقدونی جماعت کی طرفداری کا اس نے اختیار کیا تھا وہ فی نفسہ قابلِ ترجیح نہ تھا، تاہم اس میں ذرا شبہ نہیں کہ اپنی دلیری اور صداقت شعاری کی بدولت اُس نے اریس تدیز اور سائمن سے کم ناموری نہ پائی۔ برخلاف اس کے ڈموس تھینیز کی

شجاعت پر بقول ڈمٹ ریس نہ تو لڑائی میں کوئی بھروسہ ہو سکتا تھا اور نہ وہ اتنا کھرا تھا کہ ہر آزمایش میں سچا اُترے۔ (چنانچہ گو فیلقوس کا روپیہ یا اہل مقدونیہ کے تحفے تحائف پر اس کا دل نہ بھر بھراتا تھا، تاہم وہ دوسرے پہلوؤں سے لالچ کی زد میں آسکتا تھا اور سوس و ہمداں کی اشرفیاں اُسے ضرور مغلوب کر سکتی تھیں) اس وجہ سے لوگ جانتے تھے کہ اسلاف کی خوبیوں پر دوسروں کو ترغیب دلا سکتا ہے مگر اپنے آپ عمل کرنے کی قوت نہیں رکھتا۔ بایں ہمہ خوبیوں کے سوا، وہ اپنے تمام ہمعصر خطیبوں سے اعمال واطوار میں بھی بدرجہا فایق ہے۔ اس کے خطبے اُس کی جرأت کے گواہ ہیں کہ انصاف و راستی کے سامنے کبھی اس نے عام رائے کا خوف نہ کیا بلکہ ہمیشہ لوگوں کو سرِ جلسہ تنبیہ کی۔ تھیوپمپس راوی ہے کہ ایک مرتبہ اہلِ اتھینز کسی شخص پر مقدمہ چلانا چاہتے تھے اور اس کے خلاف وکالت کرنے کے لئے انھوں نے ڈموس تھنیز کا نام تجویز کیا تھا۔ لیکن جب اُس کو بلایا گیا تو اس نے عین مجلس ملکی میں انکار کر دیا جس پر لوگوں میں بڑا شور مچا تو اس نے اُٹھکر صاف صاف کہدیا کہ "اے اہلِ اتھینز جہاں تک مشورے کا تعلق ہے خواہ تم چاہو یا نہ چاہو، میں ہمیشہ تمہارا مشیر رہوں گا۔ لیکن تم کتنا ہی چاہو یہ کبھی نہ ہوگا کہ میں تمہاری طرف سے جھوٹی وکالت یا تمہاری خوشامد کروں"۔ اسی طرح انٹی فن کے معاملے میں اس کا طرزِ عمل بالکل امرائے مغرور جیسا تھا۔ یعنی جب مجلس عوام نے اس شخص کو بری کر دیا تو ڈموس تھنیز نے اُسے ایریوپیگس (عدالت عالیہ) میں طلب کرایا اور وہی الزام کہ اس شخص نے فیلقوس سے مل کر اسلحہ خانے میں آگ لگانے کا وعدہ کیا تھا دوبارہ اُس پر قایم کیا۔ اور آخر عدالت سے سزا دلا کے چھوڑی۔ اور مشہور مزدورہ تھیوریس پر بھی وہ مقدمہ دائر کئے بغیر نہ مانا۔ اُس پر دیگر قابل اعتراض حرکات کے علاوہ بڑا الزام یہ تھا کہ غلاموں کو دغا بازی سکھاتی ہے کہ اپنے مالکوں کے ساتھ فریب و جعلسازی کریں، چنانچہ اس جرم پر سزائے موت تجویز ہوئی اور وہ ہلاک کر دی گئی۔

کہتے ہیں کہ اپالوڈورس نے سپہ سالار تیموتیوس کے خلاف ایک قرض کے مقدمے میں جو تقریر کی تھی اور جس کی وجہ سے وہ کامیاب بھی ہوا وہ ڈموس تھنیز کی لکھی ہوئی تھی اور دوسرے موقعے پر جب یہی اپالوڈورس، فورمین اور سٹیفانوس سے مقدمہ لڑا تو ڈموس تھنیز نے فریق اول کو بھی تقریر تیار کر دی اور فریق ثانی کو بھی۔ حالانکہ یہ بات لوگوں کی نظر میں نہایت شرمناک تھی کہ گویا اس نے دونوں کے لڑانے کا سامان کیا اور ایک ہی دوکان سے فریقین کو اسلحہ جنگ دے دیئے! اس کے وہ خطبے جو اس نے عام جلسوں میں ان دروشن، مڈکرائیس اور ارسٹوکرائیس کی مخالفت میں پڑھے، دراصل اور لوگوں کے لئے پہلے کے لکھے ہوئے تھے۔ یعنی غالباً ستائیس اٹھائیس برس کی عمر میں ملکی معاملات میں حصہ لینے سے پہلے اس نے ان کو تیار کیا تھا۔ اور ارس توگی تن کے خلاف یا پلی بائیو کے عنوان پر جو کچھ لکھا وہ سیپوس کے کہنے سے لکھا۔ لیکن یہ خود اس کا بیان ہے ورنہ لوگ کہتے ہیں کہ سیپوس کے کہنے سے نہیں بلکہ اس کی ماں کو اپنا کرنے کے لئے یہ تقریریں تیار کی گئی تھیں اگرچہ اس نے خاتون مذکورہ سے شادی نہیں کی، بلکہ جزیرہ ساموس کی کسی عورت سے بیاہ کیا۔ جس کا ذکر ڈمٹ ریس میگنیشی نے اپنی کتاب "اشخاص ہمنام" میں لکھا ہے۔ یہ معلوم نہ ہو سکا کہ اس کائی نیس کی سفارت اور نالائقی پر جو کچھ اس نے تحریر کیا تھا اس کے پڑھنے کی بھی نوبت آئی یا نہیں۔ ایڈومینیس کا بیان ہے کہ ایسا ہوا اور صرف تیس رائے کی کمی سے اس کائی نیس سزا پاتے پاتے بچا۔ لیکن یہ بات کچھ زیادہ قرین قیاس نہیں کیونکہ بعد میں جو تقریریں ان دونوں نے تاج کے بارے میں کی ہیں ان میں کہیں اشارۃً بھی نہیں معلوم ہوتا کہ اس کی تقریر اس کائی نیس کی فضیحت کا سبب ہوئی۔ بہر حال اس مختلف فیہ مسئلے کا فیصلہ اوروں کے لئے چھوڑ دینا چاہیئے۔

ڈموس تھنیز کا رجحان طبیعت شروع ہی میں ظاہر ہو گیا تھا۔ اس نے ابتدا سے (اور لڑائیاں چھڑنے سے کہیں پہلے) مقدونیہ والوں کے خلاف لوگوں کو مشتعل کرنا

شروع کیا تھا، اور شاہ فیلقوس پر اعتراضات کا تار باندھ دیا تھا۔ چنانچہ اُس کے دربار میں سب سے زیادہ ڈموس تھینز ہی کا چرچا رہتا تھا۔ اور جب وہ ایتھنز کی سفارت میں وہاں گیا تو اگرچہ تمام سفیروں کی باریابی ہوئی لیکن ڈموس تھینز کی تقریر کا جواب دینے میں خاص احتیاط اور صحت ملحوظ رکھی گئی۔ البتہ اس کی خاطر مدارات اتنی نہیں ہوئی جتنی اس کے ہمساتھیوں کی ہوئی اور شاہِ فیلقوس نے جو عنایت اور خُلق اس کائینس کے ہم خیالوں کے ساتھ برتا ، وہ اس سے محروم رہا۔ غالباً اسی وجہ سے جب سفارت واپس آئی اور سفرائے فیلقوس کی خوش گفتاری، خوبصورتی اور نیز بے تکلفانہ میکشی کو بہت سراہا تو ڈموس تھینز سے خاموش نہ رہا گیا، اس نے تینوں باتوں کی ہجو کی اور کہنے لگا کہ پہلی صفت تو کسی مقرر کے لیے موزوں ہے، دوسری عورتوں کے واسطے، باقی تیسری خوبی اسفنج کے خواص میں داخل ہو تو ہو بادشاہوں کے لیے ان میں سے کوئی بات بھی موجب تعریف نہیں ہو سکتی۔

لیکن جب لڑائی کی نوبت پہنچی اور ایک طرف فیلقوس کو امن سے رہنا دشوار ہوا اور دوسری جانب اہل ایتھنز کو اُس کی جادو بیانی نے مشتعل کر دیا تو سب سے پہلے اُس نے اپنے ہموطنوں کو یوبیہ کی تسخیر پر آمادہ کیا۔ کیونکہ یہ علاقہ جابروں کی (یعنی اہل استبداد یا شخصی حکمرانوں کی) غداری سے فیلقوس کے ماتحت آگیا تھا۔ اس کی یہ تجویز مجلس میں منظور ہوئی اور اہل ایتھنز نے سمندر اُتر کر مقدونیوں کو جزیرۂ مذکور سے نکال دیا۔ دوسری چال بائی زنطہ اور پرن تِوس والوں کو کمک پہنچانے کی تھی کہ اُن دنوں اہل مقدونیہ ان شہروں پر یورش کر رہے تھے۔ ڈموس تھینز نے لوگوں کو آمادہ کیا کہ ان شہروں سے جو پرانی عداوت ہے اسے بالائے طاق رکھیں اور ان کی پچھلی خطاؤں کو بھلا کر اس وقت امداد و حفاظت کریں تاکہ وہ فنا ہونے سے بچ جائیں۔

تھوڑے دن بعد وہ ایتھنز کی طرف سے تمام یونانی ریاستوں میں سفارت لے کے

بھی گیا اور سب کو (باستثنائے چند) فیلقوس کا ایسا دشمن بنا دیا کہ وہ متحد ہو کر اس کے خلاف آمادہ جنگ ہو گئیں۔ چنانچہ آزاد شہریوں کے علاوہ پندرہ ہزار پیادہ اور دو ہزار سواروں کی کثیر فوج مرتب ہو گئی جس کے مصارف لوگوں نے خوشی سے جمع کر دیئے۔ یہ سب سپاہی باہر کے باشندے تھے۔ تھیوفراسطس نے لکھا ہے۔ کہ اتحادیوں نے درخواست کی کہ مصارف کا باقاعدہ تخمینہ بنایا جائے اور ہر ریاست سے بہ حصہ رسد وصول کیا جائے تو اس موقع پر مشہور خطیب کروبائی لس نے اس کہاوت سے کام لیا تھا کہ "لڑائی کی روزانہ غذا (یعنی خرچ) نپی تلی نہیں ہوا کرتی۔"

اب سارا یونان جنگ پر تلا کھڑا تھا، لوگ بیتاب تھے کہ دیکھیں ان تیاریوں کا کیا نتیجہ نکلتا ہے؟

یوبیہ، ایکیہ، کورنتھ، مگارا، لیوسیدیہ، اور کرکائرا سب کے سب لڑائی میں ایک دل تھے۔ لیکن ڈموس تھنیز کو ابھی سب سے دشوار کام یعنی اہل تھیبز کو شریک اتحاد کرنا باقی تھا اور یہ ہر لحاظ سے نہایت ضروری تھا۔ کیونکہ اوّل تو ان کا علاقہ ایتھنز کی حدود ریاست (اٹی کا) سے ملا ہوا تھا، دوسرے ان کے پاس کثیر و آزمودہ کار فوج تھی اور ان دنوں سارا یونان اس کی شجاعت کا لوہا مانتا تھا۔ لیکن ان کا شریک اتحاد ہونا اس لئے اور بھی دشوار تھا کہ جنگ فوکیس میں فیلقوس نے انھیں اپنا مرہون منت بنا لیا تھا۔ اور اس سے بڑھ کر یہ کہ خود ایتھنز سے ان کے تعلقات اچھے نہ تھے اور ہمسائگی کی وجہ سے چھوٹے چھوٹے جھگڑوں پر ہمیشہ فتنہ و فساد تازہ ہوتا رہتا تھا۔

اسی حال میں یکایک خبر آئی کہ فیلقوس نے الاٹیہ پر چھاپہ مارا اور قصبہ فوکیس پر قابض ہو گیا۔ اس دلیری کی وجہ یہ تھی کہ انہی دنوں امفی سا پر اس نے ایسا معرکہ جیتا تھا کہ غرور کے دعوے اور جنگ کے حوصلے بڑھ گئے تھے اور وہ خوشی سے پھولا نہ سماتا تھا۔ بہر حال اس واقعے نے اہل ایتھنز کو بالکل سراسیمہ کر دیا۔ مجلس میں کسی کو جرأت نہ پڑی کہ

اُٹھکر کوئی صلاح یا تدبیر بتاتا - بد حواسی اور پریشانی نے سب کی زبانیں بند کردی تھیں کہ اتنے میں ڈموس تھینیز سامنے آیا اور اسی نے تھیبنز کے ساتھ صلح و آشتی کی تدبیر بتائی اور اوراُس نے طرح طرح سے لوگوں کے دلوں میں جوش اُمید کی بجھی ہوئی آگ روشن کی اور بالاتفاق چند آدمیوں کے ساتھ تھیبنز کی سفارت پر مقرر کیا گیا - مرسیاس لکھتا ہو کہ اسی سفارت کے توڑ پر فیلقوس نے امین تیاس اور کلیرکاس کو تھیبنز روانہ کیا تھا اور ان مقدونی سفیروں کے ہمراہ تھسلی کا باشندہ داوجس بھی تھا - تھیبنز کے خود لوگ کچھ بچے نہ تھے کہ اپنی برائی بھلائی نہ سمجھتے اور خاص کر اس وقت تو لڑائی کا خوف ان کے دلوں میں سمایا ہوا تھا اور جنگ فوکیس کے نقصانات ابھی فراموش نہ ہوئے تھے - باینہمہ ہمارے جادو بیان خطیب کی تقریروں میں وہ قوت اور تاثیر تھی کہ تھیوپمپس کے بقول اُن میں غیر معمولی ہیجان پیدا ہوگیا اور خوف و عاقبت بینی یا قدیم احسان مندی کے تمام خیالات کو بالائے طاق رکھکے وہ جان دینے پر آمادہ ہوگئے اور غیرت و شرافت کا وہی راستہ اختیار کیا جو ڈموس تھینیز نے انھیں دکھایا تھا - ایک خطیب دوم کی یہ کامیابی کوئی معمولی بات نہ تھی اور اس کا اتنا اثر ہوا کہ ایک طرف تو فیلقوس صلح کے نقیب بھیج کر امن امن پکارنے لگا اور دوسری طرف تمام یونان اپنے اسلحہ سنبھال کر اُٹھ کھڑا ہوا کہ جو امداد دی جاسکے اس میں کوتاہی نہ کرے -

اس وقت ایتھنز کا تو ایک طرف خود بیوشیہ کے سپہ سالار تک ڈموس تھینیز کے آگے سر عقیدت خم کر رہے تھے اور اسی کے مشوروں کو اپنا دستور العمل بناتے تھے - حتیٰ کہ تھیبنز کی ملکی مجلس پر بھی اُس کا وہی اقتدار ہوگیا تھا جتنا کہ اپنے اہل وطن پر یعنی دونوں ریاستوں میں وہ یکساں طور پر محبوب و مکرم تھا اور دونوں علاقوں میں اس کی حکومت تھی اور یہ اختیار کسی ناجائز ذریعے سے یا بلا استحقاق (جیسا کہ تھیوپمپس کا بیان ہے) اُسے حاصل نہیں ہوا تھا بلکہ درحقیقت وہ اپنی لیاقت و مستعدی کی وجہ سے اسی کا حق دار تھا -

لیکن معلوم ہوتا ہے کہ آسمان ان کی مخالفت پر کربستہ تھا اور تقدیر یونانی آزادی کا یہیں خاتمہ کردینے کا فیصلہ کرچکی تھی۔ چنانچہ اس انقلاب کی بہت سی علامات بھی ظہور میں آئیں۔ منجملہ اُن کے اپالو کی مرلی کی وہ ملال آمیز پیشین گوئی تھی جس میں سبل کے یہ ملہمانہ اشعار دُہرائے گئے تھے کہ:۔

"وہ جنگ، جو تھرموڈن پر ہونی ہے، میں اُس کو عقاب کی طرح کہ وسطِ آسمان سے تاک لگاتا ہے، دُور رہ کر بہت بلندی سے خواہانِ دید ہوں: مفتوح وہاں روتے ہوں گے اور فاتح فنا ہوجائیں گے!"

تھرموڈن کے متعلق لوگوں کا بیان ہے کہ ہمارے وطن شیرونیہ میں ایک چھوٹی سی ندی ہے جو آگے جاکے سفی سوس میں جا ملتی ہے۔ لیکن آج کل تو کوئی ندی یہاں اس نام کی نہیں ممکن ہے وہ نالہ جسے اب ہیمن کہتے ہیں اُن دنوں تھرموڈن کہلاتا ہو۔ کیونکہ وہی ہرقل کے مندر پاس سے بہتا ہے جہاں یونانی فوج نے اپنا پڑاؤ ڈالا تھا۔ اور کچھ عجب نہیں جو اسی موقع پر اس کا پانی لاش و خوں سے پٹ گیا ہو اور ہیمن کہلانے لگا ہو۔ مگر ڈورِیس کا بیان ہے کہ تھرموڈن کسی ندی یا نالے کا نام نہیں، بلکہ اس کی وجہ شہرت یہ ہے کہ جب یونانی اپنے خیمے ڈال رہے تھے اس وقت زمین کھودتے میں ایک مورت تھرموڈن (دیوتا) کی ہاتھ آئی جو ایک زخمی دیوتی کو اُٹھائے ہوئے تھا۔ اس کے علاوہ ایک اور الہامی پیشین گوئی بھی وہاں زبان زد تھی جس کا مضمون یہ تھا:۔

"سیاہ گدھ، تھرموڈن کی اُس لڑائی کو جو شدنی ہے، ضرور جاکے دیکھنا۔ وہاں انسان کا گوشت بڑی افراط سے تیرے لیے مُہیا ہوگا۔"

مختصر یہ کہ یقین کے ساتھ یہ کہنا دشوار ہے کہ تھرموڈن کی حقیقت کیا ہے؟ لیکن بجائے خود ڈموس تھنیز یونانیوں کی کثرتِ سپاہ پر فتح کا کامل یقین رکھتا تھا اور اتنے بہادرانِ جنگ جن کو سربکف دیکھکر اس درجے از خود رفتہ ہوگیا تھا کہ کسی بدفالی یا پیشین گوئی کی اُسے پروا

نہ تھی نہ کسی الہام یا استعارے کو سننا چاہتا تھا۔ بلکہ یہاں تک بڑھا کہ خود کاہنہ پر شبہ کرنے لگا کہ یہ فیلقوس سے مل کر اس کے حسب مراد باتیں کر رہی ہے۔ تھیبز والوں کو تو اس نے اپامیننڈس کی مثال یاد دلائی اور ایتھنزیوں کو پری کلیس کا نام لے لے کے ابھارا کہ یہ دونوں مدبر ہمیشہ عقل و تدبیر پر بھروسہ کیا کرتے تھے اور اس قسم کی (وہمی) باتوں کو بزدلی کا حیلہ سمجھتے تھے۔

یہاں تک تو ڈموس تھینز نے اپنے تئیں دلیر اور نڈر آدمی ثابت کیا۔ مگر جب عمل کا وقت آیا تو اس نے جتنا جوش تقریروں میں دکھایا تھا اس کا ایک پاسنگ بھی لڑائی میں نہ دکھایا اور کمال بے غیرتی سے اپنی جگہ چھوڑ کے میدان سے بھاگ نکلا۔ اور اپنے ہتھیار پھینکتے وقت بقول پیتھیاس، اُسے یہ بھی تو شرم نہ آئی۔ کہ جو کتبہ اپنی ڈھال پر سنہری حروف میں کندہ کرا کے لڑنے نکلا تھا یہ فعل اُس کے کس درجے خلاف ہوگا۔ کتبہ یہ تھا کہ "خوش نصیبی کے ساتھ!"

اُدھر فیلقوس نے فتح پائی تو جوش مسرت میں ایسا آپے سے باہر ہو گیا کہ خوب شراب پی کے جب مقتولوں کے معائنے کو نکلا تو از رہ حقارت اُس فرمان جنگ کا پہلا فقرہ گنگنانے لگا جو ڈموس تھینز کی تحریک پر اہل یونان میں شائع کیا گیا اور اس طرح شروع ہوتا تھا کہ

"بتحریک، ڈموس تھینز ابن ڈموس تھینز کی"

وہ اس کو ارکان عروضی میں تقسیم کرتا تھا اور ہر رکن پر ٹھیرا کے گاتا جاتا تھا۔

لیکن جب ذرا نشہ اُترا اور ان خطرات پر جو تھوڑی دیر پہلے اُسے گھیرے ہوئے تھے اس نے از سر نو غور کیا، تو اُس کا دل اس خیال سے کانپ کانپ اُٹھا کہ کس طرح محض ایک مقرر کی حیرت انگیز قوت و قابلیت نے اس کی جان اور سلطنت جوکھوں میں ڈال دی تھی کہ ان کا فیصلہ صرف چند ساعت کی لڑائی پر آٹھیرا تھا۔

اس واقعے کی شہرت دربار ایران میں بھی پہنچی اور شہنشاہ نے اپنے نائبوں کو احکام بھیجے تھے کہ ڈموس تھینز کی ہر طرح روپے پیسے سے مدد کی جائے اور خاطر داری میں کوئی فروگذاشت

نہ ہو۔ کیونکہ سارے یونان میں وہی ایک شخص ہے جو فیلقوس اور اس کی فوجوں کو اندرونی جھگڑوں میں مصروف و مبتلا رکھ سکتا ہے۔ اس تمام رسل و رسائل کا علم بہت دن بعد اس وقت ہوا جب سکندر کو ایرانی پایہ تخت اصطخر میں ڈموس تھنیز کے بعض خطوط ملے اور ایرانی حکام کے وہ کاغذات پائے گئے جن میں اُسے کثیر رقوم بھیجے جانے کا ذکر تحریر تھا۔

یونانیوں کی ہزیمت نے ڈموس تھنیز کے مخالفوں کو موقع دیا کہ وہ اس پر طرح طرح کے الزام لگائیں لیکن جمہور نے اس کو تمام الزامات سے نہ صرف بری کر دیا بلکہ پہلی تعظیم و تکریم بدستور رکھی اور ہمیشہ اُسے قوم کا خیر خواہ سمجھکر اہم معاملات میں مشورہ لیتے رہے یہاں تک کہ جب معرکۂ شیرونیہ کے مقتولوں کی ہڈیاں وطن کو لائی گئیں کہ ادب و احترام کے ساتھ دفن کی جائیں تو جنازوں پر "خطبہ شہدا" کہنے کے لئے انھوں نے ڈموس تھنیز ہی کو منتخب کیا۔ اور جیسا کہ تھیوپمپس نے اپنے مبالغہ آمیز پیرایۂ بیان میں لکھا ہے۔ انھوں نے کسی قسم کی دنایت یا کم ظرفی کا اظہار نہیں کیا بلکہ اس کے برعکس اپنے مشیر کی وہی عظمت اور لحاظ کرتے رہے جس سے ثابت ہو کہ وہ شکستہ حالی میں بھی اس کے پہلے مشوروں کی صداقت اور خلوص کے قایل ہیں۔ غرض "جنازے کی تقریر" ڈموس تھنیز ہی نے کی۔ مگر آیندہ سے اُس نے نئی تحریکیں اپنے نام سے جاری کرنی چھوڑ دیں بلکہ باری باری اپنے دوستوں کے نام لکھوا دیا کرتا تھا۔ اور اپنے نام کو منحوس سمجھتا تھا۔ یہاں تک کہ فیلقوس نے عالم بقا کی راہ لی۔ وہ شیرونیہ کی لڑائی کے بعد کچھ زیادہ نہ جیا اور جب خونی کے ہاتھ سے اُس کے مرنے کی خبر آئی تو ڈموس تھنیز کی جرأت نے گویا عود کیا۔ نیز کہنا چاہیئے کہ وہ آواز غیب صحیح ثابت ہوئی کہ

"مفتوح وہاں روتے ہوں گے اور فاتح فنا ہو جائیں گے"۔

اس واقعے کی اطلاع ذاتی طور پر ڈموس تھنیز کو کچھ دیر پہلے ہو گئی تھی۔ لیکن اُس نے لوگوں سے اس کو چھپایا اور اس بے خبری سے فائدہ اُٹھا کر اپنے اہل وطن کے دل میں تازہ جوش پیدا

کرنا چاہا۔ یعنی ہشاش بشاش چہرہ بنا کے مجلس عوام میں آگیا اور کہنے لگا آج میں نے ایسا خواب دیکھا ہے کہ ضرور اہل ایتھنز کوئی مژدہ سنیں گے اور ان کا کوئی بہت بڑا فائدہ ہوگا۔ تھوڑی ہی دیر بعد ہرکارے پہنچے اور فیلقوس کے مرنے کی خبر سنائی۔ جیسے سنتے ہی لوگوں نے دیوتاؤں کے نام (خوشی میں) قربانیاں کیں اور مجلس نے پالسی نس (دیوتا) کی درگاہ میں ایک تاج نذر چڑھانا منظور کیا۔ ڈموس تھنیز بھی اس دن قیمتی پوشاک اور تاج نما ٹوپی پہن کر باہر نکلا، حالانکہ بروایت اِسں کائی نیس، اس کی بیٹی کو مرے ہوئے ساتواں دن تھا اسی بنا پر اس کائی نیس اس کو بدنام کرتا اور سخت سست کہتا ہے کہ وہ ایسا قسی القلب شخص تھا جسے اپنے بچوں کی بھی محبت نہ تھی۔ لیکن سچ یہ ہے کہ اس قول سے الٹی اس مؤرخ کی تنگ نظری اور دنایت ثابت ہوتی ہے جس کے نزدیک رونا پیٹنا ہی محبت کی علامت ہے اور ایسے حادثات پر صبر و ضبط کرنا قابل اعتراض و نفریں۔ اگر میری رائے پوچھی جائے تو میں اہل ایتھنز کے اس طرز عمل کی جو فیلقوس کی موت پر اُن سے ظہور میں آیا، ذرا بھی تعریف نہ کروں گا۔ اس بادشاہ کی وفات پر جس نے قابو اور فتح پانے کے باوجود اُن کے ساتھ رحم و انسانیت کا برتاؤ کیا، خوشی منانا، یا قربانیاں کرنا اور نذر و نیاز چڑھانا، نہ تو میری دانست میں کوئی دانائی تھی نہ مقتضائے شرافت۔ کیونکہ علاوہ ایسے گھمنڈ کے جو دیوتاؤں کو بھی ناگوار گزرے یہ حرکت فی نفسہٖ ذلیل و مذموم تھی کہ جس شخص کو زندگی میں محترم سمجھا کئے اور ایتھنز کا شہری بنانا فخر جانا اُس کے دوسرے کے ہاتھ سے قتل ہوتے ہی خوشی سے پھولے نہ سمائے اور نہ مُردے کی توہین کرتے شرمائے۔ بلکہ اس طرح فتحمندی کے ترانے گانے لگے گویا انھیں کے ہاتھ سے وہ مغلوب ہوا تھا۔

اسی کے ساتھ میں ڈموس تھنیز کی تعریف کروں گا کہ واویلا اور آہ و بکا کو عورتوں کے واسطے چھوڑ کر، اہل وطن کی خدمت کو مقدم سمجھا۔ اور بے شبہ میری رائے میں ہر شخص کا جو اپنے تئیں حقیقی شجاع اور قوم کی رہنمائی کا اہل کہوانا چاہتا ہے، فرض ہے کہ ہمیشہ جمہور کی فلاح

پیش نظر رکھے اور اپنے ذاتی آلام ومصائب کا صحیح معاوضہ لوگوں کو بہبود اور مسرت عام
میں مرکوز جانے۔ اُسے اپنے مرتبے اور منصب کا کم سے کم اُن نقالوں سے تو زیادہ
پاس ہونا چاہیئے جو تھوڑی دیر کے لئے بادشاہوں یا جابروں کا بہروپ بدلتے
ہیں اور جنھیں ہم دیکھتے ہیں کہ جب کبھی تماشے میں ہنستے یا روتے ہیں تو ذاتی جذبات
کا مطلق لحاظ نہیں کرتے بلکہ محض اپنے بھیس کے مناسب حال کام کرتے ہیں۔ مزید براں
انسانیت کا یہ تقاضا نہیں کہ ہم اپنے ہمسایئے کو رنج ومصیبت میں مبتلا دیکھیں تو خاموش
ہو جائیں اور اس کی دل دہی نہ کریں۔ اس موقع پر ہمارا فرض ہے کہ حتی المقدور اس کا
دل بہلائیں اور غم غلط کرنے کی کوشش کریں بالکل اسی طرح جس طرح کہ آشوب چشم کے بیماروں
کو ہم صلاح دیا کرتے ہیں کہ کسی چمکیلی شے یا تیز رنگوں پر نظر نہ ڈالیں بلکہ سبز یا ہلکے رنگ کی
چیز کو دیکھیں۔ آدمی کا اپنا کنبا اس موقعے کی بہت عمدہ مثال فراہم کرتا ہے کہ اگر اس کے
اپنے خاندان میں رنج وماتم ہو رہا ہو تو اُسے کسی ذاتی کامیابی پر خوشی منانا اچھا نہ معلوم
ہوگا۔ اسی طرح اگر اس کے اہل وطن یا قوم کا فائدہ ہوا اور شاہد کامرانی سے ہمکنار ہیں تو
کسی شخص کا اپنے خانگی مصائب کو قومی خوشی پر مقدم کر دینا، کوئی خوبی کی بات نہیں ہے۔
میں نے اپنے بیان کو اتنا طول اس لئے دیا کہ اس کا ئی نیس کی تحریر پڑھکے اکثر لوگ
نامناسب رنج کرنے لگتے ہیں۔ مگر اب اپنے قصّے کی طرف عود کرتا ہوں کہ یونان کے
شہروں نے فیلقوس کے مرنے کے بعد ڈموس تھنیز کی جد وجہد مساعی سے پھر متحد ہونے پر
کمر باندھی۔ اہل ہتھنز جنھیں اس نے اسلحہ فراہم کر دیئے تھے، سب سے پہلے میدان میں اُترے
اور مقدونی چھاؤنی پر یک بہ یک حملہ کر کے اکثر سپاہیوں کو مار ڈالا۔ ایتھنز کی مجلس میں
پھر ڈموس تھنیز کا طوطی بول رہا تھا۔ اور وہ خسرو ایران کے ایشیائی عمّال کے نام پھر
مصروف نامہ وپیام تھا کہ مقدونیہ سے لڑائی چھیڑیں جس کے تخت پر (ڈموس تھنیز
کے الفاظ میں) ایک سادہ لوح بچہ متمکن ہوا تھا۔ لیکن جونھیں سکندر نے اپنے ملکی معاملات

سے فراغت پائی اور بیوشیہ پر بذاتِ خود دیورشس کی۔ اہل ایتھنز سب لاف و گزاف
بھول گئے اور ڈموس تھینز کی آواز بھی بیٹھ گئی۔ تھیبز والوں کو وہ بے یار و مددگار چھوڑ کر
بھاگ آئے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انھیں تنہا لڑنا، اور شکست فاش کھا کے اپنا شہر دشمن کے
حوالے کرنا پڑا۔ اس واقعے نے ایتھنز میں سخت انتشار اور مایوسی پیدا کر دی اور وہاں
کے لوگوں نے آخر بہ مجبوری سکندر کے پاس سفارت بھیجنے کا ارادہ کیا۔ اور ایلچیوں
میں ڈموس تھینز کا بھی نام منتخب کیا۔ لیکن غضبِ شاہی نے اس کو اس درجے اندیشہ مند
کیا کہ تھوڑی دُور جانے کے بعد وہ سفارت چھوڑ کے واپس چلا آیا۔ اسی اثنا میں خود
سکندر نے اپنے آدمی ایتھنز بھیجے اور ایڈومینس اور دوریس کی روایت کے بموجب
اُن سے دس مقرّروں کے حوالے کر دینے کا مطالبہ کیا۔ مگر بہترین اور زیادہ مستند
مؤرخوں کا بیان ہے کہ اس نے صرف آٹھ شخصوں کو مانگا تھا۔ جن کے نام یہ ہیں ڈموس تھینز
پولیوکٹس، افیالٹیس، لکرگس، مروکلیس۔ ڈیمن، کلیس تن اور کاری دموس۔ اسی موقعے
پر ڈموس تھینز نے لوگوں کے سامنے وہ کہانی بیان کی تھی جس میں بھیڑوں نے اپنے
محافظ کتّوں کو بھیڑیوں کے حوالے کر دیا تھا۔ اور اپنے اور اپنے ساتھیوں کو، جنھوں نے
ہمیشہ لوگوں کی سلامتی کے واسطے لڑائیاں لڑیں، کتّوں سے تشبیہ دی تھی جو گلّے کی
نگہبانی اور مدافعت کرتے رہے۔ اور سکندر کو "مقدونیہ کا مہا بھیڑیا" بتایا تھا۔ اس حکایت
کے علاوہ اس نے لوگوں کے آگے یہ تمثیل بھی کہی تھی کہ "دیکھنا جس طرح بیوپاری لوگ
اناج کے کھتّوں کا سودا اس طرح کرتے ہیں کہ مٹھی بھر دانے بطور نمونہ خریداروں کو دکھاتے
ہیں۔ اسی طرح یاد رکھو کہ ہمارا حوالے کر دیا جانا، درحقیقت تم سب کا بک جانا ہے"۔ مذکورہ بالا
نقل ارس طالس کی تاریخ کسندر سے ہم نے اخذ کی ہے۔ القصّہ اہل ایتھنز آپس میں مشورہ
کر رہے تھے اور اسی پریشانی میں تھے کہ کیا جواب دیں کہ ڈماڈیز نے ایلچی بن کر جانا
منظور کیا اور جن لوگوں کو سکندر نے مانگا تھا ان سے فی کس پانچ ٹیلنٹ ٹھہرا کے، معافی

دلوانے کا وعدہ کرلیا۔ جس کی وجہ یا تو یہ تھی کہ اُسے بادشاہ کی عنایت اور دوستی سے اُمید تھی کہ وہ اس کی بات مان لے گا اور یا اُسے یہ خیال تھا کہ اب ایک خونخوار شیر ببر کی مانند خون کرتے کرتے اس کی پیاس بجھ چکی ہو گی۔ بہرحال وہ گیا اور واقعی اپنے دونوں ارادوں میں کامیاب ہوگیا۔ یعنی سکندر نے مذکورہ بالا اشخاص کے مطالبہ سے ہاتھ اُٹھا لیا اور شہر ایتھنز سے صلح کرلی۔

سکندر کے رخصت ہونے کے بعد ڈموس تھنیز کا اثر و رسوخ بہت گھٹ گیا اور ایتھنز میں ہر طرف ڈاڈ بڑا اور یا اس کے احباب حاوی نظر آنے لگے۔ بیچ میں تھوڑے دن کے لئے شاہ اجیس نے اسے سہارا دیا تھا، لیکن اسپارٹہ کے اس وطن پرست کو اہلِ ایتھنز نے کوئی مدد نہ دی اور وہ مقدونیہ کے خلاف لڑکے خود ہی ہلاک ہوگیا۔ لہٰذا ڈموس تھنیز بھی دوبارہ گوشہ نشین ہوگیا اور پھر اس کی شہرت صرف تسی فون کے مقدمے کی وجہ سے ہوئی جو اسی زمانہ میں از سرِ نو پیش ہوا تھا۔ یہ مقدمہ ڈموس تھنیز پر اس کے مخالفوں نے شیرونیہ کی لڑائی سے پہلے اُٹھایا تھا اور اس نے جو خطبۂ تاج کے موضوع پر لکھا تھا اس میں سے قابلِ اعتراض باتیں نکال کے اس پر مختلف الزام لگائے تھے۔ لیکن دس سال تک وہ التوا میں پڑا رہا اور اب ارس طافن کے زمانہ حکومت (یا آرکنی) میں اس کی نئے سرے سے سماعت شروع ہوئی۔ وکلا اور طرفین کے مقرروں کی ناموری نے جتنا اس مقدمے کو مشہور کیا شاید ہی اتنا چرچا کسی دوسرے کا ہوا ہوگا۔ اور اس کی یادگار اس سبب سے اور بھی بڑھ گئی کہ اراکینِ عدالت نے کمال دلیری اور عدل کا ثبوت دیا۔ چنانچہ گو ڈموس تھنیز کے حریف اس وقت عین عروج پر تھے نیز مقدونیہ کی مدد ان کے شاملِ حال تھی، بایں ہمہ عدالت نے ڈموس تھنیز کے حق میں فیصلہ کیا اور ایسی عزت و توقیر کے ساتھ اس کو بری کیا کہ طرفِ ثانی کے بڑے پیروکار اس کائی نیس نے ناکام و ذلیل ہو کے شہر چھوڑ دیا اور باقی عمر جزیرۂ روڈس اور ساحلِ

ایشیا پر فنِ خطابت کی تعلیم دینے میں گزاری۔

اس واقعے کو زیادہ مدت نہ گزری تھی کہ ہرپالوس سکندر کی ملازمت چھوڑ کے ایتھنز بھاگ آیا۔ اسے اپنی عیاشی اور بدفعلیاں یاد تھیں اور بادشاہ کا خوف دل پر چھایا ہوا تھا کہ وہ ان دنوں اپنے بڑے سے بڑے خیر خواہ کے لئے بھی خطرناک ہو گیا تھا۔ مگر اس شخص نے ایتھنز پہنچتے ہی جب لوگوں سے اپنی مظلومی بیان کی اور اپنا مال و اسباب اور جہاز بالکل ان کے اختیار میں دے دیئے تو اس کے روپے نے بہت سے مقرروں کو لالچ کے جال میں پھنسا لیا۔ وہ سب اس کے معاون و مددگار ہو گئے اور لوگوں سے اس کی حفاظت و پناہ کی سفارش کرنے لگے۔ ڈموس تھنیز اوّل اوّل اس رائے کے خلاف تھا۔ اور اس کا مشورہ یہ تھا کہ ایسے آدمی کو فوراً اپنے علاقے سے نکال دینا چاہیئے۔ مبادا شہر کو خواہ مخواہ اور ایک ناحق بات پر سکندر سے لڑائی مول لینی پڑے۔ لیکن تھوڑے دن کے بعد یہ اتفاق ہوا کہ وہ اس کے ساز و سامان کا معائنہ کرنے گیا۔ اور ایک ایرانی ساخت کے طلائی جام کو دیکھ کر نہایت متعجب ہوا۔ ہرپالوس اس کی نگاہ سے تاڑ گیا کہ یہ جام اسے بہت پسند آیا۔ لہٰذا اس سے مخاطب ہو کے کہنے لگا "ذرا اس کو اپنے ہاتھ میں اُٹھا کے دیکھو کتنا وزنی ہے؟" ڈموس تھنیز نے ہاتھ میں لیا تو اسے بہت وزنی دیکھ کے اور بھی متعجب ہوا۔ اور پوچھنے لگا کہ بھلا یہ تول میں کتنا ہوگا؟ ہرپالوس نے مسکرا کے کہا "تم اس میں بیس ٹیلنٹ[1] وزن پاؤ گے!" اور جب رات ہوئی تو اس جام میں اتنے ہی ٹیلنٹ بھر کے ڈموس تھنیز کے پاس ہدیۃً بھجوا دیئے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ہرپالوس قیافہ شناسی میں بڑا کمال رکھتا تھا۔ اور آدمی کی حرکاتِ چشم سے اس کی طمع کا اندازہ کر لیتا تھا۔ چنانچہ ڈموس تھنیز کے دل کی حالت بھی اس نے بالکل صحیح سمجھی تھی، کیونکہ وہ پیالے کے لالچ میں آگیا اور اس

[1] یہ ایک وزن بھی تھا اور طلائی سکہ بھی جس کی قیمت ہمارے ۴۱/۲ ہزار روپے کے قریب ہوتی ہے۔ مترجم

تحفے کو قبول کیا کیا کہ گویا ایک مسلح فوج اپنے گھر کے قلعے میں اتروالی اور ہرپالوس کے آگے سر اطاعت خم کر دیا۔

دوسرے دن ڈموس تھنیز بہت سے اونی گلوبند اپنے گلے میں لپیٹ کے مجلس عام میں گیا اور جب لوگوں نے اسے کھڑے ہوکے تقریر کرنے کے لئے بلایا تو اس طرح اشارے کرنے لگا کہ گویا اس کی آواز پڑ گئی ہے اور گردن پر ورم آگیا ہے۔ لیکن بذلہ سنجوں نے اس عذر کو چٹکیوں میں اڑایا اور کہنے لگے کہ ہمارے مقرر کو سوائے کنٹھ مالا کے اور کوئی مرض نہیں ہوسکتا اور اس کے یہی آثار شب گزشتہ ہی ظاہر ہوئے۔ الغرض بہت جلد لوگوں پر اس کی رشوت ستانی کا حال کھل گیا۔ اور وہ سب نہایت ناراض ہوئے۔ اور ڈموس تھنیز نے عذر معذرت کرنی بھی چاہی تو انھوں نے اُسے بات نہ کرنے دی اور ایک شخص کھڑے ہوکے چلایا کہ "ہائیں، ہائیں، صاحبو کیا تم جام بردار کو بات کرنے کی بھی اجازت نہ دوگے؟"

پھر لوگوں نے ہرپالوس کو شہر سے نکلوا دیا۔ اور اس اندیشے سے کہ کہیں ہمارے خطیبوں نے جو رشوتیں لی ہیں ان کی جواب دہی نہ کرنی پڑے، انھوں نے سب کی خانہ تلاشیاں لیں اور بڑی سختی سے تفتیش کی۔ اس سے صرف ایک شخص کالی کلس مستثنیٰ رہا۔ کیونکہ اس کی انھیں دنوں شادی ہوئی تھی اور اس کی دُلھن کا لوگوں نے لحاظ کرکے اُسے معاف کر دیا۔ جو تھیوپمپس کی روایت کے مطابق اسی زمانہ میں بیاہی آئی تھی۔

ڈموس تھنیز نے اس احتساب کی مخالفت کی اور یہ تجویز منظور کرائی کہ اس معاملے کی تحقیقات عدالتِ عالیہ (آیریوپے گس) کے سپرد کر دی جائے اور اس میں جو مجرم ثابت ہو اُسے وہی لوگ سزا دیں۔ مگر سب سے پہلے اسی پر جرم ثابت ہوا اور جب وہ عدالت میں پہنچا تو اُسے پچاس ٹیلنٹ جرمانہ اور قید کی سزا سنائی گئی۔ قید خانے میں کچھ تو اپنی خطا پر شرما کر

اور کچھ وہاں کی تکلیف کی برداشت نہ ہونے کی وجہ سے اس نے فرار اختیار کیا اور بعض نگہبانوں کی غفلت اور بعض اہل شہر کی چالاکی سے آخر کار زندان سے نکل گیا۔

سُنا ہی کہ وہ شہر سے زیادہ دُور نہ گیا تھا کہ چند آدمی تعاقب کرتے نظر آئے اور وہ پہلے اُس کے مخالفین میں تھے۔ اس نے اپنے تئیں چھپانا چاہا۔ لیکن جب انھوں نے اس کا نام لے کے پکارا اور کہا کہ ہم تمہارے واسطے کچھ زادِ راہ لے کر آئے ہیں ہم سے نہ چھپو اور اس تعقب کو بُرائی پر محمول نہ کرو، تو اس وقت اس کی جان میں جان آئی اور جب وہ لوگ اس کی تشفی کرنے لگے کہ مصیبت میں ثابت قدم رہو تو وہ بڑی واویلا کرنے لگا کہ اُس رنج والم میں مجھسے کیونکر صبر ہوگا۔ مجھسے آج وہ شہر چھوٹتا ہی جس میں میرے دشمن ایسے ایسے لوگ ہیں کہ دوسری جگہ ایسے دوست بھی نہ ہوں گے"۔

جلاوطنی میں زیادہ تر وہ اجی نا اور ٹریزن میں وقت گزارتا رہا۔ مگر وہاں اس نے کچھ بہت صبر یا استقلال نہ دکھایا، بلکہ اکثر ایٹی کا کی طرف دیکھ دیکھ کے آنکھوں میں آنسو بھر لاتا تھا۔ اس کے بعض اقوال بھی ہم تک پہنچے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہی کہ اس کی حالت کیسی متغیر ہوگئی تھی اور شجاعت و بلند نظری کے جن جذبات کا اپنے زمانۂ عروج میں اظہار کیا کرتا تھا اب ان میں کس درجہ فرق پیدا ہوگیا تھا۔ مثلاً جب شہر سے جا رہا تھا تو کہتے ہیں کہ اپنے ہاتھ قلعہ شہر کی طرف اُٹھائے اور منروا دیوی کو پکار کے کہنے لگا "او منروا رانی تجھے ایسے غضب ناک اور بے مہر حیوانات کی محبت میں کیا مزا آتا ہی جیسے کہ جمہور، اور سانپ اور اُلّو ہیں"!

اور جو نوجوان اس سے ملاقات کرنے آیا کرتے تھے انھیں وہ معاملاتِ سلطنت میں دخل دینے سے منع کرتا اور کہتا کہ اگر میرے سامنے دو راستے ہوتے جن میں ایک تو حکومت کے اعلیٰ مناصب پر پہنچاتا اور دوسرا سیدھا ہلاکت کو لے جاتا اور اگر میں لوگوں کے معاملات میں ایسے خوف و خطر، رشک و حسد، بغض و کینہ، جن کا اب تجربہ ہوا، دیکھ لیتا تو یقیناً ساری ہوس عزت وجاہ کو چھوڑ کر موت کا سیدھا راستہ اختیار کر لیتا"۔

اس کی اسی ہجرت کے زمانے میں جس کا ہم ذکر کر رہے تھے سکندر نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ اور ایک مرتبہ پھر یونانیوں نے اپنے اسلحہ سنبھالے۔ ان کی ہمت اس لئے اور مضبوط ہوگئی کہ لیوس تھنیز کی دلیرانہ کوششوں نے سکندر کے مقدونی جانشین اینٹی پاٹر کو عاجز کر دیا تھا اور اب وہ لامیہ میں محصور ہوتا جاتا تھا، یونانیوں میں شورش دیکھ کے پتھیاس مقرر اور کالی مڈن جیسے گیکڑ لگتے تھے، ایتھنز سے بھاگ نکلے اور اینٹی پاٹر کے ایلچیوں کے ساتھ مل کر کوشش کرنے لگے کہ یونانیوں کی شورش فرو ہو جائے۔ اس کے جواب میں ایتھنز سے سفارت آئی اور اب ڈموس تھنیز پھر اپنے ہموطنوں کے ساتھ ہوگیا اور مقدونیہ کی مخالفت میں کوئی دقیقہ لوگوں کو یہ اشتعال دینے میں نہ اٹھا رکھا کہ جس طرح بنے ان مقدونی ملیچھوں کو یونان سے نکال دو اور سب مل کر ان پر جا پڑو۔

فیلارکس کہتا ہے کہ ارکیڈیا میں پتھیاس اور ڈموس تھنیز کی خوب زور آزمائی ہوئی۔ اور آخر کار دونوں مقدونیہ اور یونان کی طرفداری میں مباحثہ کرتے کرتے سخت طنز و تشنیع پر اتر آئے۔ پتھیاس نے کہا "جہاں کہیں گدھی کا دودھ لایا جاتا ہے ہم سمجھ لیتے ہیں کہ اس گھر میں بیماری ہے۔ اسی طرح جس مقام پر ایتھنز کی سفارت آتی ہے سمجھ لینا چاہیئے کہ ضرور اس شہر کی صحت میں فتور پڑا۔"

ڈموس تھنیز نے اسی تشبیہ کو یوں الٹ دیا کہ "بے شبہ گدھی کا دودھ بیماری کو دفع کرنے کے واسطے لایا جاتا ہے اور ایتھنزی بھی جہاں کہیں جاتے ہیں مریضوں کو اچھا ہی کرنے جاتے ہیں۔"

اس طرز عمل سے اہل ایتھنز اس قدر خوش ہوئے کہ انھوں نے بالاتفاق اس کو واپس طلب کرنے کی منظوری دی۔ اس تجویز کا محرک ڈیمین یعنی ڈموس تھنیز کا چچیرا بھائی تھا۔ جہاز بھیجکر اسے اجینا سے بلایا گیا اور جب وہ بندرگاہ پیریئوس پر اترا تو تمام اہل شہر شادان و فرحاں اس کے استقبال کو کھڑے تھے، یہاں تک کہ کوئی پجاری اور شہر کا حاکم ایسا نہ تھا جو اسے لینے نہ آیا ہو۔ ڈمٹ ریس میگنیشی کا بیان ہے کہ اس نے اترتے وقت آسمان کی طرف ہاتھ اٹھائے

اوراپنے مسعود ومبارک روز مراجعت کو دعا دی کہ وہ اکی بیادیر کی مراجعت سے بھی زیادہ باوقعت ہی۔ کیونکہ میرے اہل وطن نے مجھے کسی مجبوری سے طلب نہیں کیا بلکہ محض اپنی خوشی اور مہر وکرم سے دوبارہ بلایا ہی۔

اب صرف اس کے جرمانے کا مسئلہ طے ہونا باقی تھا، اس لئے کہ جرمانہ کرنے کے بعد قانوناً لوگوں کو بھی معاف کرنے کا اختیار نہ تھا۔ لیکن انھوں نے اس کا ایک حیلہ نکال لیا۔ اُن کے ہاں دستور تھا کہ جو شخص عطارد دیوتا کی قربان گاہ کو سازوسامان سے آراستہ وپیراستہ کرتا تھا، اس کو بطور حق الخدمت چاندی کی ایک خاص تعداد دیا کرتے تھے۔ اب یہ کام انھوں نے ڈِموس تھینیز کے سپرد کردیا اور اس کے لئے پچاس ٹیلنٹ یعنی اس کے پورے جرمانے کی رقم، خزانے سے دلوادی۔

لیکن وطن میں واپس آنے کے بعد وہ بہت دن تک زندگی کا لطف نہ اُٹھاسکا۔ یونانی فوجوں نے ہر جگہ شکست کھائی اور کرانن کی لڑائی کے دوسرے ہی مہینے مقدونی لشکر اتھنز کی بندرگاہ منوکیا میں گھس آیا، اور اسی سال پیانیپ سیاں کے مہینے میں ڈِموس تھینیز نے خودکشی کی۔ جس کی تفصیل آگے آتی ہی:۔

جب یہ خبر آئی کہ اینٹی پاٹر اور کرایتروس، ایتھنز کی طرف بڑھ رہے ہیں تو ڈِموس تھینیز اپنے طرفداروں سمیت موقع پاکے شہر سے نکل گیا۔ مگران کے جاتے ہی ڈماڈیز کی تحریک سے اُن سب پر سزائے موت کا فتویٰ صادر کیا گیا۔ اور اینٹی پاٹر کے سپاہی ان کی تلاش میں جو ادھر اُدھر منتشر ہوکے چھپے پھرتے تھے، روانہ ہوئے۔ ان جاسوسوں کا افسر ارکیاس تھا، جس نے اسی منصب کی بدولت جلاوطنوں کے شکاری کا لقب حاصل کیا۔ وہ پہلے ناٹکوں میں ایکٹری بھی کرچکا تھا اور کہتے ہیں کہ خاص پولوس کا (جو اپنے زمانے میں اس فن کا استاد یگانہ تھا) شاگرد تھا۔ لیکن ہرمیس اُس کو لیک ری ٹس خطیب کا شاگرد بتاتا ہی۔ بہرحال اسی ارکیاس نے ہیپری ڈیز خطیب کو اور ڈمٹ ریس فلیری کے بھائی ہمیریس کو گرفتار کیا

اوران کے مامن مندرایکوس سے زبردستی پکڑ کے اینٹی پاٹر کے پاس بھیجدیا۔ وہ ان دنوں شہر کلیونی میں تھا، وہیں اہل رسیدہ قتل کئے گئے، اور سنا ہے ہپری ڈیز کی قتل کرنے سے پہلے زبان کٹوادی تھی۔ ڈموس تھنیز کے بارے میں ارکیاس کو خبر لگی کہ وہ کلوریا کے مندر پچوں میں پناہ گزیں ہے۔ لہذا ہلکی کشتیوں میں بیٹھکر وہ اُس مقام میں جا اُترا، اور اپنے ساتھی نیزہ برداروں کو لے کے ڈموس تھنیز کے پاس پہنچا کہ میرے ہمراہ اینٹی پاٹر کے سامنے چلو امید ہے وہ تمہارے ساتھ کوئی سختی یا بُرائی نہ کرے گا۔

ڈموس تھنیز نے اسی رات ایک عجیب خواب دیکھا تھا کہ گویا اس کا اور ارکیاس کا ایک تھیٹر میں مقابلہ ہوا ہے اور وہ تماشا کرنے میں اک دوسرے سے بازی لیجانا چاہتے ہیں۔ پھر اگرچہ اُس نے بہت اچھا تماشا کیا اور لوگ بھی اس سے خوش ہوئے لیکن سامان ضروری کی کمی کے باعث وہ اپنے حریف سے ہار گیا۔ اس کے بعد اس کی آنکھ کھل گئی اور صبح ہی واقعی ارکیاس کا سامنا ہوا۔ اور وہ گفتگو ہوئی جو ہم نے اوپر لکھی۔ مگر ڈموس تھنیز پہلے تو تھوڑی دیر بالکل خاموش بیٹھا اپنے صیاد کو گھورتا رہا پھر بولا "ارکیاس تمہارے وعدے میرے لئے ایسے ہی بیکار اور بے اثر ہیں جیسے پہلے تمہاری نقالی بے اثر تھی" یہ سن کر ارکیاس طیش میں آیا اور دھمکیاں دینے لگا۔ ڈموس تھنیز نے کہا "ہاں اب البتہ تم مقدونیہ کے سپاہی معلوم ہوتے ہو ورنہ اس سے پیشتر تم محض نقالی کر رہے تھے خیر ذرا صبر کرو میں چند لفظ اپنے اہل وعیال کو لکھدوں" یہ کہہ کے وہ مندر کے اندر گیا اور کاغذ کا ایک مٹھا لے کر آیا کہ گویا کچھ لکھنا چاہتا ہے۔ پھر نیزے (یعنی قلم) کو اپنے منہ میں لے کے تھوڑی دیر تک چباتا رہا، اور یہ اُس کی ہمیشہ کی عادت تھی کہ جب کہ فکر میں ہوتا یا ضروری تحریر لکھتا تو قلم کو منہ میں لے کے سوچا کرتا تھا۔ غرض اس وقت بھی دیر تک نیزہ چبانے کے بعد اس نے سر جھکا کے اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں سے ڈھانپ لیا۔ جو سپاہی دروازہ پر کھڑے تھے انھوں نے اس بات کو بزدلی اور موت کے خوف پر محمول کیا اور حقارت

سے نامرد اور بودا اور بزدل اور ایسے ہی ہتک آمیز الفاظ کہتے رہے۔ خود ارکیاس اس کی جانب بڑھ آیا اور اپنی پہلی گفتگو دُہرا کے وعدے کرنے لگا کہ میں اینٹی پاٹر سے تمہاری صلح کرا دوں گا۔ جب ڈموس تھینز نے دیکھا کہ زہر (جو دراصل اس نے قلم میں سے نکال کے کھایا تھا) اپنا کام کر چکا اور انتڑیوں کو پارہ پارہ کرنے لگا تو سر اُٹھایا اور اپنی آنکھیں ارکیاس پر جما کے بولا "اب تمہیں اختیار ہے کہ جب چاہو میری لاش کو بے دفنائے پھکوا دینا۔ لیکن اے نیپچوں داتا میں نے تیری چوکھٹ پکڑی ہے اور اپنی طرف سے تو زندہ یا مُردہ تیرے آستانے سے نہ ہٹوں گا۔ اگرچہ اینٹی پاٹر اور اہل مقدونیہ نے تیرے متبرک مندر کی بھی اہانت کرنے میں کوئی باک نہیں کیا۔" اس کے بعد اس نے لوگوں سے سہارا دینے کی درخواست کی کیونکہ وہ لڑکھڑانے لگا تھا اور سارا بدن اس قدر لرز رہا تھا کہ قربان گاہ کے قریب پہنچکر جاتے جاتے وہ گر پڑا اور ایک آہ کے ساتھ مر گیا۔

ارسٹن کہتا ہے کہ اُس نے نیزے میں سے زہر نکال کے کھا لیا تھا، اور ہم نے بھی اوپر یہی دکھایا ہے، مگر پپس نام ایک مؤرخ جس کی تاریخ ہرمپس نے ڈھونڈ کے نکالی تھی، کچھ اور بیان کرتا ہے۔ اس کی روایت یہ ہے کہ جب وہ مورت کے سامنے گرا تو ایک کاغذ اس کے پاس سے ملا جس میں ایک خط کی صرف سُرخی "ڈموس تھینز کی طرف سے اینٹی پاٹر کے نام" درج تھی، اس کے سوا کچھ نہ تھا۔ اور اس کی فوری مُوت پر جب لوگوں نے اظہار تحیّر کیا تو سپاہیوں نے جو دروازہ گھیر کر کھڑے تھے یہ بیان کیا کہ ایک پرانے کپڑے سے کوئی شے نکال کے اُس نے مُنہ میں رکھی تھی جسے ہم اوّل تو سونا سمجھے لیکن جب ارکیاس کے ساتھیوں نے تفتیش کی تو اس کی خادمہ نے یہی گواہی دی کہ وہ اُسے بہت دن سے ایک چوڑی میں بطور تعویذ کے پہنے رہتا تھا۔ ارٹسن تن بھی چوڑی کا ذکر لکھتا ہے کہ وہ ایک حلقے میں زہر رکھتا تھا اور یہ حلقہ چوڑی کی طرح اس کی کلائی میں رہا کرتا تھا۔ اس کے علاوہ بہت سے راویوں نے

اسی قصّے کو بیان کیا ہے مگر ہمیں متضاد حکایتوں میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔ البتہ ہم اُس کے عزیز قریب ڈموکاریس کا یہ قول لکھے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اُس کی فوری اور آسان موت نہ کسی زہر سے واقع ہوئی نہ اور کسی طرح بلکہ اُس کی رائے میں یہ فقط دیوتاؤں کی عنایت خاص تھی جنھوں نے اپنے محبوب بندے کو ازخود دنیا سے اُٹھا لیا تاکہ وہ اہل مقدونیہ کی زیادتیوں سے محفوظ رہے۔ ڈموس تھنز کی وفات کا دن بھی پیانیپ سیاں مہینے کی سولھویں تاریخ ہے جو تھس موفوریا دیوی کا یوم الم ہے اور جس تاریخ عورتیں دیوی کے مندر میں جا جا کے روزے رکھتی ہیں۔

اُس کی موت سے آگاہ ہوتے ہی اہل ایتھنز نے اس کا وہی احترام کیا جو ایسے شخص کے شایان شان تھا۔ انھوں نے اس کے پس ماندوں میں سب سے سن رسیدہ کو پری ٹانیم میں اُس کا جانشین تسلیم کیا اور متوفی کا برنجی بُت نصب کرایا جس کے نیچے یہ مشہور کتبہ کندہ تھا۔

دانائی، جو یونان کی بہبود میں تم نے دکھلائی، اگر اتنی شجاعت بھی دکھاتے
تو اُسں پہ نہ غلبہ کبھی مقدونی پاتے!

بعض اشخاص کا یہ کہنا کہ خود ڈموس تھنیز نے زہر کھاتے وقت یہ مصرعے موزوں کئے تھے، بالکل لغویات ہیں۔

اُس کے متعلق ایک یہ واقعہ بھی مشہور ہے کہ کسی ملزم سپاہی نے تھوڑا سا سونا ڈموس تھنیز کے بُت کی مٹھی میں رکھ دیا اور خود ایتھنز سے کہیں باہر بھیج دیا گیا۔ بُت کی انگلیاں اندر کے رُخ مڑی ہوئی تھیں مگر طرفہ تر یہ ماجرا گزرا کہ قریب ہی ایک پام کا درخت اُگ آیا اور اس کے پتّے خود بخود ہوا سے اُڑ کے یا شخص مذکور کے لگا دینے سے اس طرح سونے کے اوپر لپٹ گئے کہ بہت دن تک وہ نظروں سے مخفی رہا۔ آخر میں جب سپاہی واپس پھرا تو اسے اپنی متاع بجنسہٖ

مٹّی میں ملی اور اس واقعے نے بڑی شہرت پائی۔ بہت سے شہر کے طباع نوجوانوں نے اس کو ڈموس تھینیز کی دیانت و امانت کا ربانی ثبوت بتایا اور اس کی مدح و قصیدہ خوانی میں ایک دوسرے سے بازی لے جانے کی کوشش کرتے رہے۔

ڈماڈیز کے بارے میں یہ لکھ دینا بے محل نہ ہوگا کہ وہ بہت دن اپنی نئی عزتوں کا لطف نہ اٹھانے پایا۔ ڈموس تھینیز کی موت کے آسمانی انتقام نے مقدونیہ تک اس کا پیچھا نہ چھوڑا، اور وہ انھیں کے ہاتھوں اپنے کیفر کردار کو پہنچا جن کی اس کمینہ پن کے ساتھ اب تک غلامی کرتا رہا تھا۔ پہلے بھی اس کے ممدوح اس سے بیزار تھے لیکن اس مرتبہ اس کا جرم ثابت اور کھلا ہوا تھا۔ یعنی اس کے خطوط پرڈکاس کے نام پکڑے گئے جن میں اس نے مقدونیہ پر حملہ کرنے پر ابھارا تھا کہ آؤ اور یونانیوں کو بچاؤ، جو "ایک بوسیدہ دھاگے میں لٹک رہے ہیں" اس سے بڈھے اینٹی پاٹر کی طرف اشارہ تھا۔ انھیں خطوط کی بنا پر دینارجس کورنتھی نے الزام قائم کیا اور تحقیقات کے بعد کندر کو اس قدر طیش آیا کہ پہلے تو اس نے ڈماڈیز کے بچے کو اس کی گود میں مارا اور پھر اس کو قتل کیے جانے کا حکم دیا۔ غالباً اس بدبختی اور مصیبت میں اس کو یہ سبق مل گیا ہوگا کہ وہ غدار جو اپنے وطن کو فروخت کرتے ہیں، پہلے خود اپنے تئیں بیچ دیتے ہیں۔ یہ وہ صداقت تھی جس کی پیشین گوئی ڈموس تھینیز نے کئی مرتبہ اس کے لئے کی تھی اور اس نے ہمیشہ اس کو جھٹلایا تھا۔

سوسیس[1]، ڈموس تھینیز کی یہ سرگذشت تھی جو ہم نے اس کے حالات پڑھ کر یا سن کر جمع کی اور تمھیں سنائی۔

---

[1] سوسیس وہی جس کا سیرت کے شروع میں ذکر آیا ہے۔ مترجم

سمرو

یہ عام طور پر سب مانتے ہیں کہ سمرو کی ماں بلویہ شریف نسب اور نیک سیرت خاتون تھی۔ لیکن اس کے باپ کے بارے میں نہایت متضاد روایتیں ہیں۔ چنانچہ کوئی تو کہتا ہے کہ وہ لوہیئے کا بیٹا تھا اور یہی پیشہ کرتا تھا۔ اور کوئی اس کا نسب تو لوس ایتیوس تک لے جاتا ہے جو قوم رُوسیا کا نہایت نامور بادشاہ گزرا ہی اور عرصہ تک رومیوں سے دلیرانہ جنگ کرتا رہا۔ اصلیت جو کچھ بھی ہو، اسمیں شک نہیں کہ اس گھرانے میں سب سے پہلے جو شخص سمرو کے عُرف سے معروف ہوا وہ ضرور یاد رکھنے کے قابل آدمی ہوگا کہ اس کی اولاد نے نہ صرف اس نام کو ترک کیا بلکہ اس کو بہت عزیز رکھتی تھی حالانکہ اس میں عامیانہ ذم کا پہلو نکلتا تھا۔ یعنی لاطینی زبان میں "سمر" ادرک کو کہتے ہیں اور سب سے پہلے سمرو کی ناک پر ایسا ہی داغ یا نشان بنا ہوا تھا جیسا کہ ادرک کے سرے پر ہوتا ہے۔ اور یہی وجہ تھی کہ اس کا عُرف "سمرو" ہوگیا تھا۔

جس سمرو کی میں سیرت لکھ رہا ہوں، اس سے بھی بعض دوستوں نے اس نام کو چھوڑ دینے کے لیئے کہا تھا اور جب اُس نے سیاسی میدان میں قدم رکھا اور کسی عہدے کا امیدوار ہوا تو اُسوقت اس لفظ کو بدل دینے کی صلاح دی تھی مگر اُس نے کسی قدر جوش میں آکے کہا کہ میں اپنی "سمرو" کو "اسکوریس" اور "کوتلیس"[1] سے زیادہ نامور کردونگا۔ صقالیہ (صقلیہ) میں جن دنوں وہ فوج کا بخشی تھا اور ایک چاندی

[1] یہ دونوں روما کے بہت قدیم اور معزز خاندان کے نام مانے جاتے تھے۔

کی کشتی کسی مندر پر چڑھانا چاہتا تھا، تو اُس پر اس کا تیسرا نام چھوڑ کر صرف "مرقس" اور "تولوس" کندہ کئے گئے تھے۔ سسرو نے اس وقت کاریگر سے مزاحاً فرمایش کی کہ اگر میرا اصلی نام کندہ نہیں کرتے تو اس پر ادرک ہی کی صورت نقش کر دو!

یہ روایتیں تھیں جو ہمیں اس کے نام کے متعلق معلوم ہوئیں۔

ولادت کی نسبت بیان کرتے ہیں کہ اُس کی ماں کو وضع حمل کے وقت کوئی درد یا تکلیف نہیں ہوئی اور وہ تقویم نو کی تیسری تاریخ پیدا ہوا۔ یہ ایک تہوار کا مبارک دن ہے جسمیں "بادشاہ" کے نام پر قربانیاں کی جاتی ہیں، یہ بھی سُنا ہے کہ سسرو کی اَنّا کو خواب میں بشارت ہوئی تھی کہ یہ بچہ رومی ممالک کے حق میں رحمتِ الٰہی ثابت ہوگا۔ اور اگرچہ اس قسم کی فالیں کسیطرح قابلِ اعتبار نہیں سمجھی جاسکتیں تاہم سسرو اُن پر ابتدا میں پورا یقین رکھتا تھا۔ خاصکر اسوجہ سے کہ بچپن ہی میں اُس کی غیر معمولی ذہانت کا شہرہ ہوگیا اور مکتب میں داخل ہوا تو چند ہی روز میں اس کی استعداد اور نام کے چرچے ہونے لگے۔ حتیٰ کہ طلبا کے والدین اکثر مدرسہ میں آیا کرتے تھے کہ جس لڑکے کی ذہانت اسقدر مشہور ہے اُسے اپنی آنکھ سے سبق پڑھتے اور یاد کرتے دیکھیں۔ بلکہ بعض جاہل اپنے بچوں پر بگڑتے تھے کہ وہ کیوں اپنے ہم سبق دوست (سسرو) کا اتنا ادب کرتے ہیں کہ ہمیشہ اُسے اپنی آگے آگے اور بیچ میں لے لیتے ہیں۔

حکیم افلاطون نے سچے طالبِ علم اور مزاج فلسفیانہ کی تعریف یہ کی ہے کہ آدمی ہر قسم کے علم کا بھوکا ہو اور کسی قسم کی معلومات یا واقفیت بہم پہنچانے میں اُسے تساہل نہ ہو۔ سسرو کی بالکل یہی حالت تھی۔ تاہم اُس کا خاص میلان شاعری کی طرف تھا۔ اور وہ ابھی لڑکا ہی تھا کہ "گلاکوس" کے عنوان سے چھوٹی بحر میں اُس نے ایک نظم لکھی جواب تک موجود ہے۔ اس کے بعد جب اُس نے اس فن پر زیادہ توجہ دی تو اپنے وطن میں نہ صرف اول درجے کا خطیب بلکہ شاعر بھی مانا جانے لگا تھا۔ لیکن متاخرین

میں ایسے ایسے معنی آفریں شعرا پیدا ہوئے کہ آج کل سسرو کے اشعار کو کوئی نہیں پوچھتا۔ البتہ اُس کی جادو بیانی اب تک دلوں پر نقش ہے اور اگرچہ اسکے بعد تقریر کے نئے نئے طریقے نکل آئے ہیں تاہم اُس کا امتیاز باقی ہے۔

مکتب چھوڑنے کے بعد وہ فیلو کا شاگرد ہوا۔ کلیتو کے تلامذہ میں، اہل روما سب سے زیادہ اسی کی فصاحت کے قایل تھے اور اُس کی نیک کرداری کی وجہ سے اسے بہت محبوب رکھتے تھے، فیلو کے علاوہ سسرو خاندان موسیٹی کے افراد کی صحبت سے بھی مستفید ہوا۔ یہ لوگ بڑے پائے کے مدبر اور مجلس کے سرگروہ سمجھے جاتے تھے اور سسرو نے ملکی قوانین کی تعلیم اُن سے حاصل کی۔ پھر وہ مارسیہ کی لڑائیوں میں کچھ روز سلاّ کی فوج کے ساتھ رہا۔ لیکن یہ دیکھکر کہ وطنی حکومت میں فرقہ بندی کی بدولت مطلق العنان بادشاہی کے آثار پیدا ہوتے جاتے تھے۔ اُس نے کنج عُزلت کو ترجیح دی اور سب سے الگ ہو کے اُس وقت تک یونانی علما کی صحبت میں مصروف مطالعہ رہا کہ سلاّ سب حریفوں پر غالب آگیا اور آئے دن کی کشمکش سے قوم کو ایک حد تک نجات حاصل ہوئی

انہی دنوں سلاّ کے آزاد کردہ غلام کریسو نے اُسے درخواست دی اور کسی مقتول کی جائداد دو ہزار درہم میں خریدلی۔ یہ مقتول اُن بدنصیبوں میں تھا جنہیں سلاّ نے اپنی مخالفین کی فہرست میں داخل کیا اور گشتنی قرار دیا تھا؛ اور جب اُس کے بیٹے نے فریاد کی کہ کئی لاکھ کی جائداد کو دو ہزار درہم میں فروخت کیا جاتا ہے۔ تو سلاّ بہت بگڑا اور خود اس بیٹے پر مقتول باپ کے قتل کا الزام قایم کیا اور کریسو نے ثبوت جرم کی جھوٹی شہادتیں فراہم کردیں۔ اسوقت بے گناہ ملزم کی وکالت پر کوئی آمادہ نہ ہوتا تھا اور سب کو سلاّ کی سفاکی کا خوف تھا۔ اس بے کسی کی حالت میں اُس نے سسرو کی پناہ لی اور سسرو کے احباب نے بھی اصرار کیا کہ حصول ناموری کا اس سے اچھا اور معزز موقع پھر نہ ملیگا چنانچہ اُس نے مقدمہ کی پیروی کی اور کامیاب ہو کر بہت شہرت پائی لیکن تھوڑے ہی دن بعد سلاّ کے ڈر سے وہ یونان روانہ ہوگیا اور خرابی صحت کا حیلہ کردیا اگرچہ اس میں شک نہیں کہ وہ بہت کمزور و لاغر تھا اور اسکا معدہ صحیح نہ تھا۔ اُس زمانہ میں اُسکی آواز

بلند اور اچھی تھی لیکن جوش کے وقت قابو میں نہ رہتی اور تُندد ناگوار معلوم ہوتی تھی پس فتورِ صحت کا اندیشہ بے بنیاد بھی نہ تھا۔

ایتھنز آکر وہ انتیاکوس وعسقلانی کے درس میں شریک ہوا اور اس فلسفی کی فصاحت وسلاست بیان کا گرویدہ ہوگیا۔ لیکن اس کے فلسفیانہ عقائد سسرو کو پسند نہ آئے کیونکہ انتیاکوس حکیم کرنیادیز کے حلقہ سے الگ ہوگیا تھا اور "نئی اکادمی" کی تعلیم چھوڑ کر اکثر مسائل میں حکما رواقیہ کا ہم زبان ہوا جاتا تھا۔ "عالم شہود" اور "حواس" کے متعلق اُن کی دلیلیں اُس پر اثر کئے بغیر نہ رہی تھیں۔ اور یا جیسا کہ بعض لوگوں کا بیان ہے کلیتو اور فیلو کے شاگردوں سے اس کی چشمک تھی اور اسی رقابت میں اُنکی مخالفت پر کمربستہ ہوگیا تھا۔ ادھر سسرو "نئی اکادمی" کے فلسفہ کا دل سے ماننے والا تھا اور اُس نے ارادہ کرلیا تھا کہ اگر وطن کی حکومت میں کوئی جگہ نہ مل سکے تو وکالت اور ملکی جھگڑوں سے کنارہ کش ہوکر اپنی زندگی اسی فلسفہ کے مطالعہ میں گذار دے۔

لیکن جب سلّا کے مرنے کی خبر ملی جسمانی صحت نے عود کیا۔ آواز بھی شیریں اور باقاعدہ ہوگئی اور جسم کے مناسب قوت آگئی تو ایک طرف اس کے رومی احباب نے باصرار بلانا شروع کیا اور دوسری طرف خود حکیم انتیاکوس نے ملکی معاملات میں حصّہ لینے کی تاکید کی۔ غرض سسرو زبان کی تلوار کو جلا دینے لگا یعنی سیاسیات کے واسطے تقریر و خطابت کی مشق بہم پہونچائی اور اس فن کے ہمعصر اساتذہ میں قریب قریب سب سے استفادہ حاصل کیا۔ چنانچہ ایتھنز سے پہلے ایشیا اور جزیرۂ رودس گیا جہاں اس نے زینوکلیس مپیوس اور دایونی سیوس جیسے ناموراہل فضل سے ملاقات کی اور اپالونیوس (ابن مولن) سے فن خطابت اور پوسدونیوس سے فلسفہ کی تعلیم حاصل کی۔ مشہور ہے کہ اپالونیوس لاطینی زبان سے ناواقف تھا لہذا سسرو سے یونانی میں تقریر کرنے کی درخواست کی اور اس نے بھی یہ سمجھکر کہ اس طرح میرے اسقام کی وہ گرفت کرسکیگا خوشی سے تعمیل کی۔ جب اُس نے تقریر ختم کی تو سامعین حیران رہ گئے تھے اور ہر شخص اُسکی داد دینے میں مسابقت کر رہا تھا۔ لیکن اپالونیوس نے

نہ اتنا تقریر میں کچھ جوش وخروش ظاہر کیا نہ اب۔ بلکہ دیر تک خاموش بیٹھا دل ہی دل میں کچھ سوچتا رہا۔ مگر یہ دیکھکر سسرو بے چین ہونے لگا تو اُس نے کہا "سسرو" تمہاری تقریر مجھے دل سے پسند آئی اور میں اس پر احسنت و مرحبا کہتا ہوں۔ لیکن یونان کی قسمت پر مجھے ترس آتا ہے اور دل روتا ہے کہ یہی چند فنون اور خوش گفتاری باقی رہ گئی تھی جن پر اُسے ناز تھا تو اب وہ بھی تمہارے ذریعے اطالیہ میں منتقل ہوئے جاتے ہیں۔

اب سسرو بہت سی امیدوں کے ساتھ سیاسی میدان میں آنے پر تیار تھا۔ لیکن اسی حال میں ایک الہامی پیشین گوئی نے ایک حد تک ان ولولوں کو سرد کر دیا یعنی جس وقت ڈلیفی کے مندر میں اُس نے سوال کیا کہ اقبال و ناموری حاصل کرنے کی کیا صورت ہوگی؟ تو دیوتا کی مرلی نے یہ "آوازِ غیب" سُنائی کہ یہ شے اُس صورت میں حاصل ہو سکتی ہے جب کہ وہ عوام الناس کی رائے پر تکیہ نہ کرے بلکہ صرف اپنی خداداد عقل و ذہانت کو اپنے طریق عمل کا رہنما بنائے۔ اس ہدایت نے سسرو کو بہت محتاط کر دیا اور وطن پہونچکر اُس نے اوّل اول قومی معاملات میں کوئی نمایاں حصہ نہیں لیا نہ مناصب کی امیدواری میں پیش پیش رہا، یہاں تک کہ لوگ اُسے بالکل معمولی درجہ کا آدمی سمجھنے لگے اور اُسے "عالم" اور "یونانی" کا لقب ملگیا جو رومہ کے ذلیل بازاری بلا تامل ہر کسی کو دیدیا کرتے تھے لیکن جس وقت اپنے باپ بھائیوں کے اصرار اور شوقِ ناموری نے اس کو اُبھارا اور وہ سچے جوش کے ساتھ وکالت کرنے لگا تو اس کی ترقی سُست یا تدریجی نہ ہوئی بلکہ شہرت کا آفتاب آناً فاناً ہوائے آب و تاب کے ساتھ چمکنے لگا اور معاصرین و کلا میں کوئی اس کی ہمسری کرنے والا نہ رہا۔ کہتے ہیں کہ ڈموس تھنیز کی مانند ابتدا میں سسرو کا طرز بیان بھی ناقص تھا۔ اور اسی کی اصلاح کے واسطے وہ روس کیس کا شاگرد ہوا۔ ایک اور ایکٹر الیسپ کو بھی جسے علم انجام ٹریجیڈی تماشے دکھانے میں کمال حاصل تھا عرصہ تک اُس نے بغور و توجہ سُنا۔ یہ وہ شخص ہے جو تماشا

کرنے میں نقل کو اصل سے ملا دیتا تھا اور اسی جوش میں اتنا از خود رفتہ ہو جاتا تھا کہ ایک مرتبہ جب وہ "انتقام سی اس طالی" میں اٹ ریس کا بہروپ لئے ہوئے تھا اور ایک نوکر تماشہ گاہ میں اس کے سامنے سے گذرا تو اُس نے اس طیش سے اپنا عصا مارا کہ وہ اجل گرفتہ وہیں گر کر ڈھیر ہو گیا۔ اسی قسم کا جوش سسرو کی طرز گفتار میں بھی تھا جس سے اس کی تقریر میں بڑی قوت اور تاثیر پیدا ہو جاتی تھی وہ بلند آوازی کو نا پسند کرتا تھا اور جو لوگ چلا چلا کر تقریریں کیا کرتے ہیں اُن پر مضحکہ کرتا تھا کہ انھیں بولنا نہیں آتا اس لئے غل مچاتے ہیں اسی طرح جس طرح کوئی لنگڑا پیدل نہ چل سکے تو گھوڑے پر سوار ہو جائے مگر سسرو کی بڑی خوبی اسکی حاضر جوابی اور بذلہ سنجی تھی جو وکالت کا زیور اور سامعین کی دلکشی کا بہترین سامان سمجھی جاتی ہے۔ البتہ اس میں جب کبھی وہ حدود معقولیت سے بڑھ جاتا تو لوگوں کو ناگوار گزرتا اور سسرو کی بدنامی ہوتی کہ اسکی طینت اچھی نہیں۔

سب سے پہلے سسرو کو جزیرۂ صقالیہ (یا صقلیہ) میں کوئیسٹر (بخشی) کا عہدہ ملا یہ بڑی گرانی کا زمانہ تھا اور اسی لئے جب اُس نے غلہ فراہم کرنے اور رومہ بھجوانے میں سختی کی تو بہت لوگ اُس سے ناراض ہو گئے۔ مگر بعد میں جب انھیں اسکے انصاف و خدا ترسی اور غور و احتیاط کا تجربہ ہوا تو یہ رائے بدل گئی اور اسکی اتنی توقیر ہوئی کہ پہلے کسی حاکم کی نہ ہوئی ہوگی۔ وہیں یہ واقعہ بھی پیش آیا کہ چند رومی امیر زادوں پر فوجی ملازمت میں غفلت اور بعض بے ضابطہ حرکات کا الزام لگایا گیا اور ان کا مقدمہ صقالیہ کی عدالت میں پیش ہوا۔ انکی صفائی سسرو نے اپنے ذمہ لی اور اس خوبی سے وکالت کی کہ وہ سب کے سب بری ہو گئے۔ اور عزت و آبرو کے ساتھ رومہ واپس آئے۔ اُنکے تھوڑے ہی دن بعد سسرو بھی وطن کو واپس ہوا اور اپنے زعم میں سمجھتا تھا کہ وہاں ہر طرف میری لیاقتوں کی دھوم ہو گی چنانچہ اس خود پسندی نے ایک مقام پر جسطرح اُسے خفیف کرایا

اس کی نقل وہ خود ہمیں ان الفاظ میں سناتا ہے کہ میں آتے وقت اپنے ایک دوست سے راستے میں ملا اور اس سے دریافت کیا کہ کہو میری بابت رومہ میں آجکل کیا چرچے ہیں کیونکہ عجب نہیں کہ میرے کارنمایاں ہر شخص کی زبان پر ہوں؟ یہ سنکر وہ دوست اُلٹا مجھ سے پوچھنے لگے کہ سسرو تم تھے کس مقام پر؟

سسرو کہتا ہے کہ اس چھوٹے سے سوال نے مجھے تھوڑی دیر کے لئے دنگ کر دیا اور یہ دیکھکر کہ میرے کاموں کی اطلاع رومہ کے ذخار سمندر میں اتنی جلدی ڈوب کر بے نشان ہوگئی مجھے سخت خفت اور مایوسی ہوئی۔ اور اس دن سے میں نے سمجھ لیا کہ ناموری کا میدان نہایت وسیع اور غیر محدود میدان ہے اور اس کی رہروی بھی کسی مخصوص طریقہ یا ایک وقت کارنمایاں سے نہیں ہوسکتی چنانچہ اس واقعہ کے بعد سے اسکی شیخی اور بلند پردازی بہت کم ہوگئی۔ پھر بھی وہ اپنی تعریف سے بیحد خوش ہوتا تھا اور اس درجہ شہرت پسند تھا کہ بعض اوقات محض اسی شوق نے اس کے بڑے بڑے عاقلانہ ارادوں کو پورا نہ ہونے دیا۔

صقالیہ سے آنے کے بعد اُس نے زیادہ محنت و کوشش سے قومی معاملات میں حصہ لینا شروع کیا اور سب سے پہلے مشہور مشہور لوگوں کے نام اور کام سے واقفیت بہم پہنچائی۔ اس کا قول تھا کہ جب معمولی سے معمولی کاریگر اپنے بیجان اوزاروں کے نام اور مقام اور طریق استعمال پہچانتا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ ایک مدبر لوگوں کے احوال سے جو سرکاری کاموں میں زندہ اوزاروں کی جگہ ہیں غافل اور بیخبر رہے۔ چنانچہ وہ خود بہت سے ذی وجاہت اشخاص کے نام اور مکانات سے واقف تھا بلکہ یہاں تک جانتا تھا کہ انکی جائداد کتنی اور کس جگہ ہے وہ کن کن لوگوں سے ملتے ہیں اور اُن کے ہمسائے کون کون ہیں اور جب کبھی اطالیہ میں سفر کرتا تو اپنے شناسا اور احباب کی تمام جاگیروں کو جو راستے میں ملتیں نام بنام بتاتا چلا جاتا تھا۔ خود سسرو کی جائداد بہت تھوڑی تھی اور گو اسکی آمدنی اُسکے مصارف ذاتی کو کفایت کرتی تھی،

تاہم لوگوں کو تعجب تھا کہ وہ وکالت کا ایک پیسہ معاوضہ نہ لیتا تھا نہ اپنے موکلوں سے کوئی تحفہ یا نذرانہ قبول کرتا تھا۔ اور جب وارس کے معرکہ آرا مقدمہ میں بھی اس نے کچھ نہ لیا تو لوگ بہت متعجب ہوئے۔ یہ وارس جزیرۂ صقالیہ کا پریٹر تھا اور وہاں کے لوگوں نے اس کی بدمعاشیوں سے تنگ آ کر اُس پر نالش کر دی تھی۔ وکیل استغاثہ سسرو تھا اور وہ اس موقع پر بحث مباحثہ کے بجائے زبان بند رکھنے کی وجہ سے مقدمہ جیتا اور وارس کو سزا دلانے میں کامیاب ہوا۔ بات یہ ہے کہ اکثر ارکانِ عدالت ملزم کی موافقت میں تھے اور تاریخیں بدلتے بدلتے اُنہوں نے صرف ایک دن تحقیقات اور فیصلے کے لئے مقرر کر دیا تھا۔ یہ ظاہر ہے کہ اتنے سے وقت میں وکلا کی بحث ہونی دشوار تھی لہذا سسرو نے آگے بڑھ کے کہا کہ "تقریریں کرنے کی ضرورت نہیں ہے" اور گواہوں سے گواہیاں دلا کے درخواست کی کہ فیصلہ سنا دیا جائے۔ مگر اس نے بولنے کے باوجود اس کے کئی لطیفے اور ظرافت آمیز فقرے منقول ہیں جو اس موقع پر اُس نے کہے مثلاً جب سیلس نے جو ایک آزاد کردہ غلام تھا اور جسکی نسبت مشہور تھا کہ یہودی عقائد کی طرف مائل ہے وارس کے خلاف شہادت دینی چاہی اور صقالیہ والوں کی جانب سے خود ہی مقدمہ دائر کرنے پر آمادہ ہوا تو سسرو نے کہا کہ "ایک یہودی کو سور سے کیا علاقہ"۔ اس میں نکتہ یہ تھا کہ رومی زبان میں وارس جنگلی سور کو کہتے ہیں۔

اسی طرح جب ملزم یعنی ویرس نے سسرو کی ذات اور عیش پسندی پر حملہ کیا تو وہ کہنے لگا "ویرس یہ پند و نصائح تو تمہیں اپنے گھر کے لئے اُٹھا رکھنے چاہئیں اور اپنے بیٹوں کو ایسی فہمائش کرنی چاہیئے"۔ اس فقرہ میں بھی وارس کے بیٹے پر چوٹ تھی جو اپنی آوارگی میں بدنام تھا۔ اسی اثنا میں ہرٹن شئیس کہ مشہور خطیب تھا وارس کی طرف سے وکالت آمادہ ہوا لیکن اُسکو براہ راست مقابلہ میں آنکی جرأت نہیں ہوئی البتہ جب ملزم پر جرمانہ کا حکم سنایا جا رہا تھا اس وقت وہ عدالت میں آیا اور اس صلہ میں ایک ہاتھی دانت کا

(اسفنکس[1]) ابوالہول ویرس سے بطور نذرانہ وصول کیا۔ اس پر سسرو نے اپنی بحث میں بعض اشارے کئے ہرٹن نے کہا کہ میں اِن معموں کو سمجھنے کی مہارت نہیں رکھتا۔ سسرو نے جواب دیا "ہاں حالانکہ تمھارے گھر میں ابوالہول موجود ہے"۔

غرض ویرس کو سزا ملگئی۔ پھر بھی بعض لوگ شبہ کرتے ہیں کہ سسرو جس نے ساڑھے سات لاکھ (سکے) جرمانہ کرنا تجویز کیا تھا بعد میں کچھ رقم لے کے اُس سے ملگیا اور جرمانہ میں تخفیف کرا دی۔ بہرحال اہل صقالیہ نے اسکا بہت احسان مانا اور جب وہ اُنکے جزیرہ میں میر عمارت کے عہدہ پر مقرر ہوا تو اظہار شکر گزاری میں بہت سے تحفے دیئے۔ مگر سسرو نے اُن سے خود کوئی فائدہ نہ اُٹھایا بلکہ اُنکے فیاضانہ عطیات کو سرکاری رسد کم قیمت خریدنے میں لگا دیا۔

سسرو کی مِلک میں موضع ارپی کا نہایت عمدہ مکان تھا اور دو کم قیمت قطعے ینلز اور پامپی آئی میں بھی تھے۔ اُسکی بیوی تارنشیہ کے حصہ میں جو زمین آئی تھی وہ بھی ایک لاکھ درہم کی تھی اور خود سسرو کو نوے ہزار درہم کا ترکہ الگ ملا تھا۔ انھی تمام املاک کی آمدنی پر وہ کفایت شعاری مگر امیرانہ طرز سے رہتا سہتا تھا اور اپنے یونانی اور رومی اہل علم دوستوں کو بھی ساتھ رکھتا تھا۔ وہ گوشت شاذونادر کھاتا اور کھانے پر مغرب سے پہلے نہ بیٹھتا جس کی وجہ کم فرصتی نہ تھی بلکہ ناتندرستی اور ضعف معدہ۔ یوں بھی صحت جسمانی کا اسے بہت لحاظ تھا اور ہوا خوری یا مالش کے اوقات مقرر تھے چنانچہ اسی احتیاط اور توجہ کا نتیجہ تھا کہ اس نے بتدریج اپنے جسم کو صحیح و تندرست اور اس لایق بنالیا کہ بڑے بڑے صدموں یا مشقتوں کی برداشت کرسکے۔ اپنے باپ کا مکان اس نے اپنے بھائی کو دیدیا تھا اور خود (پلیٹاین) پہاڑی کے نیچے اُٹھ آیا تھا کہ موکّلوں کو

[1] اسفنکس ایک خاص قسم کا بُت ہوتا ہے جسکا بالعموم آدھا دھڑ شیر کا اور آدھا آدمی کا بناتے ہیں۔ اس بُت کی نسبت یونانیوں کا عقیدہ تھا کہ وہ معمے اور چیستانیں حل کرنے کی خاص قوت رکھتا ہے)

دور آنے جانے کی تکلیف نہ اُٹھانی پڑے۔ کیونکہ اسکے پاس آنے والے بشیار تھے اور خود کراسوس یا پمپی کے پاس اتنے سلامی نہ پہونچتے ہونگے جتنے کہ اسکے گھر پہنچتے تھے۔ حالانکہ اس وقت ان دونوں کا ستارہ عروج پر تھا اور سلطنت روما اقتدار وشہرت میں ان کا کوئی حریف نہ رکھتی تھی اس لئے کہ پہلے کے پاس تو بے حساب دولت تھی اور دوسرے کا فوج پر اتنا اثر تھا کہ سب خوف کرتے تھے۔

ہر یٹری کے عہدہ کے واسطے جب وہ استادہ ہوا تو بڑے بڑے نامور لوگ مقابلہ میں تھے لیکن ان سب میں اسی کا انتخاب ہوا اور اس نے بھی اپنے فرائض منصبی کو بڑی دیانت اور انصاف کے ساتھ ادا کیا۔ کہتے ہیں اسکے سامنے ایک شخص ماسر پر استحصال بالجبر کا الزام لگایا گیا۔ ماسر شہر میں نہایت مقتدر آدمی تھا اور سب سے بڑھکر یہ کہ کراسوس اسکا حامی تھا لہٰذا اسی اطمینان کی بنا پر جب ارکان عدالت فیصلہ کے متعلق باہم مشورہ کر رہے تھے وہ عدالت سے اپنے گھر چلا آیا اور جلدی جلدی لباس بدل کر بازار کو جانے لگا گویا اسکی برأت میں کوئی شبہ ہی نہیں ہے لیکن گھر سے نکلا بھی نہ تھا کہ کراسوس سے ملاقات ہوئی اور اُس نے اطلاع دی کہ نہ صرف ایک بلکہ سب ارکان نے اسکو مجرم قرار دیا ہے۔ یہ سنتے ہی ماسر اُلٹے قدموں گیا اور بچھونے پر گر کے تھوڑی دیر میں مر گیا۔

اس واقعہ سے سسرو کی بہت شہرت ہوئی کہ اسکی نگرانی میں عدالتوں کا انتظام کسقدر عمدہ ہے۔ ایک اور موقع پر وٹی نئیس کا مقدمہ پیش تھا یہ شخص نہایت سرکش تھا اور حکام سے بھی گستاخی کرنے میں نہ چوکتا تھا۔ اس کی گردن بہت سوجی ہوئی تھی۔ اثنار مقدمہ میں سسرو نے اسکی کوئی درخواست رد کر دی۔ وٹی نئیس نے کہا "میں اگر تمھاری جگہ ہوتا تو کبھی ایسی حجت نہ نکالتا" سسرو نے بے ساختہ کہا "ہاں مگر میری ایسی گردن کہاں ہے جیسی تمھاری ہے" (یہ ایک محاورہ ہے جس سے مراد ہے کہ مجھ میں وہ تحمل

اور دور اندیشی نہیں جیسی تم میں ہے)۔
سسرو کی میعاد ختم ہونے میں تین چار دن باقی تھے کہ مانی لیس عین کے شبہ میں پیش کیا گیا۔ یہ شخص عام طور پر ہر دلعزیز تھا اور لوگوں کے نزدیک فقط پمپی کے دوست ہونے کی وجہ سے (فریق مخالف نے) یہ مقدمہ اس پر دائر کیا تھا۔ بہر حال مانی لیس نے تحقیقات سے پہلے چند روز کی مہلت چاہی لیکن سسرو نے صرف ایک دن کی اجازت دی جس پر عوام الناس نہایت برافروختہ ہوئے کیونکہ عام طور پر دس دن کی مہلت مل جایا کرتی تھی پھر ٹریبونوں نے سسرو کو بلا کر سر جلسہ مواخذہ کیا اور اُسنے اپنا مطلب سمجھایا کہ جس حد تک قانون جائز رکھتا ہے میں ہمیشہ ملزموں کے ساتھ عدل و رحم کا برتاؤ کرتا ہوں اور محض اس خیال سے کہ مانی لیس محروم نہ رہے میں نے دانستہ اُسے مہلت نہیں دی تاکہ اپنی میعاد کے آخر دن ہی اسکی سماعت کرسکوں۔ اور بے شبہ جو لوگ اسکے طرفدار ہیں اُنکے لئے یہ مفید نہیں ہے کہ میرے بجائے دوسرا پریٹر اس کے مقدمہ کی سماعت کرے۔ اس تقریر نے لوگوں کے خیالات کو بالکل بدل دیا۔ وہ سب اس سے خوش ہوگئے اور کہنے لگے کہ تمہیں مانی لیس کیطرف سے وکالت کرو۔ سسرو نے اس درخواست کو پمپی کی خاطر جو اس وقت باہر گیا ہوا تھا منظور کرلیا۔ اس کے بعد اُٹھا اور اپنی تقریر میں علانیہ طبقہ امرار کی اور اُن لوگوں کی ہجو کی جو پمپی سے حسد کرتے تھے۔
باایں ہمہ قونصلی کے عہدہ پر اُس کا انتخاب بالاتفاق ہوا یعنی خود امرا نے اس کی طرفداری میں جسقدر جوش دکھایا وہ عوام سے کم نہ تھا۔ بالفاظ دیگر قوم کی بھلائی کے لئے سب نے اُس کے عروج اور ترقی میں کوشش کی۔ اس کے خاص اسباب بھی تھے جن کا ذکر آگے آتا ہے۔
واضح رہے کہ جو تغیرات سلاّ نے نظام حکومت میں کئے تھے وہ اول اول بالکل

مہمل نظر آتے تھے لیکن عادت و رواج نے اب انھیں کا پابند کر دیا تھا اور لوگ بھی اُن سے خاص طرح مانوس ہو گئے تھے۔ لیکن اسی زمانہ میں بعض ایسے پیدا ہوئے جو ساری نظم و نسق میں انقلاب ڈالنا چاہتے تھے اور اسکی غایت ملک و قوم کی بھلائی نہ تھی بلکہ صرف اپنی اغراض کو پورا کرنا مقصود تھا اور چونکہ پامپی ان دنوں پونٹس اور آرمینیا کے بادشاہوں سے مصروف جنگ تھا لہذا کوئی قوت رومہ میں ایسی موجود نہ تھی جو ان مفویانہ کوششوں کو دبا سکتی۔ سردار اس گروہ کا ایک نہایت بیباک، جری اور بےچین طبیعت کا شخص لوسیس کٹلن تھا۔ اسپر دیگر جرائم کے علاوہ خود اپنی بیٹی کی آبروریزی اور بھائی کی جان لینے کا الزام تھا اور اس آخری جرم میں قانونی سزا پانے کا خوف بھی تھا۔ چنانچہ یہ یقین دلانے کے لئے کہ مقتول زندہ ہے اُس نے سلّا کو کسی نہ کسی طرح آمادہ کر لیا کہ وہ اُس کے (کٹلن کے) مقتول بھائی کا نام کشتنی اشخاص کی فہرست میں داخل کر دے۔

القصہ اس بدکار جماعت نے اس شخص کو اپنا سرغنہ منتخب کیا اور باہم عہد و پیمان کیا جس میں پختگی کے لئے قول و قسم کے علاوہ ایک آدمی کو بھی انھوں نے ذبح کیا اور سب نے مل کر اسکا گوشت کھایا۔ انکے سوا شہر کے اور نوجوان بھی کٹلن کے جال میں پھنس گئے۔ کیونکہ ایک ایک کی عیاشی کا اُس نے ٹھیکہ لے لیا یعنی اُنکے لئے عورتیں اور عمدہ عمدہ شرابیں مہیا کیں اور تمام مصارف اپنے ذمہ لے لئے۔ ان سب باتوں پر طرہ یہ ہوا کہ انہی ایام میں علاقہ اٹروریہ اور غالیہ میں شورش و فساد کی آگ بھڑک اُٹھی اور ان مفسدوں کو گویا خداداد مدد حاصل ہو گئی لیکن سب سے بدتر خود شہر رومہ کی حالت تھی جہاں مال و دولت کی غیر مساوی تقسیم نے گویا انقلاب کا راستہ تیار کر رکھا تھا جتنے معزز اور عالی حوصلہ لوگ تھے بیش قیمت دعوتوں اور نمائشوں، فلک شکوہ عمارات اور ہوس مناصب کی بدولت بالکل مفلس ہو رہے تھے اور دولت کا زیادہ تر حصہ ذلیل

اور کم درجہ لوگوں کے پاس آگیا تھا۔ اور شورش و اضطراب پیدا کر دینے کے لئے ذراسی تحریک کافی تھی غرض کسی بیباک شخص کا اس خراب حالت میں حکومت کو تہ و بالا کر دینا محال نہ تھا۔

مگر ان ارادوں کو عمل میں لانے کے لئے فتنہ جو کٹلن مزید قوت حاصل کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ اسی سال وہ قونصلی کے معزز عہدہ کے لئے استادہ ہوا اور پورا یقین رکھتا تھا کہ انٹونیس کے ساتھ اس کا بھی انتخاب ہو جائیگا۔ اور ایسے شریک منصب کا ہونا نہ ہونا برابر تھا۔ کیونکہ سوائے ہاں میں ہاں ملا دینے کے اسے کام کرنے کی کوئی لیاقت نہ تھی۔ ان حالات نے اکثر معزز شہریوں کو نہایت اندیشہ مند کیا اور انہوں نے سسرو کو اسی سال امیدوار کرا دیا تھا کہ جس طرح بنے کٹلن اپنے ارادوں میں کامیاب نہ ہو چنانچہ نتیجہ خاطر خواہ نکلا اور سسرو انٹونیس کے ساتھ قونصل مقرر ہو گیا۔ حالانکہ آخر الذکر خاندانی حیثیت سے بھی محض ایک فوجی آدمی تھا اور اس کے بزرگوں نے سلطنت کے نظم و نسق میں کوئی نام نہ پایا تھا۔

اس وقت تک اگرچہ کٹلن کا منشا عام طور پر معلوم نہ تھا۔ پھر بھی سسرو کے برسر اقتدار ہوتے ہی شورش و فساد کی آگ بھڑکنے لگی۔ یعنی ایک طرف تو وہ لوگ جنہیں سلا کے قوانین نے سرکاری عہدوں سے بے حق کر دیا تھا اور جو اپنی تعداد یا رسوخ کے اعتبار سے کچھ بہت کم نہ تھے مخالفت کے میدان میں نمودار ہوئے اور لوگوں کو اپنے سے پرچانے لگے۔ (گو اس میں شبہ نہیں کہ سلا کی ظالمانہ کارروائیوں کے بارہ میں جو کچھ وہ کہتے تھے ایک حد تک بالکل درست تھا لیکن برائیوں کا دور کرنا ان کا اصلی مقصد نہ تھا وہ صرف حکومت کو دق کرنے کا موقع ڈھونڈتے تھے) اُدھر ٹریبون میں بھی اسی قسم کے قاعدے وضع کرنے لگے جن کا خلاصہ یہ تھا کہ دس اشخاص کی منتخب جماعت کو کامل اختیار دیدیا جاوے کہ وہ اطالیہ، شام اور پمپی کے نئے مقبوضات کی زمینیں فروخت کرے

نوآبادیاں بسائے اور جسے مناسب جانے جلاوطن کردے اور جسقدر ضرورت ہو خزانے سے روپیہ لے یا سپاہیوں کی تنخواہوں کے لئے نئے محصول بڑھادے باوجود اسکے کہ ٹریبون صرف عوام الناس کے نمائندہ یا وکیل ہوتے ہیں مذکورہ بالا تجاویز میں طبقہ امرار کے بعض افراد بھی اُن کے ہم آہنگ ہوگئے تھے۔ خاصکر سسرو کا ہم عہدہ انٹونیئس اس امید میں کہ وہ بھی اس منتخب جماعت میں شامل کرلیا جائیگا اُنھیں کا گیت گانے لگا تھا۔ ان سب مشکلوں میں طرہ یہ ہوا کہ اُس کی (انٹونیئس کی) نسبت کٹلن کے ساتھ شریک سازش ہونے کا شک بھی پیدا ہوگیا۔ شک کی بنیاد یہ تھی کہ انٹونیئس قرض میں زیربار ہو رہا تھا اور اس سے بعید نہ تھا کہ ایسی مجبوری میں درپردہ باغیوں کے ساتھ ہو جائے۔

سسرو نے پہلا کام یہی کیا کہ اس خطرہ کی روک تھام کے لئے انٹونیئس کو صوبہ مقدونیہ کی ولایت پر مامور کرادیا۔ خود اسکو غالیہ کا علاقہ تفویض ہوتا تھا مگر اس نے اپنے لئے کچھ نہ لیا کیونکہ اُسے اپنے ساتھی کی ہوس پوری کرنی تھی۔ چنانچہ اس ایک ہی عنایت نے اسکو ایسا گرویدہ کیا کہ سسرو کے اشارہ پر چلنے لگا۔ ادھر سے اطمینان کرنے کے بعد سسرو نے دوسرے دشمنان ملک کی طرف توجہ کی اور مجوزہ جماعت کے خلاف مجلس میں ایک معرکہ آرا تقریر کرکے مجوّزین کو اس درجہ عاجز کیا کہ اُن سے کوئی جواب دیتے نہ بنی۔ پھر جب انہوں نے کوشش کی کہ جلسہ عوام میں اپنے ارمان نکالیں اور اسی مزہ قنصلوں سے جواب طلب کریں، اس وقت بھی سسرو نے کوئی خوف نہ کیا اور تمام اراکین مجلس کو لیکر پہلے خود جلسہ میں داخل ہوا اور پھر اپنی سحر بیانی سے تمام ٹریبونوں کو اسقدر مرعوب و مغلوب کرلیا کہ اُنھوں نے اپنی اور سب تجویزوں کا بھی خیال چھوڑ دیا۔

اصل یہ ہے کہ سسرو پہلا شخص ہے جس نے رومیوں کے دلوں میں صداقت اور فصاحت کی حیرت انگیز قوت کا نقش بٹھایا یعنی عملاً اس بات کو ثابت کردیا

کہ جب کبھی فصاحت حق کی راہ میں صرف کی جائے گی اس وقت اُس کی تاثیر ہزار چند زیادہ بڑھ جائیگی کیونکہ انصاف وراستی کے ہاتھ میں یہ ہتھیار آجاتا ہے تو پھر کوئی طاقت اسکا مقابلہ نہیں کرسکتی۔ اسکے علاوہ اُس نے دکھادیا کہ کسی جمہوری حکومت کو عمدہ طریقہ پر چلانے کا ضروری گُر یہ ہے کہ آدمی ہردلعزیز بننے سے زیادہ حق شناس بننے کی کوشش کرے اور فن تقریر میں اسے اتنا کمال حاصل ہو کہ مفید اور صحیح طریق عمل کو لوگوں میں باسلوب پسندیدہ پیش کرسکے یعنی ہر دل شکن پیرائے کو بچا جائے اور اپنی بات بھی اچھی طرح ذہن نشین کردے۔

اُسکی تمثیل میں ایک واقعہ تماشاگاہ میں پیش آیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسکی فصاحت کیا کچھ کرسکتی تھی۔ رومی تھیٹروں میں پہلے نشست کی کوئی تخصیص نہ تھی۔ اور وہ لوگ بھی جو نایٹ کا رتبہ رکھتے تھے جہاں جگہ ملتی بیٹھ جایا کرتے تھے۔ لیکن جب آتھو پریٹر ہوا تو ایک کام یہ بھی کیا کہ ان مردان جنگ (یعنی نائٹوں) کے لئے ایک مقام تماشاگاہوں میں مخصوص کردیا جو آجکل بھی دستور ہے۔ مگر لوگوں کو یہ نیا قاعدہ اوّل اوّل بہت ہتک آمیز معلوم ہوا اور جب آتھو تھیٹر میں آیا تو اُنھوں نے اسکی مذمت کی اُدھر نائٹوں نے اس کا نعرہ ہائے مسرت کے ساتھ خیر مقدم کیا۔ لوگوں نے اور بھی شور مچایا اور نائٹ بھی برابر تالیاں بجاتے رہے۔ اسی سلسلہ میں وہ ایک دوسرے پر لپٹ پڑنے اور نوبت سب وشتم تک پہنچی جس سے تمام تماشاگاہ میں ایک طوفان بپا ہوگیا۔ اس بیچ سسرو کو بھی اطلاع ہوئی اور وہ اُسی وقت تھیٹر آیا اور سب لوگوں کو اپنے ساتھ بلونا دیوی کے مندر میں لاکر ایسی تقریر کی اور اسقدر خفیف کیا کہ جب وہ واپس آئے تو آتھو کے استقبال اور اعزاز واکرام میں نائٹوں سے زیادہ جوش دکھانے لگے۔

اب کٹلن کے مفسد رفیقوں نے جو پہلے مرعوب اور کچھ پست ہمت ہوگئے تھے پھر سر اُٹھانا شروع کیا۔ وہ سب جمع ہوئے اور باہم ایک دوسرے کو جوش دلانے لگے

کہ کام کرنے کا یہی وقت ہے اور جو کچھ کرنا ہو پمپی کے آنے سے پہلے کر لو جسکی نسبت مشہور تھا کہ اپنی فوجوں سمیت رومہ کو واپس آرہا ہے مگر کٹلن کو شورش پر اُبھارنے والے سب سے زیادہ سلا کے قدیمی سپاہی تھے انکی فوجیں منتشر کیجا چکی تھیں اور وہ سب اپنی گھروں کو واپس بھیجدیئے گئے تھے پھر بھی انکا خونخوار اور کثیر جتھا اٹروریہ کے علاقہ میں پھیلا ہوا تھا اور ابھی تک تازہ فساد و خونریزی کے اور دوبارہ اطالیہ کے گڑے خزانے لوٹنے کے خواب دیکھ رہا تھا۔ یہ جماعت کی جماعت اپنے سرغنہ مان لی کے زیر ہدایت کٹلن سے مل گئی تھی۔ یہ مان لی وہ شخص ہے جو سلا کے عہد اقتدار میں بڑی بڑی لڑائیاں لڑا اور ان میں بہت نام پیدا کر چکا تھا اب وہ اپنے ساتھیوں سمیت رومہ آیا کہ کٹلن کے دوبارہ استادہ ہونے پر اپنی رایوں سے اسکی مدد کرے کیونکہ وہ پھر قنصلی کا امیدوار تھا اور ساتھ ہی انتخاب کے ہنگاموں میں سسرو کو مروا دینے کی نیت رکھتا تھا۔ اِدھر دیوتا بھی طوفان، بھونچال اور خرق عادت واقعات کے ذریعے گویا زبان حال سے آنے والے مفسدہ کی وعید سنا رہے تھے خود قرائن ظاہری کٹلن کی موافقت میں تھے لہذا سسرو نے انتخاب کی تاریخیں بڑھا کر کٹلن کو مجلس ملکی میں طلب کیا اور پوچھا کہ ان الزاموں کی جو تم پر لگائے جا رہے ہیں کیا اصلیت ہے کٹلن کو امید تھی کہ خود مجلس میں بہت سے ارکان نظام حکومت کی تبدیلی کے خواہاں موجود ہیں نیز وہ اہل سازش کو اپنی جرأت کا نمونہ دکھانا چاہتا تھا اس لئے تمرد کی ادا سے بولا وہ اگر میں دو جسموں کو دیکھوں کہ ایک بہت کمزور اور اپنے سر کے بوجھ سے دبا جاتا ہے اور دوسرا خوب مضبوط اور جسیم ہونے کے باوجود بن سر ہے تو ایسی صورت میں بن سر کے جسم کے شانوں پر سر رکھدینے میں کیا ہرج ہے۔

اس جواب نے جس میں مجلس ملکی اور جمہور الناس کی طرف اشارہ تھا سسرو کے متعلق بدظنی کو پختہ کر دیا اور جب وہ میدان انتخاب کی طرف آیا تو بغرض حفاظت زرہ لگا کے اور بہت سے معززین شہر اور نوجوانوں کو ہمراہ لیکے آیا۔ مجمع میں پہونچکر اُس نے دانستہ

شانوں پر سے اپنا چغہ کھسکا دیا اور زرہ دکھا کے مجمع پر اپنی مخدوش حالت ظاہر کر دی۔ اس سے لوگوں پر بڑا اثر پڑا اور وہ اس کی حفاظت کے لئے اسکے ارد گرد جمع ہو گئے کٹلن پھر اپنے ارادہ میں ناکام و نامراد رہا اور اس دفعہ بھی کثرت رائے سے سیلانوس اور مورینا دو اور شخص قنصل منتخب ہو گئے۔

اس واقعہ کے تھوڑے ہی عرصہ بعد کٹلن کے سپاہیوں کا اٹروریہ میں جوق درجوق اجتماع شروع ہوا کیونکہ اعلان شورش کا مقررہ دن قریب آتا جاتا تھا۔ اسکی اطلاع سسرو کو جسکی میعاد قنصلی میں چند روز باقی تھے عجیب طرح پر ہو گئی۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ ایک روز آدھی رات کے وقت رومہ کے تین نہایت مقتدر اور معزز باشندے یعنی مرقس کراسوس، مارسیلس اور شپلس سسرو کے گھر پہونچے اور دروازہ کھلوا کے دربان کو حکم دیا کہ اپنے آقا کو جگا کر ان کی اطلاع کر دے۔ انکے آنیکی غرض یہ تھی کہ اسی رات کھانا کھانیکے بعد کراسوس کے ڈیوڑھی بان نے چند خط اسے لاکے دیئے اور بیان کیا کہ کوئی نامعلوم شخص آپکے واسطے انھیں چھوڑ گیا ہے۔ یہ خط مختلف لوگوں کے لئے تھے۔ لیکن ان میں سے ایک کراسوس کے نام پر تھا اس میں بھی لکھنے والے نے اپنا نام تحریر نہیں کیا تھا۔ بہرحال کو جب کراسوس نے کھولا تو یہ اطلاع پائی کہ بہت جلد کٹلن کے ہاتھوں رومہ میں سخت خونریزی ہونے والی ہے تمھاری بہتری اسی میں ہے کہ فوراً شہر کو چھوڑ کر باہر چلے جاؤ۔ اس خط کے سوا اور کسی خط کو اس نے نہیں کھولا بلکہ سخت خوف و انتشار کے عالم میں کہ کبھی کوئی مجھے بھی شریک سازش سمجھ لے انھیں لئے ہوئے سیدھا سسرو کے پاس چلا آیا کیونکہ کٹلن سے اسکی راہ و رسم تھی اور اس وجہ سے لوگ پہلے ہی اس سے بدگمان تھے۔ سسرو نے غور کے بعد معاملہ دوسرے دن پر چھوڑا اور علی الصباح اہل مجلس کو جمع کیا وہ گمنام خط اپنے ساتھ لے آیا تھا اور جن جن کے نام بھیجے گئے تھے اس وقت انکے حوالہ کیا اور حکم دیا کہ سر مجلس پڑھ کے سنا دیں سب کا مضمون ایک تھا اور جب ایرئیس نے جو پریٹر کا مرتبہ رکھتا تھا کھڑے ہو کر بیان کیا

کہ اٹروریہ میں سپاہی گروہ در گروہ جمع ہو رہے ہیں اور اس بات کی شہرت ہے کہ مانلی فوج کثیر لئے وہاں کے شہروں کے اِردگرد منڈلاتا پھرتا ہے اور صرف رومہ کے اشارہ ملنے کا منتظر ہے تو اس وقت مجلس نے بالاتفاق قنصلوں کو اختیار دیدیا کہ وہ اس نازک موقع پر محض اپنی رائے سے جو کچھ مناسب سمجھیں وہ کریں اور جسطرح ممکن ہو سلطنت کو تباہی سے بچائیں واضح رہے کہ اس قسم کے اختیارات کا قنصلوں کو دیدیا جانا کوئی معمولی بات نہ تھی بلکہ صرف اس وقت مجلس ایسا کرتی تھی جبکہ اسکے نزدیک کوئی بہت بڑا خطرہ سلطنت پر آنے والا ہو۔

اس قوت کے تفویض ہونے پر سسرو نے باہر کے تمام انتظامات کو انٹس سٹلس کے حوالے کئے لیکن اندرون شہر پر خاص اپنی نگرانی رکھی اپنی ذات کی حفاظت کے لئے بھی اُس نے بہت سے محافظ بڑھادیئے حتی کہ روزانہ جب شہر میں نکلتا تھا تو سارا چوک اسکے سپاہیوں سے گھر جایا کرتا تھا۔

اب کٹلن انتظار کرتے کرتے گھبرا گیا اور اُس نے ارادہ کرلیا کہ خود مانلی کے پاس نکل جائے اور علمِ سرکشی بلند کرے لیکن جانے سے پہلے اپنے دو چیلوں مرسیس اور کتھی جس کو اُس نے حکم دیا کہ تلواروں سے مسلح ہو کر بہت صبح سسرو کے گھر جا پہنچیں اور سلام کے بہانے جا کر اچانک اُسکا کام تمام کردیں۔ اس منصوبہ کی اطلاع بھی سسرو کو ایک معزز خاتون فلویہ نے رات کے وقت آکر دیدی اور بتادیا کہ مرسی اور کتھی جس سے ہشیار رہنا صبح ہی صبح یہ دونوں دروازہ پر پہنچے مگر جب انھیں اندر داخل ہونے سے روکا گیا تو انہوں نے بڑا شور و غوغا مچایا جس سے شبہ کو تقویت ہوئی۔ اور سسرو نے برامد ہو کر عطارد دیوتا کے مندر میں اہل مجلس کو طلب کیا۔ اس اجلاس میں کٹلن اور اسکے ہمسفیر بھی آئے گویا اپنی مدافعت کرنا چاہتے ہیں لیکن ارکان مجلس میں سے کسی نے بھی اسکے ساتھ بیٹھنا پسند نہیں کیا اور جس چوکی پر وہ آکے بیٹھا تھا سب اُس پر سے اُٹھ اٹھ کے الگ جا بیٹھے اور جب اس نے تقریر کرنی شروع کی تو شور مچا کے اسکو روک دیا۔ انجام کار سسرو نے کھڑے ہو کے حکم دیا کہ تم شہر سے چلے جاؤ کیونکہ ہم میں سے ایک شخص

تلوار سے حکومت کرتا ہو دوسرا زبان سے لہذا دونوں کے درمیان دیوار حائل ہونی ضروری ہے
یہ سنتے ہی کٹلن اپنے تین سو مسلح آدمی لیکر شہر سے نکل گیا اور جنگی پھریرے اور ماہی مراتب
لئے ہوئے جیسے کوئی مجسٹریٹ ہوتا ہے اپنے دوست مانلی سے جا ملا اور بہت جلد بیس ہزار
کے قریب فوج جمع کر لی اور اسے لیکر بعض شہروں کا رخ کیا تاکہ برضامندی یا بجبر
انھیں بھی بغاوت پر آمادہ کر دے۔ یہ حرکت گویا کھلم کھلا لڑائی کا اشتہار تھا جس کے
مقابل کے لئے ادھر سے باضابطہ انٹونیئس روانہ ہوا۔
لیکن اس شریر گروہ کے بہت سے افراد ابھی تک شہر میں باقی تھے اور انکی سرداری
اور اغوا کرتے رہنے کا بیڑا کرنیلیس لنٹلس نے اٹھا رکھا تھا۔ یہ شخص جس کا عرف عام "سورا" تھا
ایک امیر گھرانے کا مشہور عیاش آدمی اور اپنی بدافعالی کی بنا پر مجلس کی رکنیت سے بھی
خارج کر دیا گیا تھا جسکے دوبارہ حاصل کرنے کے لئے وہ ان دنوں دوبارہ پریٹری کی خدمت
انجام دے رہا تھا کیونکہ رومی قوانین کے بموجب اگر کوئی شخص مجلس سے خارج کر دیا جائے
تو جب تک وہ پھر ایک مرتبہ پریٹر منتخب نہ ہو لے رکن نہیں بنایا جا سکتا۔ کہتے ہیں اسکا عرف سورا
مذکورۂ ذیل واقعہ کے بعد سے پڑا ہے۔ سلا کے زمانہ میں وہ بخشی کے عہدہ پر ممتاز تھا اور بحساب
سرکاری روپیہ غبن کرتا رہا اس پر لوگوں نے سلا کو اشتعال دلایا اور اس نے لنٹلس کو
مجلس میں طلب کر کے حساب پیش کرنے کی فرمائش کی۔ لنٹلس نے نہایت اطمینان اور بے پروائی سے
جواب دیا کہ میرے پاس کوئی حساب نہیں فقط یہ موجود ہے۔ اور یہ کہکر اپنی ٹانگ اس طرح اٹھا کر دکھائی
جسطرح لڑکے گیند کھیلتے میں جب ٹھوکر خالی جاتی ہے تو اٹھا لیا کرتے ہیں اسی پر اسکا لقب
سورا پڑ گیا جس کے معنی رومی زبان میں پنڈلی کے ہیں۔
ایک اور دفعہ کا ذکر ہے کہ لنٹلس پر مقدمہ قایم کیا گیا اور جب اسمیں کئی ارکان عدالت کو
رشوت دیکر دو رائے کی زیادتی سے وہ بری ہو گیا تو افسوس کرنے لگا کہ ایک کو ناحق رشوت کا
روپیہ زیادہ دیا کیونکہ جیتنے کے لئے صرف ایک رائے کا غلبہ کافی تھا۔ غرض وہ اس مزاج کا

ایوان مجلس کے باہر لوگوں کا جمگھٹا لگا ہوا تھا لہذا سسرو نے باہر آکر انھیں ساری کارروائی کی اطلاع دی پھر انکے حلقہ میں اپنے ایک دوست اور ہمسایہ کے گھر شب گذارنے چلا آیا کیونکہ خود اسکے ہاں اس رات وہ مذہبی تقریب تھی جس میں صرف عورتیں ایک خاص دیوی کی پوجا کرتی ہیں۔ یہ دیوی رومیوں میں نیک اور یونانیوں میں عورتوں کی دیوی کہلاتی ہے اور اسکی پرستش قنصل ہی کے گھر میں اسکی ماں یا بیوی مقدس کنواریوں (مرلیوں) کے سامنے کیا کرتی ہے۔

غرض سسرو نے اپنے دوست کے ہاں تنہائی پاکر اس مسئلہ میں غور کرنا شروع کیا کہ اہل سازش کو کیا سزا دی جائے سخت سزا دیتے ہوئے جبکہ وہ ان سنگین جرایم کی وجہ سے بدرجہ اولی مستحق تھے سسرو جھجکتا تھا۔ اسکی بزدلی اور فطری رحم دلی دونوں اس فیصلہ کے مخالف تھیں۔ ادھر یہ خیال بھی تھا کہیں لوگ ظلم اور سختی کا الزام نہ رکھیں اور ایسے مقتدر لوگوں کے ساتھ جو نہایت شریف النسب اور کثیر الاحباب ہیں میرے برتاؤ کو قوت کا ناجائز استعمال نہ تصور کریں۔ بااین ہمہ نرمی کا برتاؤ کرتے بھی نہ بن پڑتی تھی اس لئے کہ یہ صورت خود اسکے لئے خطرناک تھی۔ بالفاظ دیگر' یہ مجرم اگر سزائے موت سے بچ جاتے تو اسکا کوئی احتمال نہ تھا کہ وہ آئندہ مصالحت اور امن امان سے رہنا پسند کرینگے اسکے برعکس ان کا شرارت و شورش میں زیادہ شیر ہو جانا یقینی تھا' اور سسرو جانتا تھا کہ چھوٹنے کے بعد اُنھوں نے کوئی مفسدہ کھڑا کیا تو اسکا سارا وبال میری گردن پر ہوگا اور عوام الناس جو پہلے ہی میری بزدلی سے خوش نہیں مجھے سخت نامردی کا مجرم سمجھیں گے۔

سسرو اسی سوچ میں بیٹھا تھا کہ اسکے گھر میں ایک نیک شگون ظاہر ہوا یعنی بھینٹ دیتے وقت قربانگاہ سے ایک بڑا اور چمکدار شعلہ اُٹھا۔ حالانکہ آگ قریب قریب بجھ چکی تھی اور آتشدان میں سوائے راکھ کے کچھ باقی نہ تھا۔ اس کرشمہ نے سب کو خوف زدہ کر دیا مگر مقدس کنواریوں نے سسرو کی بیوی تارنشیہ کو بلایا اور کہا کہ جلد اپنے شوہر کے پاس جاؤ

اور حکم دو کہ جو کچھ ملک کی بھلائی میں اُس نے سوچا ہی فوراً اس پر عمل کرے کیونکہ دیوی اپنی غیر معمولی روشنی دکھا کے پہلے سے زیادہ اسکی حفاظت اور ناموری کا ذمہ لیتی ہے۔

تارنشیہ خود بھی اپنے شوہر کی طرح رفیق القلب یا بُزدل عورت نہ تھی بلکہ ناموری اور شہرت کی اتنی بھوکی کہ بقول سسرو کے اپنے خانگی حالات مجھے سنانے کے بجائے ہمیشہ میرے ملکی کاروبار میں دخل دینے کی مشتاق رہا کرتی تھی۔ ادھر سسرو کے بھائی کوانٹس کی بھی رائے سزائے سخت کی تھی۔ اور نگی ڈلیس بھی جو اسکے فلسفی دوستوں میں سے تھا اور اکثر سنگین اور نازک معاملات میں اپنے عمدہ مشوروں سے کام آتا یہی کہتا تھا۔

دوسرے دن مجلس میں بھی یہ بحث اُٹھی کہ ان مجرموں کو کیا سزا دی جائے اور سب سے پہلے سلانوس سے استفسار رائے ہوا اُس نے کہا میرے نزدیک مناسب یہی ہے کہ ان سب کو قید خانہ میں بھیجکر سخت ترین سزا دی جائے۔ اسی پر سب ارکان صاد کرتے چلے آئے یہانتک کہ جولیس سیزر کی جو بعد میں مطلق العنان فرمانروا ہوا باری آئی۔ وہ ابھی تک بالکل نوجوان اور اپنی سیاسی زندگی کے ابتدائی مراحل میں تھا تاہم ایسے وقت سے ان تبدیلیوں کی بنیاد ڈال رہا تھا جن کی بدولت آخر کار اس نے رومتہ الکبریٰ کو شخصی سلطنت بنا دیا۔ اسکا یہ میلان اوروں سے مخفی تھا لیکن سسرو گو کافی ثبوت اسکے مشتبہ ہونیکے نہ رکھتا تھا پھر بھی کھٹک گیا تھا۔ یہاں تک کہ بعض لوگوں کا بیان ہے کہ اسکا راز کھلنے میں کچھ کسر باقی نہ رہی تھی اور وہ سسرو کی گرفت سے بال ہی بال بچا۔ ایک خیال یہ ہے کہ سسرو نے جانکر اُس سے چشم پوشی کی اور اُسکے اقتدار و احباب سے ڈر کر اُن شہادتوں کو جو اسکے خلاف موجود تھیں پیش نہ کیا کیونکہ یہ سب کو یقین تھا کہ اگر سیزر پر بھی سازشیوں کے ساتھ مقدمہ چلا تو ان کی وجہ سے خود سزا پانا در کنار ممکن ہے کہ باقی سب مجرم بھی اسکے ہونے کی وجہ سے چھوٹ جائیں۔

القصہ سیزر سے رائے لی گئی تو اس نے کھڑے ہوکے تحریک کی کہ مجرموں کو قتل نہ کیا جائے بلکہ انکے مال املاک ضبط کرکے اطالیہ کے ان شہروں میں جنہیں سسرو پسند کرے اس وقت تک

کہ کتلن مغلوب ہو قید رکھا جائے۔ اس فیصلہ کو جو نہایت معتدل تھا اور نہایت زوردار مقرر نے پیش کیا تھا سسرو نے بھی کچھہ کم وزن نہ دیا بلکہ اُٹھکر ایسی تقریر کی جس میں پہلی تجویز کی بھی تعریف نکلتی تھی اور سیزر کے فیصلہ کی بھی۔ اسپر سسرو کے طرفداروں نے یہ سمجھکر کہ اگر مجرم زندہ رہے تو سسرو بدنامی سے بچ جائیگا سیزر ہی کی تائید کی اور سیلانوس تک نے اپنا خیال بدل دیا اور کھڑے ہو کے اپنی پہلی رائے ان الفاظ کے ساتھ تبدیل کر دی کہ میرا مطلب سب سے بڑی سزا دلانا نہ تھا بلکہ سب سے سخت ہمارے اور رومی اراکین مجلس کے لئے سب سے سخت سزا سوائے قید کے کچھہ نہیں ہو سکتی۔

سیلانوس کی طرح اوروں نے بھی سیزر کے موافق ہی رائے دی اور لٹے ٹیس پہلا شخص تھا جس نے اختلاف کیا۔ اسکے بعد کیٹو کی باری تھی۔ اس نے خود سیزر پر سازش کے شبہے ظاہر کئے اور اس قیامت کی تقریر کی کہ اراکین مجلس طیش و غضب سے بھر گئے اور سزا دینے پر ایسے جم گئے کہ سزائے قتل پر اجماع ہو گیا۔ اس وقت سیزر نے انکی املاک کی ضبطی منسوخ کرانی چاہی اور کہا کہ جن لوگوں نے میری تجویز کے معتدل حصہ کو نہ مانا ظلم ہے کہ وہ اسکے شدید پہلو سے فائدہ اٹھائیں۔ لیکن لوگوں نے اسکی نہ سُنی اور ٹریبونوں کو بھی وہ اپنا ہم آہنگ نہ کر سکا۔ آخر سسرو ہی نے دیکر سزا کے اس جزو کو معاف کر دیا۔

اب سسرو اراکین مجلس کو ساتھہ لئے اہل سازش کے پاس گیا جو مختلف مقامات پر الگ الگ کئی عدالتوں کی حراست میں تھے سب سے پہلے اس نے پہاڑی سے لنٹولس کو لیا اور بازار مقدس کے راستے بیچ منڈی میں پہونچا۔ اس طرح کہ شہر کے تمام معززین اسکے گرد حلقہ بنائے ہوئے اسکی حفاظت کرتے آتے تھے۔ عوام الناس خاصکر نوعمر لڑکے آتے جاتے دیکھکر اس کارروائی سے بہت پریشان تھے کہ نہ معلوم یہ لوگ کوئی قدیم رسم منا رہے ہیں یا اس زمانہ کی جب امرا کا دور دورہ تھا کوئی یادگار قائم کرنا چاہتے ہیں۔ غرض ہر طرف خاموشی کا عالم تھا یہاں تک کہ اسی طرح پر یہ مجمع جیل خانہ تک آیا جہاں لنٹولس کو

داروغہ کے حوالے کر کے حکم دیا گیا کہ فوراً قتل کر دے۔ پھر کتھی جس کو لائے اور اس کے بعد علی الترتیب تمام سازشی دو دو چار چار کر کے لائے گئے اور جلاد کے حوالے ہوئے۔ اس کے بعد جب واپسی میں سسرو نے بعض شرکائے سازش کو دیکھا کہ وہ لوگوں میں ملے جُلے کھڑے ہیں اور مجرموں کی موت سے بے خبر بلکہ اس خیال میں ہیں کہ شاید وہ زندہ چھوڑ دیئے جائیں تو اس نے چلّا کر کہا کہ "وہ زندہ تھے۔" موت کی خبر دینے کا یہ ایک پیرایہ ہے جو رومیوں میں رائج تھا تاکہ مرنے کا منحوس لفظ زبان سے نکالنے کی ضرورت نہ پیش آئے۔

جس وقت سسرو اس کام سے فارغ ہو کے گھر آیا تو شام ہو چکی تھی مگر اب اہل شہر پہلے کی طرح خاموش نہ تھے بلکہ راستہ بھر نعرہ ہائے مسرت اور خوشی کی تالیوں سے اس کا استقبال کر رہے تھے اور آن آن کے اُسے سلام کرتے کہ تو ہی اپنے ملک کا رکھوال اور بچانے والا ہے۔ سارے بازار چراغ اور مشعلوں کی روشنی سے جگمگا رہے تھے۔ عورتیں کوٹھوں پر چڑھ چڑھ کے اس کے اعزاز میں روشنیاں دکھا رہی تھیں اور مشتاق تھیں کہ اُسے عمائد شہر کے جُھرمٹ میں گھر لوٹتا دیکھیں۔ انھیں عمائد میں وہ لوگ بھی اس کے ساتھ اور پیچھے پیچھے تھے جنھوں نے بڑے بڑے معرکے سر کئے جلوس فتحمندی سے افتخار پایا اور بحر و بر میں رومتہ الکبریٰ کی حدود وسیع کر دیں۔ وہ سب آپس میں یہی باتیں کرتے آتے تھے کہ ہر چند اہل رومہ اپنی دولت و اقتدار ثروت و غنایم کے لئے بعض سپہ سالاروں کے رہین منت ہیں تاہم ان سب کے تحفظ اور بقا کا سہرا سسرو کے

سر ہے جس نے ایسے بڑے اور سخت خطرہ سے انھیں بچا لیا۔" اور بے شبہ گویہ ایسی غیر معمولی بات نہیں تھی کہ اُس نے سازش کا بروقت انسداد کرلیا اور اس کے بانیوں کو کیفر کردار کو پہونچا دیا پھر بھی رومی تاریخ میں یہ سب سے بڑی سازش تھی جو اس حیرت انگیز طریقے سے بلا شور و فساد اور بغیر کسی ہنگامہ کے فرو ہوگئی۔ اور اس کا بڑا گہرا اثر خود اُن لوگوں پر پڑا جو کٹلن کے جتھے میں جا ملے تھے چنانچہ لنٹلس اور کیتھی جس کا غمناک حشر سنتے ہی ان میں سے اکثر اُسے چھوڑ چھوڑ کے چلے آئے اور خود وہ اپنی باقی ماندہ فوج کے ساتھ بآسانی انٹونئیس کے ہاتھوں شکست کھا کے مارا گیا۔

بااین ہمہ ان کارروائیوں پر سسرو کو بُرا کہنے والے بھی موجود تھے اور آمادہ تھے کہ نہ صرف زبانی بلکہ بس چلے تو عملی نقصان پہونچانے میں کوتاہی نہ کریں۔ اُن میں پیش پیش اور کہنا چاہیے کہ سردار سیزر، مٹلس اور بسٹیا تھے جن میں سے پہلا تو سال آئندہ پریٹر ہونے والا تھا اور آخر الذکر دو کی نسبت ٹربیون ہو جانے کی توقع تھی۔ چنانچہ سسرو کی قنصلی ختم ہونے میں چند روز باقی تھے جو یہ لوگ اُن عہدوں پر منتخب ہو گئے اور طرح طرح سے اُس کو دق کرنا شروع کیا۔ مثلاً منبر (تقریر گاہ) کے سامنے چوکیاں کھڑی کر دیں اور اُسے عوام الناس کو مخاطب کرنیکی اجازت نہ دی اور کہا تو یہ کہ تم چاہو تو صرف الوداعی حلف لے سکتے ہو اور اس کے بعد فوراً منبر سے نیچے اُتر آؤ۔ سسرو نے مجبوراً اسی پر اکتفا کی اور جب ضابطہ عہدہ چھوڑتے وقت گویا رخصت ہونے سامنے آیا جب خاموشی ہوگئی تو اس نے قسم کھائی یا حلف لیا مگر بالکل نئے اور انوکھے طرز پر یعنی قسم کھائی کہ میں نے اپنے ملک کو بچایا اور سلطنت کو برقرار رکھا۔ سامنے سے حاضرین نے اپنی اپنی قسموں کے ساتھ اسکی تصدیق کی جس سے سیزر

اور ٹریبون زیادہ برافروختہ اور اس کو زک دینے میں کوشاں ہوئے۔ اسی غرض سے انہوں نے یہ تحریک پیش کی کہ سسرو کی غاصبانہ حکومت ختم کردینے کے لئے پمپی کو مع اپنی فوج کے وطن طلب کیا جائے۔" غنیمت ہے کہ اس وقت سسرو اور قوم کا سچا خیرخواہ کیٹو بھی ٹریبونوں میں شامل تھا۔ اسکی قوت اُن کی برابر تھی مگر شہرت و عظمت سب سے زیادہ اور اس لئے وہ اُن کے منصوبوں کو روک سکتا تھا۔ چنانچہ اُس نے ان مخالفین کی تمام تجویزیں خاک میں ملادیں اور ایک معرکہ آرا خطبہ میں سسرو کی اسقدر تعریف کی کہ جمہور نے بڑے بڑے اعزاز دینے منظور کئے اور باعلان عام اُسے "ملک کے باپ" کا جلیل المنزلت خطاب دیا گیا۔ یہ وہ خطاب ہے جو کیٹو نے اپنی تقریر میں اسے دیا تھا اور بظاہر سسرو پہلا شخص ہے جو (اسی وقت سے) اس لقب سے ملقب ہوا

بوجوہ بالا سسرو کا اثر ان دنوں شہر میں سب سے زیادہ ہوگیا تھا لیکن بہت لوگوں کو اس سے حسد بھی پیدا ہو رہا تھا جس کا باعث کوئی بُرائی نہ تھی بلکہ یہ عیب کہ وہ ہمیشہ اپنی بڑائیاں کیا کرتا تھا۔ مجلس ملکی، جلسہ عوام، عدالتِ انصاف غرض کوئی جگہ ایسی نہ تھی جہاں وہ کٹلن اور لنٹلس کا ذکر نکال کر اپنی ہوا نہ باندھتا ہو۔ اور اسی پر کیا منحصر ہے یہ بیماری تحریروں میں بھی اسکا پیچھا نہیں چھوڑتی اور اپنی کتابوں میں صفحے کے صفحے وہ اپنی تعریف میں بھرتا چلا جاتا ہے جس سے اُسکا دلکش اور لطیف طرز تحریر بھی (پڑھنے یا) سننے والوں کو ناگوار گذرنے لگتا ہے۔ مگر اسقدر شوق خودستائی کے باوجود وہ حسد و رقابت کی آلائش سے بالکل پاک ہے اور اپنے قدیم یا معاصر مشاہیر کی خوبیاں بھی اسی جوش سے بیان کرتا ہے جسکی تصدیق اسکی تحریروں سے بخوبی ہوسکتی ہے اور اس قسم کے اسکے اکثر اقوال بھی لوگوں کو یاد ہیں کہ جیسے ارسطو کی نسبت

اُس نے کہا کہ وہ بہتے سونے کا دریا ہے۔ افلاطون کے مکالموں کی نسبت فرمایا کہ اگر عطارد دیوتا کبھی بولتا تو وہ اسی کے مشابہ زبان میں بولتا۔ سقراسطس کی تصانیف کو وہ اپنا سامانِ عیش کہا کرتا تھا۔ جب ڈموس تھنیز کی تقریروں کے بارہ میں اس سے کسی نے پوچھا کہ اس کے نزدیک سب سے اچھی کونسی ہے تو اس نے جواب دیا کہ "سب سے طویل"

پھر بھی بعض لوگ جنہیں ڈموس تھنیز کی تقلید کا ادعا ہے شکایت کرتے ہیں کہ سسرو نے اپنے ایک خط میں بعض الفاظ ایسے لکھے ہیں جن سے اس کی بُرائی نکلتی ہے اور جن کا مفہوم یہ ہے کہ ڈموس تھنیز اپنی تقریروں میں بعض اوقات سو جاتا ہے لیکن معترض ان تعریفوں کو بھولے ہوئے ہیں جو بارہا سسرو کرتا رہا نہ انھیں یہ خیال آیا کہ سسرو نے جو خطبہ انٹونی کے خلاف لکھا اُسے فیلقوسی کے نام سے موسوم کیا اور یہ ڈموس تھنیز کی سب سے بڑی داد ہے جو اس نے دی۔

اور اس کے ہمعصروں میں کوئی شخص جو خطابت یا فلسفہ میں مشہور تھا ایسا نہیں کہ جسکی اس نے تحریری یا تقریری تعریف کرکے شان اور ناموری نہ بڑھائی ہو۔ جب سیزر برسرِ حکومت ہوا تو اُس نے (سسرو نے) کراٹی پس منطقی کے واسطے رومی شہریت کے حقوق حاصل کئے (جو ایک غیر ملکی کے لئے بڑا اعزاز تھا)۔ اور آریو پاگوس کی معزز عدالت سے یہ درخواست کی کہ کراٹی پس اپنا قیام ایتھنز میں رکھے تاکہ اہل شہر اسکی تعلیم سے مستفیض ہوں اور شہر کی عزت بڑھے۔ سسرو کے دو خط ایک ہیروڈس اور ایک اپنے بیٹے کے نام بھی موجود ہیں جن میں وہ اُنہیں کراٹی پس سے درس لینے کی تاکید کرتا ہے۔ ایک خط میں مشہور مقرر گورجیاس کی اس نے بُرائی کی ہے کہ وہ اسکے بیٹے کو میخواری اور عیش پسندی سکھانا چاہتا ہے۔ پھر اپنے بیٹے کو منع کیا ہے کہ آئندہ

اس سے دوستی نہ رکھے۔ سسرو کے صرف دو خط یونانی زبان میں غصّے کے لکھے ہوئے ہیں ایک تو وہی جس کا اوپر ذکر آیا اور دوسرا پی لوپ کے نام کا ہے جو بائزنطہ کا رہنے والا تھا۔ لیکن اگر گور جیاس واقعی بدکار اور بداطوار تھا تو جو کچھ سسرو نے لکھا وہ بالکل بجا ہے لیکن دوسرے خط میں جو اس نے گلے شکوے لکھے ہیں کہ پی لوپ نے اہل بائزنطہ سے اسے بعض اعزازات کی منظوری نہ دلوائی، ان میں کسی قدر دنایت پائی جاتی ہے۔

سسرو کی خودستائی کا اندازہ ایک اور طرح یوں ہوتا ہے کہ وہ اپنی فصاحت کو زیادہ دلکش بنانے کی خاطر اکثر آئینِ متانت و شائستگی کی پروانہ کرتا تھا۔ مثلاً جب مُنے ٹیس اسی کی وکالت کی بدولت ایک مقدمے میں قید ہوتے ہوتے بچا اور پھر اسی کے دوست سابی نوس پر اس نے تھوڑے دن بعد نالش کر دی تو سسرو کو بہت طیش آیا اور اسی غصّے میں کہنے لگا "مُنے ٹیس، کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ تم اپنی خوبیوں کی وجہ سے بری ہو گئے تھے، اور میں ہی وہ شخص نہ تھا جس نے مقدمے کو اس درجے تاریک کیا کہ عدالت تمہارا جرم نہ دیکھ سکی؟"

ایک مرتبہ کراسوس کی اس نے بہت کچھ توصیف و ثنا کی اور اپنی فصاحت کی بھی خوب داد پائی لیکن دو تین ہی روز کے بعد اسی طرح علانیہ اس کی مذمت کرنے لگا، اس وقت کراسوس نے آواز دے کر اس سے کہا "سسرو کیا دو دن ہوئے اسی جگہ تم کھڑے ہوئے میری مدحت سرائیاں نہیں کر رہے تھے؟" سسرو نے جواب دیا "ہاں، میں نے اپنی فصاحت ایک بُرے مضمون پر صرف کی تھی!"

ایک اور موقع پر کراسوس نے پہلے تو یہ کہا کہ ہمارے گھرانے کا کوئی آدمی ساٹھ برس سے زیادہ نہیں جیتا، پھر کچھ دن بعد خود ہی اس کی تردید کی اور کہنے لگا بھلا ایسی بات کہنے کا

مجھے خیال ہی کیوں آتا"، سسرو نے کہا "لوگوں کو خوش کرنے کے لئے، کیونکہ تمہیں خوب معلوم ہے کہ اس قسم کی باتوں سے عوام الناس مہربان ہو جاتے ہیں!"

کراسوس نے ایک دفعہ فلسفہ رواقیہ کے اس عقیدے کی بڑی داد دی کہ "نیک آدمی ہمیشہ دولت مند ہوتا ہے!" سسرو نے کہا "ان کا یہ مسئلہ بھی تو بیان کرو کہ سب چیزیں عقلمندوں کا مال ہیں۔"

کراسوس کا ایک بیٹا کسی شخص مسمی اک سیئس سے اس قدر ہم شبیہ تھا کہ لوگ اس کی ماں کی عصمت پر حرف لاتے تھے۔ اس نے ایک مرتبہ مجلس ملکی میں نہایت عمدہ تقریر کی۔ لوگوں نے اس کے متعلق سسرو سے رائے پوچھی، آپ نے یونانی میں جواب دیا "اک سیس کراسو!" (یعنی کراسوس کے کیا کہنے!)

جب کراسوس ملکِ شام کو جانے لگا تو اس نے سسرو سے صلح کرنی چاہی اور ایک دن اسے سلام کر کے کہنے لگا میں آج آپ کے پاس آؤں گا اور کھانا بھی آپ کے ہاں کھاؤں گا۔ سسرو نے بھی اسی خوش اخلاقی کے ساتھ اس کو قبول کیا۔ چند روز بعد دو چار دوستوں نے اس سے کہا کہ واٹی نس (جو ان دنوں سسرو کا مخالف تھا) آپ سے ملنے اور صفائی کر لینے کا خواہاں ہے۔ سسرو نے کہا "ہائیں؟ واٹی نس بھی میرے ہاں آنا اور میرے ساتھ کھانا کھانا چاہتا ہے؟"

اس کا کراسوس کے ساتھ اس قسم کا طرزِ عمل تھا، واٹی نس کی گردن سوجھی ہوئی تھی اور وہ ایک جگہ وکالت کر رہا تھا اس پر سسرو نے "پھولے ہوئے مقرر" کی پھبتی کہی۔ اور جب ایک مرتبہ کسی نے خبر دی کہ واٹی نس فوت ہو گیا پھر فوراً ہی معلوم ہوا کہ نہیں وہ زندہ سلامت ہے تو سسرو کہنے لگا "اس فریبی کو خدا ہلاک کرے کہ اس کے متعلق خبریں بھی سچی نہیں ہوتیں!"

جن دنوں سیزر یہ قانون پیش کر رہا تھا کہ علاقہ کیمپے نیا کی اراضی سپاہیوں میں تقسیم کر دی جائیں

اور بہت سے اراکینِ مجلس اس کے مخالف تھے تو انھیں میں ایک سب سے زیادہ سن رسیدہ رُکن لوسیئن جیلیئس نے طیش میں آکر یہ بات کہی کہ میرے جیتے جی تو یہ قانون نافذ ہو نہیں سکتا۔ یہ سن کر سسرو کہنے لگا "صاحبو! آؤ اس کو تھوڑے دن کے لئے ملتوی کر دیں۔ جیلیئس ہمیں بہت دن انتظار میں نہیں رکھے گا!"

اکٹوئیس نامی ایک شخص رومہ میں تھا جس کی نسبت افریقی الاصل ہونے کا شبہ تھا کسی مقدمے میں جہاں سسرو وکالت کر رہا تھا اُس نے شکایت کی کہ میں تمہاری تقریر نہیں سُن سکا۔ سسرو نے جواب دیا "ہاں، حالانکہ تمہارے کانوں میں چھید پڑے ہوئے ہیں!"

مِٹلس نیپس نے ایک مرتبہ اُس سے کہا کہ وکالت کی بدولت تمھیں نفع ہوا لیکن شہادتوں میں اس سے زیادہ خسارہ رہا۔ سسرو نے کہا "مجھے اقرار ہے کیونکہ میں اتنا فصیح گفتار نہیں جتنا کہ راستباز ہوں۔"

کسی نوعمر شخص کی نسبت افواہ تھی کہ اُس نے اپنے باپ کو زہر کی روٹی کھلا دی۔ اور وہ سسرو کو ایک دن بہت دھمکا رہا تھا کہ میں تمہارے خلاف تقریر کروں گا اور فلاں فلاں سخت الزام لگاؤں گا۔ سسرو نے کہا "بھائی بلا سے، یہ سب تمہاری روٹی سے اچھے ہیں!"

ایک مقدمے میں سکیس ٹیئس نے سسرو سمیت کئی وکیلوں کو روک لیا تھا، مگر عدالت میں خود ہی بولے جاتا تھا اور ان میں سے کسی کو اپنی طرف سے کچھ کہنے سُننے کا موقع ہی نہ دیتا تھا۔ آخر فیصلے کا وقت آگیا اور اراکینِ عدالت اس کی موافقت میں اپنی اپنی رائے لکھ ہی رہے تھے کہ سسرو نے اُسے پکار کے کہا "سکیس ٹیئس جلدی کرو۔ وقت کو غنیمت جانو اور جو کچھ کہنا ہے کہہ لو۔ کل تمہیں کوئی پوچھے گا بھی نہیں کہ رہتے کہاں ہو؟"

ایک معاملے میں وہ پبلیئس کوٹا کی شہادت دلوا رہا تھا۔ یہ شخص جاہل اور ناخواندہ ہونے کے باوجود اپنے تئیں بڑا قانون داں ظاہر کیا کرتا تھا۔ گواہی کے موقعے پر جب اُس نے کہا کہ میں

اس معاملے کے متعلق کچھ نہیں جانتا، تو سسرو نے جواب دیا، "شاید تم یہ سمجھتے ہو کہ ہم تم سے کوئی قانونی مسئلہ پوچھتے ہیں؟"

کسی تنازعے میں مٹلس نیپس نے اس سے کئی دفعہ یہی سوال کیا کہ "سسرو تمہارا باپ کون تھا؟" آخر سسرو نے پلٹ کے جواب دیا، "تمہاری ماں نے اس سوال کو تمہارے معاملے میں بہت دقت طلب بنا دیا ہے!" اس میں نیپس کی ماں پر طعن تھی جو عام طور پر بدنام تھی۔ خود نیپس نہایت متلون اور چڑچڑے مزاج کا آدمی تھا۔ ایک بار ٹربیون کا عہدہ چھوڑ کر پمپی کے پاس شام کے ارادے سے جہاز میں روانہ ہوا اور پھر بہت جلد اسی طرح بلا وجہ واپس آ گیا۔ اور جب اُس کا اُستاد فیلاگروس مرا تو بڑے تزک و احتشام سے اس کی تجہیز و تکفین کی اور مقبرے پر کوّے کی سنگی مورت نصب کرائی۔ اس پر سسرو نے کہا، "یہ کام البتہ تم نے بہت مناسب کیا کیونکہ تمہارے اُستاد نے تمہیں بولنا نہیں سکھایا بلکہ اِدھر اُدھر پَر مارنے کی تعلیم دی تھی۔" جب اپیلیس نے کسی عدالت میں ایک افتتاحی تقریر کرتے ہوئے کہا کہ میرے دوست نے مجھ سے محنت، فصاحت اور وفاداری کے ساتھ کام کرنے کی درخواست کی تھی، تو سسرو نے جواب دیا، "مگر تمہارا کیسا سخت دل تھا کہ ان میں سوا ایک بات کو بھی منظور نہ کیا؟"

اس قسم کی طعن آمیز ظرافت عدالتوں میں حریف کے ساتھ کرنا تو غالباً جائز بھی تھا لیکن سسرو نے یہاں تک نوبت گزار دی تھی کہ مزاج کی خاطر وہ ہر محل اور ہر شخص پر حملہ کر بیٹھتا تھا جس کی وجہ سے اکثر لوگ ناراض ہو جاتے تھے۔ اس قسم کی بے موقع ہنسی کی چند مثالیں ہم اور اضافہ کیے دیتے ہیں:-

لوسیئس کوٹا اعتدال سے زیادہ شراب پیا کرتا تھا، اور جب سسرو قنصلی کے واسطے استادہ ہوا تو محتسب کے عہدے پر ممتاز تھا۔ انتخاب کے وقت سسرو کو پیاس لگی اور جب وہ پانی پی رہا تھا تو اس کے دوست اردگرد آ کھڑے ہوئے۔ سسرو نے کہا، "بے شک تمہارا اندیشہ کرنا درست ہے، مبادا محتسب میرے پانی پینے سے ناراض ہو جائے!"

وَکے نیئس کے تین بہت بدصورت لڑکیاں تھیں۔ ایک دن وہ تینوں اس کے ساتھ تھیں کہ سسرو سے ملاقات ہوئی۔ آپ نے بے تکلف ایک شعر پڑھ دیا جس کا مفہوم یہ تھا کہ "اس شخص نے اپالو دیوتا کی بے اجازت نسل تیار کی ہے۔"

جب مرقس جلیس نے جس کی نسبت شہرت تھی کہ غلام زادہ ہے مجلس میں چند خط بہت بری طرح چیخ چیخ کے سنائے تو سسرو نے اس پر یہ فقرہ چست کیا کہ "اچنبھے کی کوئی بات نہیں اس کا نکاس بھی تو نقیبوں سے ہے۔"

فاسٹس سلّا اُس سلّا کا بیٹا تھا جس نے اپنی مطلق العنانی کے زمانے میں فہرستیں بنا کے سینکڑوں کو بلاتحقیق مروا دیا تھا۔ اب یہ شخص اپنے اسراف کی بدولت اس قدر مقروض ہوا کہ مجبوراً اپنی جائیدادوں کی فروخت کے واسطے فہرستیں شایع کرنے لگا یہ دیکھکر سسرو نے اس سے کہا "میں ان فہرستوں کو تمہارے باوا کی فہرستوں سے زیادہ پسند کرتا ہوں۔"

غرض اس تمسخر کی عادت نے اُسے بہت رسوا کیا اور لوگ اس سے بیزار ہونے لگے۔

لیکن کلوڈیس کے طرفداروں نے جو سازش اس کے خلاف کی اس کا باعث حسب ذیل ہوا کلوڈیس ایک نوجوان امیرزادہ اور نہایت دلیر اور مضبوط ارادے کا آدمی تھا۔ سیزر کی بیوی پمپیہ سے اُسے عشق ہوا اور ایک رات جب عورتیں وہ مذہبی رسوم جنہیں مرد کسی طرح شریک نہیں ہو سکتے، ادا کر رہی تھیں کلوڈیس ایک ڈومنی کا بھیس بدل کے اُس کے گھر پہنچا اُس کے ڈاڑھی مونچھیں نہ تھیں اس لئے امید تھی کہ بہ آسانی پمپیہ تک رسائی ہو جائیگی۔ لیکن اتنے بڑے مکان میں رات کے وقت اُس کو راستہ معلوم نہ ہو سکا اور سیزر کی ماں کی خادمہ اوریلیا نے اِدھر اُدھر بھٹکتے دیکھکر اس سے نام پوچھا۔ اس وقت کلوڈیس کو مجبوراً بولنا پڑا اور اُس نے (آواز بنا کے) کہا میں پمپیہ کی ایک نوکر آبرا کی تلاش میں ہوں لیکن اوریلیا نے بولتے ہی پہچان لیا کہ یہ زنانہ آواز نہیں، اور چیخ مار کے عورتوں کو پکارا انہوں نے فوراً گھر کے دروازے بند کر کے مکان میں ڈھونڈنا شروع کیا اور آخرکار اسی آبرا کے کمرے میں جس کے ساتھ اندر آیا تھا، وہ پکڑا گیا۔ اس معاملے کا بہت چرچا ہوا سیزر نے تو اپنی بیوی کو چھوڑ دیا اور کلوڈیس پر توہین مذہبی کا مقدمہ قایم کیا گیا۔

اس زمانے میں سسرو، کلوڈئیس کا بہت دوست تھا کیونکہ کٹلن کے معاملے میں سب سے زیادہ مدد اس سے ملی تھی۔ جب اُس نے اپنی بریت میں یہ بات پیش کی کہ میں اُن تاریخوں میں شہر سے باہر گیا ہوا تھا اور مقدمے کا دارومدار اسی قول کے ثبوت پر آ ٹھیرا، اُس وقت سسرو نے یہ گواہی دیدی کہ کلوڈی اسی دن میرے پاس آیا تھا اور بڑی دیر تک مختلف معاملات میں گفتگو کرتا رہا، اس واقعے کی بنفسہ درست ہونے میں شبہ نہیں مگر عام طور پر لوگوں نے یہ سمجھا کہ سسرو نے کچھ سچائی کی خاطر یہ شہادت نہیں دی بلکہ اپنی بیوی تارنشیہ کے کہنے سننے سے دی ہے۔ اور تارنشینہ کو جو کلوڈی سے عداوت پیدا ہوئی اُس کی وجہ یہ تھی کہ سسرو اُس کی بہن کلوڈیہ کے پاس بہت آیا جایا کرتا تھا جو قریب ہی رہتی تھی اور مشہور تھا کہ سسرو سے شادی کرنا چاہتی تھی، بلکہ اسی غرض سے اُس نے سسرو کے دوست ٹلّس کی معرفت پیام بھی دیا تھا۔ غرض تارنشیہ اُسے اپنا رقیب سمجھتی تھی اور اُس کے بھائی کی بھی دشمن ہو گئی تھی۔ اور چونکہ وہ نہایت سخت مزاج اور اپنے میاں پر بہت حاوی تھی لہذا اُس نے سسرو کو کلوڈی کے خلاف گواہی دینے پر آمادہ کر دیا، اور بھی بہت سے شرفائے شہر نے اُس کے فساد رشوت ستانی، حلف دروغی، اور عورتوں کی عصمت دری کی شہادتیں دیں، لوکلّس نے اپنی مامائیں پیش کر کے ثابت کیا کہ کلوڈی نے اپنی سب سے چھوٹی بہن کے ساتھ اس وقت زنا کیا جبکہ وہ لوکلّس کی بیوی تھی۔ اس کے علاوہ عام یقین تھا کہ یہی فعل اُس نے اپنی دوسری بہنوں ٹرٹیہ اور کلوڈیہ کے ساتھ بھی کیا ہے ان میں پہلے تو مرسیس ریگس کی زوجہ تھی اور دوسری کو مٹلّس سیلر نے بیاہا تھا اور وہ کواڈرنیشہ (دمڑیہ ہائی) کہلاتی کیونکہ اس کے عاشق نے چاندی کے سکّے دینے کے بجائے دھوکے سے تانبے کے پیسے جنھیں کواڈرنٹ کہتے ہیں بٹوے میں ڈال کے اُسے دیدیے تھے۔ اسی بہن کی بیان پر کلوڈی کی بداطواری کا پتہ چلا تھا۔ بایں ہمہ عوام الناس ملزم کے طرفدار تھے اور جب اُنھوں نے گواہوں اور الزام

لگانے والوں کے خلاف اتفاق کیا تو اراکین عدالت ڈر گئے اور اُن کی حفاظت کے لئے فوجی دستہ متعین کرنا پڑا۔ پھر بعض نے اپنا فیصلہ تختیوں پر اس انداز سے لکھا کہ اُس کے صاف معنی ہی سمجھ میں نہ آئیں اور آخر میں طے پایا کہ کثرت رائے ملزم کو رہا کر دینے کی طرف ہے جس میں مشہور تھا کہ رشوت کو بھی دخل ہے۔ چنانچہ کیٹولس کا جب دوبارہ اراکین عدالت سے سامنا ہوا تو اُس نے کہا کہ "تم نے جو فوجی دستہ بلوایا تھا وہ اس نظر سے واقعی درست تھا کہ کہیں کوئی تمہارا روپیہ نہ چھین لے!" اور جب کلوڈی نے سسرو کو شرمایا کہ ججوں نے تمہاری گواہی کا اعتبار نہ کیا تو سسرو نے جواب دیا "وہاں پچیس نے تو میرا اعتبار کیا باقی تیس کو بھی کم سے کم تمہارا تو اعتبار آیا نہیں، کیونکہ جب تک انہوں نے روپیہ نہ لے لیا رہا نہ کیا!"

کلوڈی اس خطرے سے صحیح سلامت بچ نکلا اور دوسرے ہی سال ٹربیون بھی منتخب ہوگیا تو اب شد و مد کے ساتھ سسرو کے درپئے آزار ہوا اور بات بات کا طوفان بنا کے ہر ایک شخص کو اُس کے خلاف برانگیختہ کرنا شروع کیا۔ عوام الناس کو عام پسند قوانین وضع کر کے اُس نے اپنا کر لیا تھا اور پیزو اور گے بی نس دونوں قنصل اُس کی تحریک کے مطابق مقدونیہ اور صوبہ شام پا کر اُس کے طرفدار ہوگئے تھے۔ خاص اہل شہر میں اُس نے اپنے مددگاروں کا جتھا بنا لیا تھا اور مسلح غلاموں کی ایک جماعت ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتا تھا۔ اُس زمانے میں تین آدمیوں کی قوت سب سے بڑھی ہوئی تھی، اُن میں کراسو تو سسرو کا علانیہ دشمن تھا، پمپی بے پروائی سے کبھی ادھر ملجاتا تھا کبھی اُدھر، اور تیسرا شخص سیزر اپنی فوج سمیت غالیہ جا رہا تھا۔ اُسی سے سسرو نے مدد چاہی اور درخواست کی کہ اپنے علاقے میں مجھے بھی کوئی عہدہ دیدو۔ اس میں شبہ نہیں کہ کٹلین کی سازش کے زمانے سے ان دونوں میں کشیدگی پیدا ہوگئی تھی تاہم سیزر نے اُس کی درخواست قبول کر لی، کلوڈی نے جب یہ سُنا کہ سسرو میری گرفت سے باہر ہوا جاتا ہے تو فوراً اٹھا

مصالحت کرنے لگا اور سارا الزام تار آنشیہ کے سر رکھ کے اس کا ذکر محبت و اخلاص کے ساتھ کرنے لگا۔ گویا کوئی دلی نفرت نہیں بلکہ محض ایک دوستانہ شکر رنجی تھی جس کی وجہ سے وہ پہلے سسرو کی شکایتیں کرتا تھا۔ ان چالاکیوں سے بالآخر اُس نے سسرو کو اس قدر مطمئن کر دیا کہ اُس نے سیزر کی خدمت سے استعفیٰ دیدیا اور پھر معاملات ملکی میں مصروف ہو گیا۔ یہ بات سیزر کو اتنی ناگوار گذری کہ وہ اس کا دشمن اور کلوڈی کا ہم آہنگ بن گیا اور اُس نے پمپی کو بھی سسرو سے بدظن و بیگانہ کر دیا۔ نیز ایک عام جلسے میں کہا کہ میرے نزدیک لنٹلس، کیتھی جس اور اُن کے ساتھی بلا عدالتی تحقیقات بیگناہ اور خلاف قانون قتل ہوئے۔ یہی وہ خطا ہے جس کی جوابدہی کے لئے سسرو کو ملزم بنا کے طلب کیا گیا تھا اور وہ غریب اس خوف میں کہ معلوم کیا نتیجہ نکلے، اپنے کپڑے بدل کے بال پریشان کئے، فریادیوں کے لباس میں گیا تھا کہ لوگوں کے رحم و کرم کا طالب ہو۔ مگر چند بیباک اور بدزبان لفنگوں کو لئے ہوئے کلوڈی سائے کی طرح اُس کے ساتھ تھا۔ جدھر وہ جاتا یہ لوگ کبھی اُس پر قہقہے اُڑاتے اور کبھی کوڑا کنکر پھینک کر لوگوں سے التجا کرنے میں مانع آتے تھے۔

بایں ہمہ سب سے اوّل قریب قریب تمام حکام کے طبقے نے اُس کے ساتھ اپنے اپنے لباس بدل دیے اور کم سے کم بیس ہزار شریف زادے بال پریشان کئے اُس کے پیچھے پیچھے تھے کہ اُس کے واسطے لوگوں سے مہر و کرم کی استدعا کریں۔ پھر مجلس کا اجلاس اسی غرض سے منعقد ہوا کہ فرمان قانونی کے ذریعے تمام اہل شہر کے کپڑے سوگ منانے کے طریق پر بدلوا دیے جائیں۔ لیکن اس تحریک کی قنصلوں نے مخالفت کی اور جب کلوڈی نے اپنے مسلّح آدمیوں سے ایوان مجلس کو گھیر لیا تو اکثر اراکین مجلس روتے اور کپڑے پھاڑتے بھاگے۔ مگر اس قیامت خیز منظر پر بھی مخالفوں کو نہ رحم آیا نہ شرم اور سوا اس کے کوئی چارہ کار نہ رہا کہ یا سسرو فرار ہو جائے اور یا کلوڈی کے ساتھ

بذریعہ تلوار فیصلہ کرے۔

سسرو نے پہلے پمپی سے مدد چاہی۔ وہ اسی خیال سے پہلے ہی ٹل گیا تھا اور البن پہاڑی پر اپنے مکان میں مقیم تھا۔ سسرو نے اوّل تو اپنے داماد پیزو کو بیچ میں ڈالا اس کے بعد خود گیا۔ لیکن جب پمپی کو اُس کے آنے کی اطلاع ملی تو وہ سسرو سے آنکھ چار نہ کر سکا۔ کیونکہ اُسے یاد تھا کہ اُس کی عدم موجودی میں کیسی کیسی لڑائیاں سسرو اُس کی اور اُس کے طرز عمل کی خاطر لڑتا رہا اور کس کس طرح اس کو فائدہ پہنچانے میں کوشاں رہا مگر اب پیزو کے اشارے سے جس کا وہ نیا نیا داماد بنا تھا اُس نے تمام پچھلی مہربانیاں بھلا دیں اور جب سسرو ملنے آیا تو آنکھوں پر ٹھیکری رکھ کر۔ دوسرے دروازے سے باہر چل دیا، اور نہایت بے مہری سے ملاقات تک نہ کی۔ جب پمپی نے بھی ساتھ چھوڑ دیا اور وہ تن تنہا رہ گیا تو ناچار ہو کے قنصلوں کے دامن میں پناہ چاہی۔ گے بی نس تو حسب عادت درشتی سے پیش آیا مگر پیزو زیادہ اخلاق سے ملا اور کہنے لگا کہ اب مصلحت اسی میں ہے کہ تم کلوڈی سے دب جاؤ اور تھوڑے دن تک صبر کرو کہ یہ آگ جو اُس نے بھڑکائی ہے فرو ہو جائے، اور پہلے کی طرح اس مرتبہ بھی ملک کو فساد و انقلاب سے بچالو جس کی کلوڈی نے تیاریاں کی ہیں۔

سسرو نے یہ جواب اپنے دوستوں کو سنایا اور اُن سے مشورہ پوچھا۔ لوکلس نے ٹھیرے رہنے کی رائے دی کہ اس کے نزدیک آخر میں سسرو کا جیتنا یقینی تھا اوروں نے ملک سے چلے جانے کی رائے دی کہ اس صورت میں جب کلوڈیس کا پیدا کردہ جوش فرو ہو جائے گا تو بہت جلد لوگ اُس کی واپسی چاہیں گے۔ اسی آخری رائے کو سسرو نے پسند کیا۔ مگر جانے سے پہلے اُس نے منروا کا ایک بت لیا جس کی اُس کے خاندان میں پرستش ہوتی تھی اور اُسے قلعے میں اس کتبے کے ساتھ بطور نذر پیش کر دیا کہ

"روما کی سرپرست، منروا کے نام"

پھر اپنے دوستوں کا ایک بدرقہ لے کے آدھی رات کے قریب وہ شہر سے چل دیا اور صقالیہ کے ارادے سے لوکانیہ کی راہ اختیار کی۔

لیکن جب اس کی فراری کا حال کھلا تو کلوڈیئس نے لوگوں میں اُسے جلاوطن کردینے کی تحریک پیش کی۔ اور اپنے حکم سے اس "پر آگ اور پانی" حرام کردیا یعنی اطالیہ میں پانچسو میل کے اندر اندر ممانعت کردی کہ کوئی اُسے اپنے گھر میں نہ اُتارے۔ اکثر لوگوں نے اس فتوے پر مطلق التفات نہ کی اور اثنائے راہ میں کوئی دقیقہ سسرو کے احترام و مدارات میں نہ اُٹھا رکھا۔ مگر لوکانیہ کے ایک شہر ہپونیم میں جواب ویبو کہلاتا ہے، ایک شخص وبیس نے اُسے اپنا مہمان بنانے سے انکار کیا اور کہلا بھیجا کہ تمہارے آتارنے کے لئے میں گانوں میں انتظام کردوں گا، حالانکہ یہ شخص صرف اُس کا دوست بلکہ مرہون احسان تھا اور سسرو نے اُسے اپنی قضلی میں سلطنت کا صدر مقرر کردیا تھا۔ اسی طرح صقالیہ کے پریٹر نے، جس سے کبھی بڑے دوستانہ مراسم تھے، اُسے آنے سے روک دیا اور ان باتوں پر افسردہ ہوکر سسرو، برنڈزی کی طرف پلٹ گیا۔ پہلے دن جب وہ جہاز میں بیٹھا تو ہوا موافق تھی لیکن تھوڑی دیر بعد اُلٹی چلنے لگی اور اُس کو ساحل اطالیہ پر لوٹنا پڑا۔ مگر دوسری مرتبہ وہ بخیر و عافیت دوسرے کنارے بندرگاہ ڈیراکیم تک پہنچ گیا اور اُن کے پہنچتے ہی، سُنا ہے، ایک بھونچال اور سمندر میں مدوجزر کا تلاطم آیا جسکی کاہنوں نے یہ تعبیر کی کہ سسرو کی جلاوطنی زیادہ مدت تک نہ رہیگی کیونکہ یہ چیزیں تبدیلی کی علامتیں ہیں، اور اگرچہ یونان میں اس کی بڑی خاطر مدارات ہوئی اور اُسکے عقیدتمند جوق جوق ملاقات کو آتے تھے، پھر بھی وہ بے دل اور رنجیدہ رہا اور ایک حرماں نصیب عاشق کی طرح اُس کی نگاہیں اطالیہ ہی کی جانب لگی رہیں۔ فی الحقیقت اپنے مصائب پر اُس کی افسردگی کی نوبت یہاں تک پہونچ گئی تھی کہ ایسے شخص سے

جس نے عمر کا بڑا حصہ تحصیل علم اور مطالعے میں صرف کیا ہو، اُس کی اُمید نہ تھی اسپر بھی وہ اپنے احباب سے اصرار کیا کرتا تھا کہ مجھے مقرّر یا خطیب نہ کہو بلکہ فلسفی، کیونکہ میرا مشغلۂ زندگی فلسفہ ہے، باقی خطابت اور فصاحت کو میں اپنے مقاصد ملکی کے لئے محض اوزاروں کے طریق پر استعمال کرتا ہوں، لیکن سچی بات یہ ہے کہ نام و نمود کی خواہش میں وہ قوت موجود ہے کہ نفوس انسانی سے سارے آثار فلسفہ دُھل جاتے ہیں اور اُن کے دلوں میں، جو عوام پر حکومت کرتے ہیں میل جول اور عادت سے اُنھیں کے عامیانہ جذبات کا نقش بن جاتا ہے۔ اور اس اثر سے فقط وہی اہل سیاست بچ سکتے ہیں جو لوگوں کے معاملات میں دخل دیتے وقت نہایت احتیاط کریں کہ اُن کا تعلق صرف معاملات سے رہے نہ کہ اُن جذبات سے جن سے یہ معاملات پیدا ہوئے یا جو اُن کی اصلی وجہ تحریک ہوتے ہیں۔

اِس طرح سسرو کو دیس نکالا دے کر کلوڈیس نے اُس کے مکانات اور کھیتوں کو جلوانا شروع کیا اور پھر اُس کے شہر کے مکان کو جلا کر وہاں ایک مندر حرّیت کے نام پر تعمیر کرایا۔ اس کے علاوہ سسرو کی املاک اور سامان کو بھی اشتہار دے دے کے اس نے نیلام کرنا چاہا لیکن کوئی اُن کا خریدار نہ کھڑا ہوا، بہرحال ان بیباکیوں سے کلوڈیس نے وہ رُعب قایم کر لیا کہ اُمرا تو اس سے ڈرنے لگے اور عوام اُس کے تابع ہو گئے جنھیں اُس نے سخت تمرّد اور لہو و لعب کا شوق پیدا کر دیا اور اب بڑھتے بڑھتے اس نے پمپی سے زور آزمائی پر کمر باندھی اور اس نظم و نسق پر اعتراض کرنے شروع کئے جو اُس نے اپنے فتح کردہ ممالک میں جاری کئے تھے۔ یہ ایسی ذلت تھی کہ پمپی کو سسرو کا ساتھ چھوڑ دینے پر بڑی پشیمانی ہوئی اور اپنا طرز عمل بدل کر اپنے احباب سمیت اُس کے واپس بلانے کی سخت کوشش کرنے لگا۔ اِس تحریک کی کلوڈیس نے مخالفت کی۔ مگر مجلس ملکی نے بالاتفاق منظور کیا کہ جب تک سسرو واپس نہ آجائے کسی سرکاری

کارروائی پر مجلس منظوری نہ دے!

اسی زمانہ میں نفتلس فصل ہوا اور اب باہمی فساد کا ایسا زور بڑھا کہ چوک میں ٹریبون زخمی ہوے اور سسرو کے بھائی کوئنٹس کو جو مردوں میں چھپا پڑا تھا لوگ مقتول سمجھ کے چھوڑ گئے۔ آخر عوام الناس کے خیالات بدلتے نظر آئے اور ایک ٹربیون آینیس میلو کو اتنی جسارت ہوئی کہ جبر و ظلم کے الزام پر کلوڈیس کو تحقیقات کے واسطے طلب کرے، ادھر ہمسایہ شہروں کے بہت سے لوگ پمپی کے شریک ہو گئے اور اس نے جا کے کلوڈی کو چوک میں سے نکال دیا پھر سب کو جمع کر کے رائے لی۔ اس موقعے پر سسرو کی بازطلبی کے لئے جس اتفاق اور یک زبانی کے ساتھ لوگوں نے رائے دی، کہتے ہیں، پہلے کبھی نہ دی تھی۔ مجلس ملکی بھی سسرو پرستی میں کم نہ رہی اور اس نے ان شہروں کے نام جن میں لوگوں نے جلاوطن سسرو کی مدارات کی تھی شکرگزاری کے خط بھیجے اور حکم دیا کہ اس کے تمام شہری اور دیہی مکانات جنھیں کلوڈی نے تڑوا دیا تھا از سرِ نو سرکاری خزانہ سے بنوا دیے جائیں۔

اس طرح سولہ مہینے کی جلاوطنی کے بعد سسرو واپس آیا اور ہر گانوں میں اس کے استقبال کی اتنی خوشی اور جوش تھا کہ وہ جو ازرہِ ناز کہا کرتا تھا کہ اٹالیہ مجھے اپنے کندھوں پر گھر تک لائی، یہ مبالغہ درکنار اصلیت سے بھی کچھ کم ہے۔ اسی واپسی میں کراسوس جس سے پہلے چشمک تھی، از خود اس سے ملنے گیا، اور جیسا کہ مشہور ہے اپنے بیٹے اور سسرو کے مدّاح پبلیس کی خاطر، اس سے صلح صفائی کر لی۔

سسرو نے روما پہنچنے کے تھوڑی ہی عرصہ بعد کلوڈیس کی عدم موجودگی کو غنیمت جانا اور جماعت کثیر ساتھ لے کر قلعے میں گیا اور وہاں ان لوحوں کو جن پر کلوڈی کے کام اور واقعات درج تھے، توڑ پھوڑ ڈالا جب کلوڈیس نے اس کے متعلق بعد میں سوال اٹھایا تو سسرو نے جواب دیا کہ کلوڈیس دراصل طبقہ امرا میں سے ہے جو قانوناً ٹربیون نہیں

ہو سکتے، لہٰذا اس کا انتخاب ہی ناجائز تھا اور جو کچھ اس نے اپنے زمانۂ ٹربیونی میں کیا وہ بھی خلاف قانون کیا۔ اس بات پر کیٹو بہت ناراض ہوا اور سسرو کی مخالفت کی کہ ”اگرچہ کلوڈی کا طرزِ عمل قابل اعتراض ہے تاہم یہ بڑی بے قاعدہ اور زیادتی کی بات ہے کہ اب مجلس ملکی اُس کے تمام قوانین و احکام کو ناجائز قرار دے، جن میں وہ بھی شامل ہو گا جو میں نے بائی زنطہ اور قبرس میں کیا“۔ اس واقعے سے سسرو اور کیٹو میں اختلاف ہو گیا اور اگرچہ علانیہ عداوت کی نوبت نہ آئی تاہم وہ پہلی سی بے تکلفی اور دوستی بھی باقی نہ رہی۔

اس کے بعد میلو نے کلوڈی کو قتل کر دیا اور جب حسب ضابطہ بازپرس ہوئی تو سسرو کو اپنا وکیل بنایا۔ اس وقت مجلس ملکی کو یہ اندیشہ ہوا کہ مبادا میلو جیسے نامور اور پرجوش شہری کی تحقیقات شہر میں بدامنی پیدا کر دے، اس لئے اُنھوں نے اُس کی اور دیگر مقدمات کی نگرانی پمپی کو سونپ دی جو عدالتوں کے علاوہ شہر میں بھی انتظام قائم رکھنے کا ذمہ دار قرار دیا گیا۔ پمپی نے راتوں رات چوک کے اردگرد (جہاں مجلس اور عدالت عام ہوتی تھی) پہرے قایم کر دیے اور یہ دیکھکر میلو گھبرایا کہ کہیں سسرو اس غیر معمولی اہتمام سے مرعوب اور خوف زدہ نہ ہو جائے اور وکالت بخوبی نہ کر سکے۔ اسی نظر سے اُس نے سسرو کو پالکی میں آنے پر رضامند کیا اور کہدیا کہ جب تک اراکین عدالت اپنے اپنے مقام پر نہ بیٹھ جائیں تم اسی میں آرام کرنا، کیونکہ معلوم ہوتا ہے سسرو نہ صرف تلوار کی لڑائی میں بزدل تھا بلکہ بولنے میں بھی اول اوّل بہت جھجکتا اور لجیاتا تھا۔ اور اکثر مرتبہ یہاں تک ہوا کہ تمہید سے گزر کر نفس مضمون تک نوبت آگئی مگر اس کا کپکپانا اور لرزنا نہ گیا۔ آفت یہ تھی کہ آج ہی اُسے لسی نیس موریناکی وکالت کرنی تھی جس پر کیٹو نے مقدمہ دائر کیا تھا، اور کوشش یہ تھی کہ ہورٹنشیس کی مدلل تقریر سے، جس کی اس مقدمے میں بڑی تعریفیں ہو رہی تھیں، میری تقریر کم نہ رہے۔ غرض

وہ رات کو بہت کم سویا تھا اور غور و فکر کی وجہ سے اس کے خیالات اسقدر پراگندہ ہو رہے تھے کہ اس وقت ہمیشہ سے بد تر تقریر کی، ادھر پالکی سے اُتر کر میلو کی وکالت شروع ہی کی تھی کہ پمپی اور اس کے سپاہی اور ان کے ہتیار چمکتے نظر آئے۔ اس کیفیت نے اس کے رہے سہے حواس غائب کر دیے اور وہ زبان کی اٹک اور بدن کی لرز میں بہ مشکل تقریر کر سکا۔ حالانکہ خود میلو کے چہرے پر خوف و تشویش کے کوئی آثار نہ تھے اور نہ اُس نے اپنے بال بڑھائے تھے نہ ماتمی لباس پہنا تھا۔ حتیٰ کہ غالباً اس کے ثبوت جرم میں یہی بے پروائی بھی ایک حد تک ممد ہوگئی۔ مگر سسرو کے خوف و اضطراب کی نسبت عام خیال تھا کہ اسے جو کچھ ڈر تھا اپنے دوست کے متعلق تھا نہ کہ اپنی ذات کے لئے۔

انہی دنوں نوجوان کراسوس (الاصغر) پارتھیہ میں فوت ہوگیا اور اس کی جگہہ سسرو کاہن کے عہدے پر جسے رومی آگور کہتے ہیں، مقرر ہوا۔ پھر قرعہ اندازی سے وہ سلیشیہ کا والی بنا کے ۱۲ ہزار پیادہ اور ۲ ہزار سوار کے ساتھ بھیجا گیا۔ اُسے خاص کام یہ بتایا گیا تھا کہ ریاست کیپے ڈوسیہ کو دوبارہ وہاں کے بادشاہ، اریوبرزن کے زیر نگین کر دیے۔ چنانچہ اس کام کو بلا جنگ اس نے اتمام کو پہنچا دیا۔ خود اہل سلیشیہ ملک شام کی شورش، اور رومیوں کا پارتھیہ میں شدید نقصان ہوتا دیکھکر، خود سر ہوئے جاتے تھے۔ سسرو نے اپنے معتدل حکومت اور نرمی سے انھیں پھر اپنا کر لیا اُس نے رئیسوں کے تحفے تحائف لینے بالکل چھوڑ دیے اور سرکاری ضیافتوں کا جو روپیہ صوبہ داروں کو ملتا تھا، وہ موقوف کیا۔ مگر صوبے کے ذہین اور تعلیم یافتہ اشخاص کو وہ روزانہ اپنے گھر بلاتا اور فیاضی کے ساتھ اُن کی مہمانی کرتا تھا۔ اس کے گھر پر کوئی دربان نوکر نہ تھا اور نہ ملاقاتی اُسے سویا ہوا پاتے تھے۔ کیونکہ وہ سوتا ملتا وہ بہت صبح اُٹھتا اور دروازے پر آ کر ٹہلنے لگتا اور جو لوگ سلام کرنے آتے اُن کا خود ہی استقبال کرتا تھا، بیان کرتے

ہیں کہ اس نے کبھی اپنے کسی ماتحت کو ڈنڈوں سے نہیں پٹوایا نہ کسی کے کپڑے پھاڑنے کا حکم دیا۔ نہ غصے میں یا سزا دیتے وقت بدزبانی کی۔ سرکاری روپیے میں بہت غبن ہوا کرتے تھے انھیں سسرو نے پہلی ہی نظر میں بھانپ لیا اور اس کے انسداد سے خود مالگزار رعایا کی زیرباری میں تخفیف ہو گئی۔ ساتھ ہی جن خطاکاروں نے خیانت کا روپیہ بھر دیا انھیں کوئی سزا نہ دی اور شہری حقوق سے بھی محروم نہ کیا۔ اسے اپنی ولایت میں لڑائی بھی لڑنی پڑی اور اس میں اُن ڈاکوؤں کو جن سے کوہ امانوس بھرا ہوا تھا، اس نے شکست دی۔ اسی بنا پر سپاہی اُسے سلام کرتے وقت امپراطور (یعنی ”امیر“) کے لفظ سے خطاب کرنے لگے تھے۔ کیسی کس خطیب نے اس سے چند سلیشی تیندووں کی فرمایش کی تھی کہ انھیں رومی تماشہ گاہ میں رکھا جائے۔ سسرو نے ازرہِ ناز جواب میں لکھا کہ اب سلیشیہ میں تیندوے نہیں رہے بلکہ اس رنج میں کاریہ بھاگ گئے کہ ہر طرف امن و امان کا دَور دَورہ ہے اور کوئی ہاتھ بھی اوٹھاتا ہے تو فقط انھی درندوں پر۔

اپنے صوبے سے رخصت ہونے کے بعد وہ جزیرہ رودس گیا اور پھر ایک عرصے تک ایتھنز میں ٹھیرا رہا کہ اپنا پرانا شوقِ علم و مطالعہ تازہ کرے۔ وہاں کے مشہور اہلِ علم و فضل سے بھی صحبت رہی، قدیم دوستوں اور ساتھیوں سے ملاقاتیں ہوئیں اور وہ اعزاز و اکرام پانے کے بعد جن کا وہ مستحق تھا، یونان سے وطن کو لوٹا جہاں ہر شے آگ میں نظر آتی تھی اور خانہ جنگی کے شعلے عنقریب بھڑکنے والے تھے۔ مجلسِ ملکی اُسے جلوسِ فتح دینا چاہتی تھی۔ مگر اُس نے کہا کہ اس طرح اگر اختلافات رفع ہو سکیں تو میں آمادہ ہوں کہ سیزر کی فاتحانہ رتھ کے پیچھے پیچھے چلوں، پھر خانگی طور پر اُس نے دونوں کو سمجھانا شروع کیا۔ سیزر کو تو متعدد خط بھیجے اور پمپی کی جاکے زبانی خوشامدیں کیں۔ اور کوئی دقیقہ کوشش کا اٹھا نہ رکھا کہ وہ دونوں

معقولیت اور اعتدال کے راستے سے نہ ہٹیں۔ لیکن جب معاملات ناقابل علاج ہو گئے سیزر روما کی طرف بڑھا اور پمپی اس میں نہ ٹھہر سکا بلکہ بہت سے شرفاے شہر کو لے کے نکل گیا تو اس وقت سسرو گھر ہی ٹھیرا رہا اور مشہور ہو گیا کہ وہ سیزر کا ساتھ دے گا۔ اس میں تو شک نہیں کہ اُس کے خیالات بہت منتشر تھے اور وہ سخت تذبذب میں تھا کہ کونسا پہلو اختیار کرے۔ جس کی شہادت اس کے خطوں سے ملتی ہے۔ مثلاً لکھا ہے "حیران ہوں میں کس طرف جاؤں۔ پمپی کے پاس لڑائی کا سچا اور معقول عذر ہے۔ اُدھر سیزر اپنے کام زیادہ خوش اسلوبی سے کرتا ہے اس لئے اپنے اور اپنے دوستوں کے تحفظ کی اس سے زیادہ امید بندھتی ہے لہذا یہ مجھے معلوم ہے کہ کس سے بھاگنا چاہئے مگر یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ کس کے پاس؟"

لیکن سیزر کے ایک دوست ٹربے باٹی نے اُسے خط کے ذریعے اطلاع دی کہ سیزر کے نزدیک تمہارا اُس کی جماعت میں آملنا بہتر ہے۔ البتہ اگر تم اپنے کو زیادہ ضعیف اور معذور سمجھتے ہو تو ان فرقہ بندیوں سے علیحدہ ہو کے یونان چلے جاؤ اور یہ وقت خاموشی کے ساتھ وہیں بیٹھ کر گزار دو" اس پر سسرو کو حیرت ہوئی کہ خود سیزر نے خط کیوں نہ لکھا۔ اور ٹربے باٹی کو اُس نے بگڑ کر یہ جواب دیا کہ میں کوئی ایسا کام کرنا نہیں چاہتا جو میری گزشتہ زندگی کے لحاظ سے میری شان کے خلاف ہو۔ یہ وہ حال ہے جو خود اُس کے خطوں سے اخذ ہوا ہے، لیکن جس وقت سیزر ہسپانیہ کی طرف مڑا، سسرو جہاز میں بیٹھ کر فوراً پمپی کے پاس چلا آیا۔ اور یہاں سوائے کیٹو کے سب نے اس کا خیر مقدم کیا۔ کیٹو نے البتہ تنہائی میں زجر و توبیخ کی اور کہا کہ میرے لئے تو یہ نہایت ناروا تھا کہ حکومت قومی میں ابتدا سے جس اصول کا ساتھ دیا اب اُسے چھوڑ دیتا۔ ہاں تمہارا (سسرو کا) پمپی کے پاس چلا آنا بالکل غلطی کی بات تھی۔ تم اگر اسی طرح غیر جانب دار رہتے اور اپنے اثر

درسوخ ہے اعتدال و مصالحت کی کوشش کرتے تو ملک کے لئے اور تمہارے دوستوں کے لئے کہیں زیادہ مفید ہوتا۔ حالانکہ تمہارا بلاوجہ یک بیک یہاں چلا آنا خود تمہارے حق میں مضر ہے کہ اب سیزر تمہارا دشمن ہو جائے گا"

کچھ تو اس تقریر نے سسرو کے خیالات میں تبدیلی پیدا کی اور کچھ اس امر نے کہ پمپی اس سے ایسا زیادہ کام نہ لیتا تھا۔ اگرچہ اس میں شبہ نہیں کہ اس بیگانگی کی وجہ خود سسرو کی حرکات تھیں یعنی اس کا اپنے چلے آنے پر افسوس کرنا، یا پمپی کی رائے اور تدبیروں میں پیٹھ پیچھے برائیاں نکالنا، یا سپاہیوں سے ہمیشہ طعن آمیز ظرافت اور تمسخر کرنا، چنانچہ گو خود بہت افسردہ اور اداس پھرتا تھا مگر یہ کوشش ہر وقت رہتی کہ دوسروں کو چاہیں یا نہ چاہیں ضرور ہنسا دیا جائے۔

اس قسم کی چند مثالیں لکھنا یہاں فضول نہ ہوں گی:۔ ڈومی ٹیس ایک ایسے شخص کو فوجی سرداری پر مامور کرانا چاہتا تھا جو سپاہی نہ تھا۔ اور اس کی طرفداری میں کہتا یہ تھا کہ وہ بڑا عقلمند اور بردبار شخص ہے، یہ سن کے سسرو کہنے لگا "ڈومی ٹیس، تم اس کو اپنے بچوں کی اتالیقی پر کیوں نہیں رکھ لیتے؟"

تھیوفن فوج میں انجینیری کا استاد تھا۔ جب اہل رودٹس کا بیڑا تباہ ہوا تو اسی نے ان کی تشفی کی اور اس پر بہت داد پائی۔ سسرو نے ان تعریفوں کا حال سنا تو ازرہِ طنز کہنے لگا "ان خوش نصیبوں کا کیا کہنا جنہیں ایسا (یونانی) سپہ سالار میسر آجائے!"

سیزر جن دنوں پمپی کو کامیابی کے ساتھ گھیر رہا تھا، لنٹولس نے ایک دن کہا کہ بعض خبروں سے معلوم ہوا ہے کہ سیزر کے رفیق بہت بے دل ہو رہے ہیں" سسرو نے کہا "ہاں اس لئے کہ وہ اس کی کامیابی نہیں چاہتے!"

مرکیس نام ایک شخص اطالیہ سے پمپی کے پاس آیا تھا اس نے بیان کیا کہ روما

میں یہ افواہ گرم ہے کہ پمپی بالکل محصور ہو گیا۔ سسرو بولا "اور آپ اسی کی عینی تصدیق کرنے یہاں تشریف لائے ہیں؟"

تونیس سے، جو ایک شکست کے بعد لوگوں کو اس طرح ذہنیک فالوں سے ہمت بندھا رہا تھا کہ کچھ پروا نہ کرو ابھی سات عقاب پمپی کے لشکر میں باقی ہیں۔ اس نے کہا "اگر لڑائی کوؤں سے ہو تو بے شبہ ہماری تقویت کے لئے یہ بات کافی ہے۔"

لے بی نوس بعض پیشنگوئیوں کی رو سے برابر اصرار کئے جاتا تھا کہ فتح ضرور پمپی کی ہوگی۔ سسرو نے کہا "ہاں، اور اس معرکے کا آغاز، ہماری خیمہ گاہ کا چھن جانا تھا۔"

فارسیلیہ کی لڑائی ختم ہونے کے بعد، جس میں سسرو علالت کی وجہ سے موجود نہ تھا، جب پمپی بھاگ گیا تو کیٹو کے پاس ایک معقول فوج اور جنگی بیڑا ڈیراکیم پر رہ گیا اور اس کی سپہ سالاری قانون اور مرتبے کے لحاظ سے اس نے سسرو کو دینی چاہی۔ مگر اس نے نہ صرف سپہ سالاری سے انکار کیا بلکہ صاف جواب دیدیا کہ لڑائی جاری رہنے پر میں تمہارے کسی مشورے یا کام میں شرکت نہ کروں گا اس موقع پر اس کی جان جاتے جاتے بچی کیونکہ پمپی کے بیٹے اور اس کے دوستوں نے غدار کہہ کے اپنی تلواریں کھینچ لی تھیں۔ بارے کیٹو نے روکا اور بہ مشکل اسے چھڑا کے لشکر سے باہر تک پہنچا گیا۔

برنڈزی پہنچنے کے بعد وہ سیزر کا عرصے تک انتظار کرتا رہا۔ اس کے آنے میں مصر اور ایشیا کے معاملات میں مصروف ہو جانے کی وجہ سے دیر لگی۔ آخر جب سنا کہ وہ تارنتم پر لنگر انداز ہوا اور وہاں سے خشکی خشکی برنڈزی کا عازم ہے تو سسرو اس سے راستے میں ملنے کے لئے بہ عجلت روانہ ہوا اور اگرچہ مصالحت کی امید تھی تاہم خوف بھی تھا کہ ایک فاتح اور دشمن کے مزاج کی آزمائش ہی دیکھئے کیا انجام

ہو لیکن غنیمت ہے کہ اُسے کوئی ایسی بات کہنی یا کرنی نہ پڑی جو اُس کی شان کے خلاف ہوتی۔ سیزر اُسے اپنے ساتھیوں سے آگے آگے دیکھ کر گھوڑے سے اُتر کر ملنے چلا اور سلام میں سبقت کرکے پیدل ساتھ ہو لیا اور کئی فرلانگ تک باتیں کرتا آیا اور اُس کے بعد بھی ہمیشہ عزت و مدارات سے پیش آتا رہا حتیٰ کہ جب سسرو نے کیٹو کی تعریف میں کتاب لکھی اور سیزر نے اس کا مخالفانہ جواب دیا تو اس میں بھی خود سسرو کی فصاحت اور سیرت کی صفت و ثنا کی اور اُسے پریکلیس اور تھیرامن کا مدّ مقابل قرار دیا۔ سسرو کی اس کتاب کا نام "کیٹو" تھا اور سیزر کی کتاب کا نام "خلاف کیٹو"

ایک اور واقعہ منقول ہے کہ جب کوان ٹس لگاریوس، سیزر پر ہتیار اُٹھانے کے جرم میں پکڑا گیا تو سسرو نے اس کی وکالت کی۔ یہ سن کے سیزر اپنے دوستوں سے کہنے لگا "اس میں تو شبہ نہیں کہ لگاریوس نہایت شریر اور ہمارا دشمن ہے لیکن سسرو کی تقریر سننے کا ایک موقع ملتا ہے تو اُسے ہاتھ سے کیوں چھوڑیں" لیکن جب سسرو نے سلسلۂ کلام شروع کیا اور اپنی سحر بیانی سے جس میں درد بھرا تھا، سیزر پر اثر ڈالا تو اس کے چہرے کا رنگ متغیر ہونے لگا اور یہ معلوم ہوا کہ گویا اُس کے قلب میں تلاطم و اضطراب برپا ہے۔ آخر جب چلتے چلتے باکمال مقرر نے جنگ فارسلیہ کا تذکرہ چھیڑا تو سیزر کا بدن کانپنے لگا اور کچھ کاغذات جو لئے ہوئے تھا ہاتھ سے چھوٹ پڑے۔ اور انجام کار جذبات سے اس قدر مغلوب ہو گیا کہ لگاریوس کو رہا کر دیا۔

چونکہ جمہوریۂ روما اب ایک "سلطنت" یا ایک شخصی بادشاہت ہو گئی تھی لہذا سسرو قومی معاملات سے دستکش ہو گیا، اور نو عمر طلبا کو فلسفے کی تعلیم دینے میں اپنا وقت گذارنے لگا۔ اسی وجہ سے اس کی روشناسی بعض نہایت عالی رتبہ امیرزادوں سے ہوئی اور اُس کا شہر میں اثر دوبارہ بہت بڑھ گیا۔ مگر خاص کام جو اُس نے شروع کیا وہ فلسفیانہ مکالموں

کو تحریر و ترجمہ کرنا اور طبی اور منطقی اصطلاحات کا لاطینی زبان میں داخل کرنا تھا چنانچہ مشہور ہے کہ فن سٹے زیا، سن کے تھے سنس، آفوک وغیرہ الفاظ کو اسی نے لاطینی جامہ پہنایا یا کم سے کم استعارے اور سیاق تحریر کی مختلف ترکیبوں سے اتنا رائج کیا کہ وہ رومیوں کے لئے قابل فہم و استعمال بن گئے۔ تفنن کے طریق پر وہ کبھی کبھی شاعری میں بھی اپنی طباعی کے جوہر دکھاتا اور جب کبھی شعر لکھنے بیٹھتا تو پان پانسو تیں ایک رات میں کہہ جاتا تھا، اس زمانے میں سسرو زیادہ تر ٹسکلم کے قریب اپنے دیہی مکان میں رہا کرتا تھا۔ اور اپنے احباب کو اس نے لکھا ہے کہ میں آجکل لارٹس کی زندگی بسر کیا کرتا ہوں۔ (یعنی سخت وحشت و تنہائی کے عالم میں ہوں) اور یا تو عادت کے موافق اس نے یہ صرف ہنسی کی ہے اور یا اس سے جاہ و منصب کی ہوس ظاہر ہوتی ہے جس کے پورا کرنے کا ان دنوں اسے موقع نہ ملتا تھا اور وہ اپنی مجبوری سے تنگ آگیا تھا۔

شہر میں اس کی آمد و رفت بہت کم ہو گئی تھی اور آتا تو سیزر کی رضا جوئی کی خاطر جیسے نئے اعزاز دینے میں وہ عام طور پر سب سے پیش پیش رہتا تھا اور اسکے کاموں کی خاطر تحسین کے ساتھ خود بھی داد لیتا تھا۔ مثال کے طور پر جب پمپی کی مورتیں پھنکوا دی گئیں اور پھر سیزر کے حکم سے دوبارہ نصب ہوئیں تو اس نے یہ فقرہ کہا کہ سیزر نے اپنی شرافت سے پمپی کی مورتیں کیا نصب کرائیں، خود اپنا وہ نقش قایم کر دیا جو کبھی نہ مٹے گا۔"

سنا ہے سسرو اپنے عہد کی تاریخ لکھنا چاہتا تھا اور اس میں یونان کے بہت سے حالات کے علاوہ اس کا منشا تھا کہ ان قدیم حکایات اور افسانوں کو بھی شامل کرے جو اس نے جمع کئے تھے، لیکن اس کے ارادوں میں اکثر ملکی اور خانگی آفتوں نے حرج ڈالا، جن میں بیشتر اس کی اپنی غلطیوں سے پیدا ہوئی تھیں۔ پہلی بات

تو یہ ہوئی کہ اس نے اپنی بیوی تارتنشیہ کو اس بنا پر چھوڑ دیا کہ زمانہ جنگ میں اسنے سخت تغافل برتا اور روانگی کے وقت ضروریات سفر بھی مہیا کر کے نہ دیں اور جب وہ اطاکیہ واپس آیا تو اس وقت بھی کچھ مہر و محبت نہ دکھائی اور برانڈزی میں جہاں وہ عرصے تک پڑا رہا، خود جانا درکنار، بیٹی کے جاتے وقت بھی نہ مصارف سفر دیئے نہ کافی خدمتگار ساتھ کئے، حالانکہ سفر کچھ کم طویل نہ تھا۔ مزید برآں گھر کو اس نے بالکل خالی اور مفلس کر رکھا تھا اور باوجود اس کے بیسیوں قرضے تھے۔ غرض طلاق کے یہ اسباب تھے جو عام طور پر معقول سمجھے گئے لیکن تارتنشیہ کو ان سب الزامات سے انکار تھا اور جب سسرو نے تھوڑے ہی دن بعد ایک نوجوان دوشیزہ سے شادی کی تو اس کی بن آئی اور خواہ مخواہ یہ کہنے کا موقعہ ملگیا کہ اس طلاق اور جھگڑے کی بجز اس کے کوئی وجہ نہ تھی کہ سسرو اس لڑکی پر عاشق تھا، اور یا اپنا قرضہ اتارنے کی خاطر شادی کی تھی، جیسا کہ اسی کے آزاد کردہ غلام تیرو نے لکھا ہے۔ کیونکہ اس میں شک نہیں یہ نوجوان خاتون بڑی مالدار تھی اور سسرو ہی اس کا اور اس کی جائیداد کا متولّی تھا۔ لہذا نہایت زیر باری کی حالت میں دوستوں اور عزیزوں کے کہنے سننے سے وہ آمادہ ہوگیا کہ باوجود تفاوتِ عمر شادی کرلے اور اپنی مالدار بیوی کے روپے سے قرضہ اتارے، انطونی نے سسرو کی آتشین تقریر موسوم بہ فیلقوسی کا جو جواب دیا ہے اس میں شادی کا بھی ذکر کیا ہی اور اپنی بیوی کو الگ کردینے پر جس نے بڑھاپے تک اس کا ساتھ دیا، بہت ملامت کی ہے پھر گھر میں وہ جس مردہ دلی اور سستی کے ساتھ رہتا تھا اس پر چند مزہ دار فقرے کسے ہیں۔

اس شادی کو زیادہ عرصہ نہ گذرا تھا کہ اُس کی بیٹی (ٹلیہ) زچگی کے زمانے میں اپنے دوسرے شوہر لنتولس کے ہاں فوت ہوگئی اس واقعے پر اس کی تعزیت اور غمگساری

کے لئے ہر مقام سے اس کے فلسفی دوست آئے۔ کیونکہ اُسے اس قدر غم ہوا تھا کہ اُس نے اپنی نئی بیوی کو محض اسی بنا پر طلاق دیدی کہ معلوم ہوتا تھا وہ ٹلیہ کی وفات پر کچھ خوش ہوئی۔ غرض اُن دنوں اس کے خانگی معاملات کا یہ رنگ تھا۔

اُس سازش میں سسرو کا کوئی دخل نہ تھا جو سیزر کے خلاف ہو رہی تھی۔ اگرچہ وہ بروٹس کا اور باتوں میں محرم راز تھا اور اس میں بھی شک نہیں کہ موجودہ حالات اور حکومت سے ناراض تھا اور پہلے طرز نظم و نسق یعنی جمہوریت کی احیا کا کسی سے کم خواہشمند نہ تھا۔ لیکن اہل سازش اُس کی بُزدلی اور کبر سن سے ڈرتے تھے کہ اس عمر میں دلاور سے دلاور طبیعتیں بھی وہمی اور کمزور ہو جاتی ہیں۔ غرض جب بروٹس اور کیسی اس اپنے منصوبے کو عمل میں لے آئے اور مقتول سیزر دوستوں نے جمع ہو کر جتھا باندھا اور دوبارہ خانہ جنگی کا خطرہ پیدا ہو چلا نیز انٹونی۔ نے قنصل کی حیثیت سے مجلس ملکی منعقد کر کے اتحاد قایم رکھنے کے لئے مختصر سی تقریر کی تو اس وقت سسرو کھڑا ہوا اور مناسب محل چند باتیں کہہ کے مجلس کو آمادہ کیا کہ اہل اتھنز کی تقلید کریں اور جو کچھ سیزر کے ساتھ ہوا ہے اس پر درگزر کریں اور بروٹس اور کیسی اس کو صوبوں کی حکومت دے دیں"

لیکن اُن میں سے کوئی بات بھی نہ ہوئی۔ کیونکہ عوام الناس نے جو پہلے ہی رنجیدہ ہو رہے تھے، جب سیزر کی لاش منڈی میں دیکھی اور انٹونی نے اُس کے کپڑے لاکے دکھائے جن میں جگہہ جگہہ خون اور تلواروں کے کھونچے لگے ہوئے تھے، تو اُن کا غصہ دیوانگی کی حد تک پہنچ گیا اور وہ جلتے ہوئے پولے ہاتھوں میں اُٹھائے قاتلوں کے گھروں کی جانب دوڑے کہ پاتے ہی زندہ جلا دیں۔ مگر یہ لوگ پہلے سے ہشیار ہو گئے تھے اور نہ صرف اس خطرے سے بچ گئے بلکہ آیندہ اور بڑی آفت آنے کے ڈر سے شہر چھوڑ کر چل دیے تھے۔

اس واقعے سے انٹونی نہایت خوش ہوا لیکن اور لوگوں کو سخت اندیشہ پیدا ہو گیا کہ

کہیں وہ مطلق العنانی حاصل نہ کرلے خاص سسرو کو اس کی طرف سے سخت خدشہ تھا کیونکہ انٹونی اس کا دوبارہ بڑھتا ہوا اقتدار، اور بروٹس سے عمدہ تعلقات دیکھکر کسی طرح اس کا شہر میں رہنا نہ چاہتا تھا، علاوہ ازیں اُن میں باہم خیالات اور عادات کے اعتبار سے اتنا اختلاف تھا کہ وہ پہلے ہی ایک دوسرے سے بیزار تھے، اسی لئے سسرو ڈولابلا کی ماتحتی میں شام جانے پر آمادہ تھا۔ لیکن ہرٹیس اور پنسا جو انٹونی کی جگہہ اگلے سال کے لئے قنصل منتخب ہوئے سسرو کے عقید تمند اور نہایت شریف لوگ تھے۔ انہوں نے بہ منت اُسے ٹہیرایا اور ذمہ لیا کہ بہت جلد انٹونی کی قوت توڑ دیں گے۔ سسرو نے ان کی باتوں پر پورا یقین نہیں کیا۔ تاہم ڈولابلا کے ساتھ نہ گیا بلکہ ہرٹیس سے یہ عدہ کرکے کہ میں یہ گرمی اتیھنز میں گزار کر تمہارے قنصل ہوتے ہی لوٹ آؤں گا، یونان روانہ ہوگیا۔ اثنائے سفر میں اتفاقاً کچھہ تاخیر ہوگئی اور اس میں یہ نئی خبر، جیسا کہ اکثر ہوا کرتا ہی، اُسے ملی کہ انٹونی کی بالکل قلب ماہیت ہوگئی ہے اور اب وہ سارے ملکی کاروبار مجلس کے حسب منشاء انجام دے رہا ہے۔ اور حکومت کے امن وانتظام کے بحال ہوجانے میں صرف اس کی (سسرو کی) موجودگی کی ضرورت ہے، یہ سنتے ہی اپنی بزدلی پر نفریں کرتا ہوا وہ روما واپس آگیا۔ اور اوّل اوّل جو امیدیں تھیں وہ بھی کچھہ غلط نہ نکلیں، کیونکہ گروہ درگروہ لوگ اس سے ملنے پہنچے اور شہر پناہ پر اور اندر آنے کے وقت اس کی جو تعریفیں اور آؤبھگت ہوئی، اس میں قریب قریب پورا دن صرف ہوگیا۔

دوسرے دن انٹونی نے مجلس منعقد کی اور اس میں سسرو کو بلوایا۔ مگر وہ نہ گیا۔ بلکہ دن بھر پلنگ سے نہ اٹھا اور سفر کی ماندگی کا عذر کہلا بھیجا۔ حالانکہ درحقیقت روما آتے وقت اُسے بعض خبریں اس قسم کی ملی تھیں اور شبہ ہوگیا تھا کہ اس کے خلاف کوئی کارروائی ہونے والی ہے، لیکن انٹونی نے اس ہتک آمیز جواب کا بہت برا مانا اور سپاہیوں کو بھیجکر حکم دیا کہ یا اُسے لے آؤ یا اس کے گھر کو آگ لگا دو۔ مگر بہت سے معززین نے منت سماجت کی

اور بہ مشکل ضمانتیں دے کر اُسے اس ارادے سے باز رکھا، اس کے بعد سے جب کبھی ان کا آمنا سامنا ہوتا وہ خاموشں گذرے چلے جاتے اور ایک دوسرے سے ہمیشہ ہوشیار رہتے۔ یہاں تک کہ نوجوان سیزر، اپالونیہ سے آیا اور جولیس سیزر کا ترکہ طلب کیا۔ اور اس ضمن میں اس کا انٹونی سے ایک رقم کے متعلق جھگڑا ہو گیا جو انٹونی نے اُس کی جائیداد میں سے اپنے پاس رکھ لی تھی۔

اس پر فلپس اور مرسی لس، جن میں سے پہلا اس کا سوتیلا باپ اور دوسرا بہنوئی ہوتا تھا، نوجوان سیزر کو لئے ہوئے سسرو کے پاس پہنچے اور باہم یہ قرار پایا کہ سسرو اپنی فصاحت اور سیاسی اثر سے ان کی اعانت کرے اور سیزر اپنے روپے اور سپاہ سے اس کی حفاظت کا ذمہ لے، کیونکہ مقتول جولیس سیزر کے بہت سے سپاہی ابھی سے اس نوجوان کے ساتھ ہو گئے تھے، اگرچہ مشہور ہے کہ سسرو کی طرف داری صرف اسی وجہ سے نہ تھی بلکہ اس کے اسباب اور بھی تھے تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ سیزر اور پمپی کی زندگی میں سسرو نے خواب دیکھا تھا کہ عطارد دیوتا نے نزول کیا اور وہ اسی کے ایما سے اراکین مجلس کے بچوں کو قلعے میں بلا رہا ہے تاکہ ان میں سے دیوتا رومۃ الکبریٰ کا حاکم انتخاب کرلے اسی میں اُس نے لوگوں کو دیکھا کہ تماشے کے شوق میں دوڑے چلے آتے ہیں اور رنگے قرمزی کناروں کے کپڑے پہنے خاموش بیٹھے ہیں۔ اتنے میں یک بہ یک سب دروازے کھل گئے اور وہ بچے اُٹھ کے بہ ترتیب دیوتا کا طواف کرنے لگے اور اُس نے بہ نگاہ غور انھیں دیکھکر رخصت کر دیا۔ اس سے وہ بچے بہت ملول بھی ہوئے لیکن اسی اثنا میں یہ بچہ سامنے سے گذرا اور دیوتا نے اپنا دایاں ہاتھ بڑھا دیا اور کہا کہ اے اہل رومہ بجس دن دیکھی جولیس یہ کالوتم یہ لڑکا رومہ کا حاکم ہو گا اُس دن تمہاری ساری خانہ جنگیاں فرو کر دے گا۔ کہتے ہیں کہ سسرو نے خواب میں مطلق نہ پہچانا کہ یہ بچہ کون ہے تاہم اُس کی صورت حافظے میں نقش ہو گئی۔ دوسرے دن صبح جب وہ مارٹیں کے محلے سے گزر رہا تھا بہت سے لڑکے آتے

آتے ہوئے ملے اور اُن میں سب سے پہلا یہی لڑکا اُکٹیویس تھا جو بعینہ اس ہیئت میں سسرو سے دوچار ہوا جس میں کہ اُس نے خواب میں دیکھا تھا! اس اتفاق پر سسرو ششدر رہ گیا اور بچے سے اُس کے ماں باپ کا پتہ دریافت کیا۔ اُس کا باپ اُکٹیویس کوئی بہت مشہور و ممتاز آدمی نہ تھا اور ماں جولیس سیزر کی بھانجی ایٹیہ تھی۔ اسی وجہ سے سیزر نے جس کے اولاد نہ تھی اسی بچے کو اپنا وارث قرار دیا تھا۔ القصہ اُسی دن سے سسرو کو اس کا خاص خیال ہوگیا اور جب کبھی ملتا شفقت و توجہ سے اس کا حال پوچھتا اور وہ بھی اس مہربانی سے خوش ہوتا، یہ بھی ایک قسمت کی بات ہے کہ اُس کی پیدائش اس زمانے میں ہوئی جب کہ سسرو قنصل تھا۔ غرض یہ وہ اسباب تھے جن کا عام طور پر لوگوں میں چرچا تھا۔ لیکن سچ یہ ہے کہ اس میل کی سب سے بڑی وجہ تو انٹونی کی نفرت تھی جو سسرو کے دل میں بھری ہوئی تھی دوسرے وہ جاہ پسندی جو اُس کی سرشت میں داخل تھی اور اُبھار رہی تھی کہ مطلب برآری کے واسطے نوجوان سیزر کی مدد بہت مفید ہوگی، اس امید کو تقویت اس لئے ہوگئی تھی کہ یہ نوجوان ہر وقت اس کی خوشامد میں مصروف رہتا، یہاں تک کہ ابا جان کہہ کے خطاب کرتا تھا، یہی باتیں سنکر بروٹس اس درجے ناراض ہوا تھا کہ اٹیکس کے نام خطوں میں خود سسرو کو الزام دیتا ہے اور لکھتا ہے کہ باحوالِ ظاہر سسرو محض انٹونی کے خوف سے سیزر کی خوشامد میں مصروف ہے اور ملکی آزادی چاہنے کی بجائے اُسے صرف اپنے واسطے ایک نرم مزاج آقا کی تلاش ہے۔

بایں ہمہ سسرو کے بیٹے کو جو ایتھنز میں فلسفے کی تعلیم پا رہا تھا، بروٹس نے اپنے ساتھ لے لیا اور مختلف فوجی کاموں میں لگا کے خوب سدھا لیا تھا،

سسرو کی قوت شہر میں ان دنوں ہمیشہ سے زیادہ بڑھی ہوئی تھی اور وہ جو چاہتا تھا کر لیتا تھا۔ انٹونی کو مغلوب کر کے اُس نے شہر سے نکال باہر کیا تھا اور دونوں قنصلوں ہرٹیس اور پنسا کو اس کے پیچھے لگا دیا تھا کہ اُسے بالکل سرنگوں کر دیں۔ اُدھر

مجلس ملکی کو آمادہ کر کے نوجوان سیزر کو عصا بردار اور پریٹری کے نشان رکھنے کی اجازت دلوا دی تھی لیکن جب انٹونی کو شکست ہوئی اور ادھر دونوں قنصل مارے گئے تو دونوں فوجیں سیزر کا ساتھ دینے کے لئے متحد ہوگئیں۔ اور اس حیرت انگیز خوش نصیبی پر مجلس ملکی کو بھی اندیشہ پیدا ہوا۔ چنانچہ اُنھوں نے اس عذر پر کہ اب انٹونی فرار ہوگیا ہے فوج رکھنے کی ضرورت نہیں، اُس کے سپاہیوں کو خطاب و عطیات دے کے توڑنا اور اُس کی قوت کو گھٹانا شروع کیا۔

یہ رنگ دیکھ کے نوجوان سیزر گھبرایا اور اُس نے چند دوستوں کی معرفت سسرو سے التجا کی کہ اس سال اپنے اور اس کے واسطے قنصلی کی کوشش کرے۔ ساتھ ہی وعدہ کیا کہ اس ارادے میں کامیابی ہو جاوے تو سسرو کو پورا اختیار ہوگا کہ جس طرح چاہے معاملات ملکی کو انجام دے۔ اُس کی نسبت سیزر اس کا بالکل ماتحت رہے گا کیونکہ اُسے شہرت اور نام کے سوا اور کسی شے کی تمنا نہیں،

واضح رہے کہ یہ سب باتیں، جیسا کہ خود سیزر نے اقرار کیا، محض اپنی حفاظت اور قوت برقرار رکھنے کے واسطے تھیں۔ اور اس اندیشے سے کہ کہیں وہ اکیلا رہ کر تباہ نہ ہو جاوے، اُس نے سسرو کی جاہ پسندی سے فائدہ اُٹھانا چاہا تھا اور اس کو اپنی امداد اور قنصلی کا لالچ دے کر اپنے ساتھ مل جانے کی صلاح دی تھی۔

سسرو نے پختہ کار ہونے کے باوجود اس موقع پر ایسی غلطی کی کہ کبھی نہ کی تھی یعنی ایک لونڈے کے فریب میں آگیا اور اُس کا شریک ہو کر رائیں حاصل کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ حالانکہ اس بات سے اس کے دوست بھی ناراض تھے، یہ بات کہ اُن کی ناراضگی بجا تھی، بہت جلد سسرو پر ظاہر ہوگئی۔ اور معلوم ہوگیا کہ میں نے آپ اپنے پاؤں پر کلہاڑی ماری اور ملک و قوم کی بربادی کا سامان کیا، کیونکہ نوجوان سیزر نے مضبوط ہوتے ہی اور قنصلی پر پہنچ جاتے ہی سسرو کو خیرباد کہی اور خود انٹونی اور لیپی ڈس کے ساتھ مصالحت کر کے اپنی فوجوں کو متحد کر لیا اور کسی موروثی جائیداد کی طرح سلطنت کو آپس میں بانٹ لیا، پھر ان تینوں نے

دوسو ناموں کی ایک فہرست بنائی کہ ان اشخاص کو پہلے قتل کر دیا جائے۔ لیکن ان کا سب سے زیادہ اختلاف سسرو کے متعلق تھا۔ انتونی کہتا تھا کہ جب تک وہ سب سے پہلے نہ مارا جائیگا میں ایک شرط نہ مانونگا۔ لے پی ڈس اس کی تائید میں تھا اور سیزر ان دونوں کی مخالفت کرتا تھا، تین دن تک ان کی خفیہ بحثیں قصبہ بنونیہ کے پاس ہوتی رہیں۔ یہ جگہ دریا کے وسط میں چھاؤنی کے قریب تھی، کہتے ہیں دو دن تک سیزر، سسرو کی موافقت پر اڑا ہا تیسرے دن دب کر اس سے دست بردار ہو گیا ان کی باہمی قرارداد ان شرطوں سے مشروط تھی کہ سیزر سسرو کا ساتھ چھوڑ دے، لے پی ڈس اپنے بھائی پولوس کا، اور انتونی اپنے ماموں لوسیس سیزر کا، یہ گویا صفات رحم و انسانیت کو اپنی خونخواری پر سے قربان کرنا اور دنیا کو یہ دکھادینا تھا کہ جب ایک غضبناک آدمی کے پاس غصہ نکالنے کے لایق قوت ہو تو زندگی میں کوئی وحشی سے وحشی حیوان بھی اس کی برابری نہیں کر سکتا۔

جب یہ سازباز ہو رہی تھی اس وقت سسرو اور اس کا بھائی ٹسکلم کے قریب اپنے دیہی مکان میں مقیم تھے۔ وہیں اس خونی فہرست کا حال سن کر انہوں نے ارادہ کیا کہ سسرو کے ساحلی گاؤں اسٹورا میں پناہ لیں۔ چنانچہ عجیب رنج و تشویش کی حالت میں الگ الگ پالکیوں میں بیٹھ کر روانہ ہوئے اور راستے بھر ٹھیرتے جاتے تھے کہ دونوں پالکیاں برابر آکر پھر باہم دلدہی کی باتیں کرتے لیکن کوئنٹس بہت شکستہ دل ہوئے جاتا تھا اور جب وہ اپنی تہی دستی اور زادِ سفر نہ ہونے پر خیال کرتا تو اس کی ہمت ٹوٹ جاتی تھی کیونکہ وہ گھر سے کچھ لے کر نہ چلا تھا۔ ادھر خود سسرو کے پاس ناکافی سامان تھا، اسی لئے آپس میں صلاح ہوئی کہ سسرو تو جتنا تیز ممکن ہو بھاگ جائے اور کوئنٹس واپس جا کر ضروریات کا بندوبست کرے۔ اسی فیصلے کے مطابق وہ باہم بغل گیر اور رو رو کر ایک دوسرے سے رخصت ہوئے۔

چند ہی روز میں کوئنٹس کی مخبری اس کے نوکروں نے کر دی اور وہ اپنے چھوٹے بیٹے سمیت گرفتار ہو کر مارا گیا، لیکن سسرو، اسٹورا تک بخیریت پہنچ گیا اور فوراً کشتی میں بیٹھکر

بادِ موافق کی بدولت سرکیئم تک چلا آیا مگر یہاں عین اُس وقت کہ ناخدا لنگر اُٹھانے کو تھے وہ کنارے پر اُتر گیا، جس کی وجہ نہ معلوم سمندر کا خوف تھی یا یہ کہ سیزر پر ابھی تک اُسے تھوڑا بہت بھروسہ باقی تھا، چنانچہ کوئی سو فرلانگ براہِ خشکی رومہ کی جانب اُس نے طے بھی کئے۔ لیکن پھر ہمت نے ساتھ نہ دیا اور اپنا ارادہ بدل کے وہ ساحل کو پھر آیا اور ساری رات نہایت پریشانی اور تشویش میں گزاری۔ ایک دفعہ تو اُس نے یہ ٹھان لی کہ چپکے سے سیزر کے گھر میں داخل ہو اور اُس کے گھر کے بتوں کی قربان گاہ پر اپنے تئیں ہلاک کر لے تاکہ اُس پر آسمانی غضب نازل ہو۔ مگر پھر اذیت دیے جانے کے خوف سے اس خیال کو ترک کر دیا اور دیر تک اسی تشویش و اضطراب میں مبتلا رہنے کے بعد اپنے نوکروں کو اُس نے براہِ سمندر کے پی ٹی چلنے کا حکم دیا۔ یہاں اس کا ایک مکان تھا اور یہ مقام گرمی کی شدت میں جب خوشگوار اتیسی ہوائیں چلتی ہیں رہنے کے لائق جگہ سمجھی جاتی تھی،

اس جگہ ساحل کے قریب اپالو کا ایک دیول بنا ہوا تھا۔ جب سسرو کی کشتی کنارے کے پاس پہنچی تو وہاں سے ایک جھلڑ کا جھلڑ کوّوں کا غل مچاتا ہوا اڑا اور کشتی کے دونوں طرف اُتر کے کچھ تو اس میں سے رسیوں پر آ بیٹھے اور کچھ اردگرد قاں قاں کر کے کان کھانے لگے۔ اس بات کو بھی سب نے بدشگونی سمجھا اور سسرو دوبارہ کشتی کنارے پر ٹھیرا کے اپنے مکان میں گیا۔ اور اپنے مختل حواس درست کرنے کے لئے پلنگ پر لیٹ گیا کہ تھوڑی دیر آرام لے، اب بھی بہت سے کوّے کھڑکی پر آ بیٹھے اور منحوس آوازیں نکالتے رہے اور ایک اُتر کر سیدھا اُس بچھونے پر جہاں سسرو منہ لپیٹے پڑا تھا، جا بیٹھا۔ اور چونچیں نار مار کے اُس کے چہرے پر سے کپڑا کھینچ لیا۔ یہ دیکھ کر اُس کے نوکر ایک دوسرے کو شرمانے لگے کہ تمہارا آقا تو قتل ہوا چاہتا ہے اور تم ہاتھ پر ہاتھ دھرے تماشا دیکھ رہے ہو حالانکہ جنگل کے جانور تک اس کی غمگساری اور خبرگیری کر رہے ہیں، غرض وہ سب کے سب آگے بڑھے اور کچھ منت خوشامد سے کچھ زبردستی سسرو کو اُٹھایا اور پالکی میں بٹھا کے کنارے کی طرف لے چلے۔

لیکن اس اثناء میں اس کے قاتل، یعنی ایک یکصدی افسر (سنٹورین) ہرنیس اور ایک ٹربیون پوپی لیئیس (جس کی سسرو نے اس وقت وکالت اور مدافعت کی تھی جبکہ وہ اپنے باپ کے قتل کے جرم میں ماخوذ ہوا تھا) سر پر آپہنچے تھے، انہوں نے دروازے توڑ دیئے اور اندر جب سسرو نہ ملا اور جو لوگ گھر میں تھے اوہنوں نے بھی لاعلمی ظاہر کی، تو کہتے ہیں سسرو کے بھائی کے آزاد کردہ غلام نے، جسے خود سسرو نے علوم و فنون کی اعلیٰ تعلیم دی تھی، پوپی لیس ٹربیون کو خبر دے دی کہ سسرو کی پالکی سمندر کی طرف گئی اور ابھی گنجان اور سایہ دار درختوں کے بیچ میں پگ ڈنڈی پر جا رہی ہوگی۔ یہ اطلاع پاتے ہی ٹربیون تو چند آدمیوں سمیت رستے کے دوسرے سرے پر دوڑ گیا اور ہرنیس اس طرف سے لپکا۔ اسی کو سسرو نے بھاگتے ہوئے آتا دیکھ کر نوکروں کو حکم دیا کہ پالکی زمین پر رکھ دو پھر اس حال میں کہ اس کا جسم غبار سے اٹا ہوا تھا داڑھی اور سر کے بال پریشان تھے اور تکلیف و ماندگی سے چہرہ اترا ہوا تھا۔ اس نے اپنا بایاں ہاتھ عادت کے موافق ٹھوڑی پر جمایا اور اپنے قاتلوں کو ٹکٹکی باندھ کے دیکھنے لگا! یہ ایسا منظر تھا کہ جس وقت ہرنیس نے اس کو مارا تو بہت سے لوگوں نے جو ارد گرد کھڑے تھے اپنے منہ ڈھانک لئے۔ غرض اس طرح کہ گردن پالکی سے نکلی ہوئی تھی، سسرو اپنی عمر کے چونسٹھویں سال قتل ہوا۔ ہرنیس نے اس کا سر کاٹا اور انٹونی کے حکم سے، ہاتھ بھی قلم کئے جن سے اس نے اپنے فیلقوسی خطبات لکھے تھے۔ یہ نام سسرو نے ان خطبوں کو دیا تھا جو انٹونی کے خلاف تحریر کئے تھے اور جو اب تک اسی نام سے مشہور رہیں۔

یہ اعضا بریدہ انٹونی کے سامنے روما لائے گئے تو وہ ایک جلسے میں سرکاری عمال کا انتخاب کر رہا تھا۔ جب معلوم ہوا کہ یہ سسرو کے سر و پا ہیں اور اپنی آنکھ سے دیکھ لیا تو اونچی آواز سے بولا "بس اب وقت ہے کہ ہم اپنے قتل نامے تہ کر دیں!" اس کے سر اور ہاتھوں کو اس نے حکم دیا کہ ممبر پر جہاں سے خطیب تقریریں کرتے ہیں باندھ دیا جائے۔ یہ ایسا نظارہ

تھا جسے دیکھ کر اہل رومہ کانپ کانپ اٹھتے تھے۔ اور اُن کا عقیدہ تھا کہ وہاں سسروؔ کے چہرے کے بجائے اُنھیں خود انٹونیؔ کی صورت نظر آتی تھی۔ بایں ہمہ انٹونیؔ نے اتنا انصاف کیا کہ اُس غلام کو جس نے مخبری کی تھی کوئنٹس کی بیوی پمپونیہ کے حوالے کر دیا جس نے طرح طرح کی عقوبتوں کے علاوہ مجبور کیا وہ خود اپنا جسم کاٹے اور بھون بھون کے کھائے۔ یہ روایت چند مصنّفوں نے اسی طرح لکھی ہے باقی سسروؔ کے آزاد کردہ غلام تیروؔ نے تو اپنی کتاب میں اس غلام کی غداری تک کا کوئی ذکر نہیں کیا۔

ایک عرصے کے بعد، میں نے سنا ہے کہ اُکٹیویَس سیزر اور سسروؔ کے ایک نواسے کا سامنا ہو گیا۔ وہ لڑکا اپنے نانا کی کتاب ہاتھ میں لئے ہوئے تھا۔ سیزر کو دیکھتے ہی دامن کے نیچے چھپانے لگا۔ مگر سیزر کی نظر جا پڑی اور کتاب اس سے لے کر وہیں کھڑے کھڑے اُس کا بڑا حصہ پڑھا اور پھر واپس دے کر کہنے لگا "صاحب زادے یہ ایک صاحب علم اور محبّ وطن شخص تھا"، اور جب اس نے انٹونیؔ کو شکست دی اور خود قنصل مقرر ہوا تو سسروؔ کے بیٹے کو اپنا شریک عہدہ بنا لیا، چنانچہ اسی قنصلی میں مجلس نے انٹونیؔ کی تمام مورتیں منہدم کرا دیں اور جتنے اعزاز ملے تھے سب منسوخ کر کے حکم دے دیا کہ آئندہ اس کے خاندان کا کوئی شخص مرقس کا لقب اپنے نام کے ساتھ نہ لگائے۔ گویا قضا و قدر نے لکھ دیا تھا کہ انٹونیؔ کو اس کی آخری سزا سسروؔ کے اہل خاندان کے ہاتھوں ملے۔



سسرو اور ڈموس تھینز کا موازنہ

سسرو اور ڈموس تھینز کی زندگی کے مشہور سوانح یہ تھے، جو ہمارے علم میں آئے اور اگرچہ ہم ان کی قوت تقریر کا کوئی جچا تلا موازنہ نہیں کرتے تاہم اس قدر لکھنا نامناسب نہ ہوگا ڈموس تھینز ابتدا سے فن تقریر میں کمال حاصل کرنا چاہتا اور اُس نے اپنی تمام فطری یا اکتسابی قابلیتوں کو اس راہ میں صرف کر دیا تھا۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ قوت و زور بیان میں وہ اپنے تمام معاصرین سے بازی لے گیا۔ حسن اور شوکت تقریر میں بڑے بڑے فصحا جنھیں مدح خوانی میں خاص مہارت حاصل تھی اس کے آگے ہیچ تھے اور مدلل اور فن کے اعتبار سے باقاعدہ تقریر کرنے کے معاملے میں فن خطابت کا کوئی اُستاد یا منطقی بھی اِس کا مقابلہ نہ کر سکتا تھا۔ دوسری طرف سسرو اعلیٰ تعلیم یافتہ شخص اور اپنے مسلسل مطالعے کی بدولت علوم کی تمام شاخوں پر بخوبی حاوی تھا چنانچہ درسی اصول پر بے شمار فلسفیانہ تصانیف اُس نے اپنی یادگار چھوڑی ہیں۔ بلکہ اسکے تحریری خطبات میں بھی عام اس سے کہ وہ عدالتی ہوں یا ملکی، یہ بات صاف نظر آتی ہے کہ جا بجا وہ اپنے اظہار علم وفضل کی کوشش کر رہا ہے۔

ان دونوں کی طبیعتوں کا اختلاف بھی ان کی تقریروں سے آشکار ہوتا ہے۔ ڈموس تھینز کی خطابت ظرافت اور تزئین و ترصیع سے بالکل خالی اور سراسر تاثیر و متانت ہے۔ اس میں سے چراغ کی بو نہیں آتی، جیسا کہ پتھیاس نے تمسخر سے کہدیا تھا، بلکہ حزم و احتیاط کی، تقویٰ اور غور و خوض کی اور اس کے طبعی جوش اخلاص کی جھلک ہے۔ اس کے برعکس سسرو کی ظرافت اُسے اکثر ہزل کی حد تک لے آتی ہے۔ وہ قانونی مقدمات میں دل لگی کا اس درجے شوقین ہے کہ اپنے موکل کو جتانے کی خاطر معقول سے معقول دلائل قہقہوں میں اُڑانا چاہتا ہے اور زیبا ناز یبا ہونے کا بھی خیال نہیں کرتا۔ مثلاً جب وہ کیلیوس کی وکالت کر رہا تھا تو تقریر کرتے کرتے کہنے لگا کہ اگر وہ اتنی دولت اور تمول پا کے عیاشی

کرنے لگا تو کیا غضب ہوا؟ جو چیزیں ہمارے قبضے میں ہیں اُن سے حظ نہ اُٹھانا ایک قسم کا جنون ہے کیونکہ مشاہیر حکمانے لذت کو سب سے بڑی نیکی قرار دیا ہے! اپنی قضلی میں بھی جب کیٹو نے مورینا پر مقدمہ دائر کیا اور سسرو نے اُس کی وکالت اپنے ہاتھ میں لی تو کہتے ہیں کیٹو کو بنانے کے لئے وہ دیر تک فلاسفۂ رواقیہ کے اُن مسائل کی ہنسی اڑاتا رہا جنھیں وہ لوگ "معمے" کہتے ہیں۔ اس پر جب حاضرین سے لے کر اراکین عدالت تک کھلکھلا کے ہنسنے لگے تو کیٹو بھی زیر لب مسکرایا اور اپنے پاس والوں سے کہنے لگا "صاحبو، ہمارا قضل بھی کتنا مزیدار آدمی ہے!"

اصل یہ ہے کہ سسرو طبعاً ظریف و بذلہ سنج تھا۔ تبسّم اور بشاشت ہر وقت اُس کے چہرے سے ٹپکتی تھی، حالانکہ ڈموس تھینز ہر گھڑی سوچ میں معلوم ہوتا تھا اور اس کی صورت سے فکر برستا تھا۔ اور شاید ہی کوئی وقت ہوتا ہوگا جو وہ اُس کو دور کر دیتا ہو، بلکہ وہ خود کہا کرتا تھا کہ اسی وجہ سے میرے دشمن مجھکو بدخُلق اور منحوس سمجھتے ہیں۔

یہ بات بھی ان دونوں کی متعدد تحریروں سے ظاہر ہے کہ ڈموس تھینز کبھی اپنی تعریف کرتا بھی تو ضرورت کے وقت اور اس سلیقے سے کہ ناگوار نہ معلوم ہو اور اس سے کوئی اور اہم فائدہ حاصل ہوتا ہو۔ یا نہایت معقولیت اور اعتدال کے ساتھ، لیکن سسرو کے خطبات میں بے حد و حساب خود ستائی اُسے ایک ایسی ہوس شہرت کا مجرم ٹھیراتی ہے جو کبھی سیر نہ ہوتی تھی۔ وہ بار بار صدا لگاتا ہے کہ اسلحہ کو جبّے کے واسطے جگہ خالی کر دینی چاہیے اور سپاہی کے طرّے کو زبان کے آگے سرنگوں ہو جانا چاہیے۔ اور رفتہ رفتہ ہم دیکھتے ہیں کہ اپنے کارناموں سے گذر کر وہ اپنے خطبوں تک کی مدح و ثنا کرنے لگتا ہے اور ان میں صرف تحریری اور شائع شدہ خطبوں پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ جو زبانی تقریریں کیں اُن کو بھی شامل کر لیتا ہے۔ سچ یہ ہے کہ ان موقعوں پر سسرو معلوم ہی نہیں ہوتا کہ رومۃ الکبری کی شجاع قوم کا رہنما اور معلّم ہے، بلکہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ گویا وہ یونان کے بعض مکتبی مقرروں کے

ساتھ ایک طفلانہ امتحان میں مشغول ہے کہ دیکھیں کون اچھا بولتا ہے؟

بے شبہ ایک سیاسی سرگروہ کے لئے عمدہ مقرّر ہونا ضروری ہے۔ لیکن یہ نہایت ذلیل بات ہے کہ کوئی شخص محض تقریر یا لسّانی میں مشہور ہونے کا خواہاں ہو اور اپنی فصاحت کی خود تعریفین کرتا پھرے۔ اس معاملے میں ڈموس تھینز کی عالی ظرفی اور متانت مسلّم ہے کہ وہ عمدہ بولنے کو سوائے اس کے کچھ نہ سمجھتا تھا کہ ایک اکتسابی اور مشق کی چیز ہے جس کی کامیابی کا انحصار بھی زیادہ تر سامعین کی خوشنودی اور انصاف پسندی پر ہے، ساتھ ہی وہ اُن لوگوں کو بہت اوچھا اور دنی الطبع جانتا ہے جو اس قابلیت پر فخر و غرور کریں

لوگوں کی رہنمائی اور حکومت دونوں کو حاصل ہوئیں اور بڑے بڑے سپہ سالار ان کی اعانت کے محتاج رہے۔ چنانچہ کارس، ڈایوفیتس اور لیوستن کو ڈموس تھینز کی ضرورت تھی تو پمپی اور اُگ ٹیوئیس سیزر، سسرو سے طالب امداد تھے، جس کا سیزر نے اپنی مکتوبات بنام اگرپی یا دسیناس میں اعتراف بھی کیا ہے۔ لیکن وہ چیز جس سے مشہور ہے کہ سرشت کا اصلی حال کھل جاتا ہے اور جو آدمی کی بہترین آزمائش سمجھی جاتی ہے یعنی رتبہ و اقتدار، کہ ان کے پاتے ہی انسان کے اصلی جذبات اور نقائص ظاہر ہو جاتے ہیں، ڈموس تھینز کو کبھی میسّر نہ آئی۔ نہ تو اُس نے کوئی بہت بڑا مرتبہ پایا نہ فیلقوس کے خلاف اُن فوجوں کی سپہ سالاری کی جنھیں خود اس کی سحر بیانی نے میدان میں لاکر کھڑا کیا تھا۔ غرض اس قسم کا کوئی امتحان دینے کی اُسے نوبت نہ آئی۔ البتّہ سسرو صقالیہ میں بخشی اور سلیشیہ اور کے پی ڈوسیہ میں صوبہ دار ہوا اور یہ عہدے عین اُس زمانے میں اُسے ملے تھے جب کہ حرص و طمّاعی کی حد گزر گئی تھی۔ بیرونجات کے عمال اور سپہ سالار، شاید چوری کو خلاف شان فعل سمجھ کر، علانیہ مخلوق کو لوٹتے تھے۔ حتیٰ کہ رشوت خواری کوئی قابل لحاظ جرم نہ رہا تھا۔ اور جو اس میں اعتدال برتتا تھا وہ بہت اچھا آدمی سمجھا جاتا تھا۔ اس حال میں سسرو نے اپنی انسانیت،

نیک طینتی اور دولت سے نفرت کے بارہا ثبوت دیے اور جب رومہ میں وہ بڑے نام
تو قنصل تھا لیکن کٹلن اور اس کے ساتھی اہل سازش کے خلاف اسے کل اختیارات مل گئے
تھے، اس وقت اس نے افلاطون کے اس قول کی عملی تصدیق کر دی کہ اگر خوش نصیبی
سے حکومت، دانائی اور عدل ایک شخص کی ذات میں جمع ہو جاتے ہیں، تو اس وقت
قوموں کے مصائب کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔"

ڈموس تھینز کی مذمت میں کہا جاتا ہے کہ اس نے اپنی فصاحت کو پیشہ بنا لیا تھا
اور ایک ہی مقدمے میں فورمین، اور اس کے دشمن اپالوڈورس کو خفیہ تقریریں لکھ دی
تھیں۔ اس پر شہنشاہِ ایران کا روپیہ لینے کا بھی الزام تھا اور ہرپاپوس سے رشوتیں
لینے کے جرم میں وہ سزایاب ہوا۔ اس میں شک نہیں کہ اگر یہ ساری روایتیں (جن
کے متعدد راوی ہیں) غلط مان لی جائیں تو بھی اس کی نسبت، جو اپنے روپے کو سمندری
(تجارت میں) سود در سود پر لگاتا تھا، مستغنی المزاج کہنا درست نہ ہوگا اور نہ یہ تاویل
چنداں وقیع ہے کہ وہ ایرانی روپیہ محض بادشاہ کی خاطر یا لحاظ سے قبول کر لیا کرتا تھا
البتہ سسرو نے اہل صقالیہ کے اور صوبے داری کے زمانے میں شاہ
کے پی ڈوسیہ کے، اور جلاوطنی کے وقت اپنے اکثر رومی احباب کے، بے شمار
تحفے اور نذرانے لینے سے انکار کر دیا تھا، حالانکہ، دینے والوں کو بہت اصرار تھا کہ
وہ انھیں قبول کر لے۔

علاوہ ازیں ڈموس تھینز کی جرم رشوت ستانی میں جلاوطنی کچھ کم شرم کی
بات نہیں بحالیکہ سسرو کو دیس نکالا اس لئے ملا کہ وہ اپنے ملک کو بدمعاشوں کے
ایک گروہ سے پاک کرنا چاہتا تھا۔ لہذا یہ اخراج اس کے واسطے باعث اعزاز

ہے۔ اور یہی وجہ تھی کہ ڈموس تھینز ملک سے بھاگا تو کسی نے پوچھا تک نہیں مگر سسرو کی خاطر مجلس ملکی نے لباس بدل دئیے اور سوگ منایا اور اُس کی واپسی تک کوئی قانون بنانا جائز نہ رکھا۔ جلاوطنی کے ایام میں البتہ سسرو نے کوئی کام نہیں کیا بلکہ کاہلی سے اپنا وقت مقدونیہ میں گزارتا رہا۔ لیکن اسی عالم میں ڈموس تھینز نے جو کچھ کیا وہ اس کی خدمات ملکی کا حصۂ اعظم ہے۔ وہ اپنی جلاوطنی ہی میں شہر شہر گیا اور جیسا کہ ہم لکھ چکے ہیں ہر جگہہ یونانیوں کی طرف سے لڑتا اور مقدونی سفیروں کو نکلواتا پھرا۔ اور اس معاملے میں اسے تھمس طاکلیس اور الکی بیادیز پر بھی فوقیت حاصل ہے کہ ان دونوں نے اپنی جلاوطنی کے زمانے میں ایسا کوئی کام نہیں کیا تھا۔ اس کے بعد مراجعت پر اُس نے خدمت وطن میں کوتاہی نہ کی اور مقدونیہ اور انیٹی پاٹر کی مخالفت میں آخر تک سرگرم کار رہا۔ حالانکہ سسرو پر لی لیس معترض ہے کہ جب اُکٹیویس سیزر جس کی ڈاڑھی مونچھہ بھی ابھی نہ نکلی تھی خلاف قانون قنصلی کے لئے استادہ ہوا، تو وہ مجلس ملکی میں خاموش بیٹھا رہا۔ نیز بروٹس نے اپنے رقعات میں اس پر الزام لگایا ہے کہ جس جبر و استبداد کو ہم نے بہ مشکل ہٹایا، سسرو اس سے بدتر اور گراں تر مطلق العنانی کی طرف داری اور پرورش میں مصروف ہے۔

آخر میں، سسرو کی موت پر ہمیں بہت ترس آتا ہے۔ ایک ضعیف العمر شخص کو اس کے نوکروں کا اس طرح اِدھر اُدھر لئے پھرنا اور اس کا اس بُری طرح بھاگنا اور موت سے، جو طبیعی طور پر بھی قریب پہنچ چکی تھی، یوں چھپ چھپ کے بچنا، اور آخر میں قتل ہونا، واقعی نہایت تاسف انگیز ہے۔ ابتدا میں ڈموس تھینز بھی جان

کے لئے منّت خوشامد کرتا معلوم ہوتا ہے لیکن اس کا زہر تیار کرنا اور اپنے پاس رکھنا ہماری تعریف وتحسین کا مستوجب ہے اور اس سے بھی زیادہ قابل تعریف کام یہ ہے کہ اس زہر سے کام لیا اور کہنا چاہیے کہ جب خدا کے گھر (مندر) میں بھی اُس کے لئے پناہ نہ رہی تو اُس نے ایک قوی تر آستانے کا راستہ اختیار کیا۔ اور سپاہ و اسلحہ سے آزاد کر کے، اَنیٹی پاٹر کے ظلم وستم پر حقارت سے ہنستا ہوا، سدھار گیا۔

تمت بالخیر

اُمرائے ہنود

اِس کتاب میں عہدِ مغلیہ کے ہندو علما و وزرا۔ اکابر و مشاہیر۔ عہدہ داران واُمرا کے مفصّل حالات ہیں جن سے معلوم ہوتا ہی کہ مُسلمانوں کے عہدِ حکومت میں ہندوؤں کے ساتھ کیسی مساوات برتی جاتی تھی۔ قیمت - - - - - - - عہ

تاریخِ تمدن

یعنی سر ہنری طامس بکل کی مشہور تصنیف "ہسٹری آف سویلزیشن" کا اُردو ترجمہ فلسفۂ تاریخ کی یہ بہترین کتاب ہی جس میں تاریخ کے اُصول اسی طرح مرتّب کیے گئے ہیں جیسے کہ طبیعات کے اُصول مُرتّب ہوچکے ہیں۔ مجلّد قیمت - - - - - - - عہ

مبادیِ سائنس

اِس کتاب میں حیوانات، نباتات، حجریات ومعدنیات، کے تمام ابتدائی مسائل نہایت شرح وبسط کے ساتھ لکھّے ہیں۔ اور مولوی معشوق حسین خاں بی اے (علیگ) کا نامِ نامی اس بات کی کافی ضمانت ہی کہ کتاب کے مطالب نہایت آسانی کے ساتھ ذہن نشین آجائینگے۔ مجلّد قیمت - - - - - - - - - - - - - - - ۶ر

فلسفۂ جذبات

علم النفس کے مضمون پر اُردو کیا معنی، عربی۔ فارسی میں بھی کوئی کتاب موجود نہ تھی حالانکہ معیشت کامل کے جتنے عناصر وشعبہ جات ہیں سب کے لیے اس علم کی تحصیل لازمی ہی۔ نیز رازِ ہستی کے انکشاف میں سب سے زیادہ اسی علم سے مدد ملتی ہی۔ اس کے مصنّف ملک کے لائق انشا پرداز مسٹر عبدالماجد بی اے ہیں۔ آخر میں اس علم کے متعلق جس قدر اصطلاحات علمیہ بنائی گئی ہیں اُن کی فرہنگ دے دی گئی ہی۔ قیمت قسمِ اوّل عہ قسمِ دوم - - - - - - - - - - عہ

مقدّمات الطبیعات

مؤلفہ عالیجناب مرزا مہدی خاں صاحب کوکب ایم آر۔ ایس۔ ایم، ایم آر، ایس ای، ایف۔ جی۔ ایس، سابق ناظم محکمۂ مردم شماری ریاست حیدرآباد دکن۔ مرزا صاحب موصوف کو دولت آصفیہ نے خاص علوم طبیعیہ کی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لیے یورپ بھیجا تھا لاجواب تالیف جو اُردو زبان میں اپنی صنف کی پہلی ہی کتاب ہی دو تحمیلِ تعلیم کے بعد عرصے تک اس فن کے مطالعہ اور کامل غور وخوض کا نتیجہ ہی۔ ضرور اس قابل ہی کہ وہ اصحاب جو اُردو میں اعلیٰ درجے کے کتب کا مطالعہ کرنا چاہتے ہیں اس سے پوری طرح استفادہ کریں اصطلاحات کی ایک فرہنگ بھی کتاب کے آخر میں دیدی گئی ہی قیمت عہ مجلّد

بفضلِ خُدا

انسٹی ٹیوٹ پریس میں (جو سر سید علیہ الرحمۃ کا قایم کردہ اور محمڈن کالج کی ملک ہونے کی وجہ سے حقیقی معنوں میں ایک قومی پریس ہی) لوہے اور پتھر دونوں قسم کے چھاپوں میں عربی، فارسی، اُردو، انگریزی غرض ہر قسم کا کام بہت صحت اور کفایت سے ہوتا ہی اور وقت پر دیا جاتا ہی۔ مطبع کو اِس کے قدیم و اہلِ نظر سرپرستوں کی جانب سے جو اسناد حاصل ہوئی ہیں منجملہ اُن کے جناب مولوی سید ہاشمی صاحب مترجم سلسلۂ تجربہ کی بنا پر (اپنی کتاب یونانِ قدیم کو دیکھ کر) تحریر فرماتے ہیں:-

"کتاب بہت خوب چھپی۔ ہندوستان میں اُردو کے بہت کم مطبع اب ایسے رہ گئے ہیں جو وقت پر اچھا کام کردیں اور کم سے کم انجمنِ ترقی اُردو کو تو پچھلے چھ سال سے اس بارہ میں نہایت ناگوار تجربہ ہوتا رہا ہی۔ اس میں کوئی شک نہیں ہی کہ انجمن کی کتابیں جس خوبی سے آپ نے طبع کی ہیں ان کی وجہ سے آپ کا انجمن پر خاص حق ہوگیا ہی۔"

ہر قسم کی خط و کتابت اور درخواست کے لیے پتہ:

منیجر صاحب انسٹی ٹیوٹ پریس علی گڑھ